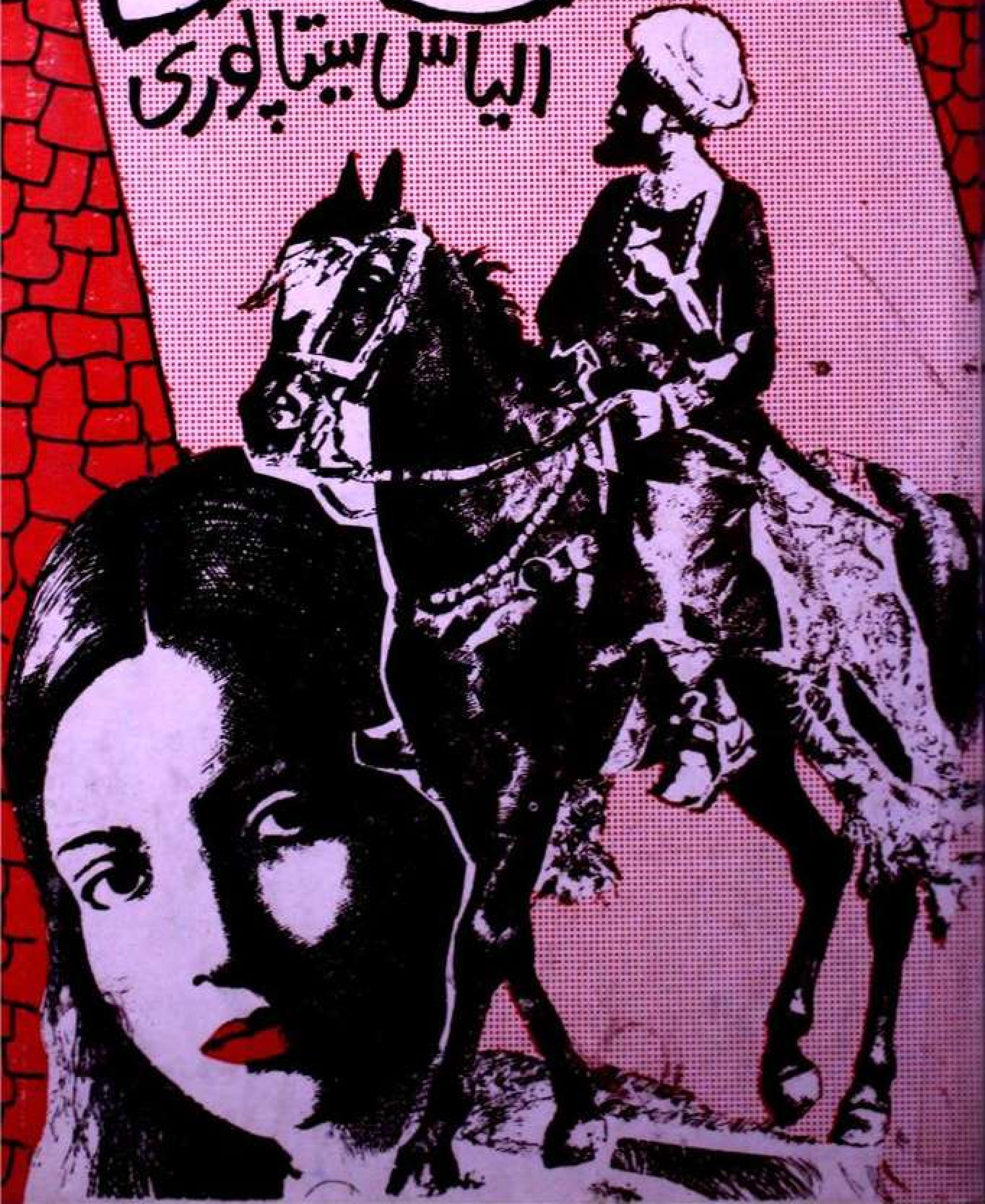
اندھی جنگ

الیاس سیتاپوری



انوکھی چھاتک

الیاس سیتاپوری



نام کتاب - انوکھی جنگ
مصنّف - الیاس سیتاپوری
سن اشاعت - ۱۹۹۰ء
قیمت - -/۴۰ روپے
مطبوعہ - کلر پرنٹنگ پریس دہلی
ناشر - کتاب والا
۲۷۹۴ پہاڑی بھوجلہ دہلی

ایک آدمی کئی چہرے۔ اعتماد بحال اور برقرار رکھنے میں علم اعتمادی کا شکار ہوگیا۔ وہ لوگ جو علم تشدد کے پیرو تھے، تشدد میں مبتلا ہوگئے۔ کمزوروں کی بہادری، بزدلوں کی جان فروشی، اُن کے مقابلے میں بہادروں کا خوف۔ اس ماحول اور اس دنیا کی حکایتیں جہاں مسائل اور جھمیلوں کا ہجوم تھا۔ اس میں ایک باصفت انسان کس طرح زندہ تھا اور اپنے دشمنوں سے کس طرح نپٹتا تھا۔ ایک مثال، ایک سبق۔ ایک ایسا شخص جو بیک وقت جرنیل تھا، ماہر نفسیات تھا، منصف تھا، دوست تھا، دشمن تھا، وہ بہت کچھ تھا۔ داستانوں کے حالات جس میں بہتوں کی کہانیاں موجود ہیں۔

انوکھی جنگ

الیاس سیتاپوری



سلطان الپ ارسلان، خواجہ حسن اور شہزادہ ملک شاہ قلعہ لعل لال کی تسخیر میں مشغول تھے۔ سلطانوں نے اپنی جانیں ہتھیلی پر لے کر آگے بڑھنا جاری رکھا تھا۔ منجنیقیں اور دمدمے ایک حد تک اوپر چڑھا دیئے گئے۔ ان کو نشیب میں آنے سے روکنے کے لئے پہیوں کے نیچے پتھر لگا دیئے گئے تھے اس کے باوجود ان کا روکنا محال ہو رہا تھا۔ وہ پیچھے آ رہے تھے۔ کئی منجنیقوں نے نشیب میں ڈھلک کر روکنے والوں کو کچل کر رکھ دیا تھا۔ لیکن آگے بڑھنے والے ان کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھ رہے تھے۔

سلطان کو جاں بحق ہونے والوں کا دکھ تھا لیکن اسے تقدیر الٰہی سمجھ کر برداشت کر رہا تھا۔

کئی سو جاں باز قلعہ تک پہنچ گئے اور انہوں نے سیڑھیوں کے ذریعہ اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ اوپر سے اچانک پتھراؤ شروع ہو گیا اور چڑھنے والے سپاہی زخمی ہونے لگے۔ سلطان اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا سیڑھیوں تک لے گیا اور نہایت چستی سے چھلانگ لگا کر ایک سیڑھی کی طرف بڑھا اسی وقت اوپر سے ایک پتھر آیا اور سلطان کے پاس سے لڑھکتا ہوا نشیب میں چلا گیا۔

ایک ہزاری منصب دار آگے بڑھا اور سلطان کو سیڑھی پر چڑھنے سے روکا۔

سلطان نے اسے دھکا دیا۔ "بدر الدین! تو یہ کیا کر رہا ہے؟" ہزاری منصب دار بدر الدین نے اپنی گرفت اور زیادہ مضبوط کر دی۔ "آپ کا جو کام ہم کر سکتے ہیں اسے آپ نہ کریں"۔

سلطان نے اسے گھورا۔ "یہ میدانِ جنگ ہے۔ میری کوششوں میں مزاحم نہ ہو مجھے چھوڑ دے۔"

بدر الدین نے سلطان کو پوری قوت سے کھینچ کر ایک منجنیق کی آڑ میں پہنچا دیا اسی دوران ایک بھاری پتھر ایک چٹان سے ٹکرا کر سلطان کے سر سے گزر کر نیچے چلا گیا۔

بدر الدین نے سلطان کو سمجھایا۔ "آپ کی جان ہم سب



سے زیادہ قیمتی ہے۔ اللہ نہ کرے اگر آپ کو کچھ ہو جائے گا تو سلطانوں کے قدم آگے بڑھنے سے رک جائیں گے اور اگر ہم مارے جائیں گے تو ہماری جگہ کوئی دوسرا سردار لے لے گا"۔

سلطان نے بدر الدین کو نہایت غور سے دیکھا۔

"درست۔ تو آگے بڑھ اور وہ کر دکھا جو میں کرنا چاہتا تھا۔"

ہزاری سردار آگے بڑھا اور سیڑھی پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ فصیل پر متعینات عیسائی، سلطانوں کے تیروں کی بوچھاڑ سے بچنے کے لئے سامنے نہیں آ رہے تھے۔

سلطان اوپر پہنچ گئے اور وہاں دو بدو مقابلہ شروع ہو گیا۔ پچاس ساٹھ سلطانوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ ان میں بدر الدین بھی شامل تھا۔

اچانک وہاں سفید جھنڈے بلند ہونے لگے اور گھیرنے والوں نے اپنی تلواریں نیام میں کر لیں۔ سلطانوں کے شمشیر بکف بلند ہاتھ جہاں تھے وہیں رک گئے۔ سفید جھنڈوں سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ یکی جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ وہ صلح اور امن کے خواہشمند تھے۔

بدر الدین نے بہ آواز بلند پوچھا۔ "تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ یہ میں کس سے پوچھوں؟"

فصیل پر سامنے سے کچھ عیسائی چلے آ رہے تھے۔ یہ دس بارہ تھے اور سب سے آگے والے کے ہاتھ میں سفید جھنڈا تھا۔

بدر الدین کے ساتھ ہی یکی بھی اس کو آتا دیکھ رہے تھے۔ اس نے آتے ہی اپنی سپاہ کو حکم دیا۔ "تم لوگ پیچھے جاؤ ہم امن چاہتے ہیں"۔

عیسائیوں نے مقابلہ موقوف کیا۔ بدر الدین یک ہزاری نے اس شخص کو پہچان لیا یہ اس وفد کا سردار تھا جو سلطان سے بات کرنے گیا تھا۔

بدر الدین نے پوچھا۔ "لیکن تو ہے کون اور ہم سے کس حیثیت سے بات کر رہا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "جناب میرا نام راجرس ہے میں آپ کے سلطان سے وفد کے ساتھ مل چکا ہوں، ہم امن چاہتے ہیں۔ ہمارا بادشاہ امن چاہتا ہے اور ہم سلطان سے یہ وعدہ کر کے آئے تھے کہ اپنے بادشاہ سے امن کی بات کریں گے۔ اگر وہ رضامند ہو گیا تو ہم جنگ نہیں کریں گے اور قلعہ کا پھاٹک کھول دیا جائے گا"۔

بدر الدین یک ہزاری نے پوچھا۔ "کیا تیرا بادشاہ صلح کا خواہشمند ہے؟"

راجرس نے جواب دیا۔ "صلح کیسی؟ ہم آپ کے لئے قلعہ اور شہر کا پھاٹک کھول دیں گے، اب آپ فاتح ہیں اور ہم مفتوح۔ آپ لوگ قلعہ اور شہر میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوں گے"۔ بدر الدین یک ہزاری حیران تھا کہ یہ مسئلہ اتنی آسانی سے کس طرح حل ہو گیا۔

راجرس نے کہا۔ "آپ حیران یا پریشان نہ ہوں ہمیں آپ سلطان کے پاس لے چلیں وہاں سارے معاملات طے پا جائیں گے اور ہم قلعہ اور شہر کا پھاٹک آپ کے لئے کھول دیں گے"۔ یک ہزاری بدر الدین، راجرس کو شک و شبہ سے دیکھ رہا تھا۔

راجرس اس کے تذبذب کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کو یقین دلانے کی کوشش کی۔ "آپ ہم پر شبہ نہ کریں۔ اپنے دبابوں کو فصیل سے ملا دیں ہم اس میں بیٹھ کر آپ کے ساتھ سلطان کے پاس چلتے ہیں اور وہاں معاملات اور شرائط کی باتیں کر لیں گے"۔ بدر الدین نے اپنے ساتھیوں کو دبابوں میں واپس بھیج دیا اور خود راجرس اور اس کے ساتھیوں کے ہمراہ ایک دبابے میں بیٹھ کر قلعہ کے باہر نیچے پہنچ گیا۔

سلطان اور اس کے آدمی دبابوں کو واپس آتے دیکھ کر سوالیہ نشان بنے ہوئے تھے۔

جب راجرس اور اس کے ساتھیوں پر نظر پڑی تو سلطان ان کی طرف بڑھا۔ بدر الدین، راجرس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے چلا آ رہا تھا۔

سلطان نے آگے بڑھ کر سوال کیا۔ "یہ جنگ کیوں بند ہو گئی؟ اور یہ یکی تیرے ساتھ کیوں آئے ہیں؟"

بدر الدین یک ہزاری نے کہا۔ "یکی بادشاہ امن چاہتا ہے بقیہ باتیں راجرس کرے گا"۔

سلطان نے فصیل کی طرف دیکھا وہاں سفید جھنڈے لہرا رہے تھے۔

سلطان راجرس اور اس کے ساتھیوں کو اپنے خیمہ میں لے گیا۔ بدر الدین یک ہزاری بھی ان کے ساتھ تھا۔ خواجہ حسن کو بھی یہیں بلوا لیا گیا۔

راجرس نے کہا۔ "میرا بادشاہ یہ چاہتا ہے کہ اس کو امان دی جائے اور شہریوں کو تنگ نہ کیا جائے"۔

سلطان نے اپنی تجویز پیش کی۔ "ہم بادشاہ کو اس شہر سے نکل جانے کی اجازت دے دیں گے اور یہ ہمارا وعدہ ہے کہ شہریوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا"۔

راجرس نے اس تجویز میں ذرا تبدیلی کر دی۔ "اگر پوری فوج قلعہ اور شہر میں داخل ہو گئی تو ہمیں شبہ ہے کہ ہمارے شہری ان سے محفوظ نہیں رہیں گے اس لئے شہر پر قبضہ دو مرحلوں میں کیا

جائے۔"

سلطان نے پوچھا۔ "وہ کس طرح؟"

راجرس نے جواب دیا۔ "فی الحال آپ کے پانچ ہزار فوجی قلعہ میں داخل ہوں گے ہم انہیں قبضہ دے دیں گے۔ کل صبح آپ لوگ اپنے ساتھیوں سے جا ملیں گے۔"

سلطان نے بدرالدین یک ہزاری کی طرف دیکھا۔ "اس شہر اور قلعہ کا فاتح تو ہے اس لئے اب تو یک ہزاری سے پنج ہزاری ہو جائے گا اور قلعہ اور شہر کا قبضہ تو لے گا۔"

بدرالدین کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔

راجرس نے بدرالدین کو مبارک باد دی۔ "ہم آپ کو پیشگی مبارک باد دیتے ہیں۔ آپ ہی وہ ہیں جو دیلوں اور سیڑھیوں کے ذریعہ اپنے سپاہیوں کو فصیل پر چڑھا لے گئے۔ آپ ہی اس شہر اور قلعہ کے فاتح کہلانے کے مستحق ہیں۔"

بدرالدین یک ہزاری اب پنج ہزاری ہو چکا تھا۔ وہ عجز و انکسار سے جھکا جا رہا تھا جواب دیا۔ "یہ تو اللہ کی دین ہے۔ بوئی آگ لینے گئے تھے انہیں پیغمبری مل گئی تھی۔ میں فصیل پر جنگ کرنے گیا تھا فاتح قرار پایا۔"

خواجہ حسن نے بھی مبارک باد دی اور فوج کو یہ خوشخبری سنادی گئی کہ جنگ ختم۔ قلعہ اور شہر پر سلطانوں کا قبضہ اور فتح تسلیم کر لی گئی۔

یہ خوشخبری اور اس کا اعلان دریا کے دوسری طرف بہروز اور مائیکل جولی کو بھی پہنچا شہزادی ہیلینا بھی یہ خوشخبری سن چکی تھی۔ شاعر مائیکل جولی نے کہا۔ "وہ قصیدہ تقریباً تیار ہے اب کیا ہوگا؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "اس کو پورا کرلے کیونکہ جشن فتح میں میں یہ قصیدہ اپنی طرف سے پیش کروں گا۔"

مائیکل جولی نے حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبے سے پوچھا۔ "تو کیا تم قتل ہونے کے لئے تیار ہو؟"

بہروز نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ "دوست! اگر میں قتل بھی کر دیا گیا تو اپنے پیچھے میں اتنا بڑا فتنہ چھوڑ جاؤں گا کہ سلطان بھی کیا یاد کریں گے۔"

شہزادی ہیلینا سلطانوں کی فتح مندی کی قائل تھی۔ اس کے نزدیک یہ کوئی خاص بات نہیں تھی۔

سلطان نے بدرالدین پنج ہزاری کو سپاہ کے ساتھ راجرس کے ہمراہ قلعہ میں بھیج دیا۔ قلعہ کا پھاٹک کھول دیا گیا تھا۔

قلعہ میں عیسائیوں نے سلطانوں کا ہاتھ ہلا ہلا کر استقبال کیا۔ قلعہ کے اندر شہر سے متصل شاہی محل تھا۔ محل کے پھاٹک پر بادشاہ، بدرالدین اور اس کی سپاہ کا انتظار کر رہا تھا۔ راجرس گھوڑا دوڑاتا ہوا بادشاہ کے پاس گیا اور اس کو یہ خوشخبری سنائی کہ سلطان نے اس کی بات مان لی اور اپنی پانچ ہزار فوج بدرالدین پنج ہزاری کی سرکردگی میں قلعہ اور شہر پر قبضہ کرنے کے لئے ہمارے ساتھ کردی ہے۔

بادشاہ نے اپنے ہاتھ ملے اور افسوس کیا۔ "مستقبل کا مورخ اور میری قوم جب یہ سنے گی کہ ہم نے اپنا قلعہ اور شہر جنگ کے بغیر ہی سلطانوں کے حوالے کر دیا تھا تو وہ کیا کہے گی شاید گالیاں دے گی۔"

راجرس نے دلاسا دیا۔ "انہیں ہماری مجبوریوں کا علم نہیں ہوگا۔"

بادشاہ نے آگے بڑھ کے بدرالدین اور اس کی سپاہ کا خیر مقدم کیا۔ بدرالدین نے گھوڑے سے اتر کر بادشاہ سے مصافحہ .... کیا۔ بادشاہ نے آبدیدہ اور گلوگرفتہ آواز میں کہا۔ "اب آپ لوگ اس قلعہ اور شہر کے مالک ہو جائیں گے اور ہم سب آپ کی رعایا۔"

بدرالدین نے کہا۔ "آپ بادشاہ ہیں اور بادشاہ ہی رہیں گے کیونکہ آپ تو یہاں سے چلے جائیں گے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "پہلے ہمارا یہی ارادہ تھا لیکن اب ہم سلطانوں کے زیر سایہ ہی رہیں گے۔"

بدرالدین نے حیرت سے پوچھا۔ "آپ ہماری رعایا بن کے جی لیں گے؟"

بادشاہ نے جواب دیا۔ "کیوں نہیں۔ یہ تو مقدر کا فیصلہ ہے مقدر الٰہی۔ آپ تو مسلمان ہیں آپ سے زیادہ اس نکتہ کو کون سمجھے گا۔"

بدرالدین نے آہستہ سے کہا۔ "خوب۔ اگر یہ بات ہے تو بہت خوب۔"

بادشاہ نے بدرالدین کو آزادی دی کہ وہ اپنی فوج کو جہاں چاہے ٹھہرا دے۔

بدرالدین نے کہا۔ "میں قلعہ اور شہر کا قبضہ لینے آیا ہوں۔ کل صبح سلطان بھی اپنی سپاہ کے ساتھ یہاں آجائے گا۔"

بادشاہ نے اپنا محل خالی کر دیا اور اسے بدرالدین اور اس کی فوج کے حوالے کر دیا۔

بادشاہ نے محل سے نکل کر ایک چھوٹے سے مکان کو اپنے لئے پسند کر لیا۔

بدرالدین نے اپنی فوج کو محل کے چاروں طرف پھیلا دیا

اور اس کو حکم دیا کہ سلطان کی آمد تک تم لوگ آرام کرو بہت تھک چکے ہو۔ فوج نے محل کے چاروں طرف اپنے خیمے نصب کر دیئے۔

بادشاہ نے بدر الدین اور مسلمانوں کی بڑی آؤ بھگت کی اور ان کے اعزاز میں کھانا پکوایا۔ میدان میں دیگیں ہی دیگیں نظر آنے لگیں۔ بدر الدین کو اس پر اعتراض ہوا۔ اس نے کہا۔ "یہ دعوت آپ لوگوں کو سلطان کے اعزاز میں دینا تھی۔ ہمارے لئے خواہ مخواہ کر دی یہ دعوت!"

کھانوں کی خوشبو سے پورا میدان معطر ہو گیا۔ ہر طرف لذت خوشبو ان کے ناک میں داخل ہونے لگی۔

بادشاہ نے شامیانے کھڑے کرا دیئے۔ مسلمان ان شامیانوں کے نیچے بٹھا دیئے گئے۔ بدر الدین اس عزت افزائی سے پریشان ہو رہا تھا۔ اس کو ایک اونچی جگہ پر میرِ مجلس بنا کر بٹھا دیا گیا اور بادشاہ نے شہزادوں اور اپنے وزیروں امیروں کو صف آراء کر دیا۔ دست بستہ مودب۔ ان کے ساتھ وہ نذرانے بھی تھے جو بدر الدین کی خدمت میں پیش کئے جانے والے تھے۔ وہ حیران ہو رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے! راجرس یہاں بھی پیش پیش تھا۔

بدر الدین نے راجرس کو قریب بلایا اور پوچھا۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

راجرس نے جواب دیا۔ "اس وقت آپ ہمارے بادشاہ ہیں۔ ہمارا بادشاہ معزول ہوا۔ بادشاہ کی جگہ لمحہ بھر کے لئے بھی خالی نہیں چھوڑی جا سکتی۔ آپ اپنی بادشاہت اپنے سلطان کے حوالے کر دیں گے۔"

بدر الدین نے کہا۔ "تو نے ہمیں مصیبت میں ڈال دیا ہے شاید سلطان کو ہماری بادشاہت پر اعتراض ہو!"

راجرس نے جواب دیا۔ "اعتراض ہونا تو نہیں چاہئے۔ آپ یہی بات سلطان سے کہہ سکتے ہیں!"

راجرس پیچھے ہٹ گیا اور بادشاہ اپنے غلام کے ساتھ بدر الدین کی طرف بڑھا۔ غلام کے کندھے پر ایک طشت تھا۔ اس طشت میں سونے کے سکے اور ایک مرصع خنجر رکھا تھا خنجر کے دستہ پر قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔

بادشاہ نے یہ طشت بدر الدین کی خدمت میں پیش کر دیا اور اپنی سابقہ بات یہاں بھی دہرا دی۔ "اب آپ ہمارے بادشاہ ہیں اور ہم آپ کی رعایا۔"

بدر الدین نے بادشاہ کو اپنی طرف سے ایک خنجر مرحمت فرمایا۔ بادشاہ کے بعد شہزادے نذرانوں کے ساتھ بدر الدین کے پاس گئے اور وہی الفاظ ادا کئے جو ان کا باپ ادا کر چکا تھا۔ شہزادوں کے بعد وزیروں اور وزیروں کے بعد امیروں نے یہی رسم ادا کی۔

اس کے بعد کھانا شروع ہوا۔ بدر الدین، مسلمان سپاہ، بادشاہ، شہزادے، وزیر اور امیر بھی کھانے پینے میں مشغول ہو گئے۔

مسلمان سپاہ کو بدر الدین کا بادشاہ بننا اچھا نہیں لگا وہ اسے بدر الدین کی غداری قرار دے رہی تھی۔

کھانے کے دوران ایک مسلمان فوجی سردار بدر الدین کے پاس گیا اور سرگوشی میں پوچھا۔ "یہ آپ نے کیا کیا ہے۔ سلطان آپ کو سزا دے گا۔"

بدر الدین نے جواب دیا۔ "میں مجبور تھا۔ میں سلطان کی خدمت میں اپنی صفائی پیش کر دوں گا۔"

مسلم سردار نے کہا۔ "بہر حال یہ اچھا نہیں ہوا۔"

راجرس ہر جگہ پہنچ رہا تھا اور مہمان نوازی یا میزبانی کا حق ادا کر رہا تھا وہ ایک ایک مسلمان سپاہی کے پاس جا کر اور اصرار کر کر کے کھلا رہا۔

کھانا لذیذ تھا۔ مسلمانوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ وہ نڈھال ہوتے جا رہے تھے۔ وہ وہیں نیم خوابیدہ حالت میں ڈھیر ہونے لگے۔

بادشاہ نے اعلان کر دیا۔ "جو یہیں سونا چاہے سو جائے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

بدر الدین نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ "دیکھو یہاں مدہوش مت ہو جاؤ۔ آخر ہم فاتح ہیں اور فاتح ہمیشہ چوکنے اور ہوشیار رہتے ہیں۔"

لیکن بدر الدین کی باتیں وہ اس طرح سن رہے تھے گویا وہ خواب میں کوئی خواب دیکھ رہے ہوں۔

بدر الدین نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "دیکھو تم مدہوش نہ ہو جانا ہم ابھی اپنے میزبان کے مہمان ہیں۔ تم ان کے لئے بوجھ نہ بن جانا۔"

لیکن مسلمان نیم خوابیدگی کا شکار تھے۔ راجرس نے بدر الدین کو سمجھانا چاہا۔ "بادشاہ سلامت! انہیں آرام کرنے دیں ورنہ یہ زبردستی جگائے جانے سے بے خوابی کے مریض ہو جائیں گے۔"

بدر الدین نے کہا۔ "میں پریشان ہوں کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ہم یہاں سونے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ میں انہیں نہیں سونے دوں گا۔"

بدر الدین نے اپنے ان گنے چنے سپاہیوں کو سو جانے والوں کو بیدار کر دینے کا حکم دیا جو ابھی بیدار تھے۔

راجرس مسکرا رہا تھا۔ "جناب والا! اب یہ نہیں جاگیں گے اور جو ابھی تک بیدار ہیں وہ بھی جلد یا بہ دیر ان کے ساتھ ہی سو جائیں گے۔"

بدر الدین سمجھ گیا کہ اس کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔ اس نے تلوار کے ایک وار میں راجرس کو قتل کر دیا اور دوسروں سے جنگ کرنے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اس کے جو ساتھی اب تک ہوش میں تھے انہیں حکم دیا کہ دھوکے بازوں کو جہاں تک نقصان پہنچا سکیں، پہنچائیں اور اس کوشش میں خود قتل ہو جائیں۔ اپنی گرفتاری ہر گز نہ دیں۔

وہ مسلح عیسائیوں میں بکھر چکے تھے۔ بادشاہ نے راجرس کی موت کو خندہ پیشانی سے برداشت کر لیا۔ اپنے سپاہیوں سے کہا۔ "مسلمان جو زندہ ہیں انہیں گرفتار کر لو۔ راجرس کی موت کا غم نہ کرو کیونکہ ایک راجرس پر پانچ ہزار مسلمان قربان کر دیئے جائیں گے۔"

بدر الدین نے اچانک بادشاہ پر حملہ کر دیا، بادشاہ نے خود کو بچانے کی کوشش کی لیکن اس کا بایاں بازو زخمی ہو گیا، اس کی چیخ نکل گئی اور اس نے پہلے حکم کو منسوخ کر دیا۔ "سپاہیو! آگے بڑھو اور جو بچے ہیں انہیں بھی قتل کر دو۔"

وزیر نے بادشاہ کو سنبھالا اور وہاں سے نکال لے جانا چاہا، لیکن بادشاہ نے وہاں سے جانے سے انکار کر دیا۔ "طبیبوں اور جراحوں کو یہیں بلوالیا جائے میں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اترتے اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

دونوں شہزادے دور کھڑے دانت پیس رہے تھے لیکن بدر الدین اور اس کے ساتھیوں کے مقابلے پر جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ بدر الدین اور اس کے کئی سو ساتھی یکجا ہو کر شاہی محل کی دیوار کی طرف بڑھنے لگے۔ وہ عیسائیوں کے محاصرے میں نہیں جانا چاہتے تھے، وہ اپنی پشت کو دیوار سے لگا کر جنگ کرنا چاہتے تھے۔ عیسائی سالار مائیک انجلو آگے بڑھا اور مسلمانوں کا راستہ روک دینا چاہا، اپنے سپاہیوں کو خبردار کیا۔ "انہیں محل کی دیوار تک مت جانے دو اور یہیں گھیر کر قتل کر دو ورنہ یہ ہمارے سپاہیوں کو خواہ مخواہ قتل کر دیں گے۔"

مسلمانوں پر دباؤ بڑھتا گیا مگر انہوں نے محل کی دیوار کی طرف اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔

بدر الدین اور اس کے ساتھیوں نے شامیانوں کی طنابیں کاٹ دیں اور خود باہر نکل گئے۔ شامیانوں کے نیچے دب جانے والی سپاہ کلبلانے لگی۔ مشعلیں بھی الٹ گئیں اور آگ نے شامیانوں اور ان سے متعلقات کو جلانا شروع کر دیا۔ ایک ہنگامہ دارو گیر برپا ہو گیا۔ آگ کے شعلوں نے آس پاس کی فضا کو منور کر دیا تھا۔ اور عیسائی اس مصیبت میں گھر کر بدحواس ہو رہے تھے۔

بدر الدین نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اس آگ نے ہمیں بہترین موقع فراہم کر دیا ہے۔ اب محل کی دیوار کے بجائے گھوڑوں پر سوار ہو کر یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرو۔"

شامیانوں کی آگ کو محل سے دور رکھنے کے لئے اس کو بجھانے کی سرتوڑ کوشش کی جانے لگی۔

زخمی بادشاہ کو نہایت پھرتی سے وہاں سے دور لے جایا گیا، سپہ سالار مائیک انجلو، کئی وزراء اور امراء بادشاہ کے ساتھ تھے، دونوں شہزادے فرار ہو کر محل چلے گئے تھے۔ وہ بادشاہ کو بھی محل ہی میں لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن ضدی بادشاہ محل میں نہیں جانا چاہتا تھا اس کو بدر الدین اور زندہ مسلمانوں کی فکر تھی۔ اس نے اپنے سپہ سالار سے پوچھا۔ "مسلم سردار اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟"

مائیک انجلو نے جواب دیا۔ "ہمارے آدمی ان کا پیچھا کر رہے ہیں۔ وہ بچ نہیں سکتے۔"

بادشاہ نے کراہتے ہوئے پوچھا۔ "مگر وہ ہیں کہاں؟ تو نے یہ کام اپنی قیادت میں کیوں نہیں انجام دیا؟"

مائیک انجلو نے جواب دیا۔ "ہمیں اپنے جان سے عزیز بادشاہ کی دیکھ بھال بھی تو کرنا تھی مسلمان تو ہر حال میں قتل کر دیئے جائیں گے۔"

بادشاہ نے سختی سے حکم دیا۔ "تو میری پرواہ نہ کر اور مسلمانوں کا کام تمام کر، اگر وہ بچ کر نکل گئے تو ہمارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا۔"

مائیک انجلو دل نہ چاہنے کے باوجود بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں وہاں سے چلا گیا۔

بدر الدین اور اس کے ساتھی گھوڑوں پر سوار قلعہ کے پھاٹک کی طرف جا رہے تھے۔ لیکن رات کی تاریکی اور اجنبی جگہ ہونے کی وجہ سے ان کو صحیح راستہ نہیں مل رہا تھا۔ وہ جدھر بھی جا رہے تھے انکل اور اندازے سے جا رہے تھے۔ گھوڑے سرپٹ دوڑانے میں حادثے کا بھی خطرہ تھا۔

بدر الدین نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔ "ہر شخص اپنے طور پر باہر نکلنے کی کوشش کرے اس طرح جو بھی نکل جائے گا سلطان کو اس بھیانک سازش کے بارے میں بتا دے گا۔"

مسلمان منتشر ہو گئے اور ہر شخص اپنے طور پر نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ بدر الدین جس سمت گھوڑے کو بھگا رہا تھا بظاہر اس سمت قلعہ

کا پھاٹک تھا۔ اس نے کافی دور فاصلے پر چراغوں کی روشنی دیکھی جو اس کے خیال میں قلعے کے پھاٹک کی روشنی تھی۔ اس کے ساتھ چند سوار بھی تھے اس نے انہیں بتایا۔ "شاید سامنے قلعہ کا پھاٹک ہے ہمیں پہرے داروں کو قتل کر کے باہر نکل جانا ہے۔"

اس کا ایک ساتھی گھوڑے سمیت ڈھیر ہو گیا۔ شاید سامنے کوئی گڑھا آیا تھا گھوڑا اپنے سوار سمیت اس میں غائب ہو گیا۔

اس کے ساتھی نے رکنا چاہا مگر بدر الدین نے انہیں منع کر دیا۔ "مت رکو ہمارے لئے ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے۔"

آس پاس عیسائیوں کے شور و غل کی آوازیں آنے لگیں۔ تعاقب کرنے والے گھوڑوں کی ٹاپوں سے ان کا سراغ لگا رہے تھے۔ دونوں طرف درختوں کی قطاروں نے رات کو اور زیادہ سیاہ کر دیا تھا۔

چراغوں کی روشنی قریب آتی جا رہی تھی یہاں تک کہ وہ ان کے بالکل قریب بلکہ سامنے پہنچ گئے۔ انہوں نے اپنے سامنے پھاٹک کے بجائے جو عمارت دیکھی اس کا منظر انہیں بتا رہا تھا کہ وہ گرجا گھر ہے۔ اس کے مختلف دروازوں اور کھڑکیوں سے روشنی باہر آ رہی تھی۔ وہ گرجا کے احاطے میں داخل ہو چکے تھے۔ بدر الدین خاصا پریشان ہو چکا تھا اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "افسوس کہ ہم قلعہ کے پھاٹک تک نہیں پہنچ سکے ہمارے سامنے گرجا گھر ہے ہمیں مشورہ دو ہم کیا کریں۔"

ایک ساتھی نے جواب دیا۔ "ہم واپس چلیں اور قلعہ کا پھاٹک تلاش کریں۔"

بدر الدین نے کہا۔ "افسوس کہ ہم کو اس کوشش میں واپس وہیں جانا ہو گا جہاں سے چلے کر بیٹھ تک آئے ہیں اور عیسائی ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔"

گرجا کا دروازہ کھلا اور اس میں سے کوئی شخص ہاتھ میں مشعل لئے باہر آیا۔ بدر الدین کے ساتھیوں نے تلواریں بلند کر لیں۔ مگر بدر الدین نے ان کو منع کیا۔ "یہ کوئی مذہبی شخص ہو گا اس پر تلوار مت چلا دینا۔" بدر الدین خود ہی اس شخص کے پاس چلا گیا۔ مشعل کی روشنی میں وہ کوئی پادری نظر آ رہا تھا۔

اس نے مشعل والا ہاتھ ذرا بلند کیا اور بدر الدین کو دیکھ کر بولا۔ "تم مسلمان ہو! میرا بھی یہی خیال تھا۔"

بدر الدین نے جواب دیا۔ "ہاں میں ... آپ پادری ہیں مذہبی رہنما، کیا آپ ہماری رہنمائی فرمائیں گے؟"

پادری نے کہا۔ "کیوں نہیں تم مجھ سے کس قسم کی رہنمائی چاہتے ہو؟"

بدر الدین نے پادری سے درخواست کی۔ "براہ کرم آپ اپنی مشعل بجھا دیں ورنہ ہمارے تعاقب میں آنے والے اس مشعل کی روشنی میں یہاں تک آ جائیں گے۔"

پادری نے بلا تامل مشعل اپنے پیچھے کھڑے ہوئے آدمی کو دے دی۔ "اس کو اندر لے جاؤ ہم اندھیرے میں ہی باتیں کریں گے۔"

مشعل گرجے میں چلی گئی۔

پادری نے اندھیرے میں پوچھا۔ "ہاں اب بتاؤ کیا کہہ رہا ہے؟"

بدر الدین نے جواب دیا۔ "یہاں ہمارے ساتھ جو کچھ ہوا اس سے شاید آپ واقف نہیں ہیں۔ ہم قلعہ سے نکلنا چاہتے ہیں آپ ہماری رہنمائی کریں۔"

پادری نے کہا۔ "آج تیرے ساتھی قلعہ سے نہیں نکل سکیں گے۔ اس لئے تو اپنے گھوڑے گرجے کے عقب میں پہنچا دے اور میرے ساتھ اندر چل۔ میں وہاں بات کر کے تیرے لئے جو کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔"

بدر الدین نے شبہ ظاہر کیا۔ "قلعہ میں ہمارے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے۔ گھوڑوں کو گرجے کے عقب میں پہنچانے کے بعد آپ ہم سے دھوکا تو نہیں کریں گے؟"

پادری نے جواب دیا۔ "ہم پادری لوگ دھوکا نہیں دیتے۔ تم سب یوں بھی پھنس چکے ہو۔ اگر باہر رہو گے تو پکڑے جاؤ گے میں دھوکا ... یانہ کروں۔"

بدر الدین نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔ "بتاؤ ہم کیا کریں؟"

کسی نے پادری پر اعتماد کرنے کا مشورہ دیا۔ "اس کو بھی ... ویسے بھی ہم فی الحال یہاں سے نہیں نکل سکتے۔"

بدر الدین اور اس کے ساتھی پادری کی رہنمائی میں اپنے گھوڑے گرجے کے عقب میں لے گئے۔ وہاں درختوں کے جھنڈ اور سائے میں گھوڑوں کو کھڑا کر دیا گیا۔ یہ کام پادری نے اپنی نگرانی میں کرایا اور پھر انہیں گرجے میں لے گیا۔ اس کے بعد اپنے دو ساتھیوں کو حکم دیا۔ "کوئی بھی ان کے بارے میں کچھ پوچھے اس کو بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ مسلمان اس وقت گرجے کے مہمان ہیں۔"

پھر وہ ان سب کو گرجے کے ایک چھوٹے دروازے سے نکال کے حجرے میں لے گیا۔

بدر الدین ... کے ساتھی پادری کے نرم اور مفاہمتہ رویے پر حیران تھے۔

پادری انہیں سادہ فرش پر بٹھا کر خود بھی پاس ہی بیٹھ

کہا۔ یہاں ایک کمزور بتیوں والی دو شاخہ شمع روشن تھی۔

پادری نے ان سے کھانے کے بارے میں پوچھا۔ "تم لوگ بھوکے تو نہیں ہو؟ کھانا منگوایا جائے؟"

بدرالدین نے جواب دیا۔ "بادشاہ کے کھانے ہی نے تو برباد کر دیا اب کیا کھانا کھائیں گے ہم۔"

پادری نے انہیں تسلی دی۔ "تمہارے ساتھ بڑی زیادتی ہوئی۔ میں جانتا ہوں لیکن اس فریب کا میری ذات سے کوئی تعلق نہیں۔"

بدرالدین نے شکایت کی۔ "آپ کی قوم اور آپ کے ہم مذہبوں نے تو ایسا کیا۔"

پادری نے کہا۔ "انہوں نے بہت برا کیا۔ بہت برا۔"

بدرالدین نے کہا۔ "آپ چاہیں تو اس کی تلافی ہو سکتی ہے۔"

پادری نے پوچھا۔ "وہ کس طرح؟"

بدرالدین نے جواب دیا۔ "آپ قلعہ سے نکلنے میں ہماری مدد کریں۔"

پادری نے کہا۔ "بہت مشکل ہے یہ کام۔ ماتیگ انجلو اور اس کے سپاہی تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔"

بدرالدین نے کہا۔ "آپ ہمیں راستہ بتا دیں ہم خود نکل جائیں گے۔"

پادری نے اس کو جھڑک دیا۔ "احمقانہ باتیں نہ کر۔ قلعہ کا پھاٹک یہاں سے بہت دور ہے اگر میں راستہ بتا بھی دوں گا تب بھی تم لوگ یہاں سے نہیں نکل سکو گے۔"

بدرالدین نے ادھر ادھر دیکھ کر کمرے کی وسعت کا اندازہ لگایا۔ "کیا ہم سب یہاں قید نہیں ہو گئے؟"

پادری نے برا مان کر اس کو جھڑک دیا۔ "یہ جو تم چند سو زندہ بچ گئے جانتے ہو کیوں اور کس طرح؟"

بدرالدین نے کہا۔ "میں نہیں جانتا۔"

پادری نے کہا۔ "ہماری مہربانی سے ہماری وجہ سے۔"

بدرالدین نے بیزاری ظاہر کی۔ "آپ ہمیں فضول باتوں میں نہ الجھائیں قلعہ کے پھاٹک کا راستہ بتا دیں۔ آگے ہماری قسمت کہ نکل پاتے ہیں یا نہیں؟"

پادری نے گویا اس کی بات سنی ہی نہیں۔ "وہاں بادشاہ کی خصوصی مجلس مشاورت میں جب یہ طے پایا کہ تم کو کھانے میں زہر دے کر ہلاک کر دیا جائے تو وہاں میں نے اور صرف میں نے اس کی مخالفت کی تھی۔ میری بات نہیں مانی گئی تو میں نے خوراک کے داروغہ کو خوف دلایا کہ وہ ایسا نہ کرے۔ اس نے ہماری پوری بات تو نہیں مانی لیکن کچھ کھانے میں زہر نہیں ملایا گیا تم زندہ بچ جانے والوں نے وہی کھانا کھایا تھا۔"

بدرالدین اور اس کے ساتھیوں نے محسوس کیا کہ پادری جھوٹ نہیں بول رہا ہے سچا ہے۔ تو ان کے دل صاف ہو گئے اور انہوں نے کھلے دل سے مشورہ لیا۔ "پھر اب ہم یہاں سے نکلیں گے کس طرح؟"

پادری نے کہا۔ "میں بے بس ہوں یہاں ہر کام جنگی بنیاد پر ہو رہا ہے۔ تم ہمارے مہمان بن کے یہ رات تو گزار لو میں یہاں کسی کو بھی نہیں آنے دوں گا۔ کل رات کو میں یہاں سے نکال دینے کی کوشش کروں گا یہ میرا وعدہ ہے"۔

پادری کی بات مان لینے کے سوا ان کے پاس چارہ ہی نہیں تھا۔ بدرالدین نے پوچھا۔ "کیا یہ غیر محفوظ جگہ نہیں ہے؟"

پادری نے جواب دیا۔ "یہاں اس قلعہ کی ہر جگہ غیر محفوظ ہے۔ تم باہر جاؤ اور جو محفوظ جگہ ہو وہاں چھپ جاؤ۔"

بدرالدین لاجواب ہو گیا۔ "درست، میں نے آپ پر اعتماد کیا، آپ ہماری حفاظت کریں"۔

پادری نے یقین دلایا۔ "یہاں میرے حجرے میں کوئی نہیں آئے گا۔ تم لوگوں کے ساتھ جو کچھ ہوا، میں اس کی تلافی چاہتا ہوں۔ میں اگر تم کو یہاں سے بخیر و خوبی نکال سکا تو یہ سمجھوں گا کہ میں نے کوئی ثواب کا کام کیا۔"

بدرالدین اور اس کے ساتھی یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے کہ عیسائی، سلطان کی لاعلمی اور بے خبری میں کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔

پادری انہیں سمجھانے لگا۔ "اگر میں تم کو یہاں سے نکالنے میں کامیاب ہو گیا تو تم میرا بھی ایک کام کرو گے۔"

بدرالدین نے پوچھا۔ "وہ کیا؟"

پادری نے جواب دیا۔ "اپنے سلطان سے میری طرف سے کہہ دینا کہ جنگ و جدل اور خون خرابا اچھی چیز نہیں، وہ یہاں سے واپس چلا جائے۔"

بدرالدین نے کہا۔ "میں آپ کا یہ پیغام پہنچا تو دوں گا لیکن سلطان میری یا آپ کی بات مانے گا نہیں وہ وہی کرے گا جس کا اس نے فیصلہ کر لیا ہو گا۔"

پادری نے کہا۔ "تب پھر میری یہ بات یاد رکھنا، جو قتل کرے گا خود بھی قتل کر دیا جائے گا، سلطان کے لئے بس یہ کافی ہے۔" پادری نے ان کے لئے بستر کر دیا اور خود کمرے میں چلا گیا۔

بدرالدین حیران تھا کہ یہ کیسا پادری ہے جو مسلمانوں کو پناہ دے رہا ہے اور انہیں بخیریت قلعہ سے بھی نکلوانے میں مدد دے رہا

ہے۔ بدرالدین اور اس کے ساتھی اس کی تعریفیں کرنے لگے۔

حجرے میں ان کے لئے بستر بچھ گئے مگر ان کے لئے بیکار تھے وہ دوسری رات سے پہلے ہی نکل بھاگنا چاہتے تھے۔

پادری نے گرجے کے ہر آدمی کو منع کر دیا تھا کہ کسی کو ان مسلمانوں کے بارے میں کچھ بھی نہ بتایا جائے۔

دوسری طرف مائیک انجلو اپنے آدمیوں کے ساتھ مسلمانوں کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ اس جستجو میں جن مسلمانوں کا آمنا سامنا ہوا انہیں گھیر کر قتل کر دیا گیا۔ ان میں بدرالدین نہیں تھا اور اس کو بدرالدین ہی کی شدت سے تلاش تھی۔ وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ قلعہ کے پھاٹک پر گیا اور وہاں کے محافظین کو مستعد اور چاق و چوبند کر دیا۔ انہیں حکم دیا گیا کہ پھاٹک بند کر دیا جائے اور پھاٹک بند کر دیا گیا۔

شہر کے باہر کھوجیوں کی خدمات حاصل کی گئیں اور قلعہ میں آباد لوگوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی گئی۔

قلعہ کے مختلف راستوں پر گھوڑوں کی ٹاپوں کے نشانات موجود تھے اور کھوجی انہی نشانات پر چل کر گرجا تک پہنچ گئے۔ پادری ان کی آمد کی توقع لگائے بیٹھا تھا۔ گرجے میں وہ انجیل کا مطالعہ کر رہا تھا۔ مائیک انجلو پادری کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ "مقدس باپ! میں چند مسلمانوں کو تلاش کر رہا ہوں......"

پادری نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا کہ وہ اور کوئی بات نہ کرے، اور مختصر سا جواب دیا۔ "گرجے میں مسلمان نہیں ہیں۔"

کھوجی نے کہا۔ "ان کے گھوڑے یہاں تک آئے ہیں وہ یہاں پہنچے ہیں۔" پادری نے پھر وہی مختصر سا جواب دیا۔ "آئے ہوں گے مگر وہ گرجے میں نہیں ہیں۔"

مائیک انجلو پادری سے بحث بھی نہیں کر سکتا تھا۔ خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ "اگر آپ بتا سکتے ہیں تو بتلائیں ورنہ ہمارا منصوبہ ادھورا رہ جائے گا۔"

پادری نے جواب دیا۔ "مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں میری مرضی شامل نہیں تھی۔ مجھے اپنے منصوبے میں مت شامل کرو۔"

صبح قریب تھی اور مائیک انجلو کو منصوبے کے دوسرے حصے پر عمل شروع کر دینا تھا۔ سلطان کی بے خبری میں اچانک اس کی غافل فوج پر حملہ کر دینا۔

بادشاہ کے ہرکارے مائیک انجلو کو تلاش کرتے ہوئے گرجے تک پہنچ گئے۔ زخمی بادشاہ نے مائیک انجلو کو فوراً طلب کیا تھا۔ کھوجیوں کو رخصت کر دیا گیا اور عیسائی سپہ سالار بادشاہ کے پاس چلا گیا۔

بادشاہ کے زخمی بازو کو سفید کپڑے کی پٹی سے باندھ دیا گیا تھا۔

مائیک انجلو نے بادشاہ کی مزاج پرسی کی اور ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ کے پاس وزیر بھی موجود تھا اور چند امراء بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ وہ سب فکر مند نظر آ رہے تھے۔

بادشاہ نے سپہ سالار سے پوچھا۔ "مائیک انجلو! بدرالدین اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟"

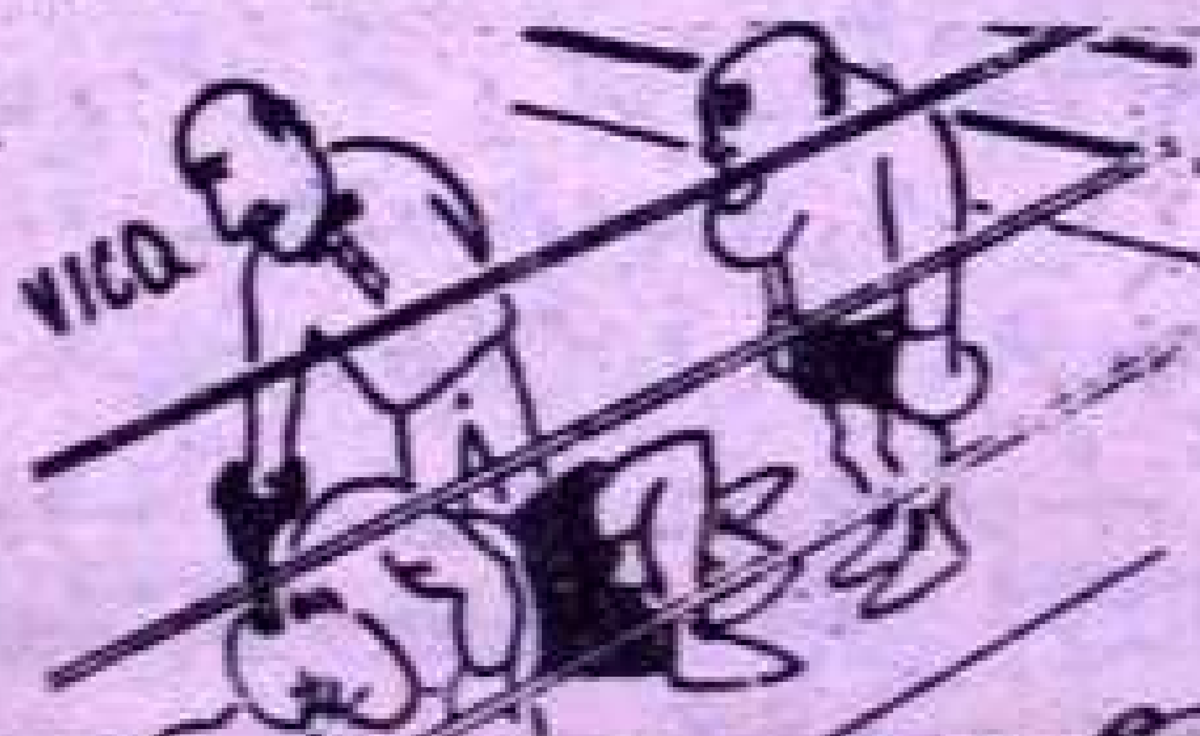
مائیک انجلو نے شرم سے سر جھکا لیا۔ "وہ نہیں ملے انتہائی تلاش اور جستجو کے بعد بھی نہیں ملے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "وہ بچ کر کہاں جائے گا۔ میں بدرالدین کی بات کر رہا ہوں۔"

مائیک انجلو نے بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "وہ بچ کر کہاں جائے گا۔"

بادشاہ نے حکم دیا۔ "صبح قریب ہے۔ سلطان اس خیال میں مگن ہو گا کہ بدرالدین اور اسکے پانچ ہزار سپاہی قلعہ اور شہر پر قبضہ کر چکے ہوں گے اور دن میں کسی وقت وہ بھی اپنی فوج کے ساتھ قلعہ اور شہر میں داخل ہو جائے گا۔ ہم کو سلطان کی اس غفلت سے پورا فائدہ اٹھانا ہے۔"

سپہ سالار نے جواب دیا۔ "میری فوج تیار کھڑی ہے۔ وہ صبح





ڈانا کی ممی نے جو پچھلے چند ماہ سے امید سے تھیں، ڈانا سے پوچھا "بیٹی تمہیں کھیلنے کے لیے چھوٹے سے بھائی کی ضرورت ہے یا چھوٹی سی بہن کی؟"

ڈانا نے غور سے اپنی ممی کی طرف دیکھا۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔ "اگر آپ کو سچ مچ میری خوشی کا اتنا ہی خیال ہے تو مجھے نہ بھائی کی ضرورت ہے نہ بہن کی بلکہ مجھے تو ایک چھوٹا سا گھوڑا چاہیے۔"

اس وقت جب سلطان اور مسلمان فجر کی نماز پڑھ رہے ہوں گے' ان پر حملہ کر کے کاٹ کر رکھ دیں گے اور اس طرح آرمینیا اور دوسرے عیسائی شہروں کو سلطان کی غارت گری سے نجات مل جائے گی۔"

بادشاہ نے کہا۔ "ہاں میں بھی یہی چاہتا ہوں"

مانیک انجلو بادشاہ کے محل سے باہر آیا اور اپنی فوج کو پھاٹک میں لے گیا۔ اس نے اپنی فوج کو بطور خاص ہدایت کی۔ "یاد رکھو ہماری جیت اس وقت ممکن ہو گی جب ہم کم سے کم وقت میں سلطان اور اس کی فوج کے بیشتر فوجیوں کو قتل کر چکے ہوں۔"

مانیک انجلو صبح تک خود بھی پھاٹک میں موجود رہا۔ عیسائی فوج نے مرنے والوں کے لباس پہن لئے تھے۔

شاید مانیک انجلو اپنے حواس میں نہیں تھا وہ کہتا کچھ چاہتا تھا اور زبان کچھ کہہ رہی تھی۔ تاریخ کی عظیم کامیابی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ پھاٹک کا چھوٹا دروازہ کھول دیا گیا ان لوگوں نے فجر کی اذان سنی جو سلطان کے لشکر میں دی جا رہی تھی۔ مانیک انجلو اذان کی آواز سنتے ہی فوج کے ساتھ باہر نکلا۔

سلطان کی نظریں قلعہ پر تھیں اس نے اپنی دانست میں مسلمانوں کو قلعہ سے نکلتے دیکھا تو بہت خوش ہوا۔

اس نے اپنے پہرے دار کو حکم دیا۔ "آنے والوں کو عزت سے ٹھہرایا جائے اتنی دیر میں ہم فجر کی نماز پڑھ لیں گے۔"

مسلمان فجر کی نماز پڑھنے لگے اور عیسائی فوج نے اچانک ان پر حملہ شروع کر دیا اور چشم زدن میں سیکڑوں مسلمانوں کو ذبح کر ڈالا۔ سلطان اپنے آس پاس بے چینی اور چیخ پکار سن رہا تھا لیکن نماز مقدم تھی۔ وہ نماز ادا کرتا رہا۔

مانیک انجلو نے سلطان کے قریب جانا چاہا مگر محافظوں نے اس کو آگے نہیں بڑھنے دیا۔

مسلمان محافظ پریشان تھے کہ یہ کیسے مسلمان ہیں جو مسلمانوں کو قتل کرتے پھر رہے ہیں۔ سلطان کے سپاہی اپنے ہاتھ روکے ہوئے تھے۔

سلطان نماز سے فارغ ہوا تو اپنے محافظوں سے پوچھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

محافظوں نے جواب دیا۔ "بدرالدین پنج ہزاری کے سپاہی ہیں جو اچانک ہی لوگوں کو قتل کرتے پھر رہے ہیں۔ شاید یہ پاگل ہو گئے ہیں۔"

سلطان کی تیز عقل نے معاملہ کو سمجھ لیا۔ "یہ کوئی اور بات ہے تم بھی ان کو قتل کر دو۔"

سلطان نے اپنی فوج میں اعلان کر دیا کہ مسلمانوں کے لباس میں نظر آنے والے عیسائی ہیں۔ میں نے انہیں پہچان لیا اس لئے انہیں قتل کر دو۔"

مسلمانوں کو اب بھی تذبذب تھا اور وہ ان کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتے تھے۔

ان عیسائیوں میں چند مسلمان بھی شامل ہو کر سلطان کی خدمت میں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے خود کو سلطان کو حوالے کر دیا اور قلعہ میں ان کے ساتھ جو کچھ پیش آیا تھا وہ سب سلطان کے گوش گزار کر دیا۔ "وہ سب مارے گئے شاید ہمارے چند ساتھیوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں بچا۔"

سلطان نے بدرالدین کے بارے میں پوچھا۔ "وہ کہاں ہے؟"

جواب ملا۔ "وہ بھی مار دیا گیا ہو گا اپنا تو یہی خیال ہے۔"

سلطان غضب ناک ہو گیا۔ اس نے اپنی تلوار نیام سے نکال لی اور اعلان کیا۔ "یہ اس وقت تک نیام سے باہر رہے گی جب تک کہ قلعہ اور شہر کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دی جائے گی۔"

خواجہ حسن بھی پریشان تھا کہ آخر مسلمان باہم دست و گریباں کیوں ہیں۔

مانیک انجلو نے جب یہ دیکھا کہ سلطان کو حقیقت کا علم ہو چکا ہے اور اس نے جوابی کارروائی شروع کر دی ہے تو وہ گھبرا گیا اور راہ فرار تلاش کرنے لگا۔

سلطان نے نہایت بے رحمی مگر ہوشیاری سے قلعہ کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ قلعہ والوں کو اپنی اور سلطان کی فوج میں تمیز کرنا بے حد دشوار تھا۔ سلطان نے اپنا سفر برق رفتاری سے جاری رکھا اور قلعہ میں داخل ہو گیا۔ قلعہ کی محدود فوج کا تیزی سے صفایا کر دیا گیا۔ سلطان نے اپنی فوج کو بتا دیا کہ ان کے ساتھ کیا دھوکا کیا گیا ہے۔

مانیک انجلو اپنے منصوبے میں ناکام ہو چکا تھا۔ اس کی فوج کا صفایا کیا جا چکا تھا۔ وہ قلعہ میں داخل ہوا اور چھپتا چھپاتا بادشاہ تک پہنچ گیا بادشاہ خود بھی پابہ رکاب تھا مانیک انجلو نے اپنی ناکامی کی داستان سنائی اور بادشاہ کو فرار ہو جانے کا مشورہ دیا۔

بادشاہ کو اپنی ناکامی کا ملال تھا۔ "لیکن ہم ناکام کیوں ہوئے؟"

مانیک انجلو نے جواب دیا۔ "ہم مسلمانوں کے لباس میں ان پر حملہ آور ہوئے تھے اور ہم کو آخر تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ہمارے ساتھ چند مسلمان سپاہی بھی واپس جا رہے ہیں۔ انہوں نے سلطان کو سب کچھ بتا دیا اور اب سلطان اور مسلمان جوش انتقام میں آندھی طوفان کی طرح ہماری بیخ کنی میں مشغول ہیں۔"

بادشاہ کے پاس وقت نہیں تھا۔ وہ وہاں سے نکل کر اپنے دار

الکانہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

سلطان نے قلعہ کو برباد کر دیا۔ وہ عیسائیوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر رہا تھا جو جہاں ملا قتل کر دیا گیا۔ قلعہ کی آبادی کا صفایا کر دیا گیا۔ اس کے بعد وہ شہر میں داخل ہو گیا اور وہاں بھی قتل عام ہونے لگا۔ شہری حیران تھے کہ ان کو کیوں قتل کیا جا رہا ہے۔ ان کا ایک وفد سلطان کے پاس آیا اور اپنے اور اہالیانِ شہر کے لئے عفو رحم کی درخواست کی۔

سلطان نے حقارت سے ان کی درخواست رد کر دی۔ "رحم کیسا؟ معافی کیسی؟"

وفد نے جواب دیا۔ "ہم جنگ نہیں چاہتے اور ہم نے آپ کا مقابلہ بھی نہیں کیا۔"

سلطان نے غصہ میں کہا۔ "پہلے تم نے ہمارا مقابلہ بھی کیا اور ہم سے جنگ بھی کی۔ پھر امن اور صلح کے سفید جھنڈے بھی بلند کر دیئے۔ ہم نے ان جھنڈوں پر یقین کر لیا۔ تمہارے بادشاہ نے ہم سے آدمی مانگے اور وعدہ کیا کہ قلعہ اور شہر کا اقتدار ان کے حوالے کر دیا جائے گا اور پھر جب ہمارے پانچ ہزار جیالے تمہارے وعدے پر بھروسا کر کے قلعہ میں داخل ہوئے تو انہیں دھوکے سے قتل کر دیا گیا اور بے خبری میں ہم پر بھی حملہ کر دیا گیا۔ بولو کیا اس کے بعد بھی تم ہم سے مدد کی امید کر سکتے ہو؟"

وفد نے جواب دیا۔ "آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ ہمارے بادشاہ کے ایما اور حکم پر ہوا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔"

وفد واپس جانے لگا تو سلطان نے اسے روکا اور کہا۔ "تم لوگ رحم کی درخواست لے کر میرے پاس آئے ہو اس لئے میں کم از کم تم کو اور تمہارے خاندان کو معاف کر سکتا ہوں۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں میرے آدمیوں کے ساتھ جاؤ اور یہاں لے آؤ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔"

وفد نے سلطان کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "حضور آپ ہمیں معاف کر دیں بس یہی کافی ہے کیوں کہ ہمارے خاندان نے گرجوں میں اس امید پر پناہ لے لی ہے کہ آپ لوگ عبادت گھروں کا احترام کرتے ہیں اور انہیں نہیں چھیڑتے۔"

سلطان نے کہا۔ "چالاک عیسائیو! اب تم واپس مت جاؤ مبادا کہ تم قتل کر دیئے جاؤ۔" وفد رک گیا سلطان نے کہا۔ "میں عنقریب آپ کے پادریوں، راہبوں اور ننوں کو بلا کر ان سے پوچھوں گا کہ انہوں نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا۔"

وفد نے کہا۔ "آپ کے اس سوال کا ہم پہلے ہی جواب دے چکے ہیں۔ آپ کے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے اس سے پادریوں، راہبوں اور ننوں کا کیا تعلق۔"

سلطان نے یہ دلیل پھر رد کر دی۔ "میں ان سے یہ سوال ضرور کروں گا اور ان سے جواب لوں گا۔"

وفد کو وہیں روک لیا گیا۔ سلطان نے ان کو اپنے خیمے سے دور ایک وسیع و عریض خیمہ دے دیا اور کہا۔ "میں تم کو اپنے قریب بھی خیمہ دے سکتا تھا لیکن تم نے اپنا اعتماد کھو دیا۔"

وفد نے جواب دیا۔ "ہم اپنے بادشاہ اور فوج کی وجہ سے آپ سے شرمندہ ہیں۔"

سلطانوں نے چند دنوں میں شہر کو تباہ و برباد کر دیا۔ بڑی بڑی عمارتیں گرا دیں اور جو گرنے سے بچ گئیں ان کو جلا ڈالا گیا۔ عبادت گھروں کو محفوظ رکھا گیا۔ گرجا بچ گئے خانقاہیں بچ گئیں اور ان میں جو کچھ بھی تھا محفوظ رہا۔

سلطان نے خود کو شہر سے دور قلعہ میں رکھا اور گرجاؤں اور خانقاہوں میں یہ اعلان کرا دیا کہ سلطان پادریوں، راہبوں اور ننوں سے خطاب کرنا چاہتا ہے اس لئے وہ اعلان کے دوسرے دن صبح سلطان کے سامنے پہنچ جائیں وہ ان سے چند باتیں کرنا چاہتا ہے سلطان کا پیغام گرجاؤں اور خانقاہوں میں پہنچا دیا گیا۔ قلعہ کا پادری سلطان کا پیغام سن کر اس کے پاس جانے سے انکار کر رہا تھا۔ اس نے سلطان کو تجویز بھیجی کہ سلطان کو جو کچھ کہنا ہے وہ اس گرجے میں آ کر کہے اور پادریوں، راہبوں اور ننوں کو اس گرجے

ستارے

★ اپنے زخم ایسے لوگوں کو مت دکھاؤ جن کے پاس مرہم نہ ہو۔
★ چاندنی کی طرح چمکو تاکہ راستے میں روشنی بکھیر سکو تاروں کی مانند مت رہو جو پل بھر چمکتے ہیں اور ٹوٹ جاتے ہیں۔
★ لمحات کے سمندر میں وہ لمحہ تلاش کرو جو تمہیں سب سے ممتاز بنا دے۔
★ شمع بن کر بزمِ ہستی میں زندگی بسر کرو تاکہ دوسرے بھی منور رہ سکیں۔

"تنہائی کی زندگی اور شادی شدہ زندگی میں کیا فرق ہے؟"

"تنہائی کی زندگی میں تنہائی کاٹ کھانے کو دوڑتی ہے اور شادی شدہ زندگی میں بیوی!"

میں بلوالیا جائے گا۔

سلطان نے جواب میں کہلایا۔ "میں اس قلعہ اور شہر کا فاتح ہوں اس سلسلے میں میرا حکم چلے گا۔"

پادری نے سلطان کے آدمیوں سے کہا۔ "سلطان کے پاس تمہارے ساتھ میں چلتا ہوں اس سے بالمشافہ بات کر کے اپنی تجویز کا قائل کر لوں گا۔"

چنانچہ پادری سلطان کے پاس پہنچ گیا۔

سلطان نے اپنے آدمیوں سے پوچھا۔ "یہ ضدی شخص میرے پاس کیوں آگیا ہے۔ کیا تم لوگوں نے اس کو یہ نہیں بتایا کہ سلطان کا حکم حکمِ حاکم نہیں بلکہ حکمِ مطلق ہوتا ہے۔"

سلطان کے آدمی نے جواب دیا۔ "جنابِ والا پادری کو بھی اپنی تجویز پر بڑا زعم ہے اور یہ سمجھ کر یہاں آیا ہے کہ اپنی تجویز کو دلیلوں سے حق بجانب اور مناسب ثابت کر دے گا۔"

سلطان نے کس قدر تذبذب اور تامل سے کہا۔ "اچھا اسے حاضر کرو دیکھتا ہوں وہ کیا کہتا ہے۔"

پادری کو سلطان کی خدمت میں پہنچا دیا گیا سلطان نے اسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا۔ پادری کی چوڑی پیشانی اور غیر معمولی جبڑوں نے متاثر کیا۔

پادری بھی سلطان کے دبدبے اور لمبی داڑھی سے کسی قدر مرعوب ہو گیا۔

سلطان نے کہا۔ "جب تجھ کو ہمارا پیغام مل گیا تھا تو اسے من و عن نہ ماننے کی وجہ؟"

پادری نے جواب دیا۔ "سلطانِ محترم آپ نے اور آپ کے مذہب نے مذہبی عبادت گاہوں اور مذہبی پیشواؤں کو جو عزت دی ہے اس کے پیش نظر میں یہاں آنے اور اپنی بات کرنے کی جسارت کر سکا ہوں۔ آپ چاہیں تو اپنی بات کروں اور نہ چاہیں تو یوں ہی واپس چلا جاؤں۔"

سلطان نے کہا۔ "اب جب کہ تو یہاں تک آگیا ہے تو اپنی بات کر۔ میں سنوں گا اور اس پر غور بھی کروں گا۔"

پادری نے کہا۔ "آپ مذہبی پیشواؤں اور راہبوں کو اپنے وعدہ ہمارے ہیں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ یہ اعزاز ہمیں بخشیں، میں سب کو اپنے گرجے میں بلاؤں گا اور آپ وہاں تشریف لائیں گے لیکن جلیل القدر فاتح اور غیر معمولی انسان کو اپنے گرجے کا مہمان بنا کر میں بڑی خوشی محسوس کروں گا اور آپ مجھے اس سے محروم نہیں کریں گے۔"

سلطان ذرا سی دیر میں قائل ہو گیا۔ جواب دیا۔ "تیرے بادشاہ اور تیری قوم نے ہمارے ساتھ جو کیا ہے اس کے پیش نظر جی تو نہیں چاہتا کہ میں تیرے گرجے میں آؤں لیکن پھر بھی میں تیری تجویز پر غور کروں گا۔"

پادری نے دوسری دلیل دی۔ "بیت المقدس کے کلیسا میں آپ کے خلیفہ دوم عمر بن خطابؓ نے قدم رنجہ فرمایا تھا تو تاریخ کے دور میں دوسرے بڑے آدمی آپ ہوں گے جو میرے گرجے میں آ کر ہم سے خطاب کریں گے۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے، میں آؤں گا۔ تو کل صبح سب کو وہیں بلوا لے۔ میں تیرا دل نہیں توڑوں گا۔"

پادری نے زہر بلا وار کیا۔ "سلطانِ محترم اس بات کا مجھے اندازہ تھا کہ آپ کتنے ہی شقی القلب کیوں نہ ہوں میرا دل نہیں توڑیں گے۔"

سلطان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "تو کیا یہ چاہتا ہے کہ میں شقی القلبی کا مظاہرہ کروں۔"

پادری معافی چاہنے لگا۔ "جنابِ والا۔ انسان بھول چوک کا پتلا ہے، اس کوتاہی سے مجھے اپنی زبان اور لہجے پر اعتماد نہیں رہا معافی چاہتا ہوں۔"

سلطان نے کہا۔ "اب تو جا سکتا ہے۔ کل تجھ کو بولنے اور بات کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کیونکہ زبان اور لہجے پر تیرا اعتماد نہیں۔"

پادری چلا گیا اور سلطان کے ندیم اور جلیس اس پر حیران تھے کہ پادری نے سلطان کو کس طرح قائل کر لیا اور یہ کہ سلطان نے "شقی القلبی" کے زہر کو کس طرح گوارا کر لیا۔

سلطان کہہ رہا تھا۔ "یہ کیسے لوگ ہیں جو خود ظلم کرتے ہیں اور اس کا جواب عفو اور درگزری میں چاہتے ہیں۔"

خواجہ حسن نے پادری کی تجویز پر اپنے شبہ کا اظہار کیا۔ "حضورِ والا، یہ لوگ اعتبار کے قابل نہیں رہے۔ پتہ نہیں اب کون سا منصوبہ تیار کیا ہے۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "میں نے انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اب ان کے پاس رونے اور معافی چاہنے کے سوا بچا بھی کیا ہے۔"

خواجہ حسن نے کہا۔ "جنابِ والا ہمارے ساتھ جو کچھ پیش آیا ایک اطلاع کے مطابق اس میں بہروز بھی شامل بتایا جا رہا ہے۔ کہتے ہیں یہ سب کچھ اسی کے مشورے سے ہوا ہے۔"

سلطان چونک پڑا۔ "یہ کس طرح ممکن ہے۔ بہروز تو ہمارے پاس ہے اور ہمارے خلاف سازش محل میں بادشاہ اور اس کے ہم جلیسوں نے تیار کی تھی۔"

خواجہ حسن نے کہا۔ "بادشاہ کے وفد سے بہروز نے مل لے

جاکر جو باتیں کی تھیں کہا جاتا ہے کہ وہاں اس سازش کی بات ہوئی تھی۔"

سلطان چپ ہو گیا۔ کچھ دیر اس شک کے مختلف پہلوؤں پر غور کرتا رہا۔ اس کے بعد پوچھا۔ "اس شبے کی بنیاد کیا ہے؟ اور وہ کون لوگ ہیں جو اس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "ہمیں وہ پہلا آدمی نہیں مل رہا جس نے بہروز سے یہ بات سنی تھی کہ لعل لال والے سلطانوں کو وہ سبق دیں گے کہ ہمیشہ یاد رکھیں گے"۔

سلطان نے کہا۔ "بس پہلے اس آدمی کو تلاش کرو جس نے بہروز کی یہ باتیں خود سنی ہوں۔ اس کے بعد اس مقدمہ پر غور کیا جاسکتا ہے"۔

لیکن بہروز کے خلاف سلطان کے دل میں شبہ ضرور پیدا ہو گیا تھا۔ سلطان نے اپنے پانچ ہزار سلطانوں کو تلاش کیا۔ بیشتر کی لاشیں مل گئیں۔ کچھ زندہ مل چکے تھے اور کچھ ایسے تھے جن کی نہ تو لاشیں ملی تھیں اور نہ ہی زندہ ہونے کی کوئی خبر تھی۔ وہ مذہبی پیشواؤں سے خطاب کرنے جا رہا تھا مگر اس کا دل صاف نہیں تھا۔ وہ اپنے مرنے اور گم ہونے والوں کا غم شدت سے محسوس کر رہا تھا۔

قلعہ کے گرجا میں شہر کے تمام مذہبی پیشوا اور تنیس یک جا ہو گئیں۔ وہ اس خوفناک اور اپنی دانست میں خونخوار فاتح کو ایک نظر دیکھنا چاہتی تھیں۔

سلطان اس وقت تک اپنے خیمہ سے باہر بھی نہیں آیا جب تک قلعہ کے گرجے کا پادری اس کو لینے نہیں آیا۔ یہ پادری اپنے چند رفیقوں کے ساتھ سلطان کو اپنے ساتھ لے جانے کے لئے آیا۔

سلطان نے شہزادہ ملک شاہ اور تیس جاں بازوں کو ساتھ لیا اور گرجے میں پہنچ گیا۔

پادری نے داخلے سے پہلے سلطان سے درخواست کی۔ "جناب والا! یہ گرجا ہے اس کے احترام میں اگر آپ لوگ ہتھیار باہر ہی رکھ دیں تو کرم ہو گا"۔

سلطان نے صاف انکار کر دیا۔ "افسوس کہ میں یہ غلطی نہیں کر سکتا۔ مروت اور خوش اخلاقی اپنی جگہ لیکن تم لوگوں نے لپنا اعتماد مجروح کر دیا ہے"۔

پادری لاجواب ہو گیا۔ سلطان، شہزادہ ملک شاہ اور سلطان کے چند محافظ اسلحہ سمیت گرجے میں داخل ہو گئے اور بقیہ باہر پہرا دیتے رہے۔

سلطان کو کتب القدما کی میز کے پاس لے جایا گیا۔ پادری راہب اور تنیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سلطان کو دیکھ رہے تھے۔

سلطان کی دلوں میں اترنے والی نظریں انہیں خوفزدہ کر رہی تھیں۔ پادری نے سلطان کو بولنے بات کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ سلطان کی شان میں نثری قصیدہ پڑھنے لگا۔

"حضرات اور سامعین کرام! اس وقت تمہارے سامنے سلطانوں کا وہ فاتح ہے جو نسلاً اور نسباً سلطان نہیں ہے۔ خانہ بدوش ترک قوم کا یہ سلطان فاتح چند نسلوں سے سلطان ہے۔ سلطان عالم اور مبلغ ہم سے زیادہ چست اور ہوشیار تھے انہوں نے ترکوں کو سلطان کر لیا اور انہیں اپنی کوششوں کے بدلے میں ترک فاتحین کی ایک نسل ہاتھ آ گئی۔ اگر مسیحیت کامیاب ہو جاتی تو یہ لوگ آج مسیحی ہوتے اور ہمارے لئے کام کر رہے ہوتے"۔

سلطان نے اسے ٹوک دیا۔ "فضول باتیں مت کرو کام کی باتیں کرو اور ہمیں بولنے کا موقع دو"۔

پادری نے اپنی تقریر جاری رکھی۔ "سلطان اپنی فوج کے ساتھ ہمارے درمیان آیا۔ افسوس کہ سلطانوں کے ہتھیاروں نے ہمیں بھی ہتھیار باندھنے پر مجبور کر دیا پھر جس طرح ہر انتہائی اور شوقین طبع انسان اپنے فن اور صلاحیتوں کا اظہار بڑی بے چینی اور پھوہڑپن سے کرتا ہے ہم عیسائیوں نے بھی اپنے ہتھیاروں کے استعمال میں اس بے چینی اور پھوہڑپن کا مظاہرہ اپنی جلد بازیوں اور حماقتوں کی شکل میں کیا۔ ہمارا بادشاہ جو احمق اور جلد باز ہے سلطانوں سے بد عہدی کا مجرم اور گناہ گار ہے۔ سلطان اسے جو بھی سزا دیں گے اس میں حق بجانب ہی ہوں گے۔ آج ہم سب کی گردنیں شرم سے جھک چکی ہیں۔ سلطانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا شاید اس سے زیادہ ہمیں اس کی سزا دی جا چکی ہے۔ سلطان نے آبادی کو برباد اور عمارتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ جو کچھ ہوا بہت برا ہوا اور ہم اس کے باوجود یہ کہہ رہے ہیں اور اس بربادی کے طفیل ہمیں سلطان الپ ارسلان کا نیاز حاصل ہو گیا اور آج ہم اسے بہت قریب سے دیکھ رہے ہیں۔ اپنوں میں کھڑا دیکھ رہے ہیں"۔

شاید ہجوم نے پادری کی باتیں پسند نہیں کیں۔ وہ بالکل خاموش تھے اور جوش و خروش کا مظاہرہ نہیں کر رہے تھے۔

پادری کہتا رہا۔ "میں نے بادشاہ کو ایسا کرنے سے منع کیا تھا۔ میں بے بس تھا بادشاہ نے وہی کیا جو بادشاہ عموماً کرتے ہیں۔ میں نے اس کی بد عہدی اور دغابازی کا دکھ دل و دماغ پر یکساں محسوس کیا۔ اس وقت میرے دل سے یہ دعا نکل رہی تھی کہ خداوند مسیح مجھے ایک ایسا موقع رحمت فرمائیں کہ میں اس کا ازالہ کر سکوں۔ میری بھوک پیاس اڑ گئی اور میں نیند تک سے

محروم ہو گیا۔ پھر خداوند مسیح نے میری دعا سن لی اور مجھے ایک موقع مرحمت فرما دیا۔ میں نے اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ میرے پاس چند مسلمان قلعہ کے پھاٹک کا راستہ پوچھتے ہوئے آئے۔ مجھے معلوم تھا کہ ان کا پیچھا کیا جا رہا ہے اور اگر ان کو پھاٹک کا راستہ بتا بھی دوں گا تب بھی وہ نکل نہیں سکیں گے اور اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح آخر کار قتل کر دیئے جائیں گے۔ میں نے انہیں پناہ دی اور ان کو قتل ہونے سے بچا لیا۔ یہ کوئی اتنا بڑا کارنامہ تو نہیں ہے جو ہماری اپنی بدعہدی اور دغابازی کے ازالے میں پیش کیا جائے لیکن میں نے مقدور بھر کچھ کیا ضرور ہے۔"

اس کے بعد پادری حجرے سے بدرالدین اور اس کے ساتھیوں کو لے آیا۔ اور انہیں سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا۔

"آپ کی یہ امانت میرے پاس تھی اسے پیش کر رہا ہوں۔"

سلطان اور اس کے ساتھی شہزادہ ملک شاہ انہیں زندہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

بدرالدین اور اس کے ساتھیوں کی نظریں نہیں اٹھ رہی تھیں سلطان نے غم، غصہ اور خوشی کے ملے جلے جذبے سے پوچھا۔

"بدرالدین! تو ابھی زندہ ہے!"

بدرالدین سلطان کے سامنے جھک گیا۔ "زندہ بھی ہوں اور شرمندہ بھی۔ میں اپنی غلطی پر بری طرح شرمندہ ہوں۔"

سلطان نے کہا۔ "تجھ سے تو میں بعد میں بات کروں گا۔ اس وقت تو میں تیرے محسن سے مخاطب ہوں۔"

پادری نے کہا۔ "اب میں سلطان کی ہر بات سننے کے لئے تیار ہوں۔"

سلطان نے جوابی تقریر نہیں کی۔ صرف یہ کہا۔ "پادری نے اپنی صفائی جس طرح پیش کی ہے اس کے بعد میرے پاس کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں رہ گیا۔ رہ گئی یہ بات کہ اگر مجھ سے یہ پوچھا جائے کہ میں نے قلعہ والوں اور شہریوں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے کیا میں اس پر شرمندہ ہوں تو میرا یہی جواب ہو گا کہ نہیں۔ ان کے ساتھ جو کچھ کیا گیا وہ اس کے مستحق تھے۔"

ایک دوسرا پادری کھڑا ہو گیا اور سلطان سے پوچھا۔ "یہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں اس سے توبہ کیوں نہیں کر لیتے؟"

سلطان کو غصہ تو آیا لیکن غصہ پی لیا۔ "تو میرے قریب آجا۔ میں تیرے سوال کا جواب ضرور دوں گا۔"

لیکن پادری دبک گیا۔ وہ سلطان کے پاس نہیں گیا۔ سلطان نے کہا۔ "اگر میرا اتنا ہی خوف غالب تھا تو سوال کیوں کیا؟"

ایک نن نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔ "آپ نے ایک نن سے شادی کر لی جو بدترین گناہ ہے۔ کیا آپ ندامت نہیں محسوس کرتے؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "میں نے اس کو خام خیالی اور خوش فہمی سے نکال کر ثواب کا کام کیا ہے اور ثواب کے کام پر کون نادم ہوتا ہے؟"

حاضرین بالکل خاموش ہو گئے۔ اب کوئی سوال بھی نہیں کر رہا تھا۔ سلطان نے کہا۔ "عیسیٰ کا دین منسوخ ہوا۔ اس کی شریعت مسترد کر دی گئی۔ دین اسلام اختیار کر لو۔ ہمارے مبلغ تمہارے پاس آئیں گے ان کی باتیں غور سے سنو اور سچا راستہ اختیار کر لو۔ میرے پاس تم کو راضی کرنے کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔"

سلطان نے گرجے میں گھوم پھر کر ہر چیز غور سے دیکھی۔ ان لوگوں سے مختصر سی باتیں کیں اور انہیں تحمل کی بات سمجھائی۔

"عدم تشدد فضول سا رویہ ہے۔ اس سے انسان کمزور اور عاجز و بے نوا ہو جاتا ہے اور کمزوری انسان کو سازش اور دغابازی کی طرف لے جاتی ہے۔ اس ایک مرض سے دوسرے کئی مرض پیدا ہو جاتے ہیں۔ میری باتوں پر غور کرنا اور دنیا کی حقیقتوں کو سمجھنے کی کوشش کرنا۔"

گرجے سے باہر نکل کر سلطان نے بدرالدین کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔

"دشمنوں کی دعوت قبول کرنا کہاں کی دانائی ہے۔ تو نے ذرا سی غلطی سے میری فوج کا قیمتی حصہ برباد کر دیا۔"

بدرالدین نے عاجزی سے عرض کیا۔ "مجھ سے غلطی ہوئی میں شرمندہ ہوں۔"

سلطان نے کہا۔ "شرمندہ تو میں ہوں۔ تو کیا شرمندہ ہو گا۔ میں نے تجھ کو ایک ہزاری سے پانچ ہزاری کر دیا۔ غلطی تو میں نے کی تھی۔"

بدرالدین رونے لگا۔ "مجھے کوئی سزا بھی دیں مجھے معاف نہ کریں۔"

سلطان نے کہا۔ "میں کیا سزا دوں گا۔ سزا تو جو ملنا تھی مل گئی۔"

سلطان نے خیمہ میں واپس پہنچ کر پہلا کام یہ کیا کہ فوج میں اعلان کر دیا کہ جو کٹری اور بربادی کا سلسلہ روک دیا جائے۔

سلطان نے بیبیں اپنی بیوی شہزادی ہیلینا اور دوسروں کو بھی بلوا لیا۔ بہروز کے بارے میں خواجہ حسن نے جو بات کی تھی وہ اس کے دل میں پھانس کی طرح چبھی رہ گئی تھی اور وہ اپنے اس مخمصے کی

تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

بہروز نے قلعہ اور شہر کی بربادی کا جو منظر دیکھا تھا اس سے اس کی روح کانپ گئی۔ سلطان نے اس کو حکم دیا۔ "تو جا اور بدعہدوں اور دغابازوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔"

بہروز نے جواب دیا۔ "میں ان کا انجام کیا دیکھوں گا جو کیا تھا اس کی سزا پائی۔"

سلطان نے پوچھا۔ "کیوں کیا بات ہے؟ کیا تجھ کو اپنے ہم مذہبوں کی بربادی پر دکھ ہو گا؟"

بہروز اپنے دکھ کو چھپانا چاہتا تب بھی ناکام رہتا۔ جواب دیا۔ "محترم سلطان! میں عیسائیوں میں پلا بڑھا ہوں جس سے میرا ایک مزاج بن گیا ہے اب اگر میں مسلمان بھی ہو جاؤں تب بھی میرا دل ایسے مناظر پر ضرور کڑھے گا۔"

سلطان نے کہا۔ "بہروز میں نے تجھ پر اعتبار کیا ہے۔ اب تو جا کر شہریوں کو دیکھ۔ ہم نے ان پر بھی اعتبار کیا تھا اور پھر اس اعتبار کو دھوکے سے ختم کر دیا۔ تیرے لئے شہر اور شہریوں کو عبرت کی نظر سے دیکھنا ضروری ہے۔ جا ذرا شہر میں گھوم پھر لے۔"

حکم حاکم مرگِ مفاجات۔ بہروز شہر اور شہریوں کو دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔

مائیکل جولی اس کا باہر انتظار کر رہا تھا۔ وہ تو مسلمانوں کے خیموں کے سرے پر کھڑا بہروز کو آتے دیکھ رہا تھا۔

بہروز اپنے خیالوں گم تھا اس نے مائیکل جولی کو نہیں دیکھا۔

مائیکل جولی نے پیچھے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ بہروز نے کانپ کر پیچھے دیکھا اور مائیکل جولی کو دیکھ کر اطمینان کی سانس لی۔ "میں تو ڈر گیا تھا؟"

مائیکل نے پوچھا۔ "کیا سلطان کے پاس سے آ رہے ہو؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہاں اور میں بہت پریشان ہوں۔"

مائیکل جولی نے تسلی دی۔ "تم تو حوصلہ مند انسان ہو۔ پریشان کیوں ہو؟"

اس نے جواب دیا۔ "سلطان نے مجھ کو ایک عجیب حکم دیا ہے؟"

مائیکل جولی نے پوچھا۔ "وہ کیا؟ کیسا حکم؟"

اس نے جواب دیا۔ "سلطان نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں شہر اور شہریوں کی بربادی کو عبرت کی نگاہ سے دیکھوں۔ اس نے کہا بدعہد اور دغابازوں کو میں یہی سزا دیتا ہوں۔"

مائیکل جولی کو مذاق سوجھا۔ "میں نے تسلط افزائی کا قصیدہ تیار کر لیا ہے کہو تو آج سلطان کی خدمت میں پیش کر دوں۔"

بہروز نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ "اس قسم کی باتیں بھی

ابن ماجہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "جب دسترخوان بچھایا جائے تو کوئی شخص دسترخوان سے نہ اٹھے جب تک دسترخوان نہ اٹھا لیا جائے۔"

کراچی — علی رضا خان

نہ کر۔ جب اس قصیدے کی ضرورت ہو گی میں خود لے لوں گا۔"

مائیکل جولی نے اس کو سمجھایا۔ "بہروز! ایسی باتیں نہ کرو شاید تم نے کبھی اس کے انجام پر نہیں غور کیا۔"

بہروز نے جواب دیا۔ "دیکھو مائیکل! میں خوب جانتا ہوں کہ مجھے اس کی کیا سزا ملے گی۔ میں سب کچھ جانتے بوجھتے تجھ سے قصیدہ چاہتا ہوں۔"

شاعر نے جواب دیا۔ "قصیدہ تیار ہے جب چاہو لے لو۔ لیکن میں اس کے بعد یہاں نہیں نظر آؤں گا۔"

بہروز نے خواہش ظاہر کی۔ "میں شہر جا رہا ہوں تو میرے ساتھ چل، دل بہل جائے گا۔"

مائیکل جولی نے اس کا ساتھ دیا اور اس کے ساتھ شہر اور شہر والوں کا حالِ زار چشمِ عبرت سے دیکھنے روانہ ہو گیا۔

زمین بوس یا جلی ہوئی عمارتوں کے سلسلے دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ ان میں انسانوں کے آسیب آباد تھے ورنہ ہر طرف خاموشی تھی۔ ہو کا عالم تھا۔ انسان یا تو بھاگ گئے تھے یا پھر مار دیئے گئے تھے۔ لاشیں مل رہی تھیں۔

دونوں ایک دوسرے کے ساتھ، لیکن ایک دوسرے کے وجود سے بے خبر دلوں پر افسوس اور غم کا بوجھ لئے بوجھل بوجھل چلتے رہے۔ مکانوں میں مال تو موجود تھا لیکن مال والے نادارد تھے۔ کھانے کی چیزیں نظر آئیں تو مائیکل جولی کا جی چاہا کہ اٹھائے اور اپنے گھر والوں کے لئے لے جائے لیکن بہروز نے ایسا نہیں کرنے دیا۔ اس کو سلطان اور سلطان کے مخبروں کا خوف تھا جو ان دونوں کے آس پاس کہیں بھی موجود ہوں گے۔

مائیکل جولی نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ "یہ کمزور اور بے کس لوگ اگر اپنے ہتھیاروں سے کام لیتے تو شاید شہر کا یہ حال نہ ہوتا۔ طاقت اور اس کا استعمال از حد ضروری ہے۔"

بہروز خاموش رہا۔ وہ اپنی رائے نہیں دینا چاہتا تھا۔ عمارتوں اور مکانوں کے انہدام پر ایک چوھدی ایسی بھی مل گئی جس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اونچی دیواروں میں کیا تھا یہ جاننا کوئی دشوار نہ تھا۔ ان لوگوں کی بستی جو دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا سے دور اور بیگانے تھے۔ راہبوں اور ننوں کی بستی یہاں پھاٹک کو اوپر سے بند کر دیا گیا تھا۔ اور پھاٹک پر کوئی آدمی بھی نہیں تھا۔ دونوں نے باری باری پھاٹک پر دستک دی مگر اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ یہاں انسانی وجود کے آثار تھے اور دونوں کا جی چاہتا تھا کہ ان سے ملیں اور باتیں کر کے دل کا بوجھ ہلکا کریں لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔

پھر انہیں ایک ایسا آدمی نظر آیا جو اپنے کاندھے پر کھانے کا سامان لادے چلا آرہا تھا۔ جسم پر لباس معمولی اور میلا تھا۔ جس سے پتہ چلتا تھا کہ دنیا سے بیزار اور نفرت کرنے والا انسان ہے۔

مائیکل جولی نے ذرا آگے بڑھ کر راستہ روک دیا۔ "تو کہاں رہتا ہے؟"

اس نے شاعر کے جسم پر لباس اپنوں جیسا دیکھا تو سکون ملا۔ پوچھا۔ "کیا سلطانوں نے تجھ کو معاف کر دیا؟"

شاعر نے جواب دیا۔ "مجھ کو معاف نہیں کیا بلکہ میں تو مسلم ہوں اور سلطان کے ساتھ رہتا ہوں۔"

آدمی نے کچھ دیر تو مائیکل جولی کی شکل دیکھی پھر بہروز کو بھی دیکھا اور جواب دیئے بغیر ہی جانے لگا۔

بہروز نے پوچھا۔ "تو کہاں رہتا ہے؟ اس چوھدی میں؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہم نے دین کی خاطر دنیا چھوڑ دی اور سلطان اور اس کے آدمیوں نے ہمیں بے ضرر اور دین دار دیکھ کر معاف کر دیا۔ تم چاہتے تو تم بھی یہی کرتے اور مسلمان ہو کر گنہگار نہ ہوتے۔"

مائیکل جولی نے کہا۔ "معافی کا لفظ کمزوروں میں عام ہے۔ مجھ کو اس لفظ سے گھن سی آنے لگی ہے۔"

بہروز نے پوچھا۔ "اندر کیسے جاؤ گے؟"

آدمی نے جواب دیا۔ "اس پھاٹک کے علاوہ بھی ایک دروازہ ہے۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں کو چوھدی کی پشت پر لے گیا۔ یہاں چھوٹا سا ایک دروازہ تھا جو کھلا ہوا تھا۔ دونوں اس آدمی کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔

اس نے چلتے چلتے کہا۔ "جب تک یہ شہر آباد تھا ہمیں سامان کے لئے باہر نہیں جانا پڑتا تھا لوگ خود ہی پہنچا دیتے تھے۔"

اندر عمارت بھی موجود تھی پتھروں کی بنی ہوئی۔ سیکڑوں حجروں پر مشتمل۔

بہروز نے کہا۔ "لاؤ کچھ سامان مجھے دے دو۔ تم تھک گئے ہو گے۔"

اس نے بہروز سے اچانک سوال کیا۔ "کیا تو بھی تو مسلم ہے؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "نہیں میں اب بھی مسیحی ہوں حالانکہ سلطان کے ساتھ ہی رہتا ہوں۔"

آدمی چلتے چلتے ایک دم رک گیا۔ اس کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ "کیا تو اب بھی مسیحی ہے اور سلطان کے ساتھ رہتا ہے؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "ہاں میں نے جو کچھ کہا سچ کہا۔"

آدمی نے پوچھا۔ "اور مسلمان کبھی تجھ سے یہ نہیں کہتے کہ تو مسلمان ہو جا؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "وہ تبلیغ تو کرتے ہیں لیکن جبر نہیں کرتے اور تبلیغ کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

آدمی کی دلچسپی بہروز میں بڑھ گئی، کہنے لگا۔ "تو اب بھی مسیحی ہے، آ میرے ساتھ۔ تو تو بھلا آدمی لگتا ہے۔"

مائیکل جولی احساسِ کمتری محسوس کر رہا تھا اس آدمی نے اسس کو نظر انداز کر دیا تھا۔

وہ بہروز سے کہہ رہا تھا۔ "حالانکہ بتایا یہ جارہا ہے کہ مسلمان پیٹ یا گلے پر تلوار رکھ کے کہتے ہیں کہ مسلمان ہو جا ورنہ قتل کر دیا جائے گا۔"

بہروز نے جواب دیا۔ "نہیں، وہ اس طرح نہیں کرتے۔"

دو، حجروں کے باہر کھڑے ہوئے راہب اور ننیں اپنے آدمی کے ساتھ دو اجنبیوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر شاید پریشان تھے۔ ان راہبوں میں ایک وہ بھی تھا جو راجر س کے ساتھ وفد میں شامل تھا۔ اس نے بہروز کو پہچان لیا۔ اس کی قلعہ کے باہر سلطان کی فوج میں اس سے بھی ملاقات ہو چکی تھی۔ اس نے بہروز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں اس سے واقف ہوں۔ یہ عیسائی ہے اور ہمارا دوست ہے۔"

راہب نے قریب آنے پر بہروز کا خوش اخلاقی سے استقبال کیا اور معنی خیز نظروں سے مائیکل جولی کو دیکھا۔ بہروز نے کہا۔ . .

"یہ جلجیا کا شاعر ہے۔ پہلے عیسائی تھا اب مسلمان ہے لیکن ہمارا ہمدرد ہے اس لئے اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے"۔

راہب افسردہ ہو رہا تھا، بولا۔ "آؤ میرے ساتھ اندر آؤ یہاں تو قیامت ہی گزر گئی۔"

وہ ان دونوں کو اپنے حجرے میں لے گیا۔ وہاں چٹائی پر تینوں بیٹھ گئے۔ قریبی دیوار کے طاقوں میں عود دان رکھے تھے اور ان کے دھوئیں سے فضا معطر تھی۔ ایک طرف حضرت مریم اور حضرت مسیح کی تصویر آویزاں تھی۔ مسیح اپنی ماں کی گود میں تھے اور فضا ان کے نور سے منور ہو رہی تھی۔ راہب نے کہا۔ "ہماری قسمت نے ہمارا ساتھ نہیں دیا ورنہ آج نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔"

بہروز نے کہا۔ "قسمت کی خرابی اپنی جگہ اصل مسئلہ منصوبے کی خامی تھا۔ منصوبہ رواروی میں بنا اسی طرح اس پر عمل ہوا ہم سب ناکام ہو گئے۔"

راہب یہ بات ماننے کو تیار نہیں تھا۔ پوچھا "ناقص منصوبہ بندی کیسی؟"

بہروز نے سرد آہ بھری۔ "اب ان فضول باتوں کو بھلا دو۔ اس سے ہمیں کیا فائدہ پہنچے گا۔"

راہب نے کہا۔ "نہیں یہ کیا بات ہوئی۔ ہمیں اس کا علم ہونا چاہئے۔"

بہروز نے جواب دیا۔ "کھانے میں زہر کی آمیزش صحیح طرح نہیں ہوئی، پہلی غلطی، دوسری غلطی یہ کہ بچ جانے والوں کو گرفتار یا قتل نہیں کیا جا سکا۔ تیسری غلطی یہ کہ ہمارے آدمیوں نے مسلمانوں کا لباس پہن لیا اس طرح ان کے ساتھ چند مسلمان بھی سلطان تک پہنچ گئے اور سلطان ہماری منصوبہ بندی سے واقف ہو گیا پھر یہ کہ عیسائیوں کے ساتھ مسلمان بھی قلعہ میں داخل ہو گئے۔ اس کے علاوہ عیسائی سپہ سالار کو اپنے لشکر جرار سے اسلامی لشکر پر حملہ آور ہونا تھا اس سے مسلمانوں کا لشکر سلطان سمیت چشم زدن میں صاف کر دیا جاتا اس کا نتیجہ یہ ہوا ہر کام بے دلی سے ہوا اور ہم نے اس کا خمیازہ جس طرح بھگتا ہے ہم سب کے سامنے ہے۔"

راہب نے کہا۔ "ہم سلطان کو اتنا ظالم نہیں سمجھتے تھے۔"

بہروز نے سلطان کی طرفداری کی۔ "سلطان اور مسلمانوں کے ساتھ ہم نے جو کچھ کیا اس کا جواب یہی ہو سکتا تھا۔"

راہب نے حیرت سے پوچھا۔ "تم مسلمانوں کی طرفداری کر رہے ہو حالانکہ وہ حملہ آور ہیں ہم نے تو جو کچھ کیا اپنے بچاؤ میں کیا تھا۔"

بہروز نے کہا۔ "دنیا طاقتور کا ساتھ دیتی ہے۔ مسیحی دنیا کمزور ہے اور کمزور کو گلہ کرنے کا کوئی حق نہیں۔"

راہب اداس ہو گیا۔ "ہمیں کیا ہے ہم شہر ہی چھوڑ دیں گے اور کسی ویرانے کو آباد کریں گے۔ البتہ مسئلہ بادشاہوں اور شہروں کا ہے وہی اس کا کوئی حل نکالیں گے۔"

بہروز نے کہا۔ "یہ مسئلہ ہم سب کا ہے۔ آپ کا بھی بادشاہوں کا بھی اور شہروں کا بھی اور اس کا حل یہ ہے کہ مسیحی دنیا ایک ہو جائے، متحد ہو کر اس مصیبت کا مقابلہ کرے۔"

راہب نے جواب دیا۔ "وہ ہو رہا ہے۔ ہمارا ایک وفد قسطنطنیہ چلا گیا۔ اس کا کوئی نہ کوئی نتیجہ تو نکلے گا۔"

بہروز نے سرگوشی میں کہا۔ "میرے پاس وقت نہیں ہے۔ پتہ نہیں کب مار دیا جاؤں۔ ویسے بھی سلطان اور خواجہ حسن مجھ پر شک کرنے لگے ہیں۔ میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں متحد ہونے کی تلقین کروں، بس اس کے سوا کچھ نہیں۔ اب میں جا رہا ہوں۔"

راہب نے پوچھا۔ "تمہارا یہ پیغام کس کے نام ہے؟"

بہروز کھڑا ہو گیا۔ "پوری مسیحی دنیا کے نام۔ آپ میرا پیغام دور دور تک پہنچا دیں۔"

راہب نے شاعر کی طرف دیکھا "اس کو دوبارہ مسیحی بنالو۔"

بہروز نے جواب دیا۔ "میرے لئے یہی کافی ہے کہ یہ آج بھی ہمارا اور مسیحی دنیا کا ہمدرد ہے؟"

مائیکل جولی شرما رہا تھا۔ "اب میں دوبارہ عیسائی ہونے کو تیار نہیں اور یہ بھی طے ہے کہ میں کسی عیسائی کو نقصان بھی نہیں پہنچاؤں گا۔"

راہب ان دونوں کو باہر چھوڑنے آیا۔ "دوسرے راہبوں اور ننوں نے ان دونوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی۔"

خانقاہ سے باہر نکل کر بہروز خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ مائیکل جولی نے اسے مشورہ دیا۔ "یہ جو تم ہر کسی سے دل کی باتیں کرنے لگتے ہو یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

بہروز نے برا سا منہ بنایا ایسا جیسے حلق کے نیچے تلخ دوا اتر رہا ہو۔ "مائیکل جولی! تو میرے سینے میں برپا اس طوفان کا اندازہ نہیں لگا سکتا جو مجھے مستقل حرکت میں رکھے ہوئے ہے۔ میں سلطان اور مسلمانوں کو برباد کر کے رہوں گا۔"

مائیکل جولی نے جواب دیا۔ "اگر یہ بات ہے تو میں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں گا کیوں کہ تم جس قسم کی باتیں کر رہے ہو وہ ایک نہ ایک دن تمہارے ساتھ مجھے بھی برباد کر سکتی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ تم وہ سب نہیں کر سکتے جس کا اپنی باتوں میں ذکر کرتے رہتے ہو۔"

بہروز نے کرب زدہ لہجہ اختیار کیا۔ "مجھے کوئی پرواہ نہیں میں پیدائشی تنہا ہوں۔ پیدا ہوا تو ماں نے رات کی سیاہی میں مجھے

گرجے کے در پر چھوڑ دیا۔ پادریوں اور راہبوں نے میری پرورش کی اور پھر انہوں نے بھی مجھے چھوڑ دیا۔ میں نے دو عشق کئے اور دونوں میں ناکام رہا۔ میں شہزادی وملکہ جیلینا اور سلطان کو ہرگز معاف نہیں کروں گا۔ میں وہ کر دکھاؤں گا کہ لے بڑی۔"

مائیکل جولی اس کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گیا۔ "میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم سلطانوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔"

بہروز نے بھی اس کو نہیں روکا اس نے اسے چلے جانے دیا۔ وہ دیر تک شہر کی بربادی کا نظارہ کرتا رہا۔ خانقاہ کے باہر عیسائیوں کا کہیں کوئی پتہ نہ تھا۔

وہ شہر کی اس بستی میں گیا جہاں ہنرمند رہتے تھے اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے بستی میں بڑی چہل پہل دیکھی۔ اس بستی کا ایک مکان بھی ویران یا برباد نہیں تھا۔

بستی کے بچے گلی کوچوں میں کھیل رہے تھے اور شور مچا رہے تھے۔

بہروز ان کے پاس کھڑا ہو گیا۔ بستی کے بوڑھوں نے اس کو اپنے درمیان میں لے لیا اور اس سے سلطان کی خیریت دریافت کی۔ یہ لوگ سلطان کے بڑے احسان مند اور شکر گزار تھے۔ اس نے پوچھا۔ "سلطانوں نے تم کو کیوں معاف کر دیا؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "وہ ہمارے ہنر کے بچے قدر دان ہیں اور انہوں نے ہمیں یہ یقین دلایا ہے کہ ہم آزادی سے بلا خوف وخطر رہیں ہمیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔" مسلمان ان سے کام بھی لے رہے تھے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس طرح مسلمان عیسائیوں میں پھوٹ ڈالتے جا رہے ہیں۔ عیسائیوں کا نچلا طبقہ مسلمانوں سے خوش تھا اور یہی مسلمان بھی ہو رہا تھا۔ اس انکشاف نے اس کا حوصلہ ختم کر دیا۔ وہ روہانسا ہو گیا دل شکستہ اور مایوس۔

مسلمان مبلغ یہاں بھی اپنا کام انجام دے رہے تھے اور جو عیسائی مسلمان ہو رہے تھے وہ سلطان کی فوج میں شامل ہو رہے تھے اور یا پھر ہنرمندوں میں جگہ پا رہے تھے۔

ان حالات میں سلطان بدرالدین پر کوئی توجہ نہیں دے سکا۔ بدرالدین کو ایک خیمے میں نظر بند کر دیا تھا۔ بدرالدین بڑی بے چینی سے اپنی سزا کا انتظار کر رہا تھا۔

سلطان کو جس قسم کی خبریں مل رہی تھیں وہ ان کی روشنی میں غیر جذباتی فیصلے کر رہا تھا۔ اس کو بتایا گیا کہ بہروز خانقاہ میں کافی دیر رہا اس نے کہا۔ "کوئی بات نہیں۔"

اس کو بتایا گیا کہ بہروز کے ساتھ مائیکل جولی بھی تھا، سلطان نے جواب دیا۔ "دو انسان ساتھ رہ سکتے ہیں یہ کوئی خاص بات نہیں۔"

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ سلطان نے ان خبروں کا کوئی اثر وقتی نہیں لیا تھا۔ اس نے مائیکل جولی کو چوری سے بلوا کر پوچھ لیا کہ بہروز نے خانقاہ میں کس کس سے ملاقات کی اور کس سے کیا بات ہوئی؟ مائیکل جولی نے جواب دیا۔ "راہب شکایتیں کر رہے تھے کہ مسلمانوں نے شہر اور شہریوں کو برباد کر ڈالا اس پر بہروز نے یہ کہا کہ بادشاہ اس کی فوج اور شہریوں نے مسلمانوں سے جو دغابازی کی تھی اس کا اور کیا جواب ہو سکتا ہے۔"

لیکن سلطان اس تفصیل اور سوال جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ مائیکل جولی سلطان سے نظریں نہیں ملا رہا تھا۔

سلطان نے کہا۔ "خانقاہ میں وہ شاید کافی دیر رہا تو شاید خاموش رہا۔"

مائیکل جولی نے جواب دیا۔ "وہاں باتیں تو زیادہ ہوئیں لیکن سب فضول اور غیر متعلق تھیں۔"

سلطان نے پوچھا۔ "تو نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن ارکان اسلام پورے نہیں کر رہا آخر کیوں؟"

مائیکل جولی یہ سن کر بدحواس ہو گیا۔ "میں نماز پڑھتا ہوں، زکوٰۃ نہیں دیتا کہ ابھی صاحبِ نصاب نہیں ہوں۔ حج کیونکر کروں، اتنی حیثیت نہیں، جہاد میں حصہ لوں گا لیکن فن سپہ گری سیکھ کر اور اس میں کچھ وقت لگ سکتا ہے۔"

شاعر کی باتوں سے سلطان نے اندازہ لگا لیا کہ وہ غیر معمولی ذہین ہے۔ اس نے شاعر کو دربار سے رخصت کر دیا۔ اس کے بعد اس نے بدرالدین کو طلب کر لیا۔

بدرالدین نادم و شرمندہ نظریں جھکائے سامنے کھڑا ہوا۔

اس وقت خیمہ میں اور کوئی نہیں تھا۔

سلطان کچھ دیر بدرالدین کو دیکھتا رہا۔ پھر پوچھا۔ "میں نے تجھ پر کتنا اعتماد کیا تھا؟"

بدرالدین کو ہلکی سی جنبش ہوئی شاید وہ کانپ گیا تھا۔

سلطان نے کہا۔ "میں نے سنا ہے کسی بادشاہ نے تجھ کو سلطان بنا دیا تھا۔"

بدرالدین پھر خاموش رہا۔

سلطان نے مزید کہا۔ "اس نے مجھ کو نہیں ایک سلطان ایک فاتح کو اپنے دسترخوان پہ مدعو کیا تھا۔"

بدرالدین کے دونوں شانے ہلے اور پھر وہ ساکت ہو گیا۔

سلطان برابر کچھ کہے جا رہا تھا۔ "اور اس نے شاید یہ بھی کہا تھا کہ ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو اپنے قلعہ اور شہر کی کنجیاں دے

دے گا اور شاید یہ بھی تو کہتا تھا کہ بس آج سے تو اس کا بادشاہ ہے وہ تمہاری رعایا۔"

بدر الدین نے عرض کیا۔ "آپ جو بھی کہیں گے میں اس کی تردید نہیں کروں گا یہ سب درست ہے۔"

سلطان نے تلخی سے کہا۔ "اس کے بعد کیا ہوا یہ تو بتائے گا۔"

بدر الدین نے جواب دیا۔ "اس کے بعد میرے سپاہیوں کو زہر کھلا کر ہلاک کر دیا گیا۔ میں زندہ رہا سلطان کو اپنی منحوس شکل دکھانے کے لئے۔"

سلطان نے پوچھا۔ "تو اب تجھ کو کیا سزا دی جائے؟"

بدر الدین نے جواب دیا۔ "مجھے قتل کرا دیا جائے۔ کیونکہ میں ہزاروں مسلمانوں کا قاتل ہوں۔"

سلطان خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا، شاید فیصلہ۔ وہ انصاف کرنا چاہتا تھا، ایسا انصاف، جو دوستوں اور دشمنوں کو یکساں پسند آئے۔

بدر الدین امید و بیم کے درمیان معلق تھا، اس کے سامنے اب کوئی مستقبل بھی نہیں تھا۔ اب وہ صرف سزا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سزائے موت یا پھر ملازمت اور خدمت سے سبکدوشی۔

سلطان نے تاسف انگیز لہجے میں کہا۔ "افسوس کہ میرا خیال تھا کہ تو پنج ہزاری کا اہل ہے لیکن تو اس کا اہل نہیں ہے اور اب تو پنج ہزاری نہیں رہا، منصب یک ہزاری جس پر تو پہلے فائز تھا اس پر اب بھی بدستور فائز رہے گا۔"

بدر الدین کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ "عظیم سلطان کا عظیم فیصلہ۔"

سلطان نے کہا۔ "غلطی کون نہیں کرتا، ہم سب کرتے ہیں۔ انہی غلطیوں کی سیڑھیوں سے ہم اونچے اونچے قلعوں تک پہنچ جاتے ہیں۔ تو آئندہ ہشیار رہے گا اور خود کو پنج ہزاری کا مستحق ثابت کر دے گا۔ میں اپنے آدمیوں کو ضائع نہیں کروں گا، ان سے کام لوں گا، بار بار کام لوں گا کیونکہ میں ان سے مایوس نہیں ہوں۔"

بدر الدین رونے لگا، آنسوؤں سے اور ہچکیوں سے۔

سلطان نے کہا۔ "جا، اب تو آزاد ہے اپنے کام حسبِ انجام دے، رونے سے کچھ حاصل نہیں۔"

بدر الدین سلطان سے چمٹ جانا چاہتا تھا لیکن اتنی ہمت نہ کر سکا۔ اس نے ایک نظر سلطان پر ڈالی اور خیمہ سے نکل گیا۔

سلطان کچھ دیر خاموش بیٹھا رہا، اس کے بعد خواجہ حسن کو اپنے خیمہ میں طلب کیا۔ جب وہ آ گیا تو اس سے کہا سنو بھی۔ "بدر الدین اب پنج ہزاری نہیں رہا۔ اب وہ حسبِ سابق یک ہزاری ہے اور بدستور کام حسبی انجام دے گا۔"

خواجہ حسن نے بہی دہشت سے عرض کیا۔ "لیکن اس پر تو غفلت، کوتاہی اور جاہل کا مقدمہ چلنے والا تھا۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "ہاں اس پر مقدمہ چلا تھا ابھی کچھ دیر پہلے اور اس پر کوئی جرم ثابت نہیں ہو سکا اس کے سوا کہ وہ منصب پنج ہزاری کا اہل نہیں تھا اور میں نے اس کو یہ منصب دے دیا تھا گویا میں خود بھی غلطی پر تھا۔ سزا دی جائے تو دونوں کو دی جائے اس لئے میں نے اس کو اس کے سابقہ منصب پر بحال کر دیا۔"

خواجہ حسن نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ "اب وہ کہاں ہے؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "وہ باہر کہیں ہو گا اب وہ نظر بند نہیں ہے۔"

خواجہ حسن کو سکتہ سا ہو گیا۔ سلطان بڑا عظیم ہے۔

سلطان نے کہا۔ "باہر جاؤ اور فوج کو میرے اس فیصلے کی خبر کر دو۔"

سلطان شہزادی ہیلینا کے پاس چلا گیا۔ وہ کسی سلسلے میں پریشان تھا اس نے شہزادی ہیلینا سے پوچھا۔ "تو بھی سمرقند سے اچھی طرح واقف ہے، بتا وہ کیسا انسان ہے؟"

شہزادی ہیلینا سہم گئی کہ معلوم نہیں اس سوال کا کیس مقصد کیا ہے، سلطان اس سے کیا معلوم کرنا چاہتا ہے؟

سلطان نے کہا۔ "بول ہیلینا! میں نے تجھ سے کچھ پوچھا ہے؟"

شہزادی ہیلینا نے جواب دیا۔ "جہاں تک میں جانتی ہوں، وہ ایک ٹھکرایا ہوا محروم انسان ہے اور بظاہر میں کتنا کچھ ہے اور کرتا کچھ ہے۔"

"وہ کیا چکر تھا جب تجھ کو دوسرے خیمے میں منتقل کر دیا گیا تھا؟" سلطان نے پوچھا۔

شہزادی ہیلینا نے جواب دیا۔ "میں اس سے زیادہ نہیں جانتی کہ اس کو معلوم نہیں کس نے یہ خبر دی تھی کہ عیسائی مجھے یرغمال بنانا چاہتے ہیں اس لئے احتیاطاً دوسرے خیمے میں منتقل کر دیا۔"

سلطان نے پوچھا۔ "بس یا کچھ اور؟"

شہزادی ہیلینا کانپ گئی۔ مگر پورے اعتماد سے جواب دیا۔ "بس کچھ اور کا مجھے علم نہیں۔"

سلطان نے متلاشی نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔

ہیلینا نے سر جھکا لیا۔

سلطان نے کہا۔ "بہروز کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں گشت کر رہی ہیں۔ میں الجھن میں ہوں کہ اس جوان کو اپنے ساتھ رکھوں یا دور کروں۔"

شہزادی ہیلینا نے جواب دیا۔ "آپ الجھن میں نہ پڑیں اس کو دور کر دیں۔"

سلطان نے کہا۔ "میں ظلم بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ شاید وہ مسلمان ہو جائے۔ بس اسی خیال سے اسی وجہ سے میں اس کو علیحدہ نہیں کرنا چاہتا۔"

شہزادی ہیلینا کی جان میں جان آئی۔ "پھر آپ جو مناسب سمجھیں کریں، میں یا کوئی اور آپ کو کیا مشورہ دے گا۔"

سلطان نے اپنی پریشانی کی وضاحت کی۔ "شہزادہ ملک شاہ اور خواجہ بزرگ ذاتی طور پر اس کو پسند نہیں کرتے۔ اب میں کیا کروں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

شہزادی ہیلینا نے پھر وہی جواب دیا۔ "آپ کی رائے اور آپ کا فیصلہ ہر کسی پر مقدم اور افضل ہے، میں تو یہی کہہ سکتی ہوں۔"

سلطان نے پر اطمینان لہجے میں کہا۔ "ٹھیک ہے، تو درست مشورہ دے رہی ہے۔ میں خود فیصلہ کروں گا۔ میرا حکم میرا فیصلہ سب پر مقدم ہے۔"

اس کے بعد سلطان راہبوں اور پادریوں کی باتیں کرنے لگا۔

"واللہ! یہ عجیب مخلوق ہے، اس نے دنیا کو ترک کر دیا۔ یہ خوش فہم اور خوش عقیدہ لوگ بھی خوب ہیں۔"

ہیلینا کیا رائے دیتی۔ اس نے سلطان ہی کو بولنے دیا، خود خاموش رہی۔

سلطان نے کہا۔ "یہ رب کعبہ اگر پوری مسیحی دنیا پادری اور راہب ہو جائے تو میرا کام بہت آسان ہو جائے گا۔ میں تو عیسائیوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم اپنی دنیا ہمیں دے دو اور خود آخرت کی فکر میں سرگرداں رہو، لیکن وہ شاید میری اس لئے نہیں سنیں گے کہ ان کے ہاں بھی بادشاہ ہیں، سپاہی ہیں، وزیر ہیں، امیر ہیں اور شہری ہیں۔"

ہیلینا سلطان کی باتوں کا کیا جواب دیتی۔ مسیحی دنیا نے خود اسے بھی مایوس اور شرمندہ کیا تھا۔

سلطان کا اس شہر میں کام ختم ہو گیا۔ اس نے یہاں اپنا نمائندہ چھوڑا اور خود آنی شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ مغربی آرمینیا کا اہم ترین شہر، دریائے ارس کے دوسری طرف۔ اور اس شہر تک پہنچنے کا خشکی سے کوئی راستہ نہ تھا۔ یہاں پانچ سو گرجے تھے اور گرجوں سے ملحقہ اور وابستہ اتنی ہی خانقاہیں۔ جن میں ہزاروں راہب اور نن خشک اور ویران زندگیاں گزار رہی تھیں۔ سلطان اور اس کی فوج کو دریائے ارس تک تو کسی نے بھی نہیں روکا۔ دریائے ارس سے پہلے جو بھی بستیاں تھیں ان میں اتنا دم بھی نہ تھا کہ وہ اسلامی فوج کا نظارہ ہی کر لیتیں، وہ سلطان سے بے حد خوفزدہ تھیں، لوگوں نے اپنے گھروں کے دروازے بند کر لئے اور اسلامی فوجوں کے گزر جانے کا انتظار کرتے رہے۔

سلطان نے مسلمانوں کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ آنی کی راہ میں آباد مسیحی آبادیوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں۔

بہروز کے سینے پر سانپ لوٹ رہا تھا کہ اب سلطان عیسائیوں کے شاندار شہر آنی کو برباد کر دیں گے۔ وہ سلطان کی یلغار کو روک نہیں سکتا تھا، وہ نفسیاتی دباؤ کا شکار تھا کہ عیسائی اقوام کو آخر ہو کیا گیا ہے۔ وہ مسیحی دنیا کی سربر آوردہ طاقتوں کا اتحاد کیوں نہیں قائم کرتیں۔ وہ قسطنطنیہ کو اپنا سرپرست کیوں نہیں بنا لیتیں اور اس کے پرچم تلے متحدہ محاذ کیوں نہیں بناتیں۔

اس نے دریائے ارس کے کنارے راہبوں کا ایک خیمہ دیکھا خیمے کے اوپر ایک بانس نمایاں تھا اور اس بانس میں خیمہ صلیب کو دور ہی سے دیکھا جا سکتا تھا ان راہبوں کو بھی شہر آنی میں داخل ہونا تھا لیکن دریا میں کہیں کوئی کشتی نہیں نظر آتی تھی اس لئے یہ راہب بھی دریا کے کنارے خیمہ نصب کر کے مقیم ہو گئے۔

سلطان نے بھی اس خیمے کو دیکھا اور خواجہ حسن کو حکم دیا۔

"راہبوں سے کہیں کہ وہ اپنا خیمہ یہاں سے دور ہٹا لے جائیں"۔

خواجہ حسن نے بہروز کو بھی اپنے ساتھ لے لیا اور راہبوں کے خیمے کے در پر پہنچ گیا۔

راہبوں نے بھی انہیں اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔ کئی راہب شک و شبہ اور وسوسوں سے انہیں دیکھتے رہے اور خواجہ بزرگ کے سامنے آ گئے۔ وہ ان کو اپنے خیمے میں لے گئے اور پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "بات کچھ بھی نہیں، آپ لوگ اپنے خیمے کو یہاں سے کہیں اور لے جائیں تو کرم ہو گا۔"

ایک راہب نے خواجہ حسن کو ایک مریض کے سرہانے لے جا کر کھڑا کر دیا۔ "یہ آنی کا ایک متمول شخص ہے، بیت المقدس کی زیارت کر کے آ رہا ہے۔ راستے میں بیمار پڑ گیا ہم سب اس سے اچھی طرح واقف ہیں اور اس کی تیمارداری میں مشغول ہیں۔"

خواجہ حسن مسکرایا۔ "مجھ کو اس شخص سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ تو اپنا یہ خیمہ یہاں سے کہیں اور لے جائیں تو مناسب ہو گا۔"

راہب کو اس کی پوری بات نہ سننے کا دکھ ہوا، بے دلی سے

پوچھا۔ "مگر کیوں؟ ہم نے تو یہ سنا ہے کہ مسلمان مذہبی پیشواؤں کا احترام کرتے ہیں اور ان کو نہیں ستاتے۔"

خواجہ حسن بیلر کو کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس متمول بیلر میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آرہی تھی جو اس کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لیتی۔"

راہب کو خیمہ ہٹانے میں اس لئے تامل تھا کہ عمل اور جدوجہد سے عاری لوگوں کا خیمے کو ادھر اُدھر لے جانا ایک مسئلہ تھا۔ خواجہ حسن نے راہب کو سمجھایا۔ "آپ کو میری بات بری نہیں لگنا چاہئے۔ سلطان دو ایک دن میں آئی والوں کے خلاف جنگ شروع کر دے گا اور اس وقت تک ہمارا لشکر ادھر ادھر پھیل جائے گا اور اس میں آپ لوگوں کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔"

بہروز نے بھی راہب کو سمجھایا۔ "میں بھی آپ کی طرح مسیحی ہوں۔ خواجہ بزرگ کی بات آپ لوگ مان لیں۔"

راہب یہ بات سن کر ڈر گیا۔ خواجہ حسن نے کہا۔ "آپ کا خیمہ ہمارے آدمی دوسری جگہ نصب کر دیں گے۔"

راہب خوش ہو گیا۔ "بولا تب پھر ہمیں بھی کوئی اعتراض نہیں۔"

خواجہ حسن نے اپنے آدمیوں کو خیمے کی ادھر سے اُدھر منتقلی پر لگا دیا اور بہروز سے کہا۔ "یہ کام تو اپنی نگرانی میں مکمل کرادے۔"

اس کے بعد خواجہ حسن نے مریض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "آپ نے اس مریض کا ذکر کیا تھا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں اس میں اہم بات کیا ہے؟"

راہب نے جواب دیا۔ "اس متمول شخص نے بیماری سے بہت پہلے اپنی جائیداد اور دولت آئی کے سب سے بڑے کلیسا کی نذر کر دی۔ کلیسا نے اس کے بدلے میں اس کو ایک تحریر دے دی۔ اس تحریر میں خداوند مسیح کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اس کا دوسری دنیا میں خاص خیال رکھا جائے۔ یہ تحریر اس شخص کے پاس ہر وقت رہتی ہے۔"

خواجہ حسن نے حیرت سے پوچھا۔ "یہ تحریر اس کے کیا کام آئے گی؟"

راہب نے خواجہ حسن کو حیرت سے دیکھا۔ "کیا کام آئے گی! بھلا یہ کیسا مہمل سوال آپ کر رہے ہیں، یہی تحریر اس کو جنت میں لے جائے گی۔"

خواجہ حسن نے جوش عقیدگی کا اس سے بڑا مشاہدہ پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔

"تو اب یہ مریض مر کے سیدھا جنت میں جائے گا؟"

راہب نے جواب دیا۔ "بالکل بالکل: اس میں تو کسی کو کوئی شبہ ہونا ہی نہیں چاہئے۔"

ان کی باتیں بہروز نے بھی سن لیں، خواجہ حسن کے چلے جانے کے بعد اس نے مریض کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ "آپ جب خداوند مسیح سے ملیں تو ان سے میری سفارش بھی کر دیں۔"

مریض کی طمانیت سے بہروز بھی متاثر تھا۔ مریض آنکھیں کھولے اپنے آس پاس موجود لوگوں کا نظارہ کر رہا تھا، وہ بے حد خوش اور مطمئن تھا کہ لوگ اس پر پوری توجہ دے رہے تھے۔"

بیلر نے بہروز کو سمجھایا۔ "میں نے کچا کام نہیں کیا۔ میں نے بیت المقدس میں بھی وہاں کے بشپ اعظم سے ایک اسی قسم کی تحریر لے لی ہے اب یہ دونوں تحریریں تابوت میں میرے ساتھ ہوں گی۔"

بہروز نے راہب کو الگ لے جاکر پوچھا۔ "اب آپ مجھے بتائیں کہ معاملہ کیا ہے۔؟"

راہب نے جواب دیا۔ "میں نے تجھ کو جو کچھ بتایا ہے وہ سچ ہے۔ بس اس میں اتنا اضافہ کر لے کہ اب ہم قسطنطنیہ جائیں گے اور وہاں عیسائیوں کو متحد کرنے کی کوشش کریں گے۔"

بہروز نے کہا۔ "میں نے آپ کو پہلی نظر میں پہچان لیا تھا، اور ڈرتا تھا کہ کہیں آپ یہ ظاہر نہ کر دیں کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

ایک خیمہ وہاں سے تین فرلانگ دور نصب کیا جاچکا تھا۔

بہروز نے مریض کو بہت احتیاط سے دوسرے خیمہ میں پہنچا دیا۔

بہروز نے راہب کو ہیلینا کے بارے میں بتایا۔ "اب وہ سلطان کی بیوی ہے اور یہاں کسی خیمے میں موجود ہے۔"

راہب نے افسوس کیا۔ "اس نے سلطان سے شادی کر کے بہت برا کیا، راہب رابرٹ تو اس کے عشق میں برباد ہی ہو گیا۔"

بہروز نے کہا۔ "ایک راہب رابرٹ کی آپ بات کر رہے ہیں اس نے تو کئی دوسروں کو بھی برباد کر ڈالا۔"

راہب نے بڑے وثوق سے پیش گوئی کی۔ "تو سلطان کا حشر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا، اس نے ایک نن سے شادی کر کے اچھا نہیں کیا۔"

بہروز نے بیزاری ظاہر کی۔ "ابھی تک تو سلطان مزے کر رہا ہے۔ معلوم نہیں کب برباد ہو گا یہ شخص جس کو سلطان الپ ارسلان کہتے ہیں۔"

راہب نے بہروز کو سمجھایا۔ "تو مسلمانوں کے ساتھ رہتا ہے۔ ان کی کامیابیاں تیرے سامنے ہیں اور شاید تو نے اپنی نظر

سے زندگی میں عیسائیوں کو شکست سے دوچار ہوتے دیکھا ہے۔ بس انہی چیزوں نے مجھ کو مایوس اور دل برداشتہ کر دیا۔"

بہروز کو کسی کی کوئی بات کوئی دلیل قائل نہیں کر سکتی تھی اس کی نظر میں کامیابی ہی سب سے نمایاں دلیل ہوتی ہے۔

ان لوگوں نے دور سے دیکھا کہ مسلمانوں میں بہت زیادہ جوش و خروش پیدا ہو گیا ہے، بہروز نے معذرت کر لی۔ "آپ لوگ کسی بھی طرح اتحاد قائم کریں اور متحدہ قوت سے مسلمانوں کا مقابلہ کریں اگر آپ لوگ ایسا نہ کر سکے تو میں یہ پیش گوئی کر سکتا ہوں کہ عیسائیت اسلام کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور یہ ایک نہ ایک دن نیست و نابود ہو جائے گی مسیحیت دنیا سے چلی رہے گی۔"

راستے میں بہروز نے مسلمانوں کو مستقل سرگرم عمل دیکھا۔ وہ دریائے ارس کے کنارے ایک مینار تعمیر کر رہے تھے اور سلطان اس کام کی نگرانی کر رہا تھا، اس مینار سے ذرا فاصلے پر دوسرا مینار تیار کیا جا رہا تھا، سلطان کبھی یہاں نظر آتا کبھی وہاں۔

خواجہ حسن کشتیوں کا انتظام کر رہا تھا۔ فوجی اپنے ہتھیاروں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ کوئی ترکش میں تیر بھر رہا تھا کوئی سان پر تلوار، خنجر، اور دوسرے دھار دار ہتھیاروں کو چڑھائے ان میں تیزی پیدا کر رہا تھا۔ کمانوں کی تانت دیکھی جا رہی تھی۔ کوئی زرہ بکتر کی دیکھ بھال میں مشغول تھا اور کوئی جوشن اور زنجیروں کو پرکھ رہا تھا۔ ، نیزوں کی انی زہر میں بجھائی جا رہی تھی، تیروں کے پھل بھی مسموم ہو رہے تھے۔

بہروز یہ مناظر خود دیکھ رہا تھا اور آنی کے انجام پر دل ہی دل میں آنسو بہا رہا تھا۔

دریا کے دوسرے کنارے پر آنی کی مستحکم فصیل ان کا منہ چڑا رہی تھی۔ فصیل پر مسیحی مسلمانوں کو دیکھ دیکھ کر آپس میں کچھ پیشگوئیاں کر رہے تھے۔

شہزادہ ملک شاہ منجنیقوں کو زیر تعمیر میناروں کے بتدریج اوپر چڑھوا رہا تھا۔

سلطان نے اپنے سپہ سالاروں کو ہدایت کی۔ "اپنے منتخب جانبازوں کو دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچاؤ"۔

اب مسلمان فوجی دریا کے کنارے کنارے دور تک پھیل گئے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ سب کہیں نہ کہیں سے دریا عبور کر لیں گے لیکن اصل مسلمان سپاہی جو دریا کو عبور کر رہے تھے وہ اپنے لشکر سے دور خاموشی سے دوسرے کنارے پر پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے عیسائیوں کو سلطان اور اس کے آس پاس موجود فوج میں الجھا کر دور کے ساحل سے دریا کو پار کر کے خود کو فصیل کی جڑ میں چھپا دیا تھا۔

سلطان نے کئی دن تک اپنا کام جاری رکھا۔ بہروز اور فصیل کی فوج کو یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ سلطان نے یہ مینارے کیوں تعمیر کرائے تھے۔ حالانکہ در پردہ شہزادہ ملک شاہ منجنیقوں کو میناروں پر چڑھاتا رہا۔ جب مینارے تعمیر ہو گئے تو منجنیقیں ان کی اوپر کی سطح پر نصب کی جا چکی تھیں۔

سلطان نے میناروں پر موجود عملے کو حکم دیا کہ وہ ایک ساتھ پتھروں کی بارش شروع کر دیں۔ ، سلطان کا عملہ نیچے لکڑیوں کے الاؤ کے پاس کھڑا سلطان کے حکم کا منتظر تھا۔

ہیلینا کا خیمہ میناروں سے ذرا فاصلہ پر تھا اور ہیلینا جالی دار پردے کے پیچھے سے مسلمانوں کی مصروفیت دیکھ رہی تھی اس نے اپنی خدمت گار خواتین سے پوچھا۔ "سلطان نے یہ مینارے کیوں تعمیر کرائے ہیں؟"

ان خدمت گار خواتین کی جتنی عقل تھی اتنا ہی معقول جواب تھا۔ انہوں نے کہا۔ "سلطان پکا مذہبی ہے۔ وہ ان میناروں سے اذان دلوائے گا تاکہ دریا پار کے عیسائی اس آذان کو دن میں پانچ بار سنیں اور اس کا اثر اپنے دل و دماغ پر محسوس کریں"۔

ساتویں دن جمعہ کی نماز کے بعد سلطان نے الاؤ کی لکڑیوں میں آگ لگوا دی۔ اس، آگ کو دیکھتے ہی میناروں پر تعینات عملے نے منجنیقوں کو حرکت دی اور ان کے منہ سے پتھر نکل نکل کر دریا پار فصیل پر ضربیں لگانے لگے۔ ان کی خوفناک آوازوں نے زمین نے میناروں کی بلندی کو بری طرح ہلا کے رکھ دیا، فصیل پر موجود عیسائی سپاہ اپنے بچاؤ کے لئے ادھر ادھر منہ چھپانے لگی۔ ان کی وہاں عدم موجودگی سے دریا پار چھپی بیٹھی مسلمان سپاہ نے فائدہ اٹھایا اور وہ فصیل میں نقب لگانے لگی۔

ہیلینا نے اس طوفانی منظر کو دیکھ کر خدمت گار خواتین سے طنزیہ کہا۔ "تو ان کی آوازیں تم بھی سنو یہ کیسی روح پرور آوازیں ہیں!"

خدمت گار خواتین اب بھی اپنے موقف پر قائم تھیں۔ جواب دیا۔ "بی بی! یہ مجاہدوں کی اذان ہے"۔

راہبوں نے اپنے خیمے میں یہ گھن گرج سنی تو دہشت زدہ ہو گئے۔ ان کا متفقہ خیال تھا کہ اس جگہ کو جلد از جلد چھوڑ دینا چاہئے لیکن سوال تو یہ تھا کہ اس مخدوش فضا میں جائیں کہاں۔ سلطان کو ان راہبوں پر شبہ تھا یہ لوگ آنی کیوں جا رہے ہیں؟

خواجہ حسن کو ان پر کوئی شبہ نہ تھا وہ ان کو محض راہب کہہ کر نظر انداز کر رہا تھا۔

سلطان نے اپنے چند آدمی بھیج کر راہبوں کو اپنے خیمے میں طلب کر لیا۔ جب وہ آ گئے تو سلطان نے انہیں حکم دیا کہ وہ یہاں

سے کسی دوسرے شہر چلے جائیں۔"

راہبوں کو اس پر اعتراض ہوا۔ جواب دیا۔ "ہم آنی کے لئے یہاں تک آئے ہیں کیونکہ آنی میں پانچ سو کلیسا ہیں اور ہمارے ساتھ جو مریض ہے اس کو یہاں کے کلیسائے اعظم میں لے جانا ہماری ذمہ داری ہے۔ ہم اس کو کسی دوسرے شہر کس طرح لے جا سکتے ہیں۔"

سلطان نے کہا۔ "ذرا صاف صاف باتیں کرو۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

ایک نے جواب دیا۔ "آپ کے ہاتھ میں طاقت ہے۔ آپ اس کا استعمال کر رہے ہیں۔ میرا مشورہ یہ تھا کہ آپ رحم بھی کیا کریں۔ جانیں لیتے ہیں تو جانیں بخشا بھی کریں"۔

سلطان نے کہا۔ "تم لوگ اپنے ظاہر اور باطن میں یکسانیت پیدا کرو کیونکہ تم کو یہ دو رخی کسی حال میں بھی زیب نہیں دیتی"۔

راہبوں کو سلطان پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ ذرا حالت اشتعال میں آ گئے۔ ایک راہب نے کہا۔ "ہمارا ظاہر و باطن یکساں ہے، ایک جیسا۔ آپ کو ہمارا دل نہیں دکھانا چاہئے"۔

سلطان نے کہا۔ "اب تم جھوٹ بولنے کا گناہ بھی کر رہے ہو"۔

راہب نے پوچھا۔ "وہ کس طرح؟ ہم جھوٹ کس طرح بول رہے ہیں؟"

سلطان نے پوچھا۔ "تم لوگ کہاں جا رہے ہو؟"

راہب نے جواب دیا۔ "آنی، وہاں کے سب سے بڑے گرجا میں ایک مریض کو پہنچانا ہے"۔

سلطان نے کہا۔ "ہاں تم کو ایک یہ کام بھی انجام دینا ہے لیکن تم سب کا اصل منصوبہ کچھ اور ہے"۔

منجنیقوں تک پتھر پہنچانے والوں میں سے ایک کا پاؤں پھسلا اور وہ سیدھا زمین پر آ رہا۔ اس حادثے نے ایک ارتعاش سا پیدا کر دیا۔ لیکن سلطان نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

راہب نے سلطان کو بتایا۔ "آپ کی فوج میں کچھ ہو گیا ہے، جائیں اس کی خبر لیں"۔

سلطان نے جواب دیا۔ "وہاں خبر لینے والے بہت ہیں۔ کیا تم لوگ قسطنطنیہ نہیں جا رہے ہو عیسائیوں میں اتحاد پیدا کرنے؟"

راہب سناٹے میں آ گئے۔ یہ بات سلطان کو کس طرح معلوم ہو گئی؟ یہ سوال ہر راہب کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔

سلطان نے کہا۔ "جواب دو کیا تم لوگ ایک متحدہ عیسائی قوت کو ہمارے مقابلے پر لانے کا خواب نہیں دیکھ رہے ہو؟"

ان سب کی طرف سے صرف ایک راہب نے جواب دیا۔

"پتہ نہیں، سلطان کو یہ فضول خبر کس نے دی؟"

سلطان کو ان کے جھوٹ پر غصہ آ رہا تھا۔ "میں پھر بھی کہوں گا کہ تم لوگ منافقت سے باز آ جاؤ، یہ چیز تم کو ہرگز زیب نہیں دیتی"۔

راہب نے کہا۔ "آپ اپنی فوج میں جائیں۔ ہمیں ہمارے حال میں رہنے دیں اور کسی قسم کی الزام تراشی نہ کریں"۔

سلطان مشتعل ہو گیا۔ "میں تم جیسے منافقوں سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا۔ تم لوگ قسطنطنیہ جاؤ اور ان کی مدد سے پوری عیسائی دنیا کو میرے مقابلے پر لے آؤ۔ واللہ! میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں پیچھے نہیں ہٹوں گا"۔

راہبوں نے سلطان سے چھیڑ چھاڑ بند کر دی۔

سلطان نے بہروز کا بطور خاص ذکر کیا۔ "وہ آیا تھا تم لوگوں سے بات کرنے۔ وہ ہماری صفوں میں تمہارا مخبر ہے مگر میں اس کی بھی پروا نہیں کرتا"۔

راہبوں نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ "ہم بہروز کو اس سے زیادہ نہیں جانتے کہ وہ ایک مسیحی ہے اور سلطانوں کی خدمت کر رہا ہے"۔

سلطان نے انہیں بتایا۔ "یہ میرا آخری حملہ ہے۔ آنی میری یلغار کا نقطۂ آخری شہر ہے۔ میں یہاں سے واپس چلا جاؤں گا۔ تم قسطنطنیہ والوں کو یہ وثوق اور پورے اعتماد سے بتا سکتے ہو"۔

راہبوں کو یقین نہیں آیا۔ "کیا یہ سچ ہے؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "بالکل سچ، یہاں سے میں واپس چلا جاؤں گا اور یہاں میں مجبوراً آیا ہوں۔ فی الحال میں اس بادشاہ نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے میں بادشاہ کو اس کی سزا دینا چاہتا ہوں۔ بادشاہ کو اور اس کے سپہ سالار مانک انجلو کو بھی"۔

راہبوں نے ان معاملات سے لاتعلقی ظاہر کی۔ "آپ جو چاہیں کریں۔ بادشاہ کو پکڑیں، مانک انجلو کو جکڑیں۔ ہم تو بس یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے عام مسیحی بھائی نہ ستائے جائیں"۔

سلطان نے ان کی باتوں پر توجہ نہیں دی اور کہا۔ "میں تم لوگوں کے پاس اس لئے آیا تھا کہ مسیحی دنیا کو تم ہی بتا دو کہ اب میں ان کی متحدہ قوت کا انتظار کروں گا"۔

سلطان وہاں سے جانے لگا تو راہبوں نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔ یہ کیسا سلطان ہے۔ کیسی عجیب باتیں کرتا ہے؟

ایک راہب کو سلطان پر رحم آ رہا تھا کہ میدان جنگ اور حملوں میں دوسروں کو ہلاک کرنے والا کسی دن خود بھی اسی طرح ہلاک ہو جائے گا کیونکہ اس راہب کا حضرت مسیح کے اس قول پر پختہ عقیدہ

تھا کہ گولر سے ہلاک کرنے والا گولر ہی سے ہلاک کیا جائے گا۔

بہروز نے سلطان کو راہبوں میں جاتے اور پھر وہاں سے واپس آتے دیکھا تو اس کے خوف اور تشویش میں اضافہ ہو گیا۔

سلطان نے ایک مینارے پر چڑھ کے سنگ باری کا نتیجہ دیکھنا چاہا۔ پتھر فصیل کی دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر نیچے گر رہے تھے اور فصیل پر عیسائیوں کا کہیں کوئی پتہ نہ تھا۔ پھر اس نے دریا کی سمت پر ان بے شمار مسلمانوں کو دریا کے دوسرے کنارے کی طرف بڑھتے دیکھا جو فصیل پر عیسائیوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔

یہ کام خواجہ حسن کی نگرانی میں انجام پا رہا تھا۔

سلطان نے مینار سے اتر کے خواجہ حسن کو حکم دیا کہ فوج کا بیشتر حصہ جلد از جلد دوسرے کنارے پہنچا دیا جائے۔

خواجہ حسن نے خدشہ ظاہر کیا۔ "وہ پتھر جو فصیل کے پیچھے گر رہے ہیں، ہمارے سپاہیوں کو بھی زخمی کر سکتے ہیں۔"

سلطان نے اپنی ضد برقرار رکھی۔ "فصیل کے حفاظتی حصوں سے دور وہاں کافی ایسی جگہ موجود ہے جو مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچنے دے گی۔"

خواجہ حسن لاجواب ہو گیا۔ میناروں سے برسائے جانے والے پتھروں نے فصیل کو کمزور کر دیا۔ یہاں تک کہ اس میں ایک جگہ معمولی سا شگاف ہو گیا۔ فصیل کے پیچھے موجود مسلمانوں نے اس شگاف کو کشادہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

سلطان بھی دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اور فوج کی کمان سنبھال لی۔

بہروز اس فصیل کو مضبوط سمجھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کو آسانی سے فتح نہیں کیا جا سکے گا۔ لیکن جب اسے یہ معلوم ہوا کہ فصیل میں شگاف پڑ چکا ہے تو اسے بے حد دکھ پہنچا۔

ہائیکل جولی کے دل سے نصیحت کا اثر کم ہوتا جا رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کے وجود اور اسلامی تعلیمات کا دل سے قائل ہوتا جا رہا تھا۔ وہ بہروز کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ یہ زمانہ اسلام اور مسلمانوں کا ہے اس لئے ان کے خلاف مزاحمت بالکل فضول ہے۔ ہیلینا کو بھی اسلام اور تثلیث کے معرکوں سے بڑی دلچسپی تھی اور جب بھی سلطان کو کامیابی حاصل ہوتی تو شہزادی ہیلینا کو ایک گونہ سکون ملتا کہ وہ سلطان سے شادی کر کے کسی خسارے میں نہیں رہی۔

فصیل کا شگاف کشادہ کر دیا گیا اور مسلمان اس میں داخل ہونے لگے۔ عیسائیوں کو اس شگاف کا علم ہو چکا تھا۔ وہ شگاف کے پاس موجود رہے اور جس مسلمان نے اس میں داخل ہونے کی کوشش کی اس کو قتل کر دیا۔

سلطان نے اس شگاف کو اور زیادہ بڑا کرا دیا اور اب مسلمان زیادہ تعداد میں اس میں داخل ہونے لگے۔ عیسائیوں کو انہیں روکنا محال ہو گیا۔

سلطان نے خواجہ حسن اور دوسرے فوجی سرداروں کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ بادشاہ اور ہائیک انجلو کو کسی طرح بھی فرار نہ ہونے دیا جائے۔

شہر میں داخل ہوتے ہی مسلمانوں نے محل کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ عیسائی جنگجو مسلمانوں سے ہر ہر موڑ پر برسرِ پیکار تھے۔ وہ حملہ آوروں کو ہر قیمت روک دینا چاہتے تھے۔

بادشاہ اور ہائیک انجلو میں اس بات پر تکرار ہو گئی کہ حال ہی میں مسلمانوں کے ساتھ جس بدعہدی اور دغابازی کا سلوک کیا گیا تھا یہ اس کا نتیجہ ہے کہ سلطان ان کا پیچھا کر رہا ہے۔

ہائیک انجلو نے کہا۔ "میں نے بادشاہ کا حکم مان لیا تھا ورنہ وہ منصوبہ ہی بے تکا تھا اور میں بادشاہ سے بحث نہیں کر سکتا۔"

دوسرے عہدے داروں نے دونوں کو لڑتے جھگڑتے دیکھا تو ہمت ہی ہار بیٹھے اور ان کو اپنا بھیانک انجام صاف نظر آنے لگا۔ ان کے جذبے سرد پڑ گئے اور ان کا جوش ماند ہو گیا۔

بادشاہ نے جب یہ دیکھا کہ فرار کے راستے بند ہو چکے ہیں تو اس نے شہر کے سب سے بڑے کلیسا میں پناہ لے لی۔

ہائیک انجلو نے بادشاہ کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ فوج کو مسلمانوں سے لڑتا چھوڑ کے دریا کو عبور کر جائے گا اور پھر کسی بھی سلطنت میں گمنامی کی زندگی گزار دے گا۔

مسلمانوں نے رفتہ رفتہ شہر میں پھیلنا شروع کر دیا ۔۔۔ وہ عیسائیوں سے ان کے بادشاہ اور سپہ سالار کا پتہ پوچھتے پھر رہے تھے۔ سلطان نے شہر میں ہر طرف گرجوں کے میناروں پر صلیبیں نصب دیکھیں۔ سنہری اور روپہلی صلیبیں، سونے اور چاندی کی صلیبیں۔

چند گھنٹوں کے مقابلے کے بعد عیسائیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور سلطان سے رحم کی درخواست کی۔

سلطان نے انہیں حکم دیا۔ "اپنے ہتھیار ہمارے سپاہیوں کے حوالے کر دو اور فوری پناہ میں آ جاؤ۔"

ہتھیار ڈالنے والوں نے جس جوش و خروش سے یہ کام انجام دیا وہ بہت حیرت انگیز تھا۔ اس کام میں ہر کوئی دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

شام سے پہلے وہ سب نہتے ہو چکے تھے اور سلطان کے سپاہی انہیں جانوروں کے ریوڑ کی طرح ہنکا کر ایک میدان کی طرف

لے جا رہے تھے۔ سلطان نے اپنے سپاہیوں کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ کسی کو نقصان نہ پہنچائیں۔

بادشاہ اور ملکہ انجلو کی تلاش جاری تھی۔

سلطان نے اپنا خیمہ ایک ٹیلے پر نصب کر دیا۔ یہ ٹیلہ شہر کے سب سے بڑے کلیسا کے سامنے تھا۔

خواجہ حسن نے سلطان کو مطلع کیا کہ بادشاہ اور ملکہ انجلو کا پتہ نہیں چل رہا۔

سلطان نے جواب دیا۔ "کوئی بات نہیں۔ فکر کی کوئی بات نہیں اگر وہ دونوں اسی شہر میں ہیں تو میں انہیں ڈھونڈ نکالوں گا۔ وہ مجھ سے بچ نہیں سکتے۔"

خواجہ حسن نے سلطان کو یقین دلایا۔ "وہ دونوں اسی شہر میں کہیں روپوش ہیں کیوں کہ دریا کے ساحل کو دور تک ہم نے اپنی نگرانی میں لے رکھا ہے اور ابھی تک وہاں سے کسی کو بھی فرار نہیں کیا گیا۔"

سلطان نے شہر کو نقصان نہیں پہنچنے دیا اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی تلواریں نیام میں ڈال لیں۔

شہزادہ ملک شاہ کو حکم ملا کہ وہ ہیپنا شہر لے آئے۔ بہروز کو بھی یہیں طلب کر لیا گیا اور اس کو حکم ملا کہ تا حکم ثانی وہ سلطان کے خیمے کے آس پاس موجود رہے۔

شہر کے باہر دریا کے اس پار جو راہب ٹھہرے ہوئے تھے انہیں بھی یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس وقت تک مسلمانوں کے بیچ میں رہیں گے جب تک سلطان دوسرا حکم نہ دے۔

خواجہ حسن سوچ رہا تھا کہ آخر اس طرح سلطان کیا کرنا چاہتا ہے؟

اس کے بعد سلطان نے یہ اعلان کر دیا کہ تمام کلیساؤں کے لوگ گرجے خالی کر دیں اور ایک میدان میں جمع ہو جائیں، سلطان ان سے خطاب کرے گا۔

سلطان کا یہ اعلان صور اسرافیل کی طرح پورے شہر میں پھونک دیا گیا۔ اعلان کرنے والوں نے اس میں یہ اضافہ کر دیا کہ گرجاؤں کو فوراً خالی ہو جانا چاہئے۔ اگر بعد میں کسی کو گرجا سے برآمد کیا گیا تو وہ سلطان کے عتاب کا نشانہ بنے گا۔

اس اعلان نے پورے شہر میں سناٹا طاری کر دیا۔ گرجاؤں میں کھلبلی مچ گئی۔ پادریوں اور راہبوں کو سلطانی حکم کی پابندی سے انکار تھا لیکن ان میں سرتابی کی جرات بھی نہ تھی۔

شہر کے اس میدان میں جہاں گھڑ دوڑ ہوا کرتی تھی راہب پادری اور ننیں جمع ہونے لگیں۔ گرجے خالی ہونے لگے۔ ننوں نے رونا دھونا شروع کر دیا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید اس طرح سلطان مردوں کو قتل اور عورتوں اور لڑکیوں کو اپنے سپاہیوں میں تقسیم کرا دے گا۔ وہ رو رو کر سلطان سے رحم کی درخواست کر رہی تھیں۔

سلطان کے پاس ان کی گریہ وزاری کا بھی ایک ہی جواب تھا۔ خاموشی خاموشی اور خاموشی۔

سلطان نے اپنے خیمے سے نکل کر بہروز کو ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ بہروز پریشان تھا کہ سلطان اس سے اس طرح کیوں پیش آ رہا ہے۔

سلطان اس کو کلیسا والوں کے میدان میں لے گیا۔ خواجہ حسن سلطان سے دو قدم پیچھے چل رہا تھا۔

راہبوں اور پادریوں کو سلطان کی تشریف آوری سے خبردار کیا گیا۔ وہ سب بھی سلطان کو ایک نظر دیکھنا ضرور چاہتے تھے۔ انہوں نے ایک دراز ریش ادھیڑ عمر انسان کو خود اعتمادی سے چلتے دیکھا۔ یہاں سلطان نہایت بے تکلفی اور انکسار سے ایک اونچے پتھر پر کھڑا ہو گیا۔ خواجہ حسن اور دوسرے نامی گرامی فوجی سرداروں نے سلطان کو اپنے درمیان میں لینا چاہا لیکن سلطان نے انہیں دور رہنے کا حکم دیا۔

یہاں بہروز کو اپنے پاس بلایا اور اس سے پوچھا "کیا تو ان کے بادشاہ کو پہچانتا ہے؟"

بہروز نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہیں، میں اس کو نہیں پہچانتا"۔

سلطان نے کہا۔ "اچھا تب پھر تو ان کے مذہبی لوگوں میں جا اور ان سے پوچھ کہ ان کا بادشاہ کہاں ہے؟"

بہروز مذہبی پیشواؤں میں گیا اور ان سے سلطان کا سوال کر دیا۔ "آپ کا بادشاہ کہاں ہے؟ سلطان معلوم کر رہا ہے"۔

تقریباً سبھی نے انکار کر دیا اور کہا۔ "ہم نہیں جانتے؟"

سلطان نے بہروز ہی کے ذریعہ معلوم کرایا "وہ اس وقت تم میں تو موجود نہیں؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "نہیں وہ ہم میں بھی موجود نہیں۔"

سلطان نے ایک اور ہی سوال دہرایا۔ "پھر وہ کہاں چلا گیا ہے؟"

جواب ملا "ہمیں یہ بھی نہیں معلوم۔"

سلطان نے دھمکی دی۔ "یہ سوچ لو کہ تم میرے سوالوں کے جو جواب دے رہے ہو اس کے جھوٹ سچ کے ذمہ دار بھی تم ہی ہو گے اور میں جھوٹ نہیں برداشت کر سکتا"۔

دوسری طرف سے اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔

سلطان نے بہروز کو حکم دیا۔ "تو سب سے بڑے کلیسا کے پادری سے مل اور اس سے کہہ کہ وہ دوسروں سے پوچھے کہ ان کے گرجاؤں میں کوئی باقی تو نہیں رہا؟"۔

بہروز ہجوم میں گیا اور کچھ دیر بعد یہ جواب دیا کہ گرجے بالکل خالی ہو چکے ہیں اور اب وہاں خداوند مسیح کے نام کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

سلطان نے بہروز کو حکم دیا۔ "اب تو پچاس ساٹھ مسلمانوں کو اپنے ساتھ شہر کے سب سے بڑے گرجا میں لے جا۔ اس کے پادری کو بھی اپنے ساتھ لے جا۔ مسلمانوں کو گرجے کے باہر کھڑا رکھ اور پادری کے ساتھ اندر چلا جا وہاں کی تلاشی لے، وہاں جو بھی ملے اس کو میرے پاس لے آ۔"

جب بہروز سب سے بڑے گرجے کے پادری سے ملا اور اس کو سلطان کا حکم سنایا تو اس نے اس کی تعمیل میں لیت و لعل سے کام لیا۔ "اس کا مطلب ہوا کہ سلطان کو ہماری باتوں پر یقین نہیں آیا اور ہم سب اس کی نظر میں جھوٹے ہیں۔"

بہروز نے اسے سمجھایا۔ "مقدس باپ! آپ بحث نہ کریں اور سلطان کے حکم کی آنکھ بند کر کے تعمیل کر دیں کیونکہ آخر کار ہو گا وہی جو سلطان چاہے گا۔"

پادری نے کہا۔ "جب میں نے یہ کہہ دیا کہ اب وہاں کوئی بھی نہیں اور کلیسا بالکل خالی ہے تو سلطان کو اس پر یقین کرنا چاہئے۔"

بہروز نے اسے یہ سمجھایا۔ "مقدس باپ! آپ موقع دیکھیں اور بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں پھر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہو گا وہی جو سلطان چاہے گا۔"

سلطان کے پچاس سپاہی بہروز اور پادری کے انتظار میں کھڑے تھے۔

سلطان نے پادری کے پس و پیش کو محسوس کر لیا اور بہروز سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

بہروز نے بات بنائی۔ "یہ آپ کی تقریر پہلے سننا چاہتے ہیں۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "تم اس سے کہہ دو کہ جب یہ واپس آجائے گا تب میں تقریر کروں گا۔ میں ابھی تقریر نہیں کروں گا۔"

اب پادری بے بس ہو چکا تھا، وہ، بہروز اور پچاس مسلمان سپاہیوں کے ساتھ گرجے کی طرف روانہ ہو گیا جو قریب ہی واقع تھا۔ راستے میں پادری نے اس سے پوچھا۔ "کیا تو عیسائی ہے؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "خداوند مسیح میرے ایمان کو سلامت رکھیں، میں مسیحی تھا مسیحی ہوں اور زندگی کی آخری سانسوں تک مسیحی رہوں گا۔"

پادری نے آہستہ سے پوچھا۔ "پھر جب میں تیرے ساتھ آنے سے گریز کر رہا تھا تو تو نے اس سے کچھ بھی نہیں سمجھا؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "میں پھر وہی بات کہوں گا کہ میرے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے کچھ بھی نہیں ہوتا، سلطان کا حکم حکم ہے اس کی تعمیل ہمیں ہر حال میں کرنا ہوگی۔"

پادری نے پوچھا۔ "کیا تو یہ پسند کرے گا کہ ایک مسیحی بادشاہ مسلمانوں کے قبضہ میں چلا جائے اور زمانے بھر کی ذلتوں سے دوچار ہو جائے۔"

بہروز نے کن انکھیوں سے مسلمان سپاہیوں کی طرف دیکھا اور آہستہ سے پوچھا۔ "اس طرح آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

پادری نے عاجزانہ آگے جواب دیا۔ "وہی جو تو سمجھنا نہیں چاہتا۔"

بہروز نے پریشان لہجے میں کہا۔ "مقدس باپ! آپ نے مجھے پریشانی میں ڈال دیا۔ وہ کہاں ہے؟"



بتول فاطمہ کی طرف سے

- شادی سے فرار کی ترکیب بتایئے؟
  یہ کیسے ممکن ہے بھلا۔ کیا آپ جیل میں داخل ہوئے بغیر جیل سے فرار ہو سکتے ہیں؟
- پنجابی کہاوت ہے کہ افسر کے اگاڑی اور گھوڑے کے پچھاڑی مت جاؤ لیکن اگر افسر گھوڑے پر نکل آئے تو کیا کرنا چاہیے؟
  اس کے نیچے سے گزر جانا چاہیے۔
- کیا آئینہ کبھی جھوٹ بولتا ہے؟
  جی ہاں۔ جب کوئی جھوٹا اس کے سامنے ہو۔
- بڑھاپے کی سب سے بڑی اذیت؟
  اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی نئی نسل۔
- محنت کا پھل ملتا ضرور ہے چاہے دیر سے ملے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟
  جی ہاں، بسا اوقات اتنی دیر سے ملتا ہے کہ مر چکا ہوتا ہے۔
- غریبوں کے مقابلے میں امیر نجوم پر زیادہ یقین رکھتے ہیں۔
  کیونکہ غریبوں کو حالات بہتر ہونے کی کوئی توقع نہیں ہوتی۔
- ہمارے سیاستدانوں کی طویل عمروں کا راز کیا ہے؟
  جو بندے خدا کو پسند ہوتے ہیں، انھیں وہ اپنے پاس جلد بلا لیتا ہے۔

پادری نے جواب دیا۔ "پریشانی میں صرف تو ہی نہیں ہم سب ہیں۔ وہ گرجے کے تہ خانے میں روپوش ہے۔"

بہروز نے کہا۔ "لیکن ہم تو اس کی تلاش میں جا رہے ہیں۔"

پادری نے جواب دیا۔ "ہمیں اس کو چھپانا ہو گا اس کو سلطانوں کے حوالے کسی حال میں بھی نہیں کرنا۔"

بہروز نے پوچھا۔ "لیکن یہ کس طرح ممکن ہے۔ آپ لوگ سلطان کو نہیں جانتے۔"

پادری نے کہا۔ "ہم لوگ سلطان کو نہیں تجھ کو جانتے ہیں تو گرجے میں تو چل ہی رہا ہے۔ وہاں تو ادھر ادھر گھوم کر باہر آجائے گا اور سلطان کے سامنے یہ بیان دے دے گا کہ گرجا بالکل خالی ہے وہاں ایک متنفس بھی نہیں۔"

بہروز نے کہا۔ "آپ مجھے مشکل میں ڈال رہے ہیں۔ میں اتنا بڑا جھوٹ کس طرح بولوں گا؟"

پادری نے کہا۔ "یہ میں نہیں جانتا لیکن تجھ کو ایک مسیحی بادشاہ کی جان ہر حال میں بچانا ہے۔"

یہ لوگ گرجے کے در پر پہنچ گئے۔ بہروز نے مسلمان سپاہیوں سے کہا۔ "تم لوگ یہیں ٹھہرو میں اندر جا کے دیکھ لوں۔"

ان مسلمان سپاہیوں کو سلطان کا حکم بھی یہی تھا۔ بہروز اور پادری گرجے میں داخل ہو گئے۔

پادری نے کہا۔ "وہ تو خیریت یہ ہوئی کہ سلطان نے مسلمان سپاہیوں کو گرجے کی تلاشی لینے کا حکم نہیں دیا۔ ورنہ اس وقت ہم سب سلطان کے عتاب کا نشانہ بن رہے ہوتے۔"

پادری، بہروز کے ساتھ گرجے کی عمارت میں داخل ہوا اور اس کو گرجے کے مختلف حصوں کی سیر کراتا رہا۔ پھر مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "یہاں کہیں بادشاہ نظر آیا تجھ کو؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "مجھ کو تو نہیں نظر آیا لیکن سلطان کے آدمی اس کو ڈھونڈ نکالیں گے ویسے بادشاہ کو چھپایا کہاں ہے؟"

پادری نے کہا۔ "وہ تہ خانے میں ہے اگر تو کہے تو تیری ملاقات کرا دی جائے۔"

بہروز نے خواہش ظاہر کی۔ "میں بادشاہ سے ضرور ملوں گا۔ مجھے اس کے پاس لے چلیں۔"

پادری نے گرجے کے دروازے کو اندر سے بند کر لیا اور ایک چبوترے کی پہلی سیڑھی کو آگے کی طرف دھکیلا۔ اپنی اوپری سیڑھی کے اندر چلی گئی اور نیچے جانے کا راستہ نمودار ہو گیا۔ یہاں ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی پادری، بہروز کو لے کر نیچے اتر گیا۔ روشنی سے ایک دم اندھیرے میں چلے جانے سے بہروز کی نظر کام نہیں کر رہی تھی۔ یہاں پادری نے آہستہ سے آواز دی۔ "بادشاہ سلامت! آپ کہاں ہیں؟"

بہروز کی آنکھیں آہستہ آہستہ کام کرنے لگیں۔ اب وہ ایک شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پادری بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ جب وہ بالکل قریب آیا تو پادری نے بہروز کی طرف اشارہ کیا۔ "یہی وہ اپنا مسیحی بھائی بہروز ہے جو سلطان کے ساتھ رہتا ہے اور ہماری بھلائی میں سرگرم عمل ہے۔"

اب بادشاہ ان دونوں کے روبرو کھڑا ہو گیا اور بہروز کو بغور دیکھ کر کہا۔ "تو بھی خوب ہے! ہم نے لعل لال میں تیرے ہی منصوبے پر عمل کیا تھا۔ افسوس کہ میتھیو انجلو اس منصوبے پر پوری طرح عمل نہیں کر سکا۔ ورنہ آج ہمیں یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔"

بہروز بادشاہ کو اپنے قریب دیکھ کر کچھ ایسا محو ہوا کہ بس کھو کر رہ گیا۔

پادری نے بادشاہ کو بتایا۔ "جناب والا! آج ہم نے خود اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لیا کہ سلطان ہمارے اس مسیحی بھائی پر کتنا اعتبار کرتا ہے۔ اس نے بہروز کو حکم دیا ہے کہ گرجے کی تلاشی لے کر سلطان کو بتائے کہ وہاں کوئی موجود تو نہیں۔"

بادشاہ ڈر گیا۔ "اور اس کو آپ میرے پاس لے آئے؟"

پادری نے بادشاہ کو یقین دلایا۔ "آپ بالکل نہ ڈریں۔ یہ ہمارا بھائی ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرے گا جس سے آپ کو گرجے کو مجھے یا کسی بھی عیسائی کو نقصان پہنچ سکے۔"

بہروز نے پادری کی تائید کی۔ "میں ہمیشہ خداوند مسیح کے ماننے والوں کی مدد کرتا رہوں گا۔"

بادشاہ کی جان میں جان آئی۔ کہنے لگا۔ "جب تک میں نے بہروز کو دیکھا نہیں تھا اس کو جہاندیدہ عمر رسیدہ سمجھتا تھا لیکن یہ تو بالکل جوان بلکہ نوجوان نکلا۔"

پادری نے بھی اس کی تعریف کی۔ "دانش مندی کوئی عمر پر موقوف نہیں ہے یہ نوجوان اپنے بزرگوں کا استاد ہے۔"

بہروز نے عاجزی سے کہا۔ "میں کچھ بھی نہیں ہوں ___ جو کچھ مجھ میں نظر آرہا ہے یہ حضرت مسیح کا کرم ہے۔"

پادری نے اس کے جذبات کو سراہا۔ "میں نے تجھ کو آج سے پہلے دیکھا نہیں تھا لیکن دوسروں سے تیرا ذکر سنا تھا سبھی یہ کہتے ہیں کہ تو مسیحیت کا بڑا ہمدرد ہے۔"

بادشاہ کو یہی افسوس تھا کہ وہ بہروز کی تجویز سے فائدہ نہیں اٹھا سکا اور اس کا ذمہ دار میتھیو انجلو کو قرار دیتا رہا۔

بہروز نے کہا۔ "اب ہمیں چلنا چاہئے۔ باہر مسلمان سپاہی ہمارا انتظار کر رہے ہیں۔"

بادشاہ ڈرا ہوا تھا اس نے پوچھا۔ "تو ہمارے بارے میں سلطان کو کیا بتائے گا؟"

پادری نے جواب دیا۔ "یہی کہ آپ گرجے میں نہیں ہیں۔"

بہروز نے اس کی اصلاح کی۔ "سلطان نے بادشاہ کو تو پوچھا ہی نہیں۔ میں یہ کہوں گا کہ گرجا خالی ہے اب وہاں کوئی بھی نہیں۔"

بادشاہ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ "حاضر دماغی اسے کہتے ہیں۔"

وہ دونوں واپس آنے لگے تو بادشاہ کا اضطراب دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ دونوں کو دور ہی سے کھڑا دیکھتا رہا۔

گرجے کے باہر سلطان سپاہی دونوں کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ بہروز نے انہیں بتایا۔ "اندر جانے کی کوئی ضرورت نہیں اب وہاں کوئی بھی نہیں"۔

ایک سپاہی نے پوچھا۔ "پھر اتنی دیر کہاں لگی؟"

بہروز نے برجستہ جواب دیا۔ "پورے گرجے کی تلاشی لینے میں"۔

میدان میں سلطان گرجے والوں سے مخاطب تھا۔ "میں تمہارے شہر آیا، میں چند مجرموں کی تلاش میں آیا ہوں۔ تمہارے بادشاہ اور ملکہ انجلو کی تلاش میں۔ ان دونوں نے مجھے اور سلطانوں کو دھوکا دیا ہم سے بد عہدی کی۔ میں ان دونوں سے پوچھوں گا کہ انہوں نے ہمارے ساتھ یہ سب کچھ کیوں کیا؟"

پادری، راہب اور ننیں سلطان کی پر اثر تقریر بڑے انہماک سے سن رہے تھے۔

سلطان نے انہیں بتایا۔ "اسلام نے ہمیں کیا دیا یعنی انسانوں کو کیا دیا؟ یہ ہماری اپنی ذمے داری ہے کہ دنیا والوں کو بتائیں، ہمیں یہ ذمہ داری اللہ کی طرف سے سونپی گئی ہے۔ ہم نے دنیا کی کئی قوموں تک اللہ کا پیغام پہنچایا اور اس کے خاطر خواہ نتائج حاصل کئے۔ اپنی یہی ذمے داری ہم تمہارے شہروں میں بھی پوری کرنا چاہتے ہیں مگر تم مزاحمت کرتے ہو تمہارا بادشاہ ہمیں روکنا چاہتا ہے۔ تمہارے سپاہی آمادہ پیکار رہتے ہیں۔ اب تم ہی ایمانداری سے بتاؤ کہ ہم کیا کریں؟ مجبوراً ہمیں بھی جنگ کرنا پڑتی ہے۔ تم ہمارے مبلغوں کو اپنے شہروں میں بے روک ٹوک آنے دو انہیں ان کا کام آزادی سے کرنے دو۔ ہم بھی تمہارے خلاف لشکر کشی نہیں کریں گے۔ انسان کو اس کے آبائی دین پر قائم رہنے پر مجبور نہ کرو اس کو آزادی دو کہ وہ جو دین چاہے اختیار کرے"۔

سلطان اپنی تقریر کرتا رہا اور بہروز کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔

کچھ دیر بعد جب بہروز اور پادری واپس آئے تو پادری نے سلطان کو بتایا۔ "بہروز نے گرجے کا کونا کونا چھان مارا لیکن وہ بالکل خالی ملا اور وہاں ایک بھی متنفس نہیں ملا"۔

سلطان نے بہروز کو اپنے پاس بلایا اور پادری سے کہا۔ "میں تجھ سے نہیں، بہروز سے معلوم کروں گا تُو تو یہی بات پہلے بھی کر چکا ہے"۔

بہروز سلطان کے قدموں میں بیٹھ گیا اور پادری کا دل ڈوبنے لگا۔ سلطان نے بہروز سے قدرے جھک کر سوال کیا۔ "ہاں تو بتا تو نے گرجے میں کیا دیکھا؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "آپ یہ سوال مجھ سے کر رہے ہیں۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا"۔

سلطان نے کہا۔ "میں بھی یہی چاہتا ہوں"۔

بہروز نے صاف صاف بتا دیا۔ "بادشاہ گرجے کے تہ خانے میں موجود ہے۔ میں اس سے مل کے آیا ہوں اور میں نے اس سے باتیں بھی کی ہیں"۔

سلطان اس کے سچ سے بہت خوش ہوا۔ "تو یہ بات کسی اور سے نہیں کہے گا میرے سوا۔ تہ خانے کا راستہ کہاں سے ہے؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "گرجے کی اصل عمارت کی آخری سیڑھی کو آگے دبانے سے تہ خانے میں داخلے کا راستہ سامنے آجائے گا"۔

گرجے کا پادری دونوں کی سرگوشیوں پر گہری نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس نے اپنے برابر والے پادری کے کان میں کچھ کہا اور پھر خاموشی سے بیٹھ گیا۔

سلطان نے ذرا گرجدار آواز میں بہروز سے کہا۔ "میں کس طرح یقین کرلوں کہ گرجے میں کوئی نہیں رہا۔ میں گرجے کی تلاشی لوں گا۔ تو سچی ہے اس لئے تو سچ نہیں بول رہا"۔

بہروز گڑگڑانے لگا۔ "سلطانِ محترم! مجھ پر رحم فرمائیں۔ میں نے وہاں کچھ بھی نہیں دیکھا وہاں کچھ تھا ہی نہیں تو میں کیا دیکھتا"۔

سلطان نے اس کو دھکے دے کر پادریوں کی طرف بھگا دیا۔ "تو اپنے ہم مذہبوں میں جا۔ یہاں ہمارے پاس کیا لینے آیا ہے۔ کتے جب بھی جھکیں گے اپنے پیٹ کی طرف"۔

سلطان کے دھکے نے اسے منہ کے بل گرا دیا ایک تیر تھوڑی میں چبھ گیا جس سے خون جاری ہو گیا۔

پادریوں اور مذہبی پیشواؤں نے بہروز کو بڑی قدر کی نظروں سے دیکھا اور سلطان پر غضب ناک ہو گئے۔

سب سے بڑے گرجے کا پادری بالکل خاموش تھا اس کو کسی بات کا شبہ تھا۔

بہروز اس کے قدموں میں جھک گیا۔ "مقدس باپ! مجھے اپنی پناہ میں لے لیں۔ سلطان مجھ سے ناخوش ہے"۔

پادری نے کہا۔ "وہ تجھ سے کیوں ناخوش ہے؟ تو نے تو سلطان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہر وہ کام کیا ہے جو تیرے ضمیر اور مذہبی حمیت کے خلاف تھا"۔

بہروز نے حیرت سے پوچھا۔ "یہ آپ کہہ رہے ہیں مقدس باپ آپ؟"

پادری نے شانوں سے پکڑ کے اس کا چہرہ اپنے منہ کے مقابل کرلیا۔ "سچ بتا کیا تو نے سلطان سے ایسی باتیں نہیں کیں جو تجھ کو نہیں کرنا تھیں؟"

اس نے کہا۔ "یہ آپ کا شبہ ہے غلط فہمی ہے۔ آپ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔ تہمت لگا رہے ہیں"۔

پادری نے اسے اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ "اب میں تجھ پر اعتبار نہیں کروں گا"۔

بہروز دوسرے پادریوں کے پاس گیا اور ان سے پناہ چاہی وہ ان سے بھی یہی کہہ رہا تھا۔ "سلطان نے مجھے دھکے دے کر بھگا دیا، اب میں کہاں جاؤں؟"

کئی پادریوں کو اس پر رحم آرہا تھا۔ انہوں نے بہروز کو اپنے پاس بٹھایا اور تسلیاں دیں۔ "تو مت گھبرا گرجے کے دروازے تجھ پر ہمیشہ کھلے رہیں گے"۔

بہروز نے ان کا شکریہ ادا کیا اور سلطانوں کی شکایتیں شروع کر دیں۔ "یہ عجیب جنگجو لوگ ہیں ہر وقت لڑتے مرتے رہتے ہیں"۔

ایک پادری نے پوچھا۔ "پھر تو ان کے ساتھ رہتا کیوں ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "صرف اس لئے کہ میں ان کو ایسا سبق دینا چاہتا ہوں جس کو یہ ہمیشہ ابدالآباد تک یاد رکھیں گے"۔

پادری نے اسے سمجھایا۔ "تو ایسا نہیں کرسکے گا۔ ہم جانتے ہیں اس لئے سلطانوں میں رہ کر اپنی زندگی مت تباہ کر"۔

بہروز بہت غمگین ہو رہا تھا۔ "میری زندگی تو برباد ہو چکی اب اور کیا برباد ہو گی"۔

پادری نے پھر سمجھایا۔ "سلطان سلطانوں کا بادشاہ ہے اور سلطانوں سے ٹکر لینا حکومتوں کے بس کی بات نہیں تو تیری کیا حیثیت؟"

کئی پادری اور راہب مل جل کر اس کو سمجھاتے رہے لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہا اور یہی کہتا رہا کہ میں سلطان اور سلطانوں کو بالآخر وہ مزہ چکھاؤں گا کہ تاریخ یاد رکھے گی"۔

انہی باتوں کے دوران اس نے کئی پادریوں کو ہجوم میں شامل ہوتے دیکھا۔ وہ سب سے پچھلی صف میں سر جھکا کر بیٹھ گئے تھے بڑے گرجے کا پادری، بہروز کو برا بھلا کہے جا رہا تھا۔ "میں تجھ پر یقین نہیں کرسکتا"۔

ایک پادری نے اسے سمجھانا چاہا۔ "اس نے آخر کیا کیا ہے؟ یہ بھی تو معلوم ہو"۔

بڑے پادری نے جواب دیا۔ "وہ تو میں بھی کو بتاؤں گا کہ اس نے کیا کیا ہے"۔

بہروز خاموش ہو کر بیٹھ گیا اور دوسرے لوگ آپس میں بحث مباحثہ کرنے لگے۔

سلطان کہیں جا چکا تھا لیکن اس کے سپاہی وہاں اب بھی موجود تھے، اس نے آتے ہی سپاہیوں سے بہروز کے بارے میں پوچھا۔ "وہ کہاں چلا گیا بہروز، اس پر نظر رکھو وہ جانے نہ پائے اس کو بھاگنے نہ دیا جائے"۔

سپاہی بہروز کو پادریوں اور راہبوں کے درمیان سے اٹھا لائے سلطان نے بہروز کو سخت سست کہنا شروع کر دیا۔ "اب میں تجھ کو ٹھیک کروں گا۔ تو اپنے ہم مذہبوں سے مل کر ہمیں...

بلاقدر بتارہا ہے کہ اب ہم بے وقوف نہیں بنیں گے۔"

سپاہیوں نے بہروز کو گھسیٹ کر سلطان کے قدموں میں ڈال دیا۔ "بہروز حاضر ہے۔"

کئی پادریوں نے اس پر احتجاج کیا۔ "سلطان کو ایک ذمی پر یوں ظلم نہیں کرنا چاہئے۔"

سلطان نے بہروز کو ڈانٹ کر سوال کیا۔ "تو تو کہتا تھا، گرجے میں کوئی نہیں ہے۔"

اس نے جواب دیا۔ "میں اب بھی یہی کہتا ہوں، وہاں کوئی نہیں ہے۔"

سلطان نے کہا۔ "لیکن جب میرے آدمی گرجے کی تلاشی لے رہے تھے انہوں نے وہاں ......"

بہروز نے چلا کر بات کاٹ دی۔ "آپ نے مجھ پر یقین نہیں کیا مگر میں یہی کہوں گا کہ گرجا خالی تھا۔"

سلطان نے کہا۔ "میرے کئی آدمیوں نے وہاں سے کسی کو فرار ہوتے دیکھ لیا۔"

بہروز نے جواب دیا۔ "اگر کسی کو فرار ہوتے دیکھا ہے تو اس کو پکڑ لیتے اس کو جانے کیوں دیا؟"

سلطان نے ہجوم کو حکم دیا۔ "یہاں سے کوئی آدمی اس وقت تک نہ ہلے جب تک میں حکم نہ دوں۔" اور اپنی سپاہ کو حکم دیا۔ "تم یہاں پہرا دو گے اور اگر کوئی کہیں جانے کی کوشش کرے تو اس کو فوراً قتل کر دو۔"

اس کے بعد وہ بہروز کو اپنے خیمے میں لے گیا۔ پوچھا۔ "ہاں اب بتا اس دوران ہجوم میں کوئی نیا آدمی شامل ہوا؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "دو پادری، دونوں پچھلی صفوں میں موجود ہیں۔"

سلطان نے اس کی تعریف کی۔ "بہروز، میرے دل و دماغ تیرے بارے میں شکوک کے اسیر تھے لیکن اس وقت تو نے جس وفاداری کا ثبوت دیا ہے اس سے میرے سارے شکوک دور ہو گئے ہیں۔ یہ کام تو ہی کر سکتا تھا۔"

بہروز نے کہا۔ "میں آپ کا وفادار ہوں آپ نے مجھ پر بہت احسان کئے ہیں۔ میں انہیں بھول نہیں سکتا۔"

وہ ایک دم غمزدہ ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں کہنے لگا۔ "بڑے گرجے کا پادری مجھ پر لعن طعن کر رہا تھا اس کو مجھ پر شبہ ہو گیا ہے۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "تو مت گھبرا میں تیری خدمات کا جو صلہ دوں گا اس سے تیری زندگی سدھر جائے گی اے کاش! تو مسلمان ہوتا، تو مسلمان ہو گیا ہوتا۔"

اس نے کہا۔ "میں تقریباً مسلمان ہو چکا ہوں، مسیحی مجھے مسیحی نہیں سمجھتے اور مسلمانوں میں، میں مسلمان نہیں ہوں۔ میں تو کہیں کا بھی نہیں رہ گیا۔"

سلطان نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی اور کہا۔ "میں نے تجھ کو دھکا دیا جس سے تو زخمی ہو گیا مجھے اس کا افسوس ہے۔"

بہروز نے پیش کش کی۔ "آپ مجھ کو ہجوم میں لے چلیں، میں بادشاہ کو پہچانتا ہوں اس کو پادریوں کی صف سے نکال کر آپ کے حوالے کر دوں گا۔"

سلطان نے کہا۔ "تیری مخلصانہ پیش کش کا شکریہ، بادشاہ کو پہچاننے کے لئے ہمارے پاس ایک دوسرا آدمی بھی موجود ہے۔ بادشاہ کو اس سے زیادہ کون پہچانے گا۔"

بہروز سوالیہ نظروں سے سلطان کو دیکھتا چاہا مگر ہمت نہیں ہوئی کہ سلطان نے تالی بجائی ایک خدمت گار اندر داخل ہوا۔ سلطان نے حکم دیا۔ "شہزادہ ملک شاہ کو حاضر کیا جائے۔"

خدمت گار گیا اور شہزادے کو بلا لایا۔

سلطان نے حکم دیا۔ "مائیک انجلو کو حاضر کیا جائے"۔

بہروز کو بڑی حیرت ہوئی، پوچھا۔ "کیا مائیک انجلو پکڑا گیا؟"

سلطان نے کہا۔ "بھاگ کے جا بھی کہاں سکتا تھا۔"

کچھ دیر بعد خادم مائیک انجلو کے ساتھ خیمے میں داخل ہو گیا۔"

مائیک انجلو اور بہروز ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے تھے سلطان نے دونوں کا تعارف بھی نہیں کرایا۔

اس نے مائیک انجلو سے کہا۔ "تیرا بادشاہ پادری کے لباس میں ہجوم کی پچھلی صف میں موجود ہے۔ اب یہ تیرا کام ہے کہ اس کو وہاں سے نکال لا اور میرے سامنے پیش کر دے۔"

مائیک انجلو کے چہرے کا رنگ سفید ہو رہا تھا۔ وہ موت سے خوفزدہ تھا کہنے لگا۔ "میں بادشاہ کو آپ کے حوالے کر دوں گا لیکن مجھ کو معاف کر کے رہا کر دیا جائے تو یہ سلطان کی طرف سے میرے لئے ایک تحفہ ہو گا۔"

سلطان نے بے رخی سے جواب دیا۔ "تم دونوں کا جرم ایسا ہے کہ میں اسے معاف نہیں کر سکتا۔ میری فوج کے وہ سپاہی جن کے عزیز رشتہ دار وہاں مارے گئے وہ تم دونوں کو کس طرح معاف کر دیں گے۔ وہ تو تم دونوں کو پتھروں سے ہلاک کر دیں گے۔"

مائیک انجلو نے بے بسی سے کہا۔ "چلیں، میں بادشاہ کو پکڑوا دوں گا حالانکہ یہ خدمت کسی اور سے لینا چاہئے تھی۔"

شہزادہ ملک شاہ، مائیک انجلو کو لے کر باہر نکل گیا۔ بہروز نے

سلطان سے درخواست کی۔ "اگر بادشاہ سلامت مناسب سمجھیں تو ان دونوں کو معاف فرما دیں۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "تمہاری خدمات اور تمہاری وفاداریاں اپنی جگہ لیکن میں ان دونوں کو کیوں معاف کر دوں۔"

بہروز نے آہستہ سے کہا۔ "یہ میری خواہش ہے۔ خیر کوئی ضروری بھی نہیں، کہ ہر خواہش پوری ہی ہو جائے۔"

سلطان نے خواجہ حسن بدر الدین کو بھی وہیں بلوالیا۔

سلطان نے اعلان کیا۔ "بادشاہ پادری کے لباس میں پچھلی صف میں موجود ہے اس سے کہو اب بہروپ بھرنا فضول بلکہ لا حاصل ہے۔ وہ میرے پاس آجائے۔"

ہجوم میں کھلبلی سی مچ گئی۔ بڑے گرجے کے پادری نے کہا۔

"غدار بہروز کہاں چلا گیا؟"

بادشاہ نے پچھلی صف سے نکل بھاگنے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے ہی ہتیک انجلو کی مضبوط کلائی نے بادشاہ کی ایک کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

بادشاہ نے حیرت سے ہتیک انجلو کو دیکھا۔ "ارے یہ تو ہے؟"

ہتیک انجلو نے جواب دیا۔ "ہاں یہ میں ہوں۔"

بادشاہ نے پوچھا۔ "تو مجھ کو کیوں پکڑ رہا ہے۔ چل ہم دونوں فرار ہو جائیں۔"

ہتیک انجلو نے پوچھا۔ "کہاں؟ مجھ کو تو سلطان نے آپ کی گرفتاری کے لئے یہاں بھیجا ہے۔"

بادشاہ نے حیرت سے پوچھا۔ "تجھ کو سلطان نے بھیجا ہے؟"

سپہ سالار نے جواب دیا۔ "ہاں مجھے بادشاہ نے یہاں بھیجا ہے۔"

اتنی دیر میں خواجہ حسن، شہزادہ ملک شاہ اور بدر الدین بھی وہاں پہنچ گئے۔

بادشاہ چپ چاپ اٹھا اور ان سب کے ساتھ سلطان کے پاس آیا۔ سلطان نے اس کو اپنے برابر جگہ دی۔

بادشاہ کڑھ رہا تھا اس نے پاس بیٹھنے سے انکار کیا اور پوچھا۔

"بہروز کہاں ہے؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "وہ جھوٹ بولنے کی سزا بھگت رہا ہے!"

بادشاہ نے کہا۔ "ہاں وہ جھوٹا ہے حد درجہ جھوٹا۔ وہ ہم سے بھی جھوٹ بول چکا ہے۔"

سلطان نے پوچھا۔ "اس نے تم سے کیا جھوٹ بولا؟"

بادشاہ نے جواب دیا۔ "مگر ہے یعنی اس نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ہمارا ذکر سلطان سے نہیں کرے گا لیکن اس نے ہمارا ذکر سلطان سے کر دیا۔"

سلطان نے کہا۔ "ہمیں تم دونوں کی تلاش تھی۔ اب مل گئے ہو تو تم دونوں پر اسی وقت مقدمہ چلے گا اور آج ہی اپنی سزا کو پہنچو گے۔"

بادشاہ نے کہا۔ "اس مقدمہ کا ایک فریق بہروز بھی ہے۔ براہ کرم اس کو بھی یہیں ہمارے قریب ہونا چاہئے۔"

سلطان نے پوچھا۔ "وہ کس طرح؟"

بادشاہ نے جواب دیا۔ "بد عہدی اور دغا بازی بھی ہم نے بہروز کی تجویز اور مشورے سے اختیار کی تھی۔ ہمارے وفد کو یہ مشورہ بہروز ہی نے دیا تھا۔"

سلطان نے پوچھا۔ "اور تم نے اپنے دشمن کی تجویز پر عمل کر ڈالا۔"

بادشاہ نے جواب دیا۔ "اس نے ہمارے وفد کو سچی دوست ظاہر کیا تھا۔"

سلطان نے کہا۔ "بہروز خود کو کچھ بھی ظاہر کرتا اس سے بد عہدی اور دغا بازی کا جواز کس طرح حاصل ہو گیا۔"

اب بادشاہ کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

ہتیک انجلو نے بادشاہ کو مورد الزام ٹھہرایا اور بادشاہ نے ہتیک انجلو کے سر ڈالا۔ دونوں میں گرما گرمی ہو گئی۔ سلطان نے ان دونوں کو ڈانٹا۔ "یہ مت بھولو کہ اس وقت تم دونوں ایک سلطان کے روبرو اس کی عدالت میں کھڑے ہو۔ آپس میں نیچی آواز میں بات کرو۔"

دونوں خاموش ہو گئے۔ سلطان نے کہا۔ "میں چاہوں تو تم دونوں کو قتل کرا دوں لیکن میں مسلمان ہوں اور میں وہی کروں گا جس کی ہمارے مذہب نے اجازت دی ہے۔"

بادشاہ اور ہتیک انجلو کی گرفتاری کی خبر پھیل چکی تھی۔ مسلمان مشتعل تھے اور دونوں کے خلاف اپنے غم و غصہ کا اظہار کر رہے تھے۔ انہوں نے سلطان کے خیمے کے چاروں طرف جمع ہو کر مطالبہ کیا کہ دونوں کو سپاہیوں کے حوالے کیا جائے وہ انہیں سزا دیں گے۔

سلطان نے خیمے سے نکل کر انہیں بتایا۔ "سزا دینا میرا کام ہے۔ تم سب اپنے اپنے خیموں میں چلے جاؤ۔"

سلطان کا رعب کام کر گیا اور سپاہی وہاں سے چلے گئے۔

اس نے کچھ دیر بعد اپنی فوج کو میدان میں یک جا کیا اور اسی جگہ کئی کے شہری بھی آ گئے۔ سلطان ان سب کے سامنے بادشاہ اور ہتیک انجلو کی قسمتوں کا فیصلہ سنانا چاہتا تھا۔

اس نے بادشاہ اور بٹیک انجلو کو سب کے سامنے کھڑا کر دیا اور ہجوم کو ان کے جرم سے آگاہ کیا۔

خواجہ حسن نے سلطان سے درخواست کی کہ اس کو ان دونوں کے خلاف جو فیصلہ سنانا ہے سنا دیا جائے، کیونکہ اس ہجوم سے نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہے۔ اپنی فوج آج ان دونوں کو دیکھ کر ان کی بد عہدی اور دغا بازی پر برہم ہے اور عیسائیوں کو اپنے دوسرے آدمیوں کی بے عزتی اور تباہی کاروائی کا غم ہے۔

سلطان نے کسی کی پرواہ کئے بغیر اپنی کاروائی جاری رکھی۔ اس نے سب کو بتایا۔ "یہ دونوں ایسے مجرم ہیں کہ انہیں دنیا کا کوئی بھی قانون معاف نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں انہیں جو بھی سزا دوں گا حق بجانب ہوں گا۔"

پھر سلطان نے بہروز کو بھی طلب کر لیا اور اس کو بتایا کہ بادشاہ نے اس پر کیا الزام لگایا ہے۔

بہروز نے جواب دیا۔ "یہ مجھ پر الزام لگا کر باہمی اعتماد کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور میں اسے ایک سازش کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔"

سلطان نے اس سے اتفاق کیا۔ بادشاہ کے جسم پر پادری کا لباس تھا۔

سلطان نے اس لباس کی طرف اشارہ کیا۔ "بادشاہ! ایک خوش قسمت انسان ہے۔ میں نے بادشاہ کو پادری کے لباس میں گرفتار کیا ہے اور میرا مذہب مجھے اس کی اجازت نہیں دیتا کہ میں مذہبی پیشوا کو کوئی سزا دوں۔ کس نے بد عہدی کی اور کون دغابازی کا مرتکب ہوا، میں نہیں جانتا اس لئے میں بادشاہ کو معاف کرتا ہوں۔ بادشاہ جب چاہے میدان جنگ میں میرے مقابلے میں آسکتا ہے میں اس کا والہانہ استقبال کروں گا۔ میں سازش کو ذرا بھی پسند نہیں کرتا۔"

اس کے بعد سلطان نے بٹیک انجلو کی طرف دیکھا۔ "میں نے بادشاہ کی وجہ سے اس کو بھی معاف کر دیا۔ یہ بھی مجھ سے میدانِ جنگ میں مقابلہ کر سکتا ہے۔"

بادشاہ نے کسی قسم کی پرواہ کے بغیر سلطان کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے بوسہ دیا۔ "سلطان! آپ بلاشبہ دنیا کے بہت بڑے انسان ہیں۔ میں آپ کو جانتا ہوں اور آپ سے ہم کلامی کا شرف ملا ہے۔ میں آپ کا احسان کبھی بھی نہیں بھولوں گا۔"

کچھ اسی قسم کے جذبات کا اظہار بٹیک انجلو نے بھی کیا۔

ادھر یہ کاروائی جاری تھی۔ دوسری طرف ایک چھوٹے سے گرجے میں پادریوں اور راہبوں کی خفیہ مجلسِ مشاورت بیٹھی تھی۔ وہ اپنا وفد قسطنطنیہ بھیج رہے تھے۔ وہ اپنے وفد کے ذریعہ قسطنطنیہ کے حکمران کو یہ بتانے کی کوشش کر رہے تھے کہ اگر مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے قدم یہیں نہ روکے گئے تو پھر ساری دنیا کا خدا حافظ ہے۔

سلطان کے فیصلے سے بھی عیسائی بہت خوش تھے جن کا خیال تھا کہ مسلمان قاتل خونخوار اور سفاک ہیں۔

سلطان نے آنی شہر میں اس وقت تک قیام کیا جب تک کہ خواجہ حسن نے شعرا کی مدد سے ایک فتح نامہ نہ تیار کر لیا۔ یہ فتح نامہ عباسی خلیفہ کو روانہ کر دیا گیا۔ خلیفہ نے سلطان کو فتح کی مبارک باد دی اور اس کے حق میں دعا دی۔

خیموں سے باہر یہ سب کچھ ہوتا رہا۔ خیمے کے اندر ہیلینا عیسائیوں کی شکست اور آنی کے مفتوح ہو جانے سے کسی قدر ملول ہو گئی تھی۔ اس کو بہروز کی کاروائیوں پر غصہ آیا اور جب اس کو یہ بتایا گیا کہ عیسائی بادشاہ کو بہروز نے گرفتار کروا دیا تو اور زیادہ دکھ ہوا۔ پھر یہ بھی معلوم ہوا کہ سلطان نے ایک بڑے ہجوم کے سامنے بادشاہ اور اس کے سپہ سالار بٹیک انجلو کو معاف کر دیا تو ہیلینا کو اس سے اتنی خوشی ہوئی کہ چہ خوش۔

جب یہ ساری کاروائی ختم ہو گئی اور سلطان ہیلینا کے پاس پہنچا تو ہیلینا نے مسکراہٹوں سے اس کا استقبال کیا۔ وہ عیسائیوں کی شکست اور آنی کی تسخیر سے جتنا ملول ہوئی تھی اتنا ہی بادشاہ اور سپہ سالار کی رہائی، آزادی اور معافی سے خوش ہوئی۔ وہ مسلمانوں کو سمجھنے سے قاصر تھی، اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ سلطان نے ان دونوں دغابازوں کو معاف کس طرح کر دیا۔ ان کا جرم تو نا قابلِ معافی تھا۔

سلطان نے اسے فکر مند دیکھا تو سوال کیا۔ "تو کیوں فکر مند ہے؟"

ہیلینا نے جواب دیا۔ "میں فکر مند نہیں حیرت زدہ ہوں اور دل میں جو خیال آ رہے ہیں ان کے جواب چاہتی ہوں۔"

سلطان نے پوچھا۔ "دل میں کس قسم کے خیال آ رہے ہیں؟"

اس نے جواب دیا۔ "یہ کہ سلطان نے ان دونوں کو کیوں معاف کر دیا جو مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کے قاتل تھے۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "ان کی سفارش بہروز نے کی تھی اور پھر یہ کہ جس وقت بادشاہ کو گرفتار کیا تھا وہ پادریوں کے لباس میں تھا اور میں مذہبی پیشواؤں کی عزت کرتا ہوں۔ ان کو کسی قسم کی اذیت نہیں دی جا سکتی۔"

ہیلینا اس متحمل فطرت کے حامل انسان کی باتوں پر حیرت تھی لیکن اس نے بہروز کی مخالفت کی اور سلطان کو اشارۃً بتایا۔ "بہروز کے بارے میں آپ اگرچہ خوش فہم ہیں حالانکہ میں

لور میری قوم اس سے مطمئن نہیں ہیں۔"

سلطان نے کہا۔ "میرے فیصلے میرے اپنے ہوتے ہیں۔ میری اپنی ایک رائے ہوتی ہے اس لئے مجھ کو تیری یا تیرے قوم کی رائے سے کیا تعلق۔"

بیلینا نے مشورہ دیا۔ "آپ کو دوسروں کی بات ضرور سننا چاہئے خواہ آپ اسے نہ مانیں۔"

سلطان نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔ "ٹھیک ہے، تجھ کو جو کچھ کہنا سننا ہے کہہ سن لے۔"

بیلینا نے کہا۔ "بہروز کا ذہن صاف نہیں، سوچتا کچھ ہے' فیصلہ کچھ کرتا ہے لور عمل کچھ کرتا ہے۔ ایسے آدمی کا کیا بھروسہ اس کے ساتھ ہی ناتجربہ کار بھی ہے۔"

سلطان نے بے نیازی سے کہا۔ "یہ ساری باتیں میں بھی جانتا ہوں۔"

بیلینا نے پوچھا۔ "میں آپ سے ایک بات جاننا چاہتی ہوں بہروز کے حوالے سے!"

سلطان نے پوچھا۔ "پوچھ تو کیا جاننا چاہتی ہے؟"

بیلینا نے کہا۔ "وہ کسی کے بارے میں بھی کچھ کہہ سکتا ہے۔ دوسروں سے کہلوا سکتا ہے اگر اس نے آپ کی بہنوں کے ساتھ یہی کیا تو آپ کیا کریں گے؟"

سلطان نے جواب دیا۔ "یہ تو وقت بتائے گا کہ میں کیا کروں گا۔ میں غیرت مند ضرور ہوں لیکن جذباتی نہیں۔ میرے جوش میں بھی ہوش شامل رہتا ہے۔"

سلطان بیلینا کو زیادہ وقت نہیں دے سکتا تھا لور وہ عورت کو اتنی اہمیت بھی نہیں دیتا تھا کہ وہ اس کی باتیں سنے لور اس سے مشورہ لے لور پھر مشوروں کے حسن وقبح پر بھی غور کرے۔ وہ عورت کو بس عورت ہی سمجھتا تھا، ایک ایسی جنس جس سے بقائے نسل وابستہ ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

......☆......

پادریوں، راہبوں لور عیسائیوں میں بہروز کے لئے بڑی نفرتیں پائی جاتی تھیں۔ اس کو غدار لور دھوکے باز کہا جا رہا تھا۔ وہ آزادی سے گھوم پھر بھی نہیں سکتا تھا اس کو اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو چکا تھا۔ بہروز کا خیال تھا کہ سلطان، بادشاہ لور ملیک انجلو کو قتل کرا دے گا لور اس طرح اس کی سازش پر پردہ پڑ جائے گا لور وہ بادشاہ کے عتاب لور دشمنی سے بھی محفوظ ہو جائے گا لیکن دونوں کی رہائی نے بہروز کو فکر مند کر دیا تھا اس کو سلطان کا فیصلہ لور ... را بھی اچھی نہیں لگی تھی۔

بہروز کے کانوں میں یہ الفاظ گونج رہے تھے کہ ... الپ ارسلان کی

سازش کا بنیادی شخص بہروز ہے لور بادشاہ نے جو کچھ بھی کیا اس میں بہروز کی تجویز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ حالانکہ سلطان نے اس پر توجہ نہیں دی تھی لور اس پر کسی قسم کا تاثر بھی نہیں دیا تھا مگر اسے شبہ تھا کہ سلطان نے اس کا اثر ضرور لیا ہوگا۔

سلمان مبلغ اپنے کام میں مشغول تھے۔ وہ غریبوں لور ناداروں کی بستیوں میں جاتے لور ان کے سامنے اسلام کی سادگی لور آسانی پیش کرتے۔ یہ چیزیں ان میں سے بیشتر کو پسند آ جاتیں لور وہ مسلمان ہو جاتے۔

کچھ ایسے خاندان بھی تھے جو مسلمانوں کی خوش حالی سے متاثر تھے لور اس کا واحد سبب مسلمانوں کی عسکری خدمات کو سمجھتے تھے۔ ایسے لوگ اسلامی لشکر میں شامل ہونا ضروری سمجھتے تھے۔ وہ سلطان سے درخواست کر رہے تھے کہ انہیں مسلمانوں کی فوج میں شامل کیا جائے لیکن سلطان انہیں ابھی فوجی تربیت نہیں دینا چاہتا تھا، فی الحال وہ جنگوں کا سلسلہ بند کر دینا چاہتا تھا۔ وہ نو مسلموں کو فی الحال اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے، پھر انہیں رے لے جا کر باقاعدہ فوجی بنانا چاہتا تھا۔

آنی میں ہر طرف سے بہروز کے خلاف آوازیں اٹھ رہی تھیں۔ عیسائیوں نے اسے برملا غدار لور دھوکے باز کہنا شروع کر دیا تھا مائیکل جولی وہاں جس جس سے ملا اس نے یہی کہا کہ بہروز جھوٹا لور غدار ہے۔ خواجہ حسن لور شہزادہ ملک شاہ دوسرے سرداروں کے ساتھ ان آوازوں سے کراہیت محسوس کر رہے تھے۔ وہ بہروز کے بارے میں سلطان کو کوئی مشورہ بھی نہیں دے سکتے تھے۔

مائیکل جولی نے سلطان کی شان میں ایک قصیدہ لکھا۔ وہ سلطان کو بہت پسند آیا۔ پھر یہ قصیدہ آنی کے عیسائیوں کو دے دیا گیا لور اس طرح اس قصیدہ کو بڑی شہرت ملی۔

بہروز کو یہ قصیدہ اچھا نہیں لگا۔ کیونکہ اس کو سلطان ہی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ سلطان نے بادشاہ لور ملیک انجلو کو معاف کر کے بہروز کے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی۔

مائیکل جولی نے یہ قصیدہ بہروز کو سنایا تو اس نے منہ بنا کر کہا۔ "یہ قصیدہ لکھنے میں تو نے جلدی کی ہے۔"

مائیکل جولی نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے میرا قصیدہ بر وقت لکھا گیا ہے۔"

بہروز نے کہا۔ "یہی قصیدہ اگر رے میں لکھا جاتا تو اس کو پورے عالم اسلام میں شہرت لور مقبولیت حاصل ہوتی۔ لیکن آنی میں اس کو سلطان کے دشمن ہی پڑھ سکیں گے۔"

آنی کا ایک رئیس بھی مائیکل جولی کو قصیدے کی داد دینے آیا!

وہاں بہروز بھی موجود تھا۔ رئیس نے بہروز کے بارے میں پوچھا۔

"یہ کون ہے؟"

مائیکل جولی نے جواب دیا۔ "بہروز سلطان کا معتمد، کبھی بہروز اس کو کون نہیں جانتا۔"

رئیس نے آنکھیں کھول کر بہروز کو دیکھا۔ "تو یہ ہے، بہروز غدار!"

بہروز نے غصہ میں رئیس کو دیکھا اور پوچھا۔ "کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ میں غدار کیوں کر ہوا۔ میں سلطان اور سلطنتوں کا وفادار ہوں۔"

رئیس نے کہا۔ "تو مسیحیت کا غدار ہے تو نے اپنے مذہب سے اپنے دین سے غداری کی ہے۔"

بہروز جو کچھ کہنا چاہتا تھا برملا بھی کہہ نہیں سکتا تھا۔ "تم لوگ مجھے سمجھے ہی نہیں۔ میں نے جو کچھ بھی کیا۔ مسیحیت اور عیسائیوں کی بھلائی کے لئے کیا ہے۔ اور میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کا نتیجہ چند سالوں بعد سامنے آئے گا۔"

رئیس نے ہنس کر طنزیہ کہا۔ "چند سال کی ایک رہی۔ اگر سلطان، بادشاہ اور بیگ انجلو کو معاف نہ کر دیتا تو تیری شرارت اور غداری کا نتیجہ ظاہر ہو چکا ہوتا۔"

بہروز وہاں سے جانے لگا تو اس نے روک لیا۔ "میں تو یہاں آیا ہی تیری تلاش میں تھا۔ اگر تو یہاں مل نہ جاتا تو میں اس شاعر سے تیرا پتہ پوچھتا۔"

مائیکل جولی نے دونوں کے درمیان کھڑے ہو کر بیچ بچاؤ کرنا چاہا لیکن رئیس نے اس کو دھکا دے کر ایک طرف کر دیا۔ "تو بیچ سے ہٹ جا۔"

مائیکل جولی پھر بیچ میں آ گیا "بھائی! بہروز سے مت جھگڑ ان دنوں یہ سلطان کا معتمدِ خاص ہو رہا ہے۔"

رئیس نے کہا۔ "میں اس کو غدار کی حیثیت سے جانتا ہوں بس اور کچھ نہیں۔"

بہروز بھی سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ "تو یہاں کیوں آیا ہے اور مجھ سے کیا چاہتا ہے؟"

رئیس نے بہروز کے گال پر ایک چانٹا رسید کر دیا۔ "میں یہ چاہتا ہوں کہ تیری جان لینا چاہتا ہوں۔"

چانٹے کی شدید ضرب نے بہروز کو لڑکھڑا دیا۔

مائیکل جولی نے بہروز کو بھگا دینا چاہا "تو ہی سامنے سے ہٹ جا اگر کچھ ہو گیا تو میں بدنام ہو جاؤں گا۔"

بہروز بنیادی طور پر لڑاکو اور جھگڑالو نہیں تھا لیکن ان دونوں کے درمیان رہ کر حوصلہ پیدا ہو گیا تھا، اس نے بھی رئیس کا گریبان پکڑ لیا اور اس کو جھٹکے دینے لگا۔

مائیکل جولی خیمے سے نکل کر مدد لینے گیا اور جب چند ساتھیوں کو لے کر آیا تو معلوم ہوا رئیس نے خنجر مار کر بہروز کو زخمی کر دیا ہے، وہ بھاگنا چاہتا تھا مگر شاعر کے ساتھیوں نے اس کو پکڑ لیا اور اس کا خنجر بھی چھین لیا۔

بہروز کو زخمی حالت میں اس کے اپنے خیمے میں پہنچا کر سلطان کو اس کی خبر کر دی گئی۔ سلطان نے اپنا طبیبِ خاص بہروز کے علاج کے لئے اس کے خیمے میں بھیج دیا۔

سلطان نے رئیس کے لئے حکم دیا کہ اس کو فی الحال قید کر دیا جائے اور بہروز کے صحت یاب ہو جانے پر اس کے ساتھ سلطان کی خدمت میں پیش کیا جائے۔

مائیکل جولی کو بہروز سے ہمدردی تھی۔ وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گیا اور کہا "بہروز! میرے دوست، جب تک تو صاحبِ فراش ہے میں تیرے پاس ہی رہوں گا۔"

بہروز نے کراہتے ہوئے پوچھا۔ "وہ رئیس کہاں ہے؟"

شاعر نے جواب دیا۔ "وہ قید کر دیا گیا ہے۔"

بہروز سے بولا نہیں جا رہا تھا اٹک اٹک کر پوچھا۔ "اس سانحے کی خبر سلطان کو پہنچا دی گئی؟"

مائیکل جولی نظریں چرا رہا تھا۔ "ہاں پہنچا دی گئی۔ سلطان کو اس خبر سے بہت دکھ پہنچا وہ افسوس کر رہا تھا۔"

بہروز نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "کیا تو سچ کہہ رہا ہے؟"

مائیکل جولی نے جواب دیا۔ "اگر میں نے سلطان کو تیرے حادثے کی خبر نہ کی ہوتی تو آج تیرے علاج کے لئے تیرے پاس شاہی طبیب موجود نہ ہوتا اسکے علاوہ تیرا دشمن، تیرا حملہ آور قید خانے میں نہ ہوتا۔"

بہروز نے مایوسی سے منہ پھیر لیا۔ "کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تو کہاں تک سچ بول رہا ہے۔"

شاعر نے جواب دیا۔ "میں جھوٹ کیوں بولوں گا...... میں نے جو کچھ بتایا اس میں ایک لفظ بھی جھوٹ نہیں۔"

بہروز نے کہا۔ "اگر تو سچا ہے تو میرا سلطان میرے پاس کیوں نہیں آیا؟"

مائیکل جولی کہنے لگا "تو کب سے سلطان کے پاس ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "کئی سال سے۔"

مائیکل جولی نے کہا۔ "پھر بھی یہ ذرا سی بات تیری سمجھ میں نہیں آئی کہ سلطان سلطان ہے اور تو اس کا ایک معمولی سا خدمت گار ہے۔ سلطان ایک معمولی خدمت گار کو دیکھنے کیوں آئے گا؟"

بہروز نے اپنی روح اپنے احساس اور اپنے وجود پر جوتے سے پڑتے محسوس کئے۔ شاطر نے اس کو آئینہ دکھا دیا تھا اور اس آئینہ میں اس نے اپنا معمولی اور کریہہ چہرہ دیکھ لیا تھا۔

وہ رونے لگا اور آہستہ سے پوچھا۔ "ہانگیل جولی! تو بالکل ٹھیک کہتا ہے۔ میں ایک معمولی سا خدمت گار ہوں۔ اب یہ بتا کہ کیا میں ٹھیک ہو جاؤں گا؟"

ہانگیل جولی نے جواب دیا۔ "ہاں، تو ٹھیک ہو جائے گا کم از کم طبیب نے یہی بتایا ہے۔"

خواجہ حسن اور کئی دوسرے سردار بھی اس کی مزاج پرسی کرنے آئے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ سلطان کی ہدایت پر اس کو دیکھنے آئے ہیں۔

خواجہ حسن نے پوچھا۔ "بہروز! آخر کمال رئیس نے ایسا کیوں کیا؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "میں نے ان کے بادشاہ اور سپہ سالار کو..." اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ "وہ مجھے غدار کہہ رہا تھا۔ مسیحیت کا غدار۔"

بہروز نے منہ پھیر لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

خواجہ حسن اور دوسرے اس کے پاس کچھ دیر رہے اس کے بعد چلے گئے۔ شاطر وہیں موجود تھا۔

جب بہروز کو یہ اندازہ ہو گیا کہ آنے والے چلے گئے ہیں تو اس نے کروٹ بدلی اور آنکھیں کھول دیں اور پوچھا۔ "کیا سب چلے گئے؟"

ہانگیل جولی نے جواب دیا۔ "ہاں، وہ چلے گئے اور یہ جان کر خوشی ہوئی کہ انہیں سلطان نے بھیجا تھا۔"

بہروز معلوم نہیں کیا سوچ رہا تھا پھر اچانک سوال کیا۔ "ہانگیل جولی! سچ بتا، کیا تو بھی یہی کہے گا کہ میں نے مسیحیت سے غداری کی ہے؟"

شاطر نے جواب دیا۔ "ہاں، کہا تو یہی جائے گا۔"

بہروز کا دم گھٹا جا رہا تھا کیونکہ وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا نہیں کہہ سکتا تھا۔ "میں نے ایسا کیوں کیا؟ یہ کسی کو بتا بھی نہیں سکتا۔ میں نے غداری نہیں کی جبکہ سلطان کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے ایسا کرنا میرے لئے ضروری تھا۔"

ہانگیل جولی نے اس کا ساتھ دیا۔ "جب ہم سلطانوں کے ساتھ رہیں گے تو ہمیں یہ بھی کرنا پڑے گا اور میں تو اب مسلمان ہوں۔"

شہزادہ ملک شاہ بھی اس کو دیکھنے آیا اور اس کی تعریف کی۔ "بہروز! تو نے ہمارے لئے جو کچھ کیا اس کے ہم احسان مند ہیں۔ اس رئیس یا نجیلہ کو وہی سزا دی جائے گی جس کی تو سفارش کرے گا۔"

بہروز کے دل پر اس نرمی اور خوش اخلاقی نے مرہم کا کام کیا، درخواست کی۔ "میں رئیس سے ایک بار ملنا چاہتا ہوں۔"

شہزادے نے جواب دیا۔ "ملوا دیا جائے گا۔"

شہزادہ بھی کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا اور بہروز کو طمانیت حاصل ہوئی۔

پانچویں دن سلطان بھی اس سے ملا۔ وہ کچھ دیر بہروز سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے بہروز کو یقین دلایا کہ اس کا شاندار علاج جاری رہے گا اور یہ بھی بتایا کہ پانچوں وقت کی نمازوں میں اس کے لئے اجتماعی دعائیں مانگی جا رہی ہیں۔

بہروز سلطان سے شکوہ شکایت کرنا چاہتا تھا مگر ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

اچانک سلطان نے سوال کیا۔ "تو رئیس سے کیوں ملنا چاہتا ہے؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "میں اس سے پوچھوں گا کہ تو نے ایسا کیوں کیا۔ میں نے اپنا حق ادا کیا تھا۔"

سلطان نے کہا۔ "اس سے اس قسم کی باتیں مت کرنا کیونکہ اس سے حاصل کیا ہو گا؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "اس سے باتیں کر کے میں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔"

سلطان نے کہا۔ "ہم تمہاری ہر خواہش پوری کریں گے کیونکہ تو ہماری وفاداری میں زخمی ہوا ہے۔"

بہروز نے عرض کیا۔ "کیا میں آج آپ سے آزادی اور بے تکلفی سے باتیں کر سکتا ہوں؟"

سلطان نے کہا۔ "میں نے اجازت دی لیکن بات مختصر ہونا چاہئے کیونکہ میرے پاس زیادہ وقت ہے بھی نہیں۔"

بہروز نے کہا۔ "آپ مجھے پانچویں دن دیکھنے آئے جبکہ میرا خیال تھا کہ آپ فوراً تشریف لائیں گے۔"

سلطان نے جواب دیا۔ "اب تو اچھا ہو جائے گا۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

بہروز نے پھر کوئی سوال نہیں کیا۔

سلطان نے کہا۔ "رئیس کو تیرے پاس بھیج دیا جائے گا۔ اور دیکھ، فضول باتیں مت سوچا کر۔"

سلطان نے پھر آنے کا وعدہ بھی نہیں کیا اور چلا گیا۔

شاطر ہانگیل جولی نے بہت زیادہ وقت دیا اور دونوں میں بڑی باتیں ہوئیں۔

سلطان نے واپسی کی تیاری کر دی ہے یہ بات بھی شاہ نے ہی بہروز کو بتائی۔ رئیس ابھی تک اس کے پاس نہیں بھیجا گیا تھا۔ بہروز کسی حد تک صحت یاب ہو گیا تھا۔ رئیس شہزادہ ملک شاہ کے ساتھ دو پہرے داروں کے ساتھ اس کے پاس آیا۔ بہروز بیٹھ گیا اور رئیس کو کچھ دیر دیکھتا رہا۔

شہزادہ ملک شاہ کچھ دیر کے لئے وہاں سے ہٹ گیا اور کہا۔ "تو اس سے آزادی سے باتیں کر لے۔ میں پھر آجاؤں گا۔"

شہزادے کے جاتے ہی رئیس نے کہا۔ "افسوس کہ تو زندہ بچ گیا حالانکہ میں نے کاری زخم لگایا تھا۔"

بہروز نے پوچھا۔ "لیکن تو مجھے کیوں مارنا چاہتا تھا؟"

رئیس نے جواب دیا۔ "یعنی ابھی تک تو یہ بھی نہیں جانتا کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟"

بہروز نے کہا۔ "اگر اس سوال کا جواب میرے پاس پہلے سے موجود ہوتا تو میں سوال کیوں کرتا۔"

رئیس نے کہا۔ "تو نے مسیحیت سے غداری کی ہے، میں یہ بات کبھی بھی نہیں بھولوں گا۔"

بہروز نے کہا۔ "ایسا نہیں ہے۔ میں نے ایسا کیوں کیا اس سوال کا جواب مستقبل میں ملے گا۔ میں کیا جواب دوں اگر میں مسیحیت اور بادشاہ کے خلاف ہوتا تو آج وہ آزاد نہ ہوتا اس کو میں نے آزادی دلائی۔ اب اگر میں چاہوں تو تجھ کو قتل کرا دوں لیکن میں یہ نہیں کروں گا۔ میں تجھ کو آزاد کرا دوں گا۔ میں نے سلطان کا اعتماد حاصل کر لیا اور اس کا جو فائدہ مسیحیت کو پہنچے گا تو اس کا ابھی تصور تک نہیں کر سکے گا۔"

رئیس کچھ کچھ خجل ہو رہا تھا۔ مائیکل جولی نے پہرے داروں سے کہا۔ "اب تم دونوں اس کو یہاں سے لے جاؤ۔"

پہرے داروں نے جواب دیا۔ "ہمیں شہزادے کا انتظار ہے، ہم اس کا حکم مانیں گے۔"

کافی دیر بعد شہزادہ آیا اور رئیس کے بارے میں پوچھا۔ "بہروز تیرے دشمن کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟"

بہروز نے جواب دیا۔ "یہ مجھے قتل نہیں کر سکا اس لئے اس کو چھوڑ دیا جائے۔"

شہزادے نے پھر پوچھا۔ "یہ فیصلہ اپنے ہوش و حواس میں کر رہے ہو؟"

اس نے جواب دیا۔ "بالکل میں اس پر احسان کرنا چاہتا ہوں۔"

شہزادے نے اسی کو اس وقت چھوڑ دیا۔ "جا اب تو آزاد ہے۔"

رئیس کو یہ سب کچھ خواب و خیال جیسا لگ رہا تھا۔ پوچھا۔ "کیا میں واقعی آزاد ہوں؟"

"بالکل اور اس کے لئے بہروز کا شکریہ ادا کر۔"

رئیس نے اس کے کان میں کہا۔ "میں تیرا بے حد شکر گزار ہوں اور آج تیری پاکیزگی اور دیانت داری کا اعتراف کر رہا ہوں۔"

شہزادے نے کہا۔ "بادشاہ اور بیگ اجملو بھی اسی کی سفارش پر رہا کئے گئے اب تو چھوڑا جا رہا ہے۔"

رئیس کو رہائی مل گئی۔ وہ اپنے گھر چلا گیا۔

سلجوقوں نے آنی کو آسانی سے نہیں چھوڑا۔ پادریوں، راہبوں اور شہریوں نے اس شہر کو اپنی ماں کی طرح رکھا تھا۔ گرجاؤں کا یہ عظیم الشان شہر ماں کی آغوش کی طرح تھا۔ گھوڑوں اور مویشیوں کا شائق سلطان خود بھی یہ محسوس کر رہا تھا کہ شہر ان کے پاؤں پکڑ رہا ہے۔

آنی کو فرسنگوں پیچھے چھوڑنے کے بعد انہیں سکون ملا تھا۔ "ہیلینا سلطان، خواجہ حسن، شہزادہ ملک شاہ بھی یوں محسوس کر رہے تھے گویا کسی طلسمی شہر کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔

سلطان نے یہ اعلان بھی کر دیا تھا کہ وہ فی الحال جنگوں سے گریز کرے گا۔ کوئی عیسائی شہر یا علاقہ سلطان کی توجہ کا مرکز نہیں بنے گا۔ اس نے عیسائیوں کو اپنے آئندہ کے منصوبوں سے اس حد تک آگاہ بھی کر دیا تھا کہ اب عیسائی اس سے محفوظ رہیں گے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ جب بھی چاہیں سلطان اور سلجوقوں کو آواز دے کر بلا لیں۔ اس نے عیسائیوں کی متحدہ قوت کو بھی للکارا۔ اس نے انہیں یہ بھی بتا دیا کہ وہ عیسائیوں کی ان کوششوں اور ارادوں سے باخبر ہے جو وہ قسطنطنیہ اور دوسری عیسائی قوتوں کے اتحاد سے سلجوقوں کے خلاف کر رہے ہیں۔

اس نے واپسی میں اچانک اپنے گھوڑوں کی لگامیں مشرق کی طرف موڑ دیں۔ اس طرف جہاں نہ رے تھا نہ اصفہان نہ شیراز۔ ایرانی شہروں سے الگ تھلگ مشرقی ترکستان کی طرف جہاں دریائے آمو، بہتا تھا دریائے آمو جو دریائے جیحوں بھی کہلاتا ہے۔ فی الحال یہاں سلطان کا جو کچھ بھی تھا وہ آبائی تھا۔ ترکوں کا آبائی مسکن۔ اسی خاک سے سلجوق بھی اٹھے تھے۔ اللہ کے اس فرمان کے مصداق کہ ہر شے اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ سلجوق بھی اپنے آباؤ اجداد کی زمینوں کی طرف جا رہے تھے۔ کیوں؟ اس سوال کا جواب کسی کے پاس بھی نہ تھا۔

دو دریاؤں یعنی شمال میں دریائے سیحون اور جنوب میں دریائے جیحون کے درمیان ماوراء النہر تھا۔ دریائے سیحون کے قریب اندر کی جانب اس کا دارالخلافہ جند واقع تھا۔ ترکانِ غز کا سربراہی دارالخلافہ یہیں آلِ سلجوق آباد تھی اور یہیں سے اٹھ کر ہر طرف پھیل گئی تھی۔ ان کے قرابت دار سیحون کے دوسرے کنارے پر بھی آباد تھے اور وہاں کے غیر مسلم حکمران بیغو کے دربار سے وابستہ رہ چکے تھے۔ بیغو کوئی ایک فرماں روا نہیں تھا یہ فرماں رواؤں کے خاندان کا نسلی لقب تھا۔ جس طرح مصر کے ہیں خاندانوں کے حکمران فرعون کہلاتے تھے اور بعد میں اسلامی دور کے بادشاہ خلیفۂ مصر کے لقب سے مشہور ہوئے۔ چین میں ہر حکمران خاقان کہلاتا تھا۔ ترکانِ غز کا فرماں روا بیغو کہلاتا تھا اس بیغو کا الپ ارسلان کا پردادا سلجوق سپہ سالارِ اعلیٰ ہوا کرتا تھا۔ بیغو کے دربار میں سلجوق کو بے عزت بھی کیا گیا تھا۔ پھر یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مسلمانوں کی طرف سے اپنے ہم وطن و ہم قوم ترکوں سے جنگیں لڑنے لگے۔ سلجوق جلد ہی مر گیا اور وہیں دفن ہوا۔ اس کی اولاد ماوراء النہر تک پھیل گئی اور ترک غازیوں کے سہارے ایران سے عراق پہنچ گئی۔ اب سلجوق کا پڑپوتا بہت بڑا فرمانروا اور فاتح تھا۔ اس فاتح نے اپنے بزرگوں سے سنا تھا کہ بیغو خاندان نے اسکے پردادا کو ذلیل کر کے دربار سے نکال دیا تھا۔ اب وہ اس حکمران خاندان سے ملاقات کرنے جا رہا تھا۔ اپنے پردادا سلجوق کی بے عزتی کا حساب کتاب کرنے۔ ماوراء النہر میں ہر جگہ اس کے آباؤ اجداد کے نقشِ قدم موجود تھے اس کے قبیلے کو لڑنے مرنے اور مویشی پالنے کا شوق تھا۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں مویشی ادھر ادھر چراتے یا ہنکاتے پھرتے تھے۔ پھر یہ لوگ قوموں کے چرواہے بن گئے۔

الپ ارسلان نے ایک چراگاہ میں مویشیوں کے ریوڑ دیکھے۔ ان کے قریب ہی ان ریوڑوں کے مالک قبائلی خیموں کی بستی بسائے ہوئے تھے۔ الپ ارسلان نے یہیں پڑاؤ کیا اور اپنے خیمے نصب کروائے۔ گلہ بان قبائلیوں نے اپنے قریب شاہی لشکر کو دیکھا تو پریشان ہو گئے اور اپنے مویشیوں کو ہنکا کر فرار ہونے کا سوچنے لگے۔ الپ ارسلان نے اپنے چند آدمی ان کے پاس بھیجے اور ان سے کہلوایا کہ ہمارا سلطان تمہارے سردار سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔

خانہ بدوشوں کا سردار ذرا بھی نہیں گھبرایا اور پانچ سو بکریوں کے ساتھ الپ ارسلان کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اس نے یہ بکریاں الپ ارسلان کو تحفہ میں پیش کر دیں اور کہا " آپ ہمارے مہمان ہیں۔"

الپ ارسلان نے اس تحفہ کو قبول کر لیا مگر پانچ سو دینار بخش کر سردار کو نوازا اور کہا "میں بھی غزی میں سے ہوں اور اس پر مجھے فخر ہے۔" یہ خانہ بدوش بھی ترکانِ غزی کی شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ الپ ارسلان کی شان و شوکت سے متاثر تھے۔

سلطان نے اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا تو خانہ بدوشوں کا سردار اس سے اچھی طرح متعارف ہو گیا۔ اس نے سلطان سے کہا " آپ تو ہمارے رشتہ دار بھی ہیں۔ بتائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

سلطان نے حاکمانہ شان سے کہا "اس وقت تو تو ہمارا مہمان ہے اور یہ سارا علاقہ میرے زیرِ نگیں ہے۔ بول، تو مجھ سے کیا مانگتا ہے؟"

خانہ بدوش سردار احساسِ کمتری کا شکار ہو گیا جواب دیا۔ " آپ جو چاہیں کہیں، لیکن یہ نہ کہیں یہ آپ کا زیرِ نگیں علاقہ ہے۔ یہ سرزمین ہماری ہے اور ہم جہاں چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ آپ ہم سے یہ حق نہ چھینیں اور اس پر اپنی ملکیت کا دعویٰ نہ کریں۔"

الپ ارسلان نے کہا "میں یہ دعویٰ نہیں کر رہا بلکہ ایک حقیقت تجھ پر واضح کر رہا ہوں اور تجھ کو یہ بھی یقین دلا رہا ہوں کہ تو یہاں بالکل آزاد ہے اور کوئی بھی تجھ سے مزاحمت نہیں کرے گا تو نہایت آزادی اور بے فکری سے زندہ رہ۔" سلطان نے محسوس کیا کہ خانہ بدوش سردار اس کی زبانی یقین دہانیوں سے مطمئن نہیں ہے۔ سلطان نے اس کی تشفی کی خاطر ایک پروانہ بھی مرحمت فرمایا۔ سلطان نے اس کو پیشکش کی "تو اپنے نوجوانوں کو ہماری فوج میں بھیج، ان کی زندگیاں بن جائیں گی۔"

خانہ بدوش سردار نے پوچھا " آپ کی فوج سے ہمارے نوجوانوں کو آخر ملے گا کیا؟"

سلطان نے جواب دیا "عہدے ملیں گے۔"

خانہ بدوش سردار کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ عہدوں سے آدمی کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ پوچھا "عہدوں کا فائدہ؟"

سلطان نے سردار کے مزاج کے مطابق بات کی " تیرے جوان میری فوج کے ساتھ قلعے اور شہر فتح کریں گے اور وہاں سے ہمیں جو مالی فائدے حاصل ہوں گے تیرے جوان اس کے حصے دار ہوں گے۔"

یہ بات خانہ بدوش سردار کی سمجھ میں آ گئی "تب میرے جوان آپ کی فوج میں ضرور شامل ہوں گے۔"

سلطان نے خانہ بدوشوں کی دعوت کر دی اور ان کی بکریوں کو ذبح کر کے انہی کو کھلا دیا۔ خانہ بدوش بہت خوش تھے کہ ان کی قوم

کا ایک شخص مسلمانوں کا بادشاہ بن گیا تھا سردار نے اپنے جوانوں کو بتایا کہ ہم کبھی کبھی قافلوں اور کارواں پر غیر منظم ڈاکے ڈالتے ہیں اس سے ہمیں مال و زر اور دوسری اشیاء تو مل جاتی ہیں لیکن انہیں عہدے اور مناصب نہیں ملتے۔ لیکن بادشاہ یا حکمران کی فوج میں شامل ہو کر جب شہروں اور قلعوں پر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں تو وہاں سے مال و زر اور قیمتی اشیاء بھی ملتی ہیں اور عہدے و مناصب بھی اس لئے سلطان کی فوج میں شمولیت بڑے فائدے کی چیز ہے" اس ترغیب سے کئی سو جوان سلطان کی ملازمت میں آگئے اور سلطان نے ان کی شاندار پذیرائی کی۔

یہاں سے سلطان جند کی طرف چل دیا۔ خواجہ حسن سلطان کے کرب اور بے چینی کو پوری طرح محسوس کر رہا تھا۔ اس نے کہا "سلطان محترم! اب آپ یہاں سے واپس چلیں یہاں آپ کے آباؤ اجداد کی محرومیاں نقش ہیں اور شاید انہی سے آپ اذیت اور بے چینی محسوس کر رہے ہیں۔"

سلطان نے جواب دیا "نہیں خواجہ بزرگ یہ بات نہیں ہے' میں یہاں دو مقصد لے کر آیا ہوں" خواجہ حسن نے سلطان سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ دو مقصد کیا ہیں لیکن جن نظروں سے اس نے سلطان کو دیکھا تھا ان میں یہ سوال ضرور موجود تھا۔

سلطان نے کہا "خواجہ بزرگ! مجھے اپنی فوج میں اضافہ مقصود ہے اور میں اس سلسلے میں عربوں پر بھروسا نہیں کر سکتا۔ میں ترکوں کو زیادہ سے زیادہ فوج میں لانا چاہتا ہوں۔ انہی ترکوں کو مسلمان کر لوں گا اور انہیں آسودہ حال بنا دوں گا۔ دوسرا مقصد یہاں آنے کا یہ ہے کہ میں اپنے پر دادا سلجوق کی قبر دیکھنا چاہتا ہوں اور بیغو خاندان کے اس حکمران سے بھی ملوں گا جس کے پردادا نے میرے پردادا کو اپنی بیوی یعنی ایک عورت کی خواہش پر ذلیل کر دیا تھا۔ اب میں اس بیغو کے پڑپوتے سے دادا سلجوق کے مزار پر جاروب کشی کراؤں گا۔ اب وہ میرا محکوم ہے اور میں اس سے خراج لیا کروں گا۔"

اب خواجہ حسن سب کچھ سمجھ چکا تھا۔ اس نے نو آمدہ خانہ بدوش ترک جوانوں کی ایک نئی فوج قائم کر دی اور اس کی دیکھ بھال اور تربیت و تہذیب کی ذمہ داری خود قبول کر لی۔

جند سے پانچ دن کی مسافت سے پہلے سلطان نے اپنے خیمے نصب کرا دیئے۔ یہاں خواجہ بزرگ نے پوچھا "کیا بیغو فرماں روا کو سلطان کی تشریف آوری سے مطلع کر دیا جائے اس طرح وہ استقبال کی خاطر یہیں آجائے گا۔"

سلطان نے جواب دیا "نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں بیغو کو لائق حکمران کی حیثیت سے یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ دادا سلجوق کا پڑپوتا جند کے دروازے پر کھڑا بیغو کے استقبال کا منتظر ہے۔ اس کو یہاں خود آنا چاہئے۔"

خواجہ حسن نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "اور اگر وہ یہاں خود سے نہ آیا تو؟"

سلطان نے فوراً جواب دیا "تب پھر میں اس کو معزول کر دوں گا اور اس کی جگہ دوسرا بیغو لے آؤں گا اور زیرک۔"

سلطان کو چوگان کھیلنے کا شوق تھا۔ وہ اپنے شہسواروں کے ساتھ چوگان کھیلنے لگا اس نے اپنی لمبی بلکہ غیر معمولی لمبی داڑھی میں تین گرہیں لگائی تھیں۔ وہ اپنے گھوڑے کو گیند کے تعاقب میں ادھر ادھر دوڑا رہا تھا اس مشقت اور جان فشانی کے دوران اس نے میدان کے باہر خواجہ حسن کے ساتھ ایک وفد کو کھڑے دیکھا۔ وہ سب سلطان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ سلطان نے پہلی نظر میں معاملے کا اندازہ کر لیا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "اب کھیل ختم کرو بیغو خواجہ بزرگ کے ساتھ ہم سے ملاقات کرنے آیا ہے۔ میں اس کے پاس جاؤں گا۔"

خواجہ حسن نے سلطان کو سمجھایا "آپ کھیلتے رہیں۔ بیغو آپ کا انتظار کرے گا۔ زحمت انتظار سے بیغو اپنی جھک اور آپ تسکین محسوس کریں گے۔ کیا یہ مناسب نہیں ہے؟"

سلطان پھر کھیل میں مشغول گیا اور بیغو اس کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد سلطان نے کافی بڑے رومال سے اپنے چہرے کا پسینہ خشک کیا اور گھوڑے کو بیغو کے پاس لے جا کر روک دیا۔

نے گھوڑے کی رکاب کو بوسہ دیا۔ اس وقت سلطان بے حد خوشی اور فخر محسوس کر رہا تھا اس نے خواجہ حسن کو حکم دیا۔ "اس کو میرے خیمہ میں لایا جائے" جب خواجہ حسن بیغو کے ساتھ سلطان کے خیمہ کے پاس پہنچا تو باقاعدہ سلطان سے باریابی کی اجازت چاہی گئی اور بیغو کو ایک بار پھر سلطان کے ہاتھ کو جھک کر بوسہ دینا پڑا۔ یہاں سلطان کو بتایا گیا کہ بیغو نے نذرانے میں دو ہزار بکریاں اور اس علاقے کا اصلی شہد، دو من سونا اور چار من چاندی بھی پیش کی ہے" اس زمانے کا ایک من سوا دو سیر کا ہوتا تھا۔

سلطان کو یقین تھا کہ بیغو کو اس کے پردادا سلجوق کے مدفن کا علم نہ ہو گا اور اسے اپنے پردادا کی قبر تلاش کرنا پڑے گی۔ اور اس طرح وہ بیغو پر غم و غصہ آسانی سے اتار سکے گا۔

خواجہ حسن نے بیغو سے کہا "تو دریائے سیحون کے اس پار اسپیجاب سے لے کر اس پار جند اور اسکے قرب و جوار کا فرماں روا ہے، ایک فرماں روا کی حیثیت سے تو سلطان کا مقابلہ بھی تو کر سکتا تھا مگر تو نے ایسا نہیں کیا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیوں؟"

بیغو نے انکسار اور حکمت کے ملے جلے جذبے سے جواب دیا۔ "سلطانوں کے اللہ نے سلطان اور اس کے خاندان کو جو عزت دی ہے میں اس میں نہ تو کمی کر سکتا ہوں اور نہ اضافہ اور یوں بھی سلطان ترک ہونے کی وجہ سے میرا بھائی ہے۔"

الپ ارسلان نے کہا "بھائی مگر سلطان! اگر تو ہمیں اپنا بھائی سمجھتا ہے تو کیا ہمیں بتائے گا کہ اپنے پردادا سلجوق کا مدفن کہاں اور کس حال میں ہے؟"

بیغو نے جواب دیا "چلو دس آسمان کی قسم میں نے دادا سلجوق کے مزار کو اس طرح اپنی نگہداشت میں رکھا ہے جس طرح آپ خود رکھ سکتے تھے۔ آپ جب چاہیں میرے ساتھ مزار پر چلیں اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں۔"

سلطان کو بیغو کی باتوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ اسی وقت بیغو کے ساتھ اپنے پردادا کے مزار کی طرف چل دیا۔ خواجہ حسن اور شہزادہ ملک شاہ دوسرے کئی سلجوق سرداروں کے ساتھ سلطان سے چند قدم پیچھے چل رہے تھے۔ بیغو، خواجہ حسن کے برابر اور بیغو کے سردار ان کے پیچھے پیچھے تھے۔

بیغو نے خواجہ حسن سے شکایت کی "سلطان ہمیں ذلیل کیوں کر رہا ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا۔ "یہ دنیا دارالمکافات ہے یہاں اکثر دیکھا گیا ہے کہ عمل دادا کرتا ہے اور پوتا بھگتتا ہے۔ آپ کے دادا نے سباشی سلجوق کے ساتھ اپنی بیوی کے بہکانے سے جو سلوک کیا تھا آج آپ اسے بھگت رہے ہیں۔"

بیغو نے ذرا دیر بعد ان سب کو سلجوق کی قبر پر پہنچا دیا۔ مزار کو سنگ مرمر میں محفوظ کر دیا گیا تھا اور دس خدمت گار اس کی دیکھ بھال کر رہے تھے ان سب کو بیغو نے اپنے خرچ پر متعین کر رکھا تھا۔ یہاں سلطان اپنے گھوڑے سے اترا اور والہانہ انداز میں دو زانو بیٹھ گیا۔ مزار کے سرہانے کی طاق میں لوبان سلگ رہا تھا۔

سلطان اس انتظام سے بے حد خوش ہوا اور بیغو سے کہا۔ "یہ تو نے یہاں جو کچھ کیا اس سے میں بے حد خوش ہوں۔ یہاں جاروب کشی کا کام کون کرتا ہے؟"

بیغو نے مزار کے خدمت گزاروں کی طرف اشارہ کیا "ان میں سے کوئی بھی اور ان کے کاموں کی نگرانی میں خود کرتا ہوں۔"

مزار کے سرہانے ایک پتھر لگا تھا اور اس پر کچھ کندہ تھا۔ سلطان نے اس عبارت کو پڑھا لکھا تھا: "دقاق کے بیٹے سلجوق کا مزار۔ سباشی سلجوق اپنے باپ دقاق تمریالیغ کا سچا جانشین تھا۔"

سلطان کو یاد آیا کہ اس کے پردادا سلجوق کا باپ تمریالیغ (سخت کمان) کہلاتا تھا۔ اس کی بہادری اور معاملہ فہمی مشہور تھی۔ بیغو ہمیشہ اسی کے مشوروں پر عمل کرتا تھا۔

بیغو نے ذرا جھک کر سلطان کے کان میں کچھ کہا "یہ عبارت میں نے ایک یونانی سنگ تراش سے کندہ کرائی تھی۔ اس طرح آپ کے پردادا اور ان کے والد کا نام ہمیشہ کے لئے محفوظ اور یادگار ہو گیا اور کوئی بھی شخص بہ آسانی یہاں تک پہنچ سکتا ہے۔" سلطان کو بیغو کی باتیں بہت اچھی لگ رہی تھیں اور اس نے یہ جو کچھ کیا تھا وہ سلطان کے خیال میں ایک کارنامہ سے کم نہیں تھا۔ وہ وہاں کچھ دیر کھڑا اپنے دادا اور پردادا کو یاد کرتا رہا اس کے بعد آہستہ سے کہا "اے میرے آباؤ اجداد کی ارواح! اگر تم مجھے دیکھ رہی ہو تو اسکا اعتراف ضرور کرو گی کہ میں نے تمہارے نام اور اقبال کو کہیں زیادہ بلند کر دیا ہے۔ اب آل سلجوق ایک قوت، ایک عظمت کا نام ہے۔"

بیغو نے سلطان سے پوچھا "میں نے اپنی رائے اور مرضی سے جو کچھ کیا وہ آپ کے سامنے ہے اب آپ جو حکم دیں گے اس کا اضافہ کر دیا جائے گا۔"

سلطان نے جواب دیا "یہاں ایک چار دیواری سی کھڑی کر دی جائے اور حفاظ کے لئے کمروں کی تعمیر ہونی چاہئے اور دس حافظ دن رات قرآن پاک پڑھ پڑھ کر پردادا سلجوق کی روح کو ثواب پہنچاتے رہیں۔"

بیغو نے کہا "اس کا انتظام چھ سات دن کے اندر کر دیا جائے گا۔"

سلطان نے نہایت بے تکلفی سے بیغو کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولا "واللہ تو میرا بھائی ہے۔ جب میں آرہا تھا تو میں نے فیصلہ کیا تھا کہ تجھ کو کسی نہ کسی طرح ذلیل کر کے تجھ سے تیری حکومت چھین لوں گا لیکن تو نے اپنے خلاف زیادتی کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔"

بیغو نے جواب دیا "میں نے یہ جو کچھ کیا۔ بربنائے خلوص کیا ہے۔ آپ میری قوم کے باصور فرزند ہیں۔ آپ کے اللہ نے آپ کو یہ عزت دی ہے تو میں آپ کی عزت کیوں نہ کروں۔"

سلطان قالین بچھوا کر فرش پر بیٹھ گیا اور بیغو کو اپنے داہنے ہاتھ پر بٹھایا۔ خواجہ حسن اور شہزادہ ملک شاہ کو بائیں طرف بٹھایا گیا۔ سلطان نے اپنے ولی عہد اور خواجہ حسن کو مخاطب کیا "تم دونوں دیکھو اور غور کرو کہ میں بیغو کو کیسی عزت دے رہا

ہوں۔ اب تم دونوں پر یہ فرض ہو گیا کہ میرے بعد بھی بیغو کو بھی عزت دو۔"

دونوں نے بیغو کی بات دہرادی "جس کو اللہ نے یہ عزت دی ہے اسے ہم کیسے چھین سکتے ہیں۔"

سلطان نے فرش پر اس عمارت کا نقشہ بنایا جو سلجوق کے مزار پر تعمیر ہونی تھی اور وعدہ کیا کہ اس کا خرچہ وہ خود ہی ادا کرے گا۔ سلطان کی کامیابیاں بہروز کو آتش حسد میں جلا کر رہی تھیں، اس نے دیکھا کہ جنگ و جدل کے بغیر ترکوں کا بیغو اس کا باج گزار بن گیا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ سلطان کی طرح بیغو بھی ترک ہے اور اس کے پاس بھی وحشی ترکوں کی فوج موجود ہے۔ ان وحشیوں کو ترتیب اور تنظیم کی لڑی میں پرو کر الپ ارسلان کے مقابل لایا جاسکتا ہے۔ بیغو اور اس کے خاندان نے ابھی تک اسلام نہیں قبول کیا تھا اس لئے ان کو مسیحی بنایا جاسکتا تھا۔ اور اگر وہ مسیحی ہو جاتے تو اسے عیسائیوں کی تائید اور حمایت حاصل ہو جائے گی۔ وہ بیغو اور سلطان کو ایک ہی فرش پر بیٹھا دیکھ کر کڑھ رہا تھا۔

خواجہ حسن نے بہروز کے چہرے پر حسد کی ہوائیاں دیکھیں تو اسے مشورہ دیا "یہ اقبال مندی کے تماشے میں تو ناحق اپنا خون جلا رہا ہے۔"

بہروز نے کھسیا کر جواب دیا "خواجہ بزرگ یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں تو بے حد خوش ہوں۔"

خواجہ بزرگ نے کہا "تو آگ سے کھیل رہا ہے۔ اللہ تجھ کو عقل سلیم عطا فرمائے۔"

اس دن بیغو نے سلطان کی دعوت کر دی اور اس میں اتنے اہتمام اور تکلف سے کام لیا کہ سلطان اس کا اور زیادہ ممنون ہو گیا۔ سلطان نے ہیلینا کو یہ علاقہ دکھایا اور کہا "اسی خاک پاک سے آل سلجوق کا خمیر تیار ہوا تھا۔"

ہیلینا نے یہاں کے ترکوں کو دیکھا تو وہ سب سلطان کے بھائی بند ہی نظر آرہے تھے۔ اس کو سب سے زیادہ حیرت اس خبر پر ہوئی کہ سلطان کے آباؤ اجداد بیغو کے آباؤ اجداد کے ملازم رہ چکے تھے اور اب بیغو سلطان کا ادنیٰ ملازم نظر آرہا تھا۔

بیغو نے بہروز کو ان سب سے الگ تھلگ دیکھا۔ یہ بھی مسلمانوں کی نمازوں میں بھی نہ نظر آیا۔ اس نے خواجہ حسن سے پوچھا "تم لوگوں کے ساتھ یہ کون ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "ایک غیر مسلم مسیحی.... ہم چاہتے ہیں کہ یہ اپنے ہم قوموں میں چلا جائے لیکن یہ مسلمانوں ہی میں رہنا چاہتا ہے۔"

بیغو کو بہروز میں کشش سی محسوس ہوئی وہ اس سے

کنارے

ایک چور نے اپنے ایک ساتھی کو بتایا کہ وہ ایک ایسی بات کی وجہ سے پکڑا گیا جو اس نے کی ہی نہیں تھی۔ جب اس نے تجوری میں سے رقم چرائی تھی، تو انگلیوں کے نشان تجوری پر سے صاف نہیں کیے تھے۔

ایک لڑکی نے اپنی سہیلی کو بتایا۔ "میرا بھائی گھنٹہ بھر میں تین چار بار کپڑے بدلتا ہے۔"
سہیلی نے پوچھا۔ "کیا عمر ہے اس کی؟"
لڑکی نے جواب دیا۔ "آٹھ ماہ۔"

تنہائی میں ملنا چاہتا تھا۔ بیغو نے بہروز کے گلے میں چاندی کا تثلیثی نشان لٹکا دیکھا تھا، دو خطی نشان جو ایک دوسرے کو دائیں بائیں اور اوپر نیچے کاٹ رہے تھے۔ بیغو نے چاندنی میں بہروز کو ایک ٹیلے پر بیٹھا دیکھا تو خود بھی وہیں پہنچ گیا اور پوچھا "تو یہاں کیا کر رہا ہے؟"

بہروز نے جواب دیا "میں انقلاب زمانہ پر غور کر رہا ہوں۔ یہ زمانہ کس طرح زیر و زبر کر کے رکھ دیتا ہے؟"

بیغو اس کا مطلب نہیں سمجھا "انقلاب زمانہ یہ کیا ہوتا ہے؟"

بہروز جس ٹیلے پر بیٹھا تھا اس کا اشارہ کیا "یہ ٹیلا اپنے آس پاس کی زمین سے اونچا ہے کل اگر اسے زمین کے برابر کر کے کسی گڑھے پر بلند کھڑا کر دیا جائے تو یہ انقلاب زمانہ کہلائے گا"

بیغو پھر بھی کچھ نہ سمجھا کہا "معلوم نہیں کیسی باتیں کر رہا ہے تو؟"

بہروز کو ہنسی آگئی "تم اپنی قوم کے... بیغو یعنی حکمران اور تم کو یہ مقام ورثے میں ملا ہے۔ کل اگر تم سے یہ مقام چھین لیا جائے اور تمہارے کسی ملازم کو یہاں بیغو بنا کر تمہیں اس کا ملازم بنا دیا جائے تو یہ انقلاب زمانہ کہلائے گا۔"

بیغو نے اپنے ذہن پر زور دیا اور کچھ دیر بعد بہروز کا مطلب بخوبی سمجھ لیا "ارے! تو تو بہت عقل مند ہے۔"

بہروز نے تلخی سے کہا "سلجوقی سلطان مجھے یوں ہی خواہ مخواہ تو نہیں چاہتا۔"

بیغو نے پوچھا "میں نے الپ ارسلان کو سلطان تسلیم کر لیا اور خود اس کا باج گزار بن گیا۔ کیا میں نے کوئی غلط کام کیا؟"

بہروز نے جواب دیا "میں یہ تو نہیں جانتا کہ کیا غلط ہے کیا صحیح لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ کسی باپ کی لائق اور سعادت مند اولاد وہی ہوتی ہے جو اس کے بعد خاندانی دولت' عزت و وقار میں اضافہ کر دے نہ کہ اس میں کمی کر دینے کی مجرم ٹھہرے۔"

بیغو اس کی باتوں پر غور کرتا رہا اور آخر کار اس کا مفہوم پا گیا "تیرا کیا خیال ہے میں نے سلطان کو عزت و احترام دے کر کوئی غلطی کی ہے؟"

بہروز نے جواب دیا "آپ نے سلطان کو وہی دیا جو آپ اسے دے سکتے تھے۔ آپ طاقتور ہوتے تو اسے کچھ اور دیتے۔ سلطان طاقتور تھا اس نے آپ سے وہ سب وصول کر لیا جو وہ چاہتا تھا۔ سلطان نے اپنے آباؤ اجداد کی عزت اور شان میں غیر معمولی اضافہ کر دیا جب کہ آپ نے اس میں غیر معمولی کمی کر دی۔"

بیغو کو اس کی باتوں میں مزہ آ رہا تھا۔ کہنے لگا "تو میرے ساتھ رہے گا؟"

بہروز نے جواب دیا "میں جہاں ہوں وہیں ٹھیک ہوں۔"

بیغو نے کہا "تو عقلمند ہے میں تجھ سے کچھ سیکھنا چاہتا ہوں۔"

بہروز نے جواب دیا "میں سوچ کے جواب دوں گا۔"

بیغو اسے اپنے محل میں لے گیا۔ خواجہ حسن کے آدمیوں نے یہ خبر اسے پہنچا دی اور خواجہ حسن نے سلطان کو۔

محل میں بہروز بیغو کو سمجھا رہا تھا "آپ کا دین فرسودہ ہے اور در حقیقت آپ کا دین دین ہی نہیں۔ سلجوقوں نے اس وقت ترقی کی جب وہ مسلمان ہو گئے اور میں نے آپ لوگوں کی محبت حاصل کی جب کہ میں نے مسیحی لوگوں ... میں ہوش سنبھالا اور ان کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔"

بیغو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بہروز کہنا کیا چاہتا ہے۔
"ان فضول باتوں کا مطلب؟"

بہروز نے افسوس ظاہر کیا "افسوس کہ آپ میری باتوں کو فضول کہہ رہے ہیں۔"

بیغو نے اسے سمجھایا "دیکھ میں نے تجھ کو عقل مند سمجھ کر مخاطب کیا تھا لیکن تو معلوم نہیں الٹ شلٹ کیا بک رہا ہے۔ مجھ سے سیدھی سادی زبان اور سیدھے سادے انداز میں باتیں کر کہ سمجھ میں بھی آئیں۔"

بہروز نے اپنی مجبوری ظاہر کی "میری باتیں اگر سلطان الپ ارسلان تک پہنچ گئیں تو میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا' بس یہی اندیشہ مجھے پریشان کرتا رہتا ہے۔"

بیغو نے کہا "تو میری طرف سے بے فکر رہ میں تیری ہر بات راز میں رکھوں گا۔"

بہروز نے کسی قدر پس و پیش سے مشورہ دیا "سلطان اور اس کا خاندان مسلمان ہو گیا اب آپ عیسائی ہو جائیں تو پوری مسیحی دنیا آپ کا ساتھ دے گی۔"

بیغو نے پوچھا "کوئی اور تجویز؟"

بہروز نے مشورہ دیا "دوسری تجویز یہ ہے کہ آپ اور الشمر کے سلجوق حکمرانوں کو سلطان الپ ارسلان کے مقابلہ پر لا کھڑا کریں پھر جب یہ دونوں آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں تو آپ ان دونوں کو اپنی تازہ دم فوجوں سے ٹھکانے لگا دیں لیکن اس منصوبے پر اس وقت عمدگی سے عمل ہو سکے گا جب آپ دینِ مسیح میں داخل ہو جائیں گے۔"

بیغو اس تجویز پر کچھ دیر غور کرتا رہا۔ پھر پوچھا "دینِ مسیح مجھے کیا دے گا؟"

بہروز نے جواب دیا "روحانی سکون۔ اعلیٰ اخلاقی معیار، یہ انسان کو ہتھیاروں کے استعمال کے مضر اثرات سے خبردار کرتا ہے، یہ عدم تشدد کی تلقین کرتا ہے، یہ ہمیں گناہوں سے بچاتا ہے اور آسمانی بادشاہت کی خوش خبری سناتا ہے۔"

بیغو کو زور کی ہنسی آ گئی "عدم تشدد اور ہتھیاروں کے مضر اثرات کی خبر یہ کیا باتیں ہوئیں ہم ہتھیاروں کے رسیا اور اسلحہ جات کے دھنی لوگوں کو عدم تشدد کا درس، شیروں کو روباہی کی تعلیم! کیا تیرا دماغ چل گیا ہے۔ جا دفع ہو جا میرے سامنے سے۔"

بہروز ڈر گیا کہ کہیں یہ ساری باتیں سلطان کے کانوں تک نہ پہنچ جائیں۔ نہایت لجاجت سے درخواست کی "آپ میری تجویزوں کو در خورِ اعتنا نہیں سمجھتے تو نہ سمجھیں۔ آپ کو میری باتیں اچھی نہیں لگتیں' چلئے کوئی بات نہیں، لیکن اب میری ایک درخواست ہے آپ سے۔ آپ اس ملاقات اور باتوں کا ذکر سلطان سے نہ کیجئے۔"

بیغو اس کا مذاق اڑا رہا تھا ہنستے ہوئے پوچھا "کیا تو ہمیں احمق سمجھتا ہے؟ کیا تیری کوئی ایک بات بھی ایسی ہے جس کا ذکر سلطان سے کیا جائے؟ تیری اس وقت کی باتیں سن کر میں حیران ہوں کہ سلطان نے اپنے درمیان تیرے وجود کو کیوں گوارا کیا ہوا ہے؟" بیغو نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور ہنستا ہوا چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد بہروز کو اپنے اوپر بڑا غصہ آیا کہ اس نے اتنی جلدی بیغو پر بھروسا کیوں کر لیا۔ وہ بیغو کو نرا وحشی اور اجڈ سمجھ کر خود پر نفرین کرنے لگا۔ لیکن بیغو اتنا بے وقوف وحشی یا اجڈ بھی نہیں تھا۔ بہروز کی ساری باتیں اس کی سمجھ

میں آگئی تھیں اس ایک کے سوا کہ وہ دین مسیح اختیار کر لے اس کے خیال میں ترکوں کے مزاج اور سرشت سے قریب اسلام ہی تھا۔ کوئی دوسرا دین نہیں۔

سلجوق کی دوسری اولاد ماوراالنہر... کے بعض حصوں پر حکومت کر رہی تھی۔ بیغو نے فیصلہ کر لیا کہ وہ انہیں آپس میں گتھم گتھا کر کے دم لے گا اور خود کو عسکری اعتبار سے اتنا مضبوط اور توانا کر لے گا کہ ایک ہی حملے میں دونوں قوتوں کو برباد کر دے گا۔

کو بہروز کی اس بات نے بڑی غیرت دلائی تھی کہ اولاد کو اپنے آباؤ اجداد کے وقار اور شان و شوکت میں یا تو اضافہ کرنا چاہئے یا پھر دنیا سے نابود ہو جانا چاہئے۔ طغرل، داؤد چغری اور الپ ارسلان نے اپنے دادا اور پردادا کے وقار میں غیر معمولی اضافہ کر دیا تھا جب کہ بیغو نے اپنے باپ دادا کی قدر و منزلت کو خاک میں ملا کر رکھ دیا تھا۔" وہ اپنے آپ پر لعنت بھیج رہا تھا۔

سلطان جتنے دن بھی بیغو کا مہمان رہا، اس کی مہمان نوازی سے شاداں و فرحاں رہا۔ اس نے بیغو کو نہ صرف یہ کہ اس کی حکومت اور علاقوں کو برقرار رہنے دیا بلکہ اس کو حکومت کرنے کی باقاعدہ سند بھی عطا فرمائی۔

یہاں سلطان کو اس کے وقائع نویسوں نے یہ خبر پہنچائی کہ سلطان کے دوسرے بیٹوں کو ملک شاہ کے خلاف ورغلایا جا رہا ہے اور شہزادہ ملک شاہ کے حاسد اور بدخواہ کوشش کر رہے ہیں کہ وہ بھائیوں کو آپس میں لڑوا دیں اور پھر انہیں کٹھ پتلیوں کی طرح استعمال کریں۔

سلطان نے یہ مسئلہ خواجہ حسن کے سامنے رکھ دیا اور پوچھا "اب مجھ کو کیا کرنا چاہئے؟"

خواجہ حسن نے عرض کیا "شہزادہ ملک شاہ آپ کا سب سے بڑا بیٹا ہے اور اس نے مختلف مہمات میں کامیابی سے حصہ لے کر ثابت کر دیا ہے کہ وہی آپ کا واقعی اور حقیقی جانشین ہے۔ آپ اس کی جانشینی کا اعلان فرما دیں، شورشیں برپا ہونے سے پہلے ہی دب جائیں گی۔"

سلطان نے پوچھا "اس سے ہمیں کیا فائدہ پہنچے گا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "یہ کہ شہزادہ ملک شاہ کی ولی عہدی سب پر عیاں اور واضح ہو جائے گی اور پھر کوئی دم بھی نہ مار سکے گا۔"

سلطان کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور اس نے اسی وقت اپنے بیٹوں کے نام ایک فرمان جاری کر دیا کہ وہ سب طوس کے نواحی شکن میں جمع ہو جائیں سلطان وہیں ان سب سے ملاقات کرے گا۔

بہروز کو صرف اتنی ہی سن گن مل گئی کہ شہزادہ ملک شاہ کی خاندان میں مخالفت کی جا رہی ہے۔ اس کے لئے یہ خبر کافی تھی اور اس میں جو فتنے پوشیدہ تھے ان سے وہ خوب واقف تھا۔ بس انہیں ہوا دینے کی ضرورت تھی۔ بیغو نے سلطان کی موجودگی میں اس کے پردادا سلجوق کے مزار کے چاروں طرف چار دیواری کا کام شروع کرا دیا اور ان میں ایسے کمرے اور حجرے بنائے جانے لگے جن میں حفاظ اور مزار کے خدمت گزار رہ سکیں۔ سلطان نے ملک شاہ کو اور زیادہ قریب کر لیا۔ شہزادہ ملک شاہ کو کچھ خبر نہ تھی کہ سلطان اس کو کتنی محبت سے چھپ چھپ کر دیکھتا رہتا ہے۔ جب بیغو نے سلطان سے کہا کہ وہ زیر تعمیر عمارت چل کر دیکھ لے تو سلطان نے شہزادہ ملک شاہ کو بطورِ خاص اپنے ساتھ لے لیا۔

خواجہ حسن نے سلطان کی نظروں سے بچ کر سلطان ملک شاہ کو مشورہ دیا "شہزادے ہوشیار! یہی وہ لمحے ہیں جن میں آپ کے مستقبل کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ بادشاہ کا ادب و احترام اور معاملات میں ژرف بینی کا مظاہرہ، بس یہی باتیں آپ کے درخشاں مستقبل کو محفوظ اور یقینی بنا دیں گی۔"

شہزادے نے جواب دیا "خواجہ بزرگ! افسوس کہ میں اداکار نہیں بن سکتا۔ اداکاری، یعنی میں جو نہیں ہوں وہ بن جاؤں۔ میں جو کچھ ہوں ہر قدم پر اس کا برملا اظہار ہو گا۔ اس کے سوا کچھ نہیں، اب میرا مستقبل محفوظ ہو یا معدوم، مجھے اس کی پروا نہیں۔"

بیغو نے سلطان کو زیر تعمیر عمارت کے پاس کھڑا کر دیا۔ سلطان نے شہزادے کو اشارہ کیا کہ پاس آ جائے۔ شہزادہ سلطان کے پاس جا کھڑا ہوا۔ بہروز کی باریک بیں نظریں یہ سب بڑی توجہ سے دیکھ رہی تھیں۔ سلطان نے بیغو سے کہا "آئندہ تو ہمیں جو کچھ دکھانا چاہے شہزادہ ملک شاہ کو دکھا دیا کیوں کہ یہ ہمارا سب سے بڑا بیٹا اور ولی عہد ہے۔"

شہزادہ ملک شاہ نے عاجزی سے کام لیا "لیکن جب تک آپ ہم میں موجود ہیں اور میری یہ دعا ہے کہ آپ ہمیشہ ہم میں موجود رہیں، میں ہر معاملہ اور ہر چیز آپ کی رہنمائی اور آپ کی وساطت سے دیکھنا اور سمجھنا چاہتا ہوں۔"

بیغو نے کسی قدر متاثر ہو کر شہزادہ ملک شاہ کی تعریف کی۔ "لائق اور فاضل سلطان کا لائق اور فاضل ولی عہد۔ جلوداں آسمان کی قسم شہزادے نے طبیعت خوش کر دی۔"

شہزادے کی تعریف سے سلطان بھی متاثر ہوا تھا۔ بہروز آگے بڑھا اور شہزادے کو مبارک باد پیش کی "شہزادے! مبارک ہو کہ آپ قطعی سلطان قرار پا گئے۔"

سلطان شہزادے سے چند قدم پیچھے چل رہا تھا اور سلطان کی یہ بات بیغو کو گراں گزری تھی لیکن شہزادے نے اسے حوصلے سے گوارا کرلیا۔ بیغو شہزادے اور سلطان کو زیر تعمیر عمارت کے مختلف حصے دکھا رہا تھا اور دونوں دلچسپی اور توجہ سے دیکھتے رہے.....

یہاں خواجہ حسن نے سلطان کو ایک مشورہ دیا "اگر سلطان کو یہ پسند ہو کہ پروانوا سلجوق کی اس عمارت سے علوم کے چراغ روشن ہوں تو میرے پاس اس کے لئے ایک بہترین تجویز ہے۔"

سلطان نے شہزادہ ملک شاہ کی طرف اشارہ کیا "تو اپنی تجویز مستقبل کے اس سلطان کی خدمت میں پیش کر سکتا ہے۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا "اس وقت میرے سامنے دو سلطان موجود ہیں اس لئے میں ان دونوں کی خدمت میں اپنی یہ تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔"

شہزادے ملک شاہ نے بردبار لہجہ میں اجازت دے دی "پیش فرمائیں اپنی تجویز؟"

بیغو اور بہروز ان مکالمات کو بڑی توجہ اور تجسس سے سن رہے تھے۔ خواجہ حسن دونوں سلطان کو سمجھا رہا تھا "آپ اس عمارت میں ایک مدرسہ قائم کردیں۔ فقہ اسلامی کو اس میں جگہ دی جائے اور بچوں کو ابتدائی تعلیم سے اعلیٰ تعلیم تک درس دیا جائے۔ پھر جب تک یہ عمارت اور مدرسہ قائم رہے گا آپ سب زندہ و پائندہ رہیں گے۔"

سلطان کو خواجہ حسن کی تجویز بہت پسند آئی۔ شہزادے ملک شاہ نے خواجہ حسن کو جواب دیا "خواجہ بزرگ! آپ کی تجویز بلاشبہ شاندار بلکہ عظیم الشان ہے لیکن اس مدرسے کی داغ بیل آپ ڈالیں کہ آپ عالم ہیں اور علم کا یہ شعبہ خاص آپ ہی کا مرہون منت رہے گا۔"

بیغو اور بہروز نے دونوں سلطانوں کو خواجہ حسن سے باتوں میں مشغول دیکھا تو وہاں سے ذرا ہٹ کے اپنی باتیں شروع کردیں۔ بیغو نے اپنے سابقہ رویئے اور باتوں پر معذرت کی۔ "اس وقت میں معلوم نہیں کیوں بدلا ہوگیا تھا ورنہ تیری ایک بات کے سوا ساری باتیں اچھی لگی تھیں۔"

بہروز نے پوچھا "وہ ایک بات کون سی؟"

بیغو نے جواب دیا "دین پہ تنقید کرنے کی بات، میں نے سوچا تو شیروں کو دودھ پلانے کے درپے ہے اور میں کم از کم یہ کام نہیں کرسکتا۔"

بہروز نے اس سلسلے میں مزید کوئی بات کرنے سے انکار کردیا۔ "میری باتیں آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گی اس لئے میں خاموش رہوں گا۔"

بیغو نے اسے دھمکی دی "اگر تو خود بات نہیں کرے گا تو میں اس سلسلے میں سلطان سے بات کروں گا۔"

بہروز بے چارگی سے بیغو کو دیکھنے لگا "بس یہی اندیشہ تو میری زبان پکڑ رہا ہے، آپ کا اعتبار مجروح ہوچکا ہے۔" خواجہ حسن کو اچانک ان دونوں کی باتوں کا احساس ہوگیا اور وہ سلطان اور شہزادہ ملک شاہ سے باتیں کرنے کے باوجود ان دونوں کی باتیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔ اس خطرے کو بہروز بھی بھانپ گیا اور بیغو کے پاس سے ہٹ کے خواجہ حسن کے پاس چلا گیا۔ سلطان نے خواجہ حسن سے بہروز کی سفارش کی "اس مدرسے میں بہروز کو بھی کوئی کام دیا جائے تاکہ اس کی ذرا بھی دور ہوجائے۔"

خواجہ حسن نے ہامی بھری "ضرور ضرور، اگر یہ ہم میں رہ گیا تو۔ ویسے اس کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔"

بیغو نے پوچھا "کیا اس مدرسے میں صرف مسلمان ہی تعلیم حاصل کریں گے؟"

سلطان نے خواجہ حسن کی طرف دیکھا، اس نے جواب دیا "نہیں یہ مدرسہ سب کے لئے ہوگا، مسلمانوں کے لئے بالعموم اور دوسروں کے لئے بالخصوص۔"

اس جگہ سلطان نے واپسی کا اعلان کردیا "ہم دو دن بعد یہاں سے چلے جائیں گے اس لئے بیغو ہم سے جو جاننا چاہے جان لے۔"

بیغو نے سلطان کو یاد دلایا "سلطان نے اس عمارت کے اخراجات ادا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔"

خواجہ حسن نے سلطان کی طرف سے جواب دیا "اسے یاد دلانے کی ضرورت نہیں سلطان کا فرمایا ہوا نقش کالحجر ہے۔"

بیغو نے دوسری درخواست پیش کردی "سلطان اپنا ایک آدمی یہیں چھوڑ جائیں اور شاید بہروز ہی مناسب رہے گا۔"

خواجہ حسن نے برا سا منہ بنایا "یہ ناتجربہ کار متعصب شخص اس کام کے لئے بالکل مناسب نہیں۔"

سلطان نے بیغو کی بات رکھ لی "بہتر ہے یہ اس وقت تک تیرے پاس رہے گا جب تک ہم کوئی دوسرا آدمی نہ بھیج دیں۔"

خواجہ حسن نے بے دلی اور بیزاری سے سلطان کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا "مناسب، نامناسب ہونے کے باوجود سلطان کا فرمایا ہوا مناسب ہی ہوتا ہے۔"

اس فیصلے سے بہروز خوش نہیں ہوا۔ وہ تو ظل سلطان ہی کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ اس نے آہستہ سے

کہا "افسوس کہ میں سلطان کی ملکیت نہیں ہوں کہ جہاں جی میں آئے بھیج دیا جائے۔"

شہزادہ ملک شاہ کو بہروز پر غصہ آرہا تھا اس نے کہا "تجھے ملکیت بنانے میں کتنی دیر لگے گی۔ ابھی تو بیکا اور ہمارے پاس آتے آتے تو ملکیت بن چکا ہو گا۔"

سلطان نے غیر جذباتی آواز میں کہا "تو اس وقت تک بیغو کے پاس رہے گا جب تک میرا کوئی دوسرا آدمی نہ آجائے۔" بات ختم ہو گئی۔ سلطان کا حکم واضح تھا۔ اس میں اگر مگر کی گنجائش نہ تھی۔ بہروز نے شاعر مائیکل جولی کو اپنے پاس روک لیا۔ سلطان کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تھا ویسے بھی ایک غیر مسلم یا نو مسلم شاعر سے اس کو کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بہروز اب اپنا وہ کام کرنا چاہتا تھا جس کی وہ پچھلے کافی دنوں سے منصوبہ بندی کرتا رہا تھا۔ مائیکل جولی بذات خود یہ کام نہیں کر سکتا تھا لیکن جب اسے یہ باور کرایا گیا کہ اس سے وہ تاریخ میں غیر معمولی شہرت بھی حاصل کرلے گا تو وہ شوقیہ اس پر آمادہ ہو گیا۔ سلطان وہاں سے واپس ہوا اور طوس کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس نے رادکان (نواح طوس) میں اپنے رشتہ داروں کو جمع ہونے کا حکم دیا تھا۔ سلطان کے جاتے ہی بہروز نے اپنا کام شروع کر دیا اور بیغو کو یہ یقین دلایا کہ سلطان اس طرح آہستہ آہستہ اس کی حکومت پر قبضہ کرلے گا۔ اس لئے اس کی تعمیر کو التواء میں ڈال دیا جائے۔

بیغو نے عذر پیش کیا "لیکن میں سلطان کو زبان دے چکا ہوں۔" بہروز نے کہا "تو میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ آپ اپنی زبان سے پھر جائیں، میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ اس کام کو تاحال التواء میں ڈال دیں۔" بہروز نے بیغو کو بتایا، "رادکان میں سلطان نے عزیز رشتہ داروں کو اس لئے بلایا ہے کہ وہ وہاں سب کی موجودگی میں شہزادہ ملک شاہ کی ولی عہدی کا اعلان کر دے گا اور اس موقع پر وہ ان چہروں کو بھی دیکھ لے گا جو سلطان کے اس فیصلے سے متفق نہیں ہیں۔"

○......○......○......○

سلطان تیزی سے رادکان پہنچا تو وہاں یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ اس کی ساری اولاد اس کی فرماں بردار نظر آرہی تھی۔ اس کے کئی ناموز عزیز بھی پہنچ چکے تھے اور کئی ناموز امراء بھی۔

سلطان نے خواجہ حسن سے مشورہ لیا۔ "خواجہ بزرگ! اب میں ان سب کی موجودگی میں ان کے سامنے شہزادہ ملک شاہ کو اپنا ولی عہد نامزد کرنا چاہتا ہوں، آپ کا کیا خیال ہے؟"

خواجہ حسن نے اس کی پر زور تائید کی "آپ اپنا ہر کام بروقت کرتے ہیں یہ کام بھی بروقت ہو رہا ہے۔"

لیکن اندر حرم میں ہیلینا کو اس سے اختلاف تھا اس کا خیال تھا کہ سلطان فی الحال کسی کو بھی اپنا جانشین نامزد نہ کرے، وقت آنے پر جو اس کا مستحق ہو گا خود ہی اوپر آجائے گا اور وہ اپنی حکمرانی صلاحیتوں اور لیاقتوں کے مطابق انجام دینا شروع کر دے گا۔

سلطان کو اچانک یہ احساس ہوا کہ ہیلینا اس سے مخلص نہیں ہے پوچھا "یہ تیرا مشورہ ہے؟"

ہیلینا نے ڈرے سے انداز میں جواب دیا "ہاں یہ میرا مشورہ ہے۔"

سلطان نے کہا "پھر سوچ لے کہ یہ تیرا ہی مشورہ ہے یا اس کے پیچھے کوئی اور بھی ہے۔"

ہیلینا نے جواب دیا "یہ میرا اور خالصتاً میرا مشورہ ہے، اس میں کوئی اور شامل نہیں ہے۔"

سلطان نے کہا "تب پھر میں وہی کروں گا جو کرنا چاہتا ہوں۔"

رادکان میں جشن کا سماں تھا۔ رنگ برنگے خیمے موسم بہار کا منظر پیش کر رہے تھے۔ شہزادے اپنے بہترین لباسوں میں متحرک نظر آرہے تھے، امراء کا بھی یہی حال تھا۔ سلطان اپنے خیمے میں بند اپنے منصوبے کے ہر پہلو پر خوب غور کر رہا تھا۔ یہیں خواجہ حسن اور شہزادہ ملک شاہ بھی موجود تھے۔ خواجہ حسن نے شہزادہ ملک شاہ کی بھرپور حمایت کر کے اس کا اعتماد اور محبت حاصل کرلی تھی۔ شہزادہ ملک شاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہیلینا نے اس کی مخالفت کی ہے تو اسے افسوس ہوا اور وہ یہ نہیں سمجھ سکا کہ ہیلینا نے ایسا کیوں کیا؟ سلطان کے بیٹے ابھی نو عمر تھے۔ شہزادہ ملک شاہ کے علاوہ شہزادہ تتش تھا۔ شہزادہ تکش... اور شہزادہ ایاز تھے۔ شہزادہ ارسلان شاہ اور شہزادہ ارسلان ارغون تھے، شہزادہ بوری برس اور شہزادہ الیاس تھے۔ یہ سب ابھی نو عمر اور بعض کمسن تھے۔ تین بیٹیاں بھی رادکان کے مرغزار میں موجود تھیں۔ منزلی خاتون، عائشہ اور سارہ۔ سلطان نے ان سب کو باری باری اپنے خیمے میں طلب کیا اور پوچھا "شہزادہ ملک شاہ تم کو کیسا لگتا ہے؟"

تقریباً سبھی نے ایک سا جواب دیا۔ "وہ ہمیں اچھا لگتا ہے ویسے ہم سلطان کی محبت اور نفرت کے پابند ہیں۔"

سلطان نے کہا "تو سنو میں یہاں کیوں آیا ہوں۔ میں تم کو یہ بھی بتاؤں گا کہ تم سب کیا ہو اور تم میں شہزادہ ملک شاہ کی حیثیت کیا ہے۔"

شہزادہ ایاز نے عرض کیا "ہماری ماؤں کو بھی یہیں بلوا لیا جائے تو مناسب ہو گا۔"

سلطان نے جواب دیا "کمسن کا یہاں کیا کام؟"

شہزادہ ایاز نے جواب دیا "ہماری مائیں ہمیں ورغلا سکتی ہیں اس لئے میری خواہش ہے کہ یہاں جو فیصلہ کیا جائے ہماری ماؤں کی موجودگی میں ان کے سامنے ہو، اس طرح وہ آئندہ دم بھی نہ مار سکیں گی۔"

سلطان نے کہا "نہیں، اس کی کوئی ضرورت نہیں۔" یہاں شہزادہ ملک شاہ سلطان کے برابر بیٹھا تھا، باقی شہزادے سامنے بیٹھے براجمان تھے۔ خواجہ حسن شہزادہ ملک شاہ کے پاس کھڑا تھا۔ سلطان نے کچھ دیر بعد خواجہ حسن کو حکم دیا "وہ سلطان کا فرمان اور ہدایات پڑھ کر سنائے۔" خواجہ حسن نے گول کیا ہوا فرمان کھول کر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ یہاں خواجہ حسن نے یہ اعلان کر دیا کہ شہزادہ ملک شاہ سلطان کا جائز اور چہیتا جانشین ہے، اس فیصلے سے جس کو اختلاف ہو گا وہ باغی اور نافرمان قرار دیا جائے گا۔ دوسرا اعلان تھا "شہزادہ ملک شاہ اپنے بھائیوں سے اچھی طرح پیش آئے گا اور بلاوجہ اور بے سبب کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور یہ کہ وہ اپنے فیصلے خود کرے گا اس میں کسی کی مداخلت یا مشورے کا پابند نہیں ہو گا۔" اس کے بعد خواجہ حسن رک گیا۔ شہزادے باری باری اٹھے اور شہزادہ ملک شاہ سے مصافحہ کرنے لگے۔ انہوں نے ملک شاہ کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے بھی لگایا اور بوسہ بھی دیا۔ سلطان کو یہ منظر بہت اچھا لگ رہا تھا۔ شہزادہ ایاز کے انداز میں گرم جوشی نہیں تھی۔ سلطان اور خواجہ نے اسے محسوس کر لیا۔ رسم بیعت کے بعد سلطان نے ایک دوسرا فرمان دیا اور خواجہ حسن سے کہا "اسے بھی پڑھ کر سنا دیا جائے۔" دوسرے خیمے میں سلطان کے برادر زادے اور امراء بھی موجود تھے اور اس دوسرے فرمان میں ان کا ذکر بھی موجود تھا۔ ان سب کو بلوا کر سامنے بٹھا دیا گیا۔ خواجہ حسن نے ان کے سامنے بھی پہلا فرمان پڑھ کر سنایا اور ان سب نے بھی شہزادہ ملک شاہ کے ہاتھ پر بیعت کی، مصافحہ کیا اور دونوں ہاتھوں کو بوسہ دے کر آنکھوں سے لگایا۔

ان آنے والوں میں سلیمان بھی تھا، سلطان کا بھائی۔ بعض مورخین ارسلان شاہ کو بھی سلطان کا بھائی قرار دیتے ہیں اور اس تقریب میں یہ بھی موجود تھا۔ خواجہ حسن نے کمسن شہزادوں کی طرف اشارہ کیا "اور شہزادے تکش، بکش...... بوری برس اور ایاز ابھی اتنے کمسن ہیں کہ علاقہ کا نظم و نسق خود نہیں سنبھال سکتے، اس لئے یہ شہزادہ ملک شاہ کی سرپرستی میں رہیں گے۔" پھر خواجہ حسن نے ایک ایک شہزادے اور امیر کا نام لینا شروع کیا۔ "ارسلان شاہ کو خوارزم دیا گیا ہے، سلیمان شاہ کو بلخ، ارسلان ارغون کو مرو، الیاس کو چغانیہ، مسعود بن ارطاس کو تخارستان، مودود بن ارطاس کو ولایت قنشور، امیسہ اتابک بن بیغو...... کو مازندران۔"

شہزادہ ایاز کہہ رہا تھا کہ اسے بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ اس نے کہا "کیا میں کسی لائق بھی نہیں۔"

سلطان نے جواب دیا "شہزادہ ملک شاہ خود تجھ کو تیری لیاقت کے مطابق منصب دے گا۔" سلطان نے شہزادوں اور امراء کو اس کا پابند کر دیا کہ وہ شہزادہ ملک شاہ کی اطاعت ہر حال میں کریں گے، سبھی نے اس کا اقرار کیا۔ شہزادہ ایاز نے آہستہ سے کہا "مگر میں کمسن ہوں لیکن اتنا احساس اور شعور ضرور رکھتا ہوں کہ کس کے ساتھ کیا ناانصافی ہوئی ہے۔"

سلطان نے اس کو ڈانٹ دیا "شہزادہ ایاز! ابھی تو کمسن ہے اس لئے ایسی باتیں مت کر جس سے انتشار اور بدامنی کی فضا پیدا ہو جائے۔"

خواجہ حسن نے شہزادہ ایاز کو سمجھایا "شہزادے! سلطان سے کوئی بھی شخص اپنا حق نہیں مانگ سکتا بلکہ اس مناسب وقت کا انتظار کیا جاتا ہے جب سلطان اپنی مرضی سے حقدار کو اس کا حق دے دے۔ سلطان سے اپنا حق مانگنا سلطان کو غیر عادل قرار دینے کے مترادف ہوتا ہے۔"

شہزادہ ایاز کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اسے کم سنی میں بس یہ احساس ستا رہا تھا کہ اس کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ سلطان، شہزادہ ایاز کے دباؤ میں آکر اپنے فیصلے میں تبدیلی نہیں کرنا چاہتا تھا اس نے خواجہ حسن سے کہا "اس کو اور اس جیسوں کو ہماری طرف سے خبردار کر دیا جائے کہ سلطان کا فیصلہ بار بار بدلا نہیں جاسکتا، اس میں تبدیلی نہیں ہو گی۔" شہزادہ ایاز خاموش ہو گیا۔

خواجہ حسن نے شہزادے کو بہلانے کی خاطر اپنی طرف سے اعلان کر دیا "میں اپنی طرف سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اگر شہزادہ ایاز امن و سکون سے رہا اور کسی قسم کے انتشار اور بدامنی کا مرتکب نہ ٹھہرا تو میں سلطان سے اس کا حق ضرور دلا دوں گا۔"

سلطان نے اس اعلان کی مخالفت نہیں کی۔ دوسرے لوگوں نے بھی شہزادہ ایاز کو سمجھایا "شہزادے! تم بالکل فکر نہ کرو، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔"

سلطان کو شہزادہ ایاز کے اختلاف سے دکھ پہنچا تھا، وہ یہ کسی حال میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ شہزادے ہوس اقتدار میں دست و گریباں ہو جائیں۔ جن کو اس نے کمسن سمجھا تھا ان کو اس نے نظر انداز کر دیا تھا اور ان سے سلطان کو یہ امید نہیں تھی کہ وہ سلطان

کے کسی فیصلے کے خلاف دم بھی مار سکیں گے لیکن شہزادہ ایاز نے ایسا کیا تھا اور یہ بات بڑے دکھ کی تھی۔ شہزادہ ایاز کچھ دیر خاموش رہا، اس کے بعد اس نے سلطان کے آگے سر جھکا دیا اور رو رو کر معافی مانگنے لگا۔ سلطان نے اس کو الگ لے جا کر پوچھا "تو نے جو کچھ کہا وہ کس کا سکھایا ہوا تھا؟"

شہزادہ ایاز رونے لگا "میں نے خود کہا تھا مجھ کو کسی نے سکھایا نہیں تھا۔"

سلطان نے اسے نرمی سے سمجھایا "تو ابھی نادان ہے، بچہ ہے تو نے جو مطالبہ کیا ہے وہ تیری عقل اور تیری عمر سے زیادہ ہے۔ تیری زبان کیا کھلی مفسدوں کو ایک آلۂ کار ہاتھ آ جائے گا۔ اب تو خاموش رہے گا۔ ہم خود تیرا خیال رکھیں گے" سلطان ایاز کے ساتھ پھر اس خیمے میں آ گیا جہاں سب موجود تھے۔ یہاں سلطان نے ایاز کی تعریف کی "میں شہزادے سے یہ پوچھ رہا تھا کہ اس نے اپنی عمر اور سمجھ سے زیادہ بات کس کے سکھانے پر کی تھی۔ شہزادہ کہتا ہے کہ یہ اس کی اپنی سوچ اور احساس کا نتیجہ تھا۔ میں حیران ہوا اور یہ سوچ کر شہزادے کی بات کا یقین کر لیا کہ مچھلی کے بچوں کو تیرنا کون سکھاتا ہے، شہزادہ ایاز میرا بیٹا ہے، اسے کون سکھائے گا" اس کے بعد سلطان نے دربار عام منعقد کیا اور شہزادہ ملک شاہ کی ولی عہدی کا عام اعلان کر دیا۔ اس موقع پر سبھی نے ملک شاہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سلطان کے حکم پر ایک مرصع بہ جواہر گھوڑا سامنے لایا گیا، سلطان نے شہزادہ ملک شاہ سے کہا "یہ سلطان کا گھوڑا ہے۔ سلطان ملک شاہ اس پر سواری فرمایئے۔" شہزادے کو تامل ہوا تو خواجہ حسن نے اس کی مدد کی اور اسے ہاتھوں کا سہارا دے کر گھوڑے پر بٹھا دیا۔ سلطان نے شہزادے کی رکاب پکڑ لی۔ خواجہ حسن بھی شہزادے کے ساتھ پیدل چلنے لگا۔ سلطان الپ ارسلان گھوڑے کی رکاب پکڑے ساتھ ساتھ پیدل چلتا رہا۔ شاہی خیموں کا چکر لگا کے شہزادہ ملک شاہ پھر شاہی خیمہ کے در پر آ گیا۔ سلطان اور خواجہ حسن نے شہزادے کو نیچے اتارا اور اس کو خیمے میں لے گئے۔ یہاں ایک مرصع تخت پہلے سے بچھا دیا گیا تھا۔ شہزادے کو اس پر ادب و احترام سے بٹھا دیا گیا۔ سلطان نے تخت کے پاس کھڑے ہو کر نصیحتیں... اور ہدایتیں دینا شروع کر دیں "تو سلطان ہے۔ تیری نظر میں سب برابر ہوں گے کیونکہ سلطان تنہا ہوتا ہے اور اس کے سارے لوگ رعایا ہوتے ہیں" شہزادہ ملک شاہ تکلف اور احترام سے دوہرا ہوا جا رہا تھا۔ سلطان نصیحتیں... کرتا رہا "جو لوگ تجھ پر احسان کریں انہیں کبھی نہ بھولنا، جو غداری کریں، ان کو کبھی معاف نہ کرنا" اس کے بعد سلطان نے حاضرین دربار سے کہا "شہزادہ ملک شاہ تمہارا بادشاہ ہے میرے بعد تم سب اس کی اطاعت کرو گے" سبھی نے پرجوش نعروں میں یقین دلایا کہ وہ سب شہزادہ ملک شاہ کے ہمیشہ وفادار اور مخلص رہیں گے۔" خواجہ حسن نے اس تقریب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سلطان نے نئے سلطان کو کئی قیمتی تحفوں سے نوازا کچھ خلعتیں... دوسرے شہزادوں اور امیروں کو بھی دی گئیں۔ شام کو کھانے کا اہتمام کیا گیا اور لوگوں نے خوب جی بھر کے لذیذ کھانے کھائے۔ یہیں مرغزار ہرکاروں سے چاروں طرف فرامین... جاری کیے گئے کہ شہزادہ ملک شاہ الپ ارسلان کا ولی عہد قرار دیا گیا اور لوگ اس کو میرا جانشین مانیں گے۔ سلطان نے جملہ مساجد کے نام یہ فرمان بھی جاری کیا کہ جمعہ کے خطبے میں شہزادہ ملک شاہ کا نام بھی شامل کیا جائے۔ بغداد کے خلیفہ نے سلطان کو پہلے ہی اجازت دے دی تھی۔

آرمینیا اور جارجیا کی شکستوں نے مسیحی دنیا کو لرزہ براندام کر دیا تھا اور ایشیائے کوچک کے پادری اور راہب قسطنطنیہ کی طرف منہ اٹھائے آہ و بکا میں مصروف تھے۔ ان کے وفود قسطنطنیہ کی طاقتور مسیحی سلطنت کو سلطان اور اسلام کی بیخ کنی پر آمادہ کر رہے تھے۔ وہ رومی فرمانروا کو یہ باور کرا رہے تھے کہ اگر اسلام اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے گرد رکاوٹیں نہ کھڑی کی گئیں تو یہ پوری مسیحی دنیا کو ہڑپ کر جائیں گے۔ وہ روما کے قیصر کو باور کرا رہے تھے کہ مسلمان سیل ہمہ گیر ہیں۔ ان کے سامنے جو بھی آتا ہے بہہ جاتا ہے۔ اس سلسلے میں بیت المقدس کے پادریوں اور راہبوں نے یہ واویلا مچایا کہ ان کے مقامات مقدسہ مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اس لئے زیارت کو جانے والے عیسائیوں کے ساتھ مسلمان بڑی زیادتیاں کرتے ہیں اور رشوتوں کا ایسا بازار گرم رہتا ہے کہ بہت کم مسیحی مقامات مقدسہ کی زیارت کر پاتے ہیں۔

سلطان عیسائیوں کی کوششوں اور سازشوں سے بے خبر اپنے مسائل اور معاملات میں پھنسا ہوا تھا۔ خواجہ حسن کی کوشش تھی کہ سلطان کو غیر ضروری مہمات میں نہ الجھایا جائے اور انہیں وہ اپنے ذمے لے لے۔ لیکن سلطان خود چھوٹے سے چھوٹے معاملے سے بھی لاتعلق نہیں رہنا چاہتا تھا۔

بردسیر کرمان کے حکمران قرا ارسلان نے سلطان کو عیسائیوں میں الجھا دیکھا تو اس کا زر سالانہ بند کر دیا خطبوں سے سلطان کا نام بھی نکال دیا۔

سلطان شہزادہ ملک شاہ کی ولی عہدی کی رسم سے ابھی فارغ ہی ہوا تھا کہ اسے بردسیر کرمان کی بغاوت سے آگاہ کیا گیا۔ سلطان نے ایک دن ضائع کیے بغیر کرمان کا رخ کیا قرا ارسلان مقابلے کے لئے تیار تھا۔ دونوں میں جنگ ہوئی اور قرا ارسلان شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

مسیحی نمائندے اپنی کوششوں میں منہمک تھے۔ وہ سلطان کے دشمنوں سے مل کر تسلیاں دے رہے تھے۔ ان کا سلطان کے مخالفوں کو بس ایک ہی مشورہ تھا کہ سلطان کو چند سال جنگوں میں الجھائے رکھو اس دوران قیصر اپنی فوجی قوت میں اتنا اضافہ کر لے گا کہ سلطان اور اس کی قوت مسیحی تند و تیز طوفان میں خس و خاشاک کی طرح اڑ جائے گی۔ مسیحی قوتوں کو ان تمام امیروں کا علم تھا جنہیں سلطان کے خلاف استعمال کیا جا سکتا تھا۔ بلخ کرزور ریاستیں خاندان کے ناراض و ناخوش لوگ اور مصری فاطمی حکومت کی وہ نمائندہ حکومتیں جو موصل یمن یا دوسرے علاقوں پر قابض تھیں اور عباسی خلافت کے بجائے مصری فاطمی خلافت کی وفادار تھیں۔ ان سب کو نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے سلطان کے خلاف بھڑکایا جا رہا تھا۔

عیسائی کارندے حرکت میں آچکے تھے۔ انہوں نے بیروز سے بھی رابطہ قائم کیا ان میں آرمینیا اور جارجیا کے نومسلم بیگ بھی شامل تھے۔

بروییر کا قزل ارسلان ان سازشوں کا ایک معمولی مہرہ تھا جو استعمال میں لایا گیا۔

خواجہ حسن نے سلطان کو مشورہ دیا "سلطان محترم مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہمیں سازشوں کی جنگ میں الجھایا جا رہا ہے۔"

سلطان نے جواب دیا "میں یہ جنگ بھی لڑوں گا کیوں کہ ان سے مفر حاصل کرنے کا اور کوئی راستہ بھی تو نہیں۔"

خواجہ حسن نے بتایا "یہ بروییر کی بغاوت اسی سازش کا حصہ تھی جو دبا دی گئی۔"

سلطان نے کہا "ٹھیک ہے قزل ارسلان بھاگ گیا اب یہاں کی حکومت کس کے سپرد کی جائے؟"

خواجہ حسن نے عجیب و غریب مشورہ دیا "آپ قزل ارسلان کو معاف فرما کر بروییر دوبارہ اسے دے دیں۔"

سلطان نے طنزیہ کہا "تاکہ وہ دوبارہ بغاوت کرے۔"

خواجہ حسن نے کہا "ہمیشہ ایسا نہیں ہو گا بلکہ آپ کا یہ احسان اسے بندہ بے دام بنا دے گا اور وہ ہمیشہ کے لئے آپ کا غلام ہو جائے گا۔"

سلطان نے یہ کام شہزادہ ملک شاہ کے سپرد کر دیا "تیری صلاحیتوں کی آزمائش شروع ہو رہی ہے۔"

خواجہ حسن شہزادے کا بھی اتالیق اور استاد تھا اس نے شہزادے کو مشورہ دیا "آپ ذرا تحمل اختیار کریں۔ معاملات جلد قابو میں آجائیں گے۔"

قزل ارسلان کے مصاحب اور ملازم بے وفائی اختیار کر کے خواجہ حسن کے پاس آئے۔ اور قزل ارسلان کی برائیاں شروع کر دیں۔

خواجہ حسن ان کی باتیں توجہ سے سنتا رہا اور آخر میں ایک سے سوال کیا "تیرا نام کیا ہے اور تو قزل ارسلان کے پاس کیا کرتا رہا ہے؟"

اس نے جواب دیا "میرا نام فضل ہے میں قزل ارسلان کا مشیر رہ چکا ہوں۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "کیا تو نے ہی یہ مشورہ قزل ارسلان کو دیا تھا کہ بغاوت کریں اور قزل ارسلان خوار و زار منہ چھپاتا پھر رہا ہے؟"

فضل نے جواب دیا "میں نے اس کو جو مشورہ دیا تھا اس پر قزل ارسلان عمل کرتا تو آج وہ یہ دن نہ دیکھتا۔"

خواجہ حسن نے شہزادہ ملک شاہ کو بھی اس گفتگو میں شریک کر لیا اور فضل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ قزل ارسلان کا مشیر اور مصاحب ہے اور اب ہمارے پاس ملازمت حاصل کرنے آیا ہے۔"

شہزادہ ملک شاہ نے سرد مہری ظاہر کی۔ خواجہ حسن نے بھی یہی رویہ برقرار رکھا "یہاں شہزادے کے اپنے مشیر اور مصاحب ہیں تمہارے لئے یہاں کیا گنجائش؟"

فضل یہاں اکیلا نہیں آیا تھا اس کے ساتھ دوسرے کئی لوگ تھے۔ اس نے خوشامدانہ روش اختیار کی "ہمارا اور کوئی آسرا نہیں ہم سلطان سے وفاداری کی سزا جھیل رہے ہیں۔"

خواجہ حسن نے اسے جھڑک دیا "قزل ارسلان باغی تھا۔ تم سب اس کے ملازم اور مشیر رہ چکے ہو پھر سلطان سے وفاداری کا یہ دعویٰ بھلا اس پر یقین کون کرے گا۔"

فضل نے خوشامد جاری رکھی "خواجہ بزرگ! ہم بھی سرد و گرم چشیدہ لوگ ہیں۔ آپ کے در پر امیدیں لے کر آئے ہیں مایوس نہ کریں ورنہ پاگل ہو جائیں گے اور اس پاگل پن میں ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

خواجہ حسن نے پھر جھڑک دیا "تو اگر پاگل ہو جائے گا تو جا اپنے آقا کو کاٹ لے، کسی پاگل کتے کی طرح، یہاں کیا لینے آیا ہے۔"

فضل سنجیدہ ہو گیا "خواجہ بزرگ! آپ نے ہمیں کتا کہہ دیا۔ یہ گالی آپ کو بڑی مہنگی پڑے گی۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "امرا کے نوالوں پر پلنے والوں کتے کی طرح دم ہلاتے پھرتے رہو۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

فضل نے دھمکی دی "خواجہ بزرگ! ابھی آپ ہم سے واقف نہیں ہیں ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

خواجہ حسن نے کہا "تو یا تیرے ساتھی اب اس سے زیادہ کیا کریں گے کہ پہلے سلطان کے خلاف بغاوت کی اور اب سلطان ہی سے ملازمت کے خواہاں ہیں۔ جاؤ میں سلطان کی طرف سے تم سب کو اجازت دیتا ہوں کہ اس کے خلاف بغاوت کرو، پھر بغاوت کرو ہم تمہارا مقابلہ کریں گے۔"

فضل نے کہا "خواجہ حسن! تم نے جو مشورہ دیا ہے اسے یاد رکھنا مگر نہ جانا کیوں کہ ہم بہت زہریلے لوگ ہیں تم نے ہمیں ابھی جانا نہیں ہے۔"

خواجہ حسن نے اپنے خدمت گاروں سے کہا "اس کو باہر نکال دو۔ یہ ہمیں کام نہیں کرنے دے رہا۔"

خواجہ حسن کے آدمیوں نے فضل کو سر اور پاؤں سے پکڑ کر باہر پھینک دیا۔

شہزادہ ملک شاہ خاموش تماشائی بنا دیکھتا رہا۔ خواجہ شہزادے کو دیکھ کر مسکرایا "اس کا اس سے بہتر علاج نہیں تھا۔"

شہزادے نے کہا "یہ ہمیں جو دھمکیاں دے رہا تھا۔ اس میں کوئی حقیقت بھی ہے یا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "یہ درباری خوشامدی لوگ سازشوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

خواجہ حسن اپنے کاموں میں مشغول ہو گیا۔ وہ سلطان کی توجہ اصطخر... کی طرف مبذول کرانا چاہتا تھا اصطخر... کا قلعہ جس شخص کے قبضے میں تھا وہ قدیم شاہان فارس کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ سلطان کو خواجہ نے بتایا کہ اصطخر... کا قلعہ اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ یہاں قیمتی نوادر موجود ہیں اور قلعہ دار کچھ اور ہی خواب دیکھ رہا ہے اگر یہ قابو میں نہ آیا تو مستقبل کی کسی بڑی گ

گھڑی میں بجلی گھونسا ثابت ہو گا۔ فی الحال سلطان کسی بڑی جنگ میں نہیں الجھا تھا اس لئے اس نے اصطخر..... اور دوسرے کئی پہاڑی قلعوں کی تسخیر کا کام خواجہ حسن کے سپرد کر دیا۔ سلطان خود بعض داخلی مسائل میں الجھا ہوا تھا۔

ابھی خواجہ حسن اصطخر... کی طرف بڑھا بھی نہیں تھا کہ سلطان نے اسے طلب کر لیا اور اچانک بے مروتی اور تحکمانہ انداز میں سلطان نے خواجہ سے پوچھا "کیا آپ کو کسی اتالیق یا استاد کی ضرورت ہے؟"

عجیب معنی خیز یا فضول سا سوال کیا تھا سلطان نے۔ خواجہ حسن نے جواب دیا "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

سلطان نے برہمی سے کہا "میں پوچھ رہا ہوں کیا آپ کو کسی اتالیق یا استاد کی ضرورت ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "اس کی ضرورت تو نہیں ہے ویسے ہر انسان زندگی کے آخری لمحات تک طالب علم ہی رہتا ہے۔"

پھر سلطان نے نرم مگر زہر آلود لہجے میں سمجھایا "اللہ انسان کو درجات بلند عطا فرماتا ہے مگر اس لئے نہیں کہ وہ اپنے جیسے دوسرے کم تر انسانوں کو ذلیل و خوار کرے۔ واللہ یہ گناہ ہے، بہت بڑا گناہ ہے۔ خواجہ بزرگ اس گناہ سے بچیں۔"

خواجہ حسن بہت پریشان تھا "میں اب بھی حیران اور پریشان ہوں کہ اس طرح سلطان کون سی تادیب فرمانا چاہتے ہیں؟"

سلطان نے اسے سمجھایا "اللہ نے آپ کو جو بلند مقام عطا کر رکھا ہے اس سے آپ میں فروتنی آنا چاہیے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ طاقت کا نشہ آپ کو مغلوب اور بے بس کر رہا ہے۔ آپ وہ پہلے جیسے منکسر المزاج خواجہ حسن نہیں ہیں۔ آپ اپنے آپ کو بدلیں ورنہ آپ سے سب کچھ چھن جائے گا۔"

خواجہ حسن بے حد پریشان تھا "سلطان محترم اگر میں خطا کار ہوں تو مجھے سزا ملنی چاہئے اور اگر گناہ گار ہوں تو عذاب سے دوچار کیجئے۔ آخر میں ہوں کیا؟"

سلطان نے ایک درخواست خواجہ حسن کی طرف بڑھا دی اور کہا اس کو پڑھیں اور مجھ کو بتائیں ایسا کیوں ہوا؟

خواجہ حسن درخواست پڑھنے لگا۔ یہ فضل کی درخواست تھی، فضل اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے۔ قراار سلان اور مصاحبوں کی درخواست۔ اس میں ان لوگوں نے خواجہ حسن کی شکایت کی تھی۔

خواجہ حسن تاتب لوگوں کو بغاوت اور غداری پر اکساتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ تم توبہ کر کے ہمارے پاس کیوں آئے ہو۔ جاؤ اور بدستور سلطان کے خلاف بغاوت کرو۔ اس طرح تم باعزت کہلاؤ گے۔ خواجہ نے ہمیں کتا بھی کہا۔ وہ کہتا ہے ہم سب کتے ہیں۔ اس نے سلطان کے آدمیوں کو بھی کتا کہا۔ ان معروضات کی روشنی میں سلطان سے درخواست کریں گے کہ سلطان خواجہ بزرگ کو طاقت کے نشے سے بیدار فرمائیں۔ توبہ تو اللہ بھی قبول فرما لیتا ہے پھر یہ کیسا وزیر ہے جو تائبوں کو بغاوت کی تلقین کرتا ہے۔

خواجہ حسن نے کہا "جناب والا۔ میں اس معاملے میں چند وضاحتیں......"

سلطان نے منہ پھیر لیا "میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ شخص تجھ سے ملا تھا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "ہاں ملا تھا اور پورا واقعہ دراصل یہ"

سلطان نے بات کاٹ دی "میں پورا واقعہ بعد میں سنوں گا میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے اس کو دھتکار دیا تھا اور بغاوت کی تلقین کی تھی؟"

خواجہ حسن بے بس اور مجبور ہو چکا تھا "یہ بھی درست ہے مگر میں نے......"

سلطان نے پھر بات کاٹ دی "میں اگر مگر نہیں جانتا اگر یہ بات درست ہے تو یہ بھی درست ہو گا کہ تم نے ان سب کو کتا کہا اور یہ بڑی ناشائستہ زبان ہے......"

خواجہ حسن نے جواب دیا "ہاں میں نے انہیں کتا بھی کہا تھا مگر مجھ کو اپنی صفائی کا موقع ضرور ملنا چاہئے۔"

سلطان نے کہا "خواجہ بزرگ! میں آپ سے صفائی نہیں چاہتا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ اپنی اصلاح کر لیں۔ اس درخواست میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اگر درست ہے تو آپ اپنی اصلاح کریں اور اگر یہ غلط ہے اور آپ پر صرف تہمت لگائی گئی ہے تو انہیں ملازمتیں دے کر ان کا منہ بند کر دیں۔ یہی کا راستہ یہاں مناسب نہیں ہے" سلطان اتنی ہدایت دے کر سامنے سے ہٹ گیا۔ خواجہ بزرگ نے اسی وقت فضل اور اس کے ساتھیوں کو تلاش کرایا وہ سب مل تو گئے مگر اب وہ خواجہ بزرگ سے کچھ بھی نہ چاہتے تھے۔

خواجہ حسن نے کہا "تم لوگوں نے میرے خلاف جو کچھ کیا میں اس کی شکایت اس لئے تم لوگوں سے نہیں کروں گا کہ تم جیسوں سے آئے دن واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ اس واقعہ ناگفتہ کے بعد اگر میں تم کو اپنے پاس رکھ بھی لوں تو دونوں کے دلوں کی کدورتیں کچھ اور ہی گل کھلائیں گی اس لئے میں تم کو ایک ایسا مشورہ دوں گا کہ جس سے تم سب کا مستقبل پہلے سے بھی زیادہ روشن اور تابناک ہو جائے گا۔"

فضل نے کہا "آپ مشورہ دیں ہم اس پر غور کریں گے۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "کیا تم اپنے ولی عہد قراار سلان پر احسان کرنا چاہتے ہو؟"

فضل نے حیرت سے پوچھا "میں یعنی ہم اس پر احسان کر سکتے ہیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "ہاں تم لوگ اس پر احسان کر سکتے ہو۔"

فضل کہنے لگا "آپ ہمیں بے وقوف تو نہیں بنا رہے؟"

خواجہ نے جواب دیا "نہیں میں بے وقوف نہیں بنا رہا۔"

فضل نے کہا "بتائیے ہمیں کیا کرنا ہے۔"

خواجہ حسن نے اس کو سمجھایا "تیرا آقا قراار سلان باغی ہو چکا

ہے اور سلطان اس سے بہت ناراض ہے۔ میں ولی عہد شہزادہ ملک شاہ کا استاد اور اتالیق ہوں۔ تو اپنے آقا قزل ارسلان کے پاس واپس جا اور اس سے کہہ کہ میں تیری غلطی معاف کرا دوں گا اور تجھ کو تیری حکومت دوبارہ مل جائے گی۔"

فضل نے ناقابلِ یقین انداز میں خواجہ حسن کو دیکھا اور پوچھا "کیا سچ؟ ایسا ممکن ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میں یقین دلا رہا ہوں تو مجھ پر اعتبار کر سکتا ہے۔"

فضل نے پوچھا "اور اگر یہ کام نہیں ہوا تو؟"

خواجہ حسن نے طنزاً کہا "پھر تو آزادی سے سلطان کے پاس میری شکایت لے کر پہنچ جائے گا۔"

فضل نے پوچھا "لیکن میں نے تو یہ سنا ہے آپ اصطخر کی مہم پر جا رہے ہیں جب تک میں آؤں گا آپ جا چکے ہوں گے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میں بیس دن تیرا انتظار کر سکتا ہوں۔ اکیسویں دن میں مرغزار چھوڑ دوں گا۔" فضل چلا گیا۔

خواجہ حسن نے دو دن بعد سلطان سے کہا "سلطان محترم! آپ پر یہ بات اچھی طرح واضح اور ثابت ہو گئی ہو گی کہ کوئی بھی انسان دنیا بھر کو خوش نہیں رکھ سکتا۔"

سلطان کو احساس ہو گیا کہ خواجہ حسن اس وقت کس قسم اور کس موضوع پر بات کرنے والا ہے۔ اس نے خواجہ حسن کو سمجھایا۔ "بےشک۔ لیکن کوشش یہی ہونا چاہئے کہ لوگوں کو ناراض نہ کیا جائے۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا "جناب والا! میں نے آپ سے ایک بات سیکھی ہے۔ تحمل، بردباری اور غلطیوں کو نظر انداز کر دینا۔"

سلطان نے کہا۔ "میری ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ اپنے ہوں یا بیگانے، ان کو مایوس نہ کیا جائے۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا "جناب والا! آج ایک غلطی میں نے بھی کی ہے، امید ہے آپ میری اس ذرا سی غلطی کو نظر انداز کر دیں گے۔"

سلطان نے پوچھا "کون سی غلطی؟"

خواجہ نے جواب دیا "میں نے قزل ارسلان کے مشیر فضل سے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ میں اسے معافی دلوا دوں گا اور اس کو اس کی حکومت پر بحال کر دیا جائے گا۔"

سلطان کے ہونٹوں پر ہنسی آ گئی "یہ آپ نے بہت اچھا کیا قزل ارسلان میرا رشتے دار ہے اور میں کوشش کرتا ہوں کہ میرے ہاتھوں سے کسی عزیز یا رشتے دار کو نقصان نہ پہنچے آپ نے قزل ارسلان کو معافی اور حکومت دلوانے کا وعدہ کر کے میرے خاندان اور میرے رشتے داروں پر احسان کیا ہے۔"

خواجہ حسن شرمندہ ہو رہا تھا اور وہ سلطان سے نظریں تک نہیں ملا رہا تھا۔ اس کو شبہ تھا کہ سلطان یہ سب خلوص سے کہہ رہا تھا یا طنزاً "اس خاکسار کو سلطان کے مزاج کا جس حد تک علم یا اندازہ ہے اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔"

سلطان نے خواجہ حسن کی تعریف و توصیف میں چند کلمات ادا کئے اور کہا "میں نے شہزادہ ملک شاہ کو آپ کی تحویل میں دیا ہے۔ آپ اس کے معنوی باپ ہیں اور وہ فرزند۔ آپ کی عزت و تکریم میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا جائے گا۔"

خواجہ حسن قزل ارسلان کا انتظار کرتا رہا۔ اس نے شہزادہ ملک شاہ کو بھی اپنے فیصلے سے آگاہ کیا اور سلطان نے جو کہا تھا اس سے بھی آگاہ کیا۔

چند دنوں بعد قزل ارسلان فضل کے ساتھ شہر کے اندھیرے میں خواجہ حسن کے پاس آ گیا۔ وہ زندگی سے مایوس تھا اور اسے یقین نہیں تھا کہ اسے معافی مل جائے گی۔ اس نے اپنا چہرہ رومال میں چھپا لیا تھا۔ وہ بولا "میں جانتا ہوں کہ اب اس زمین کے اوپر اور آسمان کے نیچے میرے لئے کہیں پناہ نہیں۔ اب میں آپ کے قبضے میں ہوں چاہے معاف کرائیں یا قتل کرا دیں۔"

خواجہ حسن نے کہا "جب تو یہ سب جانتا تھا تو تو نے سلطان کے خلاف بغاوت کیوں کی؟"

قزل ارسلان نے جواب دیا "اپنے جاہل وزیر کے مشورے پر۔"

خواجہ حسن نے اسے یقین دلایا "میں نے تیرے لئے سلطان اور شہزادہ ملک شاہ سے بات کر لی ہے لیکن تجھ کو پہلے اپنے وزیر جیسے جاہل اور شری افراد سے نجات حاصل کرنا ہو گی۔"

قزل ارسلان نے وعدہ کیا "میں اپنے آدمیوں کی فہرست آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا آپ جس کے سامنے دو آڑی ترچھی لکیریں (×) بنا دیں گے میں اس کو اپنے دربار سے نکال دوں گا۔"

فضل اور اس کے ساتھی خیمے کے باہر قزل ارسلان اور خواجہ کا انتظار کر رہے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں باہر نکلے اور فضل اور اسکے ساتھیوں کو حکم دیا "تم لوگ یہیں موجود رہو اور جب تک ہم واپس نہ آئیں تم لوگ موجود رہنا۔" جاتے جاتے خواجہ حسن نے اپنے خدمت گاروں کو چپکے سے یہ حکم دیا کہ ان کی نگرانی کی جائے اور انہیں کہیں جانے نہ دیا جائے۔ سلطان نے قزل ارسلان کو نہایت تپاک

سے لیا اور خواجہ حسن کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے دو دلوں میں ملاپ کرا دیا تھا۔ سلطان نے اسے اس کی حکومت بھی واپس دے دی اور کئی لاکھ دینار اس کی بیٹوں کے علم پر عطا کر دیئے۔ قرار ارسلان کو یہ جو کچھ بھی ملا تھا خواجہ حسن کی مہربانیوں سے ملا تھا۔ واپسی میں خواجہ حسن نے قرار ارسلان کو مشورہ دیا "اب تو فضل اور اس کے ساتھیوں سے نجات حاصل کر لے۔"

قرار ارسلان نے حیرت سے کہا "لیکن فضل نے تو ہم پر یہ احسان کیا ہے ___"

خواجہ حسن نے درشت لہجہ میں کہا "اس نے تجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اسے میں نے تیرے پاس بھیجا تھا۔"

قرار ارسلان کو کیا انکار ہو سکتا تھا اس نے جاتے ہی فضل کو مطلع کر دیا "اب تو کسی اور دربار کا رخ کر۔ میرے پاس تیرے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

فضل کی حالت غیر ہو گئی "میرے لئے کوئی جگہ نہیں لیکن میں نے تو ___"

قرار ارسلان نے جواب دیا "جو کچھ بھی ہوا خواجہ حسن کی مہربانیوں سے ہوا تو تو محض ایلچی تھا۔"

فضل اپنی فریاد لے کر خواجہ حسن سے ملا اور نہایت دردمندانہ لہجے میں کہا "میں نے قرار ارسلان پر احسان کیا اور اس نے مجھے یہ صلہ دیا کہ ___"

خواجہ حسن نے بے رخی سے جواب دیا "اس سلسلے میں، میں کیا کر سکتا ہوں تو جانے اور قرار ارسلان جانے۔"

فضل نے کہا "اس بات کی گواہی تو آپ بھی دیں گے کہ قرار ارسلان کو میں یہاں تک ___"

خواجہ حسن نے کہا "اس کو میں نے معافی دلوائی ہے اس معافی یا حکومت دلوانے کا تجھ سے کیا تعلق؟"

فضل نے دھمکی دی "میں دوبارہ سلطان کے پاس جاؤں گا۔ مجھ پر آپ دونوں نے ظلم کیا ہے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "تو شوق سے سلطان کے پاس جا۔ قرار ارسلان نے سلطان کو بتا دیا ہے کہ اس نے جن مشیروں کے ایما پر بغاوت کی تھی ان میں وزیر اور فضل سرفہرست ہیں۔ اب سلطان تجھ سے بے حد ناراض ہے۔"

فضل کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا "خواجہ بزرگ! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "تیرے معاملے کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ مجھے خواہ مخواہ مت پریشان کر۔"

فضل نے خوشامد سے کام لیا "آپ چاہیں تو قرار ارسلان مجھے دربار میں رکھ لے گا۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "افسوس کہ میں جس سے واقف نہیں ہوتا اس کی سفارش بھی نہیں کرتا اور میں تجھ سے واقف نہیں ہوں۔"

فضل نے اصرار کیا "آپ مجھ سے واقف ہیں بہت اچھی طرح واقف ہیں۔"

خواجہ حسن نے کہا "ہاں میں تجھ سے واقف ہوں بس اس حد تک کہ تو احسان فراموش ہے اور ناراض ہونے کے بعد سلطان کے پاس پہنچ جاتا ہے۔"

فضل نے کہا "میں دوبارہ سلطان کے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

خواجہ حسن ہنسنے لگا "تو شوق سے جا سلطان کے پاس ویسے اب سلطان تجھ سے کوئی اور بات کرے گا۔"

فضل نے پوچھا "خواجہ بزرگ! یہ آپ نے کیا کیا؟"

خواجہ حسن نے کہا "اب تو جا سکتا ہے۔ میں نے تیرے ساتھ وہی کیا جو تو نے میرے ساتھ کیا تھا۔"

فضل نے قرار ارسلان کی خوشامد کی لیکن اس نے جواب دیا۔ "میں خواجہ بزرگ کو ناراض نہیں کر سکتا۔"

فضل نے کہا "لیکن میں نے تو آپ کو سلطان سے ملوانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔"

قرار ارسلان نے جواب دیا "لیکن میں خواجہ بزرگ کو ناراض نہیں کر سکتا۔"

فضل کی خوشامد سے تنگ آ کر قرار ارسلان نے خواجہ سے اس کی سفارش کی۔ خواجہ حسن نے کہا "فضل کے ساتھیوں کو ملازمتیں دے دی جائیں مگر فضل کو نہیں اس کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے۔"

قرار ارسلان نے وہی کیا اور فضل کے آدمیوں کو دوبارہ ملازم رکھ لیا اور فضل کو خواجہ حسن کے پاس بھیج دیا۔

اب فضل کا زور بالکل ٹوٹ چکا تھا اور اس کے ساتھی بھی اس سے نظریں چراتے تھے۔

فضل خواجہ حسن سے ملا اور شکایت کی "میرے ساتھیوں کو ملازمتیں دے دی گئیں لیکن میں ابھی تک بیکار ہوں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میں نے تیرا شر تیری طرف واپس کر دیا۔"

فضل نے کہا "میرے ساتھیوں نے بھی نظریں پھیر لیں اب میں کیا کروں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "بات صرف اتنی سی ہے کہ میں تجھ کو بار بار یہ بات جتا رہا ہوں کہ خواجہ حسن اور فضل میں کیا فرق ہے۔"

فضل نے پوچھا "اب میں کہاں جاؤں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "تو دس دن بعد دوبارہ مل' میں تیرے مسئلے پر غور کروں گا۔"

فضل نے کہا "دس دن تو بہت ہوتے ہیں۔"

خواجہ حسن نے کہا "دس دن مستقل ناکامی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔"

فضل چلا گیا اور خواجہ حسن نے پانچویں دن ہی سرخزار کا نواکان کو چھوڑ دیا۔ پہلے سلطان نے اصطخر... کی مہم خواجہ حسن کے سپرد کی تھی لیکن اب اس میں تبدیلی کر دی تھی اور خود بھی خواجہ حسن کے ساتھ ہو گیا تھا۔

دسویں دن جب فضل خواجہ حسن سے ملنے گیا تو معلوم ہوا کہ خواجہ حسن سلطان کے ساتھ اصطخر چلا گیا۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اس نے خواجہ حسن کو اتنا ستم نہیں سمجھا تھا۔

○ ○ ○ ○ ○ ○

اصطخر، قدیم ایرانی بادشاہوں کا دارالخلافہ تھا۔ اس کے متوازی دجلہ کے دوسرے کنارے پر بابل ہوا کرتا تھا اور اس کے قریب عراق میں بغداد کو آباد کیا گیا تھا۔ اصطخر پر جس کی حکومت تھی وہ قدیم ایرانی شاہی خاندان سے تعلق رکھنے کا دعویٰ کرتا تھا یہاں سلطان الپ ارسلان کو زیادہ دشواری پیش آئی۔ اصطخر نے زیادہ مزاحمت نہیں کی اور سلطان کے لئے قلعے کے دروازے کھول دیے گئے۔ قلعہ دار نے سلطان کی خدمت میں چند قیمتی چیزیں بھی پیش کیں۔

حاکم قلعہ نے سلطان کی خدمت میں فیروزے کا ایک پیالہ پیش کیا اس پیالے سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی۔ سلطان نے پوچھا "یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے؟"

حاکم قلعہ نے پیالے پر سے چھوٹی سی طشتری ہٹا دی تو ماحول خوشبو سے مہک گیا "یہ مشک ہے اور میں سلطان کے لئے دعا گو ہوں کہ اس کی شہرت اور ناموری کی خوشبو سے ایک عالم معطر ہو جائے۔"

سلطان نے خوش ہو کر قلعے کی حکومت اسے دوبارہ بخش دی۔ حاکم قلعہ نے پیالے کے بارے میں سلطان کو بتایا "اس پیالے کی ایک اور اہمیت بھی ہے۔"

سلطان نے پوچھا "وہ کیا؟"

حاکم قلعہ نے کہا "آپ پیالے سے مشک کو نکلوا لیں' اس کی دوسری خصوصیت پیالے کی تہ میں ہے۔"

سلطان نے پیالے کو خالی کرایا۔ حاکم قلعہ نے پیالے کی تہ کی طرف اشارہ کیا "یہ پیالہ ایران کے نامور فرماں روا جمشید کا ہے اور اس کی تہ میں اس کا نام کندہ ہے۔"

سلطان نے جمشید کے نام کو پڑھ لیا اور خواجہ حسن کی طرف بڑھایا۔ خواجہ حسن نے بھی تصدیق کی کہ پیالے کی تہ پر جمشید کا نام کندہ ہے۔

اصطخر سے آگے بھی چند ایسے قلعے تھے جو ابھی تسخیر ہونے باقی تھے۔ سلطان نے خواجہ حسن سے کہا "میں یہاں آپ کا انتظار کروں گا آپ اس قلعے کو فتح کر لیں۔"

اس موقع پر خواجہ حسن نے ایک نئی تدبیر کی۔ اس نے سلطان سے کہا "اس مہم میں اپنے ساتھ میں نومسلموں کی فوج لے جاؤں گا۔"

سلطان نے پوچھا "نومسلموں کی فوج تو ناتجربے کار اور نوآموز افراد پر مشتمل فوج ہے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "جی ولی نعمت' میں اس دشوار مہم کو انہی نوآموز کاروں سے سر کرنا چاہتا ہوں۔"

سلطان نے شبہ ظاہر کیا "مایوس ہو کر واپس نہ آنا پڑ جائے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "ان لوگوں کو جنگ کا ابھی تک کوئی خاص موقع نہیں ملا یہ اس کی شکایتیں کرتے ہیں۔"

سلطان کو ان پر بھروسا نہیں تھا۔ بے دلی سے کہا "بہر حال میں آپ کی تائید نہیں کروں گا۔ ابھی ان کو بہت سی جنگوں میں حصہ لینا ہے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میں اپنے ساتھ تجربے کار سپاہ کی معمولی تعداد بھی لے جاؤں گا لیکن میری فوج میں اکثریت انہی کی ہوگی" سلطان نے ضد نہیں کی اور خواجہ حسن کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ خواجہ حسن نے نومسلموں کو الگ کیا اور ان کے سامنے ایک چھوٹی سی تقریر کی "تم لوگ عرصے سے ہمارے ساتھ ذیلی بنے ہوئے ہو۔ ہم نے تمہاری ذمے داریاں قبول کی تھیں اور وعدہ کیا تھا کہ تم کو انعام سے نوازا جائے گا اور تم بھی جان فروشی کے ذریعے مقام حاصل کر سکو گے۔ تم ابھی تک ہماری تجربے کار فوج کے سائے میں حرکت کرتے رہے ہو۔ اب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تم کو اگلی مہم میں قائدانہ حیثیت میں لے چلوں۔ ہم جس قلعے کی طرف بڑھ رہے ہیں اس کی تسخیر میں منجنیقیں بھی کام میں لائی جائیں گی۔ ان منجنیقوں کو بھی تم ہی استعمال کرو گے اور یہ ثابت کر دو گے کہ تم ہر طرح سے اس کے اہل ہو کہ تم

پر بھروسا کیا جائے تم ہر وہ کام کر سکتے ہو جو ایک تجربےکار سپاہ کرتی ہے۔ سلطان کو تم پر اعتماد نہیں لیکن میں نے تمہاری ذمےداری قبول کی ہے اور میری خواہش ہے کہ تم اس پر پورے اترو۔ جنگ اور اس کا انجام یا تو تمہیں نواز دے گا یا تم ہمیشہ کے لئے نادم و شرمسار ہو جاؤ گے۔ اگر تم سلطان کی نظروں میں کوئی مقام حاصل کر لو گے تو دشمن سے تم کو مال غنیمت ملے گا اور اگر تم نے کوتاہی اور بزدلی سے کام لیا تو تم بزدل کہلاؤ گے اور سلطان تم کو فضول اور نکما قرار دے کر خدمت گاروں میں شامل کر دے گا اس طرح تم گمنامی میں چلے جاؤ گے۔"

نومسلموں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا اور وہ بہ آواز بلند خواجہ حسن کو یقین دلانے لگے "ہم سلطان کو اور آپ کو مایوس نہیں کریں گے اور کوشش کریں گے کہ انجام کار ہم تجربہ کار اور بہادر کہلائیں" سلطان نے بوقت روانگی خواجہ حسن سے کہا "میں نے آپ کے تدبر پر ہمیشہ بھروسا کیا ہے لیکن اس بار میں شک و شبہے سے دوچار ہوں۔"

خواجہ حسن نے کہا "بیشک۔ میں جو کچھ کرنے جا رہا ہوں اس پر آپ کو شبہ ہونا چاہئے لیکن میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔"

سلطان خواجہ حسن کے ساتھ ساتھ چلتا رہا "میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ کی نظریں ہمیشہ کام کے انجام پر رہی ہیں اس بار بھی ایسا ہی ہوا ہو گا لیکن اللہ ہی جانے کہ کیا ہو گا اور کیا نہیں ہو گا۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے اور میں بالکل مایوس نہیں ہوں۔"

سلطان نے آہستہ سے کہا "اللہ آپ کو کامیاب کرے میں دعا ہی کر سکتا ہوں۔"

سلطان واپس آ گیا اور خواجہ حسن اپنی نوآموز اور نومسلم فوج کے ساتھ آگے روانہ ہو گیا۔ یہ قلعہ پن وڑ تھا۔ ایک دشوار گزار راہ اور گھاٹی واقع پر۔ قلعہ کو اس کے قلعے دار نے اندر سے بند کر لیا تھا۔ اونچی نیچی راہوں سے گزر کر جب خواجہ حسن یہاں پہنچا تو فصیلوں پر سے قلعہ والوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ وہ خواجہ حسن اور اس کی فوج کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ خواجہ حسن نے اپنی سپاہ سے کہا "تم ان کے مذاق کی پروا نہ کرو، یہ ہنس کر ہمارا نہیں اپنا مذاق اڑا رہے ہیں۔"

سپاہیوں میں سے بعض نے پوچھا "جب ہم قلعے میں داخل ہی نہیں ہو سکیں گے تو پھر لڑیں گے کس طرح؟ اور جب لڑیں گے نہیں تو قلعے کو فتح کس طرح کریں گے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا ہم قلعہ میں داخل بھی ہو جائیں گے اور قلعے کو فتح بھی کر لیں گے۔ ایک آرجی کاشت کار نے کہا "ہم تو یہ سوچ کر آپ کے پاس آئے تھے کہ فاتحین کے ساتھ رہیں گے تو عزت دوبالا ہو جائے گی لیکن یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "فاتحین کی عزت ان کے فاتح ہونے سے کی جاتی ہے۔ تم بھی فاتح بن جاؤ تمہاری بھی عزت کی جائے گی۔"

آرجی کاشتکار نے کہا "اور جو لوگ اس راہ میں مارے جاتے ہیں ان کا کیا ہوتا ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "اب تم مسلمان ہو اور ایک مسلمان اللہ کے لئے جہاد کرتا ہے اس راہ میں اگر وہ مارا جائے تو شہید کہلاتا ہے اور دوسری دنیا میں ایک بلند مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اگر کامیاب ہوتا ہے تو غازی کہلاتا ہے اور اس دنیا میں عزت حاصل کر لیتا ہے۔"

آرجی کاشت کار نے پوچھا "تو کیا ہم یہ جنگ اللہ کے لئے لڑ رہے ہیں؟"

خواجہ حسن نے کہا "تو کیا تجھ کو شبہ ہے؟"

آرجی کاشت کار کہنے لگا "یہ جنگ اللہ کے لئے لڑی جا رہی ہے خوب۔ یہ تو میں جانتا ہی نہ تھا ورنہ مجھ کو تو کسی نے یہ بتایا تھا کہ قلعے دار نے سلطان کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور یہ جنگ ایک باغی کو سزا دینے کی خاطر لڑی جا رہی ہے۔"

خواجہ حسن نے آرجی نومسلم کاشتکار کو منع کیا کہ وہ اس قسم کی باتیں نہ کرے۔ آرجی کاشتکار نے خواجہ حسن سے بحث شروع کر دی "جب میں نے اسلام قبول کیا تھا تو مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ اسلام مساوات کا مذہب ہے یہاں سب برابر ہیں، پھر آپ مجھ سے بولنے، بات کرنے کی آزادی کس طرح چھین سکتے ہیں۔"

خواجہ حسن اس بحث سے عاجز آ گیا اور کہنے لگا "تجھ کو بولنے کا شوق ہے تو بولتا رہ۔ میں تجھ کو بولنے بات کرنے سے نہیں منع کروں گا۔"

خواجہ نے منجنیقیں نصب کرنا شروع کر دیں۔ آرجی کاشت کار اپنے ہم قوموں کو سمجھا رہا تھا "ہم نے اسلام کیوں قبول کیا تھا؟ کیا اس لئے کہ ہمیں فضول جنگوں میں جھونک دیا جائے۔ ہم نے اسلام قبول کر کے وہ سب نہیں پایا جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا اس لئے بھائیو تم کو میرا مشورہ ہے کہ اسلام کے سوا بھی کچھ سوچو۔" لیکن دوسروں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ خواجہ حسن کی بات مان رہے تھے۔ خواجہ حسن نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ جو لوگ منجنیقیں چلائیں گے انہیں فی پتھر کے حساب سے انعام دیا

جائے گا۔ منجنیقیں چلانے والوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اور خواجہ حسن ہر پتھر پر انہیں انعام دے رہا تھا۔ کبھی دینار کی شکل میں کبھی قیمتی کپڑوں کی صورت میں۔ یہ لالچی اور حریص سپاہ بڑی تن دہی سے فصیل پر پتھر برسا رہی تھی۔ آرحق کاشت کار بھی ان لوگوں میں شامل ہو گیا اور پتھر اٹھا اٹھا کے منجنیق چلانے والوں کو دینا شروع کر دیئے۔ فصیل پر موجود سپاہ ابتدا میں تو ان کا مذاق اڑا رہی تھی لیکن جب ان کو یہ یقین ہو گیا کہ ان کی فصیل زیادہ دن ان کی حفاظت نہیں کر سکے گی تو وہ بہت زیادہ پریشان ہو گئے کیونکہ ان کے پاس منجنیقوں کا کوئی علاج نہیں تھا۔ چھ دن کی سنگ باری رنگ لائی اور فصیلوں میں دراڑیں پڑنے لگیں۔ خواجہ حسن نے پتھروں کی بارش میں تیزی پیدا کر دی۔ خواجہ حسن نے اپنی فوج کو آہستہ آہستہ آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ اس نے کہا "فصیل کہیں نہ کہیں سے منہدم ضرور ہو گی اس لئے آگے بڑھو اور قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کرو" آرحق کاشت کار نے اپنے ہم قوم بھائیوں کو روکنا چاہا "آگے بڑھو گے تو مارے جاؤ گے اس لئے پہلے مسلمانوں کو آگے جانے دو۔"

خواجہ حسن سے آرحق کاشتکار کی شکایت کی گئی "یہ ہمیں نقصان پہنچا دے گا اس لئے اس کا بندوبست کر دیا جائے۔"

خواجہ حسن نے آرحق کاشت کار کی پروا کیے بغیر اپنا کام جاری رکھا اور اس طرح چودہ دن ہو گئے۔ فصیل جگہ جگہ سے چٹخ رہی تھی۔ خواجہ حسن نے اب تک ہزاروں دینار اور بے شمار کپڑے منجنیق چلانے والوں میں تقسیم کر دیئے تھے۔ وہ سب بے حد خوش تھے۔ خواجہ حسن نے آگے جانے والوں کا ایک دستہ تیار کیا اور اس کو لے کر خود آگے بڑھا، اس نے ان کے سامنے ایک چھوٹی سی تقریر بھی کی "مسلمانو! دیکھو تمہارے سامنے پس وڑ کا قلعہ ہے، آبادی ہے۔ وہاں سے تم کو قیمتی اشیاء ملیں گی۔ آرام و آسائش سے کھانا پینا میسر آئے گا۔ شرف ملے گی فاتح کہلاؤ گے۔"

آرحق کاشت کار نے پھر مداخلت کی "اور جو قلعے میں داخل ہونے کی کوشش میں مارے جائیں گے ان کو کیا ملے گا؟"

خواجہ حسن نے اس کو الگ لے جا کر پوچھا "سچ بتا، یہ سب تو کس کے ایما پر کر رہا ہے؟"

آرحق کاشت کار نے شور کیا "مجھ کو بات کرنے دو اب میں مسلمان ہوں اور مجھے وہی حقوق حاصل ہیں جو آپ کو یا کسی اور مسلمان کو۔"

خواجہ حسن نے اس کو ایک خیمے میں قید کر دیا اور دوبارہ نو مسلموں سے مخاطب ہوا "یہ آرحق کاشت کار کیا چاہتا ہے۔ میری تو سمجھ میں آیا نہیں" جب یہ باتیں ہو رہی تھیں، منجنیقوں سے سنگ باری کا سلسلہ جاری تھا۔ فصیل کانپ رہی تھی یہاں تک کہ اس کا ایک حصہ زمین بوس ہو گیا۔ خواجہ حسن نے اپنے مرتبہ دستے کو حکم دیا "آگے بڑھو اور قلعے میں داخل ہو جاؤ یہ تمہاری پہلی شاندار کامیابی ہے۔"

نو مسلموں کا دستہ تیزی سے آگے بڑھا تو خواجہ حسن نے اس دستے کے عقب میں جانے والے سپاہیوں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا۔ یہ دندنانے اور بے باکانہ ٹوٹی فصیل سے اندر داخل ہو گئے۔ قلعے کی فوج ہمت ہار چکی تھی۔ نو مسلموں نے انہیں اپنی تلواروں کی دھار پر رکھ لیا۔ آخر خواجہ حسن بھی ان کے پیچھے پہنچ گیا۔ قلعہ کی سپاہ نے بعض جگہ مقابلہ بھی کیا مگر کمزور ارادوں کے ساتھ۔

یہ محاصرے اور سنگ باری کا سولھواں دن تھا حاکم قلعہ نے اپنے دونوں ہاتھ رومال سے بندھوا لئے اور اس حال میں خواجہ حسن کے سامنے حاضر ہو گیا۔

خواجہ حسن نے کہا "صرف ہاتھ باندھنے سے کام نہیں چلے گا۔ اپنی فوج کو حکم دے کہ وہ مزاحمت بند کر کے ہتھیار ڈال دے۔"

قلعے دار نے کہا "میں یہ حکم پہلے ہی دے چکا ہوں، اب جو کوئی مقابلہ کر رہا ہے اپنی مرضی اور میری حکم عدولی سے کر رہا ہے۔"

خواجہ حسن نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "جو سپاہی ہتھیار نہ ڈالیں انہیں قتل کر دیا جائے۔" نو مسلم اپنی فتح پر پھولے نہ سما رہے تھے۔ ان کا جوش و خروش قابل دید تھا۔ مسلمانوں نے قلعے کی سرکش فوج کو دوڑا دوڑا کے قتل کرنا شروع کر دیا۔ سولھویں دن شام تک قلعے پر پورا تسلط حاصل ہو گیا۔ خواجہ حسن نے قلعے دار کو اپنے قابو میں لے لیا۔ وہ بہت شرمندہ تھا۔ خواجہ حسن نے اپنی فوج کو حکم دیا "قلعے کی تاریخی یادگاروں کے سوا جو چاہو لوٹ لو۔" فاتحین نے لوٹ مار شروع کر دی۔ قلعہ دار یہ منظر بڑی اذیت اور کرب سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے خواجہ حسن سے کہا "یہ وحشی کیا جانیں کہ یہاں تاریخی شے کون سی ہے اور غیر تاریخی کون سی۔ اس لئے مناسب ہو گا کہ انہیں لوٹ مار سے روک دیا جائے۔"

خواجہ حسن نے قلعے دار کی بات نہیں مانی اور کہا "افسوس کہ میں ان کے جوش و خروش کے سیلاب کو نہ روک سکوں گا۔"

قلعے دار نے عرض کیا "اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو ہم سب یوں ہی تماشا دیکھتے رہ جائیں گے۔"

خواجہ حسن نے اعلان کیا "جنگ روک دی جائے" اس مختصر سے حکم نے اپنا تاریخی اثر ظاہر کیا، جنگ رک گئی۔ خواجہ حسن نے قلعے دار سے پوچھا "اس قلعہ کے نوادر کہاں ہیں تاکہ ان کی حفاظت کی جائے۔"

قلعے دار کو شبہ ہوا کہ اس کے نوادر کہیں لٹ نہ جائیں۔ خواجہ

حسن نے اس کے شبے کو محسوس کر لیا "دیکھ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ اس طرح تو نوادر کو ہم سے بچا لے گا تو یہ تیری خوش فہمی ہو گی۔ میں اور میری سپاہ اپنی مرضی سے بھی نوادر کو حاصل کر سکتی ہے لیکن میں یہ نہیں چاہتا۔"

قلعہ دار نے قلعے کی چابیاں خواجہ حسن کے حوالے کر دیں "معزز سردار! یہاں نوشیرواں عادل کا تاج ہمارے لئے سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے اور اس کی بہترین جگہ بھی یہی قلعہ ہے۔ شاہان کسریٰ کا یہ قلعہ بذاتِ خود نہایت تاریخی ہے"

خواجہ حسن ان چابیوں کے ذریعے کسریٰ کی یادگاروں کو دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد قلعے دار نے کسریٰ کی یادگاروں کا دیوان خانہ کھول دیا اور خواجہ حسن کے ساتھ ساتھ نوادرات دیکھنے اور دکھانے لگا۔ وہاں دیوار پر ایک ابھرواں منظر نقش کیا گیا تھا اہورا مزدا (یزدانِ) اپنے ہاتھوں میں تاج لئے خسرو اول، نوشیرواں کے سر کی طرف بڑھا رہا ہے اہورا مزدا اور خسرو اول لمبے کرتوں اور شلواروں میں نقش کئے گئے تھے۔ لباس کی شکنیں تک بڑی مہارت اور چابک دستی سے اس تصویر میں محفوظ کر دی گئی تھیں۔ دونوں کے ہاتھوں میں کنگن اور پاؤں میں جوتیاں تھیں جو تسموں سے کس دی گئی تھیں۔ دونوں کے گلوں میں گلوبند تھے۔ خسرو اول کے عقب میں زرتشت کی تصویر تھی۔ نورانی چہرے والا پارسی پیغمبر۔ زرتشت کے ہاتھ میں ٹہنیوں کا گٹھا تھا اس سے مذہبی رسم ادا کی جاتی تھی۔ خواجہ حسن نے اس منظر کے بارے میں قلعے دار سے پوچھا تو وہ ٹل گیا اور کہا "افسوس کہ میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ اہورا مزدا خسرو اول کو تاج پیش کر رہا ہے اور خسرو اول کے پیچھے زرتشت کی شبیہہ ہے۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "خسرو اول کا وہ تاج کہاں ہے جس کا کچھ دیر پہلے تو نے ذکر کیا تھا؟" قلعہ دار نے یہ تاج بھی اس کے سامنے رکھ دیا۔ نہایت قیمتی شاندار اور یادگار تاج۔ وہ قلعہ دار کے ساتھ دیر تک قلعے میں گھومتا پھرتا رہا شام ہوئی اور اس کی جگہ رات نے لے لی وہ رات بڑی اداس اور سونی سونی تھی۔ قلعہ میں چراغ بھی نہیں جلائے گئے تھے۔ بھیانک اندھیرا اور خوفناک سناٹا تھا سپاہیوں کو یہاں سے اتنا مال نہیں ملا تھا جتنے کی وہ امید رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں ہر جگہ کی لوٹ مار سے روک بھی دیا گیا تھا۔ آرمنی کاشت کار کو رہا کر دیا گیا مگر اس کو بک بک کرنے سے منع کر دیا گیا تھا خواجہ حسن نے اس سے کہہ دیا تھا کہ اگر وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ جنگ و جدل میں حصہ نہیں لے سکتا تو محاذ جنگ سے چلا جائے پین واڑ کے قلعہ کی تسخیر نے آرمنی کاشت کار کے جوش و خروش میں کسی حد تک کمی کر دی تھی اس کے ساتھیوں نے یہاں سے کچھ حاصل بھی کر لیا تھا لیکن آرمنی کاشت کار بالکل محروم رہا تھا اس کے ساتھی اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔ وہ آرمنی کاشت کار سے پوچھ رہے تھے کہ جب اس کو جنگ اور لوٹ مار میں حصہ ہی نہیں لینا تھا تو وہ ان کے ساتھ آیا ہی کیوں تھا۔ آرمنی کاشتکار نے جواب دیا "پین واڑ آتے ہوئے ایک جگہ مسیح میرے خواب میں آ گئے تھے۔ وہ ہم سب سے ناراض ہیں اور وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ ہم نے ان کا دامن کیوں چھوڑ دیا ہے۔ میں نے مسیح کو بتا دیا کہ ان کے دین میں جنگ و جدل اور مال غنیمت نہیں ہے جبکہ اسلام میں یہ سب ہے۔ اس پر مسیح نے مجھے تلقین کی کہ زخم لگانے سے زخموں پر مرہم رکھنا بہتر ہے۔" آرمنی کاشت کار کی باتیں اپنا اثر دکھانے لگیں کئی نو مسلم آرمنی کاشت کار کے آخری فقرے پر سر دھننے لگے ایک نے پوچھا "اور کیا کہا خداوند مسیح نے؟"

آرمنی کاشت کار نے جواب دیا "انہوں نے مجھ سے کہا کہ جاؤ میرے بچوں سے کہہ دو کہ جنگ و جدل سے گریز کریں اور لوٹ مار سے باز آ جائیں۔" کسی نے یہ خبر خواجہ حسن کو پہنچا دی، اس وقت خواجہ حسن کسی سے لین دین کی باتیں کر رہا تھا اس نے اس بات چیت کو ادھورا چھوڑ دیا اور چھپ کر آرمنی کاشت کار کی باتیں سننے لگا۔ آرمنی کاشت کار کہہ رہا تھا "تم میں سے جو بھی ہمارے ساتھ آنا چاہے آ جائے میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ دوبارہ مسیحی ہو جاؤں۔"

چند مسیحی متذبذب سوچ رہے تھے لیکن کئی نے اس سے اختلاف کیا "اب ہم دوبارہ مسیحیت نہیں اختیار کریں گے اس میں ہے ہی کیا ہمارے لئے؟"

آرمنی کاشت کار نے جواب دیا "اس میں ہمارے لئے بہت کچھ بلکہ سب کچھ ہے۔"

ایک آرمنی نو مسلم اس سے الجھ گیا سوال کرنے لگا "مسیحیت میں ہمارے لئے کچھ بھی نہیں، اس نے ہمیں جنگ و جدل سے روکا ہے جبکہ دوسرے مذاہب انسان کی اس جبلت کو نظر انداز نہیں کرتے"

آرمنی کاشت کار نے مسیحیت کا دفاع کیا "مسیحیت اخلاقیات کا مذہب ہے اس سے دوسرے مذاہب کا کیا مقابلہ۔"

ایک مسلمان کو اس کی یہ باتیں بری لگیں "اخلاقیات کیا ہوتی ہیں؟ اعتدال ہی تو زندگی کا صحیح راستہ ہے جب کوئی پاگل لڑنے ہی پر مصر ہو تو وہاں تیری اخلاقیات کیا کام آئیں گی۔"

آرمنی کاشت کار نے کہا "بہرحال میں نے تو یہ فیصلہ کیا ہے کہ دوبارہ مسیحی ہو جاؤں۔"

خواجہ حسن نے ان کی باتوں میں مداخلت کی "تو دوبارہ مسیحی نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام ارتداد کے جرم میں تجھ کو قتل کرا دے گا۔"

آرجی کاشت کار سوالیہ نظروں سے دیکھنے اور کہنے لگا "یہ مرتد اور کیا ہوتا ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "ایک بار اسلام قبول کر کے اس سے منحرف ہو جانا۔"

اس کے بعد خواجہ حسن آرجی کاشت کار کو اپنے ساتھ لے گیا۔ قلعہ دار سے اس کو جو رقم ملی تھی اس میں سے دو سو دینار آرجی کاشت کار کو دے دیئے اور کہا "یہ تیرا حصہ ہے۔"

آرجی کاشت کار نے کہا "لیکن میں نے تو اس جنگ میں حصہ بھی نہیں لیا پھر یہ دو سو دینار کس بات کے ہیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "تو نے حصہ لیا ہے اس جنگ میں ہمارے ساتھ سفر کیا ہے۔ یہاں تک آیا ہے۔ یہ بھی جنگ میں حصہ لینے کے مترادف ہے۔"

آرجی کاشت کار سوچ رہا تھا۔ یہ کیسا عجیب مذہب ہے جو اس جیسے منکر اور منحرف کو بھی حصہ دلوا دیتا ہے۔

سلطان الپ ارسلان بھی پمن داژ کے قلعہ میں پہنچ گیا۔ اس کو یہ یقین نہیں آرہا تھا کہ سولہ دنوں میں اس کو فتح کیا جا سکتا ہے اور جب اس کو یہ بتایا گیا کہ یہ کارنامہ نومسلموں نے انجام دیا ہے تو اور بھی تعجب ہوا۔ خواجہ حسن کی یہ تدبیر کہ منجنیق چلانے والوں کو ہر پتھر پر انعام دیا گیا' سلطان کو بہت پسند آئی۔ اس نے کہا "خواجہ حسن' آپ واقعی انسانی نفسی کیفیات کو سمجھنے کے ماہر ہیں۔" خواجہ حسن نے سلطان کی تعریف کا شکریہ ادا کیا۔

قلعہ دار نے سلطان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کو ان نوادر کے سامنے کھڑا کر دیا جن کی سالہا سال بلکہ صدیوں سے حفاظت کی جا رہی تھی۔ سلطان نے اس سے پوچھا "میں نے سنا ہے کہ یہی وہ قلعہ ہے جہاں ایران کے بادشاہ یزدجرد کو اس کی دایہ کے ساتھ پرورش کے لئے بھیج دیا گیا تھا اور شیرویہ نے اپنے باپ سمیت سترہ آدمیوں کو بے دردی سے قتل کر دیا تھا اور شیرویہ کا باپ وہی بدقسمت ایران کا بادشاہ تھا جس نے رسول اللہؐ کے نامۂ مبارک کو چاک کر دیا تھا؟"

قلعہ دار نے آہستہ سے جواب دیا "میں نے اپنے بزرگوں سے یہ واقعات سنے تو ہیں کیا واقعی ایسا ہوا تھا؟"

خواجہ حسن نے پورا واقعہ سنا دیا "جب رسول مقبولؐ نے ایران کے بادشاہ کو ایک مکتوب کی شکل میں اسلام کی دعوت دی تو وہ سخت برہم ہوا اور اس نے آپؐ کے نامہ مبارک کو چاک کر کے اپنی نشست پر پھینک دیا تھا اور یمن میں اپنے گورنر کو حکم دیا تھا کہ عرب کے اس مدعیٔ نبوت کو گرفتار کر کے اس کے پاس بھیج دیا جائے۔ جب آپؐ کو یہ خبر دی گئی تو آپؐ نے فرمایا تھا کہ میرے مکتوب کی طرح اس کی حکومت بھی پارہ پارہ ہو جائے گی اور وہ جس نے میری گرفتاری کا حکم دیا تھا اس کو تو اس کے بیٹے نے قتل کر دیا ہے۔"

قلعہ دار نے کہا "میں نے یہ قصہ سنا تھا لیکن اتنی تفصیل سے نہیں۔" پھر وہ قلعہ کے اس حصے میں لے گیا جہاں ایران کے آخری تاجدار یزدجرد نے اپنی دایہ کے ساتھ اپنا بچپن بسر کیا تھا۔ یہاں یزدجرد کے بچپن کی یادگاریں تک موجود تھیں۔ اس کا لباس کھلونے چھوٹا سا تاج' ننھی سی تلوار ایک کرتہ اور تیر کمان۔

قلعے کے وسط میں پہاڑی تھی اور اس کو قلعے دار نے ابھی تک نہیں دکھایا تھا۔ سلطان نے قلعے دار کو حکم دیا "میں قلعہ کا یہ حصہ بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

قلعہ دار نے کہا "اس حصے میں کوئی خاص چیز نہیں ہے یہاں آرام کرنے کے لئے امراء اور حکام جاتے رہے ہیں۔"

خواجہ حسن نے کہا "جب سلطان نے اس جگہ چلنے کی خواہش ظاہر کر دی تو تو بہانے سے کام نہیں لے سکتا۔"

قلعہ دار مجبور ہو گیا اور دوسرے دن صبح سلطان اور خواجہ حسن کو قلعہ کے وسطی خطے میں لے گیا' یہ پہاڑی پر واقع ایک خوبصورت جگہ تھی۔ قلعے دار انہیں بتدریج بلند ہونے والی سڑک سے اوپر لے گیا' اور وہاں جگہ جگہ عمارتیں تھیں اور یہ سب خالی تھیں قلعہ دار نے بتایا کہ یہاں امراء اور حکام رکتے اور آرام کرتے ہوئے سفر کرتے تھے۔" ایک عمارت کو قلعہ دار نے قصداً چھوڑ دیا اور دونوں کو چالاکی سے آگے لے جانے کی کوشش کی۔ سلطان نے اس عمارت کی طرف اشارہ کیا "اس میں کیا ہے؟"

قلعہ دار نے جواب دیا "خالی ہے۔"

سلطان نے اصرار کیا "میں اس خالی عمارت کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

قلعہ دار نے پوچھا "اس خالی عمارت کو دیکھ کر آپ کیا کریں گے؟"

خواجہ حسن نے پھر وہی حکم دیا "تیری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ سلطان کی خواہش بھی حکم کا درجہ رکھتی ہے۔"

قلعہ دار اس عمارت میں نہیں لے جانا چاہتا تھا لیکن اب مجبور ہو گیا اس نے عمارت کے بعض حصوں کو سلطان اور خواجہ حسن سے چھپانا چاہا۔ سلطان نے ایک منقش دروازے پر ہاتھ رکھ دیا "اس کو کھول دے۔"

اس میں ایک بھاری قفل پڑا تھا

قلعہ دار نے جواب دیا "اس کی چابی میرے پاس نہیں ہے۔"

سلطان نے پوچھا کسی کے پاس تو اس کی چابی ہوگی۔"

قلعہ دار نے جواب دیا "ان عمارتوں کا نگران مقابلے میں مارا گیا' چابی بھی اس کے پاس رہتی تھی۔"

سلطان اور خواجہ حسن نے ایک ہی بات محسوس کی۔ قلعے دار

جھوٹ بول رہا تھا۔ سلطان نے حکم دیا "قفل توڑ دیا جائے۔"

قلعہ دار مجبور ہو گیا اور کہا "قفل توڑ دیں لیکن اب یہاں سے ملے گا کیا، کچھ بھی نہیں۔"

سلطان نے درشت لہجے میں حکم دیا "قفل توڑ دیا جائے۔"

چند پہرے داروں کو قفل توڑنے کا حکم دیا گیا لیکن سلطان نے ان کا انتظار نہیں کیا اور ہتھوڑے کی ایک ضرب سے قفل توڑ دیا۔ قلعے دار دونوں کے پیچھے ہو گیا۔ سلطان نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا "مجھ کو شبہ ہے کہ اس میں کوئی موجود ہے۔"

خواجہ حسن نے کہا "شاید۔"

سلطان کو قلعہ دار پر غصہ آ رہا تھا "شاید نہیں یقینی۔ یہ مجھ سے کچھ چھپا رہا ہے۔"

قلعہ دار نے خوفزدہ لہجہ میں کہا "میں آپ سے کچھ نہیں چھپا رہا، میں نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے۔"

سلطان اور خواجہ حسن اس عمارت کے کئی کمروں میں کچھ تلاش کرتے رہے۔ آخر وہ ایک کونے سے کمرے میں داخل ہو گئے۔ اس کمرے سے عورتوں کے رونے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

سلطان نے قلعہ دار سے پوچھا "کیا یہ آوازیں تو سن رہا ہے؟"

قلعہ دار نے پھر وہی جواب دیا "میں نہیں جانتا کیونکہ اس عمارت کا نگراں مسلمانوں سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔"

پھر اچانک چار پانچ عورتیں ان کو دھکے دیتی ہوئی نکل کر بھاگیں اور قلعہ دار بے اختیار چیخا چلایا "پکڑو ان کو جانے نہ دینا فاحشائیں ہیں۔"

سلطان اور خواجہ حسن نے ان عورتوں کو روک لیا اور اپنے محافظوں سے کہا "ان کو اپنے قبضہ میں رکھو۔ میں دیکھتا ہوں یہاں اور کون کون قید ہے؟"

قلعہ دار گھبراہٹ اور خوف میں بس ایک ہی بات کہہ رہا تھا۔ "میں نہیں جانتا یہاں کون رہتا ہے۔ اس کا نگران تو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہوئے قتل ہو گیا۔"

سلطان نے کہا "تو جھوٹا ہے کیونکہ تو نے ان عورتوں کو فاحشہ کہا ہے۔"

قلعہ دار بہت پریشان تھا "میں ان عورتوں سے بس اتنا ہی واقف ہوں کہ اس عمارت میں کسی عورت یا عورتوں کی موجودگی کا یہ مطلب لیا جاتا ہے کہ وہ فاحشہ ہوں گی اور انہیں بدکاریوں کی سزا دی جائے گی۔" ان عورتوں کو پکڑ لیا جو پانچ تھیں۔ وہ سلطان اور خواجہ سے رحم کی درخواست کرنے لگیں "آپ دونوں ہمیں بچالیں ورنہ قلعہ دار ہمیں ہلاک کر دے گا۔"

سلطان وہیں بیٹھ گیا اور قلعہ دار سے پوچھا "سچ سچ بتاؤ یہ عورتیں کون ہیں اور مجھ سے جان کی امان کیوں چاہ رہی ہیں۔"

قلعے دار نے بے بسی سے جواب دیا "اگر آپ یہ وعدہ کریں کہ مجھے معاف کر دیں گے تو میں ان کے بارے میں سچ سچ بتادوں گا۔"

سلطان نے ان عورتوں کو تسلی دی "تم مت پریشان ہو اب تم بالکل محفوظ ہو۔" پھر قلعہ دار سے کہا "تو اب تو سچ سچ بتا دے کہ یہ معاملہ کیا ہے؟"

قلعہ دار نے جواب دیا "یہ ہماری بستی کی بدکار عورتیں ہیں اور ہمارے ہاں یہ قانون رائج ہے کہ بدکار عورتوں پر مقدمہ چلا کر ایک کنوئیں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ عورتیں وہاں سے کسی طرح بھی نہیں نکل سکتیں، وہیں مر جاتی ہیں۔"

سلطان کو قلعہ دار پر بہت غصہ آیا لیکن وہ اسے امان دے چکا تھا پوچھا "وہ کنواں کہاں ہے جس میں ان جیسی عورتوں کو قید کر دیا جاتا ہے؟"

قلعہ دار نے جواب دیا "پہاڑی کے اوپر۔ جہاں آپ میرے ساتھ چل رہے ہیں۔"

خواجہ حسن نے سلطان کو مشورہ دیا "میرا خیال ہے اب ہمیں اوپر ہی چلنا چاہئے اور اگر کنوئیں میں زندہ عورتیں مل جائیں تو ان کو بچانا چاہئے۔"

سلطان نے اس عمارت کی اچھی طرح تلاشی لی اور پھر بازیاب عورتوں کے ساتھ اوپر روانہ ہو گیا۔ قلعہ دار خوشامد میں مصروف رہا "جناب والا! یہاں کا مروجہ قانون صدیوں سے نافذ العمل ہے اور ایک میں کیا جتنے بھی قلعہ دار آئے اس پر عمل کرتے رہے۔"

عورتیں بدستور ڈری ہوئی تھیں۔ وہ سلطان یا خواجہ حسن سے واقف نہیں تھیں لیکن یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ مسلمان ہیں اور قلعہ پر ان کا قبضہ ہو چکا ہے۔ ان کی پریشانی کے پیش نظر خواجہ حسن نے کہا "تم مت گھبراؤ اب تم کو سزا نہیں دی جائے گی۔"

یہ لوگ قلعہ دار کے ساتھ اوپر پہاڑی پر چلے گئے۔ یہاں بھی ایک عمارت موجود تھی اور اس عمارت کے سامنے ایک کنواں تھا، سلطان اور خواجہ حسن نے اس کے قطر کا اندازہ لگایا جو چودہ گز تھا اور گہرائی سو گز تھی قلعہ دار ان دونوں سے کچھ کنارہ کش رہا تھا۔ خواجہ حسن نے کنوئیں میں جھانک کر دیکھا تو اسے خوف محسوس ہوا۔ عورتیں کنوئیں سے دور کھڑی ہو گئیں۔ سلطان نے خواجہ سے پوچھا "اندر عورتیں نظر آ رہی ہیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "نہیں اندر اندھیرا ہے اور اندھیرے میں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔"

قلعہ دار نے بتایا "اندر کوئی عورت نہیں۔ ہاں اگر آپ لوگ نہ آ جاتے تو ان عورتوں کو سزا دے کر یہاں قید کر دیا جاتا۔" قلعہ

دار دونوں کو وہاں لے گیا جہاں سے عورتوں کو کنوئیں میں ڈالا جاتا تھا۔ کنوئیں میں جانے کا راستہ نیچے سے تھا۔ وہاں ایک دروازہ تھا۔ دروازہ چند زینوں کے ذریعہ تہ تک پہنچاتا تھا، یہ دروازہ جیسے ہی کھلا، بدبو کا بھبکا دماغوں میں چڑھ گیا۔ سلطان نے کنوئیں سے نکل کر عورتوں سے پوچھا "تم کو کہاں سے اور کس نے گرفتار کیا؟"

سلطان کو ان عورتوں پر رحم آرہا تھا جو اس کنوئیں ڈال کر ہلاک کردی گئی تھیں۔ اس نے قلعے دار سے پوچھا "وہ کنواں کہاں ہے جہاں بدکار مردوں کو ڈالا جاتا تھا۔"

قلعہ دار نے جواب دیا۔ "ایسا کوئی کنواں نہیں ہے۔"

سلطان نے کہا "کیا بدکاری میں صرف عورتیں ہی گناہ گار یا خطاکار ہوتی ہیں؟ مرد نہیں؟"

قلعہ دار نے جواب دیا "لیکن قانون میں نے نہیں بنایا، صدیوں سے رائج چلا آرہا ہے۔"

سلطان نے عورتوں سے پوچھا "تم نے ایسا کام کیوں کیا اور وہ مرد کون اور کہاں ہیں جو اس برے کام میں تمہارے شریک تھے؟"

تین عورتوں نے اس گبروں کا نام لیا جو سلطانوں سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا اور دو نے قلعہ دار کا نام لیا۔ قلعہ دار دونوں کو گالیاں دینے لگا "دونوں دشمن ہیں۔ میرا نام لے رہی ہیں مجھے تو ان کے بارے میں قلعہ کے بعض معززین نے بتایا تھا کہ یہ مردوں کو خراب کررہی ہیں۔"

سلطان نے پوچھا "وہ بعض معززین کہاں ہیں؟"

قلعہ دار نے جواب دیا "جنگ میں مارے گئے۔"

خواجہ حسن نے سلطان کو سمجھایا "ان عورتوں کو معاف کردیا جائے۔ ان مردوں کا ملنا مشکل ہے جو ان کے ساتھ شریک کار تھے۔"

سلطان نے قلعہ دار کو ملامت کی "اب اس قانون کو دفن کردے اور اس کنوئیں کو بند کردے جس میں صرف اوباش عورتوں ہی کو قید کردیا جاتا ہے۔"

قلعہ دار نے اعتراض کیا "جناب آپ نے قلعہ فتح کرلیا، ہم نے آپ کو ہر طرح ذلیل تعاون میں بلا ووزر دے دیا، آپ ہمارے مذہب اور قانون میں دخل نہ دیں۔"

سلطان نے جواب دیا "میں اس کنوئیں کو بند کرا کے جاؤں گا اور آئندہ میں یہ نہیں سنوں گا کہ کنواں دوبارہ کھول دیا گیا"

سلطان کے حکم سے خواجہ حسن نے مزدور بلوا کے کنواں بند کرادیا۔ پانچوں عورتوں نے قلعے میں رہنے سے انکار کردیا۔ ان کا خیال تھا کہ سلطانوں کے جاتے ہی قلعہ دار ان کو سزا ضرور دے گا۔ خواجہ حسن نے پوچھا "تم ہمارے ساتھ کس طرح رہوگی؟

ہماری فوج میں تو ایک بھی پادری نہیں۔"

پانچوں نے اسلام قبول کرلیا اور پانچ نو مسلم آرمنی ان سے شادی کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ سلطان نے ایک ہفتہ قلعہ میں قیام کیا اور قلعہ دار کو سمجھایا "تیرے یہاں کئی یادگار چیزیں ہیں اور تیرا یہ فرض ہے کہ ان کی حفاظت کرتا رہ، لیکن یہاں یہ لکھ کر بھی لگا دیا جائے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں رسول مقبولؐ کے مکتوب پادشاہ خسرو پرویز کو اس کے بیٹے شیرویہ نے قتل کرکے یزدجرد جانشین کو پرورش کے لئے بھیج دیا تھا۔"

قلعہ دار نے یہ کام فوراً کیا۔ اس قلعہ میں سلطان نے نو مسلم آرمنی مجاہدین کو انعام واکرام سے نوازا اور ان سے وعدہ کیا کہ آئندہ ان کا اور زیادہ خیال رکھا جائے گا۔ خواجہ حسن نے سلطان کو آرمنی کاشت کار کے بارے میں تفصیل سے بتایا تھا۔ سلطان کا خیال تھا کسی نو مسلم کو اتنی آزادی تو ہونی ہی چاہئے کہ وہ اپنے آبائی دین کو یاد کرے اور نئے دین سے بیزاری کا اظہار کرے۔ سلطان نے بھی آرمنی کاشت کار کی تکلیف محسوس کردی اور انعام واکرام سے اتنا نواز دیا کہ وہ اپنے خیالات اور احساسات پر شرمندہ اور نادم نظر آنے لگا۔ یہیں سلطان کو تلاش کرتا ہوا آذربائیجان سے ایک وفد آیا اس وفد میں سلطان کے دو مخبر بھی تھے ان مخبروں نے سلطان کو بتایا کہ قسطنطنیہ میں سلطان اور مسلمانوں کے خلاف بڑا اشتعال پایا جاتا ہے اور وہاں کا حکمران دیو جنس اپنی عظیم الشان فوج کے علاوہ دوسرے ملکوں کی فوجیں بھی جمع کررہا ہے اس کا بندوبست ضرور کیا جائے۔ سلطان نے اس کا کوئی جواب تو نہیں دیا لیکن وہ عیسائیوں کی طرف سے فکرمند ضرور ہوگیا۔ اس وقت اس کے سامنے شام اور حجاز کے وہ مسلمان حکمران تھے جو خود کو فاطمی خلافت کے زیر اثر رکھے ہوئے تھے۔ ان کا حکمراں محمود بن صالح بھی ابھی تک خود کو مصر کی فاطمی خلافت کا تابع سمجھ رہا تھا۔ سلطان نے جب سے اقتدار سنبھالا تھا، ابھی تک عباسی خلیفہ سے نہیں مل سکا تھا۔ اس کے پاس بغداد جانے کے لئے وقت ہی نہیں تھا۔ یہاں خواجہ حسن نے سلطان کو مشورہ دیا کہ سلطان کی مصروفیات اپنی جگہ لیکن بغداد کے خلیفہ سے کسی نہ کسی طرح رابطہ ضرور قائم ہونا چاہئے۔

یہیں وزیر سے سلطان نے رے کا رخ کیا۔ وہ کافی عرصہ بعد دارالخلافہ آیا تھا۔ شاید وہ عام حالات میں یہاں نہ آتا لیکن وہ خلافت عباسیہ سے رابطہ و تعلق برقرار رکھنے کے لئے رے آیا تھا۔ یہاں خلیفہ قائم بامر اللہ کی بیوی اور سلطان کی بہن خدیجہ ارسلان خاتون ابھی تک اپنے شوہر سے دور تنہا زندگی گزار رہی تھی۔ خواجہ حسن نے سلطان کو مشورہ دیا کہ اب اس کو خلیفہ کے پاس بھیج دینا چاہئے، اس طرح سلطان کا بغداد سے رابطہ بحال

ہو جائے گا۔ جب خدیجہ کو یہ بتایا گیا کہ اسے بغداد جانا پڑے گا تو اسے دکھ ہوا۔ بغداد میں اسکے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا تھا اس لئے وہ وہاں جانے میں جھجک محسوس کر رہی تھی۔ اس نے اپنے بھائی سے کہا "بھائی! کیا میں رے میں خوش نہیں ہوں؟"

سلطان نے جواب دیا "تو یہاں بے حد خوش ہے لیکن تو امیر المومنین کی بیوی بھی ہے اور تجھ کو اپنے شوہر کے پاس ضرور جانا چاہئے۔"

خدیجہ ارسلان خاتون بغداد جانے پر مجبور ہو گئی اور سلطان نے اسے بغداد روانہ کر دیا اور خلیفہ کو لکھا کہ میں جہاد میں مشغول ہوں ورنہ میں خود بھی حاضری دیتا، آپ کی امانت واپس کی جا رہی ہے۔ اسے قبول فرمائیں اور میرے حق میں دعائیں دیں۔ ، میں عباسی خلافت کی وسعت اور استحکام میں شب و روز کوشاں ہوں۔

نو مسلموں نے رے کو دیکھا اور بہت پسند کیا۔ سلطان نے ان سے کہا "جو جہاد میں حصہ لینا چاہے میرے ساتھ رہے اور جو حضری زندگی کا خواہاں ہو وہ رے میں رہ جائے۔ آخر نو مسلموں کی بڑی تعداد رے میں رہ گئی اور یہاں انہوں نے مختلف پیشے اپنا لئے۔ یہاں شہزادہ ملک شاہ کی محل کی خواتین نے پذیرائی کی اور اس کی شاندار دعوتیں کی گئیں۔ شہزادہ ایاز ابھی تک کبیدہ خاطر تھا کیونکہ ابھی تک اس کو کچھ بھی نہیں دیا گیا تھا۔ یہاں سلطان کو

کا پیغام بھی ملا۔ بیغو نے بہروز کی شکایت کی تھی کہ وہ چند دن وہاں رہ کر کہیں چلا گیا، اس کو سلطان کا سپرد کیا ہوا کام پسند نہیں آیا تھا۔ بہروز، بیغو کے پاس سے کہاں گیا تھا کسی کو بھی نہیں معلوم تھا۔ رے میں آذربائیجان سے ایک دوسرا قاصد آگیا۔ وہ یہ خبر لایا تھا کہ مسیحی ایک وسیع تر اتحاد قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور عنقریب اسلامی علاقوں پر حملہ آور ہونے والے ہیں اس لئے ان کا تدارک بہت ضروری ہے۔ یہیں رے میں حلب کے حکمران محمود بن صالح کا وفد بھی آیا۔ محمود بن صالح نے سلطان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے خطبوں میں عباسی خلیفہ اور سلطان کے نام داخل کر دے گا۔

سلطان نے اس وفد سے پوچھا "کیا تم لوگ یہ بتا سکتے ہو کہ محمود بن صالح ہماری طرف دوستی کا ہاتھ کیوں بڑھا رہا ہے؟"

وفد کے امیر نے جواب دیا "اسے عیسائیوں کی طرف سے خطرہ ہے اس لئے وہ آپ کی پناہ میں آنا چاہتا ہے۔"

سلطان نے وفد سے صاف صاف کہہ دیا "اپنے آقا سے کہہ دینا کہ ہمارے ناموں کو داخل خطبات کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس کے ہاں تو انہیں وہی دی جاتی ہیں جو فاطمی خلافت میں عام ہیں۔ میں اس منافقت کو پسند نہیں کرتا۔"

خواجہ حسن فکرمند تھا کہ مصدقہ خبروں کے مطابق اگر عیسائیوں نے اسلامی علاقوں کی تاخت و تاراج شروع کر دی تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ حلب سے آئے ہوئے وفد نے خواجہ حسن پر دباؤ ڈالا کہ وہ سلطان کو محمود بن صالح کی دوستی پر آمادہ کرے کیونکہ بیرونی خطرات کا تقاضا بھی یہی ہے۔

خواجہ حسن نے معذرت کر لی۔ "افسوس کہ میں سلطان کو اس کا فیصلہ بدلنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔"

وفد مایوس ہو کر چلا گیا وفد کے پیچھے پیچھے سلطان بھی حلب کی طرف بڑھا اور شہر کے باہر خیمہ زن ہو گیا۔ یہ سہ پہر کا وقت تھا اور سلطان نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ دوسرے دن علی الصباح حلب پر حملہ کر دے گا لیکن اسی دن رات کو حلب کے حکمران محمود بن صالح نے اپنی ماں کے ساتھ سلطان سے ملاقات کی۔ محمود بن صالح کی ماں نے محمود بن صالح کا ہاتھ سلطان کے ہاتھ میں دے دیا "سلطان محترم! میرا بیٹا آپ کا مجرم ہے۔ میں اس مجرم کو آپ کے پاس اس لئے لائی ہوں کہ آپ اس کو سزا دیں۔"

سلطان کو اپنے کسی مخالف کا اس طرح سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ محمود بن صالح کے دونوں ہاتھ سونے کی زنجیر سے بندھے ہوئے تھے۔

سلطان نے جواب دیا "مادرِ محترم! آپ کے بیٹے کو میں نے پابند زنجیر نہیں کیا۔"

محمود کی ماں نے کہا "اس کو میں نے پابند زنجیر کیا ہے کیونکہ ایک خونریز مقابلہ کے بعد یہی کام تجھ کو انجام دینا پڑتا۔"

سلطان نے کہا "آپ نے اس کو سونے کی زنجیر سے باندھ دیا ہے جبکہ میں اس کو ریشمی رسی سے باندھ دیتا لیکن میں اس کو یوں معاف نہ کرتا۔"

ماں نے سلطان کی طرف ایک ریشمی ڈوری بڑھا دی "میں اس کی ماں ہوں اس لئے اس کے ہاتھوں میں سونے کی زنجیر ڈال دی تو ریشمی ڈوری سے باندھ سکتا ہے۔"

سلطان اپنے آپ میں اتنی ہمت نہیں پا رہا تھا کہ محمود کے ہاتھوں سے سونے کی زنجیر کھول کر ریشمی ڈوری سے ان کو جکڑ دے۔ ماں نے پوچھا "ویسے بیٹے کیا میں یہ معلوم کر سکتی ہوں کہ تو میرے بیٹے سے ناراض کیوں ہے؟"

سلطان نے جواب دیا "آپ کا بیٹا حلب کا حکمران ہے اور یہ خوب جانتا ہے کہ یہاں دور دور تک عباسی خلافت کا پرچم لہرا رہا ہے مگر تیرے بیٹے نے مصر کی فاطمی خلافت کا چکر چلا رکھا ہے یہ ہمارا باغی ہے۔"

ماں نے اپنے بیٹے سے پوچھا "یہ میں کیا سن رہی ہوں؟"

محمود نے اپنا سر جھکا رکھا تھا "آپ نے جو کچھ سنا درست تھا۔

لیکن اب تو میری حکومت کی حدود میں بھی عباسی خلیفہ کا نام خطبوں میں شامل کر دیا گیا ہے اور اب تو فاطمی خلیفہ کا نام کہیں بھی نہیں لیا جا رہا ہے۔"

سلطان نے غصہ میں سوال کیا "تمہاری مساجد میں اذان کس کی دی جا رہی ہے؟ ہماری یا مصر کے فاطمی خلفاء کی؟"

محمود نے جواب دیا "آپ کے عباسی خلفاء کی۔ وہ اذان جو اکثر مسلم ملکوں میں دی جاتی ہے۔"

سلطان نے کہا "اس کا یہ مطلب ہوا کہ تو نے اپنی اصلاح کر لی ہے۔"

محمود نے جواب دیا "میں نے اسی وقت اپنی اصلاح کر لی تھی جب آپ نے میرے وفد کو یوں ہی واپس کر دیا تھا۔"

ماں کا یہ خیال تھا کہ اب سلطان اپنے ہاتھوں سے اس کے بیٹے کی زنجیر کھول دے گا لیکن سلطان نے حکم دیا "یہ دونوں ماں بیٹے میرے مہمان ہیں ان کو عزت و احترام سے کسی خیمہ میں ٹھہرا دیا جائے۔" یہ کہہ کر سلطان اپنے خیمہ سے نکل گیا۔ ماں اس سے یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا اب محمود کو رہا کر دیا جائے لیکن سلطان نے اس کو اتنا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ کچھ دیر بعد خواجہ حسن نے ان دونوں کو ایک خیمہ میں منتقل کر دیا۔ اس موقع پر ماں نے خواجہ حسن سے کہا "کیا محمود کے ہاتھوں کی زنجیر کھول دی جائے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "آپ کے اس سوال کا جواب تو سلطان ہی دے سکتا ہے۔"

ماں نے درخواست کی "اس وقت سلطان تو یہاں کہیں ہے نہیں اس لئے آپ زحمت کریں اور میرے اس سوال کا جواب حاصل کریں۔"

سلطان کے دوسرے امراء کو عورت پر رحم آ رہا تھا ایک نے خواجہ حسن سے ان دونوں کی سفارش کی "جب سلطان ان دونوں کو اپنے معزز مہمان کی طرح ایک خیمہ بھی مرحمت فرما چکا ہے تو اس کا یہی مطلب لیا جا سکتا ہے کہ سلطان نے محمود کو معاف کر دیا اس لئے اب محمود کے ہاتھوں سے زنجیر کھول دینا چاہئے۔"

خواجہ حسن نے اس امیر کو ڈانٹ دیا "تو کب سے سلطان کا مزاج شناس ہو گیا ہے، یاد رکھ، حکم ہمیشہ واضح حاصل کیا جاتا ہے، ہم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ سلطان کے انداز و اطوار اور قرائن سے اس کا منشا یہ جان لیں اور عمل شروع کر دیں۔"

ماں نے اس امیر کی طرف داری کی "خواجہ بزرگ اپنے اس امیر کی دلیل پر بھی غور کریں میرا خیال ہے یہ کچھ داری کی بات کر رہا ہے۔"

خواجہ حسن نے بڑی بے مروتی سے جواب دیا "بی بی، یہاں اندازوں سے کام نہیں لیا جاتا، ہمیں واضح حکم درکار ہے۔" ماں کو اس پر غصہ آ رہا تھا جو خواہ مخواہ معاملے کو الجھا رہا تھا۔

خواجہ حسن ماں کے سامنے سے ہٹ گیا۔ وہ ان سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوپہر کے بعد عصر کی نماز پڑھ کے سلطان اپنے خیمہ میں واپس پہنچا یہاں اسے بتایا گیا کہ محمود بن صالح اور اس کی ماں کو ایک الگ خیمہ دے دیا گیا ہے۔ سلطان ان دونوں کے پاس خود گیا اور ماں سے کہا "محمود کے ہاتھوں میں پڑی ہوئی زنجیر کھول دیجئے۔"

ماں کی آنکھوں میں فرطِ خوشی سے آنسو آ گئے اور اس نے کانپتے ہاتھوں سے زنجیر کھول دی اور کپکپاتی آواز میں کہا۔ "سلطان! تو نے ایک بوڑھی عورت کی بات رکھ لی۔ میں تیرا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔"

سلطان نے جواب دیا "میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ آپ کے بیٹے نے فاطمی اذان برقرار رکھی ہے یا اس میں تبدیلی کر دی، ادھر سے مطمئن ہونے کے بعد میں آپ کی سفارش پر اس کو معاف کرتا ہوں۔" محمود بھی بہت جذباتی ہو رہا تھا اس نے بھی سلطان کا بے حد شکریہ ادا کیا۔

سلطان نے ماں کو بتایا "عباسی خلیفہ نے آپ کے بیٹے کی سفارش کی تھی۔ میں نے اس سفارش کو بھی رد کر دیا تھا لیکن آپ نے میری ضد اور میرے پندار کو شکست دے دی۔ میں آپ کے بیٹے کے دوغلے پن سے نفرت کرتا تھا۔ اس نے میری طرف اس وقت مفاہمت کا ہاتھ بڑھایا جب اس کو عیسائیوں کی طرف سے خطرہ لاحق ہو گیا۔"

محمود سلطان کو اپنے محل میں لے گیا اور اس کی اس کے لشکر سمیت دعوتیں کیں۔ وہ رے ہی میں تھا کہ عباسی خلیفہ نے سلطان کو ہدایت کی کہ محمود بن صالح سے اچھا سلوک کیا جائے۔ سلطان نے خلیفہ کو جواب دیا "میں نے اس وقت تک اسے معاف نہیں کیا جب تک اس نے اپنی اذانوں میں تبدیلی نہیں کر دی۔ میں اس کے اس عمل سے مطمئن نہیں تھا کہ اس نے خطبوں میں امیر المومنین کا اور میرا نام شامل کر دیا تھا۔ حالانکہ امیر المومنین نے اس کو غنیمت جان لیا تھا۔"

یہ دَور سلطان کی خوش بختی اور اقبال مندی کا تھا قسمت اس کا ساتھ دے رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔ المستنصر فاطمی برسرِ اقتدار تھا۔ وہاں زمانے نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ملک ایک ایسے قحط سے دوچار ہو گیا کہ غلہ خواب و خیال بن گیا جس کے پاس تھا وہ اسے کسی قیمت پر بھی فروخت کرنے کو تیار نہ تھا۔ جس طرح قحط میں تمام انسان گرفتار تھے اسی طرح بدعاقبت اندیش امراء اور وزراء بھی اس کے شکار تھے۔ فاطمی خلیفہ المستنصر۔۔۔ بھی اپنے اور اپنے خادموں کے لئے غلہ چاہتا تھا لیکن اس کو حاصل نہیں کر پا رہا

تھا۔ فاطمی خلیفہ کو اس کے امراء نے مشورہ دیا کہ وہ اپنے حریف عباسی خلیفہ کے پاس چلا جائے اور مہمان بن کر خود کو اور اہلِ خاندان کو فاقوں مرنے سے بچالے۔ امراء اور وزراء کا یہ عجب مشورہ فاطمی خلیفہ نے قبول کر لیا۔ لیکن اس میں اتنی تبدیلی کر دی کہ خود تو بغداد نہیں گیا لیکن اپنی عورتوں کو بغداد روانہ کر دیا۔ مصری خزانے سے نوادرات اور یادگاریں تاجروں کو غلے کے عوض دے دی گئیں۔ اور یہ تاجران نوادرات کو بغداد لے گئے اور فروخت کر دیا۔ ماضی میں عباسی خلیفہ القائم عباسی کو سازشیوں نے گرفتار کر کے مصری فاطمی خلافت کے حوالے کر دیا تھا۔ اس وقت عباسی خلیفہ کے محل اور خزانے سے بہت ساری چیزیں لے کر مصر پہنچا دی گئی تھیں۔ اب وہ ساری چیزیں دوبارہ بغداد جا رہی تھیں۔ فاطمی شہزادیاں اور دوسری خواتین انہیں اپنے ساتھ لے جا رہی تھیں۔ یہ ساری خبریں خواجہ حسن اور سلطان کو پہنچ رہی تھیں اور دونوں ہی اللہ اور قسمت کے فیصلوں پر دم بخود تھے۔ خواجہ حسن کے خیال میں یہ سب تائیدِ ایزدی سے اس لئے ہو رہا تھا کہ عنقریب سلطان کا مقابلہ عیسائیوں سے ہونے والا تھا اور اس بڑے مقابلے کے لئے سلطان کو فاطمی خلافت کی طرف سے فکر مند نہیں ہونا چاہئے تھا۔

مصر کا فاطمی خلیفہ محل چھوڑنے پر مجبور ہو گیا اُس وقت اس کے ساتھ ایک چوبدار بھی تھا اس چوبدار نے ایک گھوڑا مستعار لیا فاطمی خلیفہ کے ساتھ چلنے لگا۔ فاطمی خلیفہ کا اپنے وزیر ناصر الدولہ سے جھگڑا ہو گیا۔ ناصر الدولہ نے بحیرہ پر قبضہ کر کے مصر جانے والے غلے کی ترسیل روک دی جس سے وہ قحط سے دوچار ہو گیا۔ جن تاجروں کے پاس غلہ تھا انہوں نے بیچنے سے انکار کر دیا۔ سلطان اور خواجہ حسن ان خبروں سے خوش ہو رہے تھے مکہ کا حاکم محمد بن ابی ہاشم ابھی تک خود کو فاطمی خلافت کے تابع سمجھتا تھا لیکن مصری دگرگوں حالت نے اس کا رخ بغداد کی طرف کر دیا۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ بغداد گیا اور خود کو عباسی خلیفہ کا تابعدار قرار دیا۔ عباسی خلیفہ نے ان دونوں کو سلطان الپ ارسلان کے پاس بھیج دیا سلطان نے ان کا شاندار استقبال کیا اور اس خوشخبری پر کہ اب اس کے ماتحت حصوں میں خلیفہ بغداد اور سلطان کے نام خطبوں میں پڑھے جا رہے ہیں' سلطان نے ان کو تیس ہزار دینار نقد دیئے اور کئی خلعتیں عطا کیں۔

فاطمیوں کی ہوا ہر طرف اکھڑ رہی تھی۔ ایک تاجر نے سلطان کو یہ دلچسپ واقعہ سنایا کہ وہ مصر کے دارالخلافے کے ایک حمام میں غسل کرنے گیا تو حمام کے مالک نے اس سے پوچھا کس سے غسل کروانا پسند کرو گے؟ سعد الدولہ سے یا فخر الدولہ سے یہ دربارِ خلافت کے اہم ترین امیر تھے جو دو روٹیوں کی خاطر حمام میں ملازم ہو گئے تھے۔ غلہ نایاب تھا تاجروں کے پاس تھا اور وہ بیچنے کو تیار نہ تھے۔ انہوں نے بڑے بڑے امیروں کو دو روٹیوں کے عوض ملازم رکھ لیا تھا۔ اس دلچسپ اور عبرت ناک واقعہ نے خواجہ حسن کو طول کر دیا۔ سلطان کو بھی عبرت ہوئی لیکن اسے حیرت تھی کہ فاطمی خلیفہ کتنا کمزور ہے کہ تاجروں کو غلہ بیچنے پر مجبور نہ کر سکا۔ ان دنوں مصر سے جو قیمتی سامان بغداد کے بازاروں میں فروخت ہوا اس کی مختصر فہرست یہ تھی' بلور کے اسی ہزار ٹکڑے' دیبائے قدیم کے پچھتر ہزار قطعے، گیارہ ہزار زرہیں اور بیس ہزار مرصع تلواریں۔

عباسی خلیفہ نے مصری سوغاتوں کو عزت و تکریم سے قبول کیا۔ خواجہ نے سلطان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے فوجی سرداروں کو ان علاقوں کی تسخیر کے لئے بھیج دے جو شام اور فلسطین میں مصری خلافت کے زیرِ اثر ہیں۔ سلطان نے خواجہ کا مشورہ قبول کر لیا اور ایک خوارزمی سردار کو وہاں بھیج دیا اُس نے وہ دونوں علاقے فتح کر لئے کئی ایسی ریاستیں جو فاطمی خلافت کے زیرِ اثر تھیں' خود اپنی مرضی سے سلطان کی وفادار ہو گئیں اور اپنی مساجد میں قائم بامر اللہ اور سلطان کے نام خطبات میں شامل کر دیے۔ خواجہ حسن' سلطان کو برابر یہی مشورہ دے رہا تھا کہ وہ صرف عیسائیوں کے بارے میں سوچے کیونکہ مسیحی دنیا سے جو خبریں آ رہی ہیں وہ یہی ہیں کہ عیسائی متحدہ یلغار کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ حالات سلطان کا ساتھ دے رہے تھے۔ سلطان اپنی تشویش کا کسی پر اظہار نہیں کر رہا تھا لیکن وہ ذہنی طور پر پریشان ضرور تھا۔ عباسی خلیفہ اس کی مدد کیا کرتا اس کی دعائیں سلطان کے ساتھ تھیں لیکن اس پریشانی میں اگر کوئی سکون حاصل تھا تو یہ کہ آس پاس کی کوئی بھی فاطمی ریاست اس کو پریشان نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اپنی مسیحی بیوی ہیلینا کو رومیوں اور عیسائیوں کی طرف سے لاحق خطرات سے مطلع نہیں کرنا چاہتا تھا حالانکہ اس نے کئی بار اس بارے میں سلطان سے بات بھی کرنا چاہا تھا۔ مشرقی شہروں کے کلیسا اور خانقاہیں سیاسی کردار ادا کر رہی تھیں اور مشرق میں جو کچھ ہو رہا تھا اس کی ذرا ذرا سی خبریں قسطنطنیہ بھیجی جا رہی تھیں۔ وہ سب ایک سوچے سمجھے منصوبے پر کام کر رہے تھے۔ راہب اور ننیں نہایت خوش اخلاقی سے مسلمانوں سے مل رہے تھے اور انہیں جنگ سے باز رہنے کی تلقین کر رہے تھے۔ وہ نو مسلم آرمنی اور جارجیائی باشندوں سے خاص کر ملاقاتیں کر رہے تھے۔ وہ اپنے ان گم کردہ راہ بھائیوں سے کہہ رہے تھے کہ وہ مذہبی جنگوں میں حصہ نہ لیں اور شہروں میں ہی بس جائیں' ان کو ترغیب بھی دی گئی اور تحریص بھی۔ ان سے کہا گیا کہ اگر وہ اس جنگ سے لاتعلق رہنے کا وعدہ کریں تو انہیں سونے چاندی سے نواز دیا جائے گا۔ ان سے یہ بھی کہا گیا کہ اگر وہ اپنے بھائیوں سے

جنگ کرنے پر مجبور ہی ہو جائیں تو عین جنگ کے دوران مسلمانوں کو دھوکا دیں اور عیسائیوں کی طرف سے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ہیلینا سے بھی ملاقات کی۔ بظاہر تو ہیلینا سے اس لئے ملی تھیں کہ وہ ہیلینا کے ساتھ خانقاہ میں رہ چکی تھیں اور اس پرانے تعلق نے انہیں ہیلینا کے پاس پہنچا دیا تھا۔ سلطان کو ان کی ملاقات پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔ یہ دو ننیں میرینا اور جولیانہ تھیں۔ ان دونوں نے ہیلینا کو مبارک باد بھی دی کہ وہ اس عہد کے سب سے بڑے فاتح کی بیوی ہے۔ وہ سلطان کی تعریف کرتی رہیں۔ انہوں نے سلطان کی غیر متعصبانہ طبیعت کا ذکر بھی بڑی عزت اور خلوص سے کیا۔ اس وقت ہیلینا کے پاس جو کنیزیں تھیں وہ ان ننوں سے خاصی متاثر ہوئیں۔ کنیزوں کو ان دونوں پر حیرت تھی کہ وہ عمر بھر کے لئے کنواری کیوں رہیں گی!

ہیلینا نے ان دونوں کی آمد کا شکریہ ادا کیا اور کہا "تم دونوں کو میرے پاس نہیں آنا چاہئے تھا۔"

جولیانہ نے پوچھا "وہ کیوں کیا یہاں ہمارے آنے پر پابندی لگی ہوئی ہے؟"

ہیلینا نے جواب دیا "نہیں یہ بات نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ اب میں الپ ارسلان کی بیوی ہوں اس لئے ماضی سے رشتہ ہی کٹ گیا۔"

میرینا نے کہا "شہزادی صاحبہ آپ جو چاہیں کہیں لیکن میں یہ نہیں مانوں گی کہ سلطان کی بیوی بن جانے سے آپ کا ہم سے کوئی تعلق نہیں رہا۔"

ہیلینا نے کہا "کیا تعلق ہے میرا ماضی سے؟"

جولیانہ نے جواب دیا "ہم سب اس پر فخر کرتے ہیں کہ ہمارے وطن کی ایک شہزادی مشرق کے سب سے بڑے سلطان اور فاتح کی بیوی ہے۔"

ہیلینا نے منہ بنایا "حالاں کہ میں نے یہ سنا ہے کہ کلیسا اور خانقاہ مجھ سے ناراض ہیں کیونکہ میں ایک نن ہونے کے باوجود سلطان کی بیوی بن گئی۔"

جولیانہ نے کہا "ہاں ہم لوگ آپ کے بارے میں یہ بھی کہتے ہیں۔"

ہیلینا نے بے بسی ظاہر کی "میں اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ میرے چچا نے میرا ہاتھ سلطان کے ہاتھ میں دے دیا اور میں سلطان کی بیوی بن گئی۔"

میرینا نے رازداری سے کہا "ہیلینا اگر آپ کو اس پر ذرا بھی شرمندگی ہے اور آپ اس پر پشیمان ہیں تو اس کی شاندار تلافی ممکن ہے۔"

ہیلینا نے پوچھا "وہ کس طرح سے؟"

میرینا نے جواب دیا "آپ سلطان کو اپنے عشق میں مبتلا کریں اور کسی بھی بہانے سلطان کو دو تین سال تک آرمینیا اور آذربائیجان سے دور رکھیں۔"

ہیلینا نے پوچھا "اس سے کسی کو کیا فائدہ پہنچے گا؟"

میرینا نے جواب دیا "جو فائدہ پہنچے گا وہ سب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔"

ہیلینا نے کہا "سلطان کو میں کیا کوئی بھی اپنی مرضی پر نہیں چلا سکتا۔"

جولیانہ نے اصرار کیا "آپ کوشش کریں۔"

ننوں کے آنے جانے پر خواجہ حسن کو تشویش ہو گئی تھی۔ اس نے کئی کنیزوں کو مخبری پر لگا دیا لیکن ان سے بس اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ وہ مذہبی یا مملکت کی کوئی بات نہیں کرتیں۔ ہاں ایک دن ایک کنیز نے خواجہ حسن کو یہ خبر دی کہ جولیانہ نام کی نن ہیلینا کے سامنے جنگ کی مذمت کر رہی تھی اور یہ کہ اس نے ہیلینا کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ سلطان کو جنگوں سے باز رہنے پر مجبور کیا جائے۔ خواجہ حسن نے بے چینی سے پوچھا "پھر ہیلینا نے کیا کہا؟"

کنیز نے جواب دیا "ہیلینا نے کہا کہ سلطان اس معاملے میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرے گا۔"

خواجہ حسن نے اس کو شاباش دی اور کہا "اور توجہ سے ان کی باتیں سن۔ میں ان ننوں پر پابندی لگا دینا چاہتا ہوں۔"

سلطان بھی ننوں کی آمد سے ناخوش تھا۔ اس نے ہیلینا سے پوچھا "یہ تیرے پاس کیوں آنے جانے لگی ہیں؟"

ہیلینا نے جواب دیا "ان کے آنے جانے سے میں بھی خوش نہیں ہوں۔ آپ ان کو خود بھی منع کر دیں۔"

سلطان نے پوچھا "یہ کہتی کیا ہیں؟"

ہیلینا نے جواب دیا "انہیں جنگ سے نفرت ہے۔ وہ ہر بار جنگ کی مذمت کر کے چلی جاتی ہیں۔"

سلطان نے کہا "تو ان کو منع کر دے کہ یہاں اس قسم کی باتیں نہ کیا کریں۔"

ہیلینا نے جواب دیا "میں نے انہیں منع کیا لیکن وہ نہیں باز آتیں۔"

سلطان نے اس سلسلے میں خواجہ حسن سے مشورہ کیا کہ ان کے لئے کیا کرنا چاہئے خواجہ حسن نے جواب دیا "آپ یہ سوال جارجیا کی شہزادی سے کریں۔"

سلطان نے کہا "اس نے کہا کہ انہیں روک دیا جائے۔"

خواجہ حسن نے مشورہ دیا "لیکن اس کے باوجود اس میں عجلت

سے کام نہ لیا جائے تو بہتر ہے ہو سکتا ہے ہمیں ان سے کوئی اہم خبر مل جائے۔"

یہ بات سلطان کی سمجھ میں بھی آ رہی تھی اس نے کہا "میرا بھی یہی خیال ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے ان پر نظر رکھی جائے۔"

ایک دن خواجہ حسن کو کنیز نے یہ خبر پہنچائی کہ دونوں ننیں ہیلینا سے کسی راہب رابرٹ کا، بہروز اور آپ کا ذکر کر رہی تھیں۔" یہ کہتے کہتے کنیز شرم سے خاموش ہو گئی، وہ خواجہ حسن سے نظریں چرا رہی تھی۔

خواجہ حسن نے بے چینی سے پوچھا "انہوں نے میرا ذکر بھی کیا؟ وہ کیا کہہ رہی تھیں۔"

کنیز نے جواب دیا "وہ جو کچھ بھی کہہ رہی تھیں اس کو میں اپنی زبان سے ادا کر کے خطاکار نہیں بننا چاہتی۔"

خواجہ حسن نے اس کو دلاسا دیا "تو ذرا بھی نہ گھبرا۔ میں تجھ کو مالا مال کر دوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ وہاں جو باتیں کی جا رہی ہیں ان کا علم میرے سوا کسی کو نہ ہو۔"

کنیز نے کہا "وہ ہیلینا سے اس کے عاشقوں کے بارے میں کچھ پوچھ رہی تھیں، ان عاشقوں میں آپ کا نام بھی لیا گیا تھا۔"

خواجہ حسن نے گھبرا کے ادھر ادھر دیکھا "وہ کیا کہہ رہی تھیں؟"

کنیز نے جواب دیا "وہ پوچھ رہی تھیں، آپ کے پرانے عاشقوں میں سے کون کون شادی کے بعد ملا اور اس سے کیا باتیں ہوئیں۔"

خواجہ حسن یہ سن کر پسینہ پسینہ ہو گیا "پھر اس نے کیا جواب دیا؟"

کنیز نے جواب دیا "ہیلینا نے انہیں جواب دیا "شادی کے بعد تین بار خواجہ حسن سے ملاقات ہوئی، وہ اب بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

خواجہ حسن نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے "واللہ یہ جھوٹ ہے۔ شادی کے بعد میں اس سے ایک بار بھی نہیں ملا پھر بات چیت کا کیا ذکر۔"

کنیز نے کہا "میں نے جو کچھ سنا آپ کو بتا دیا۔ ہیلینا نے یہ بھی بتایا کہ آپ اس سے اتنی شدید محبت کرتے ہیں کہ اگر ہیلینا ساتھ دینے کا وعدہ کرے تو آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

خواجہ حسن اور زیادہ پریشان ہو گیا "یہ میرے خلاف کیا سازش ہو رہی ہے؟"

کنیز نے کہا "اندر تو اسی قسم کی باتیں ہو رہی ہیں۔"

خواجہ حسن نے غصہ میں کہا "میں ان دونوں کی آمد و رفت پر پابندی لگوا دوں گا۔ یہ تینوں مجھے برباد کر دینا چاہتی ہیں۔"

کنیز نے اجازت چاہی۔ "اب میں جا سکتی ہوں؟"

خواجہ حسن نے پھر ادھر ادھر دیکھا "تو بدستور ان کی باتیں سنتی رہ اور ان باتوں کا میرے سوا کسی کو علم بھی نہیں ہونا چاہئے۔"

کنیز چلی گئی لیکن خواجہ حسن کے وجود میں ہل چل مچا گئی۔ وہ شب و روز سوچتا رہتا کہ اس کے خلاف اندر ہی اندر جو سازش ہو رہی ہے اس کا تدارک کیا ہو؟ وہ خوب جانتا تھا کہ اگر یہ باتیں سلطان کے کانوں تک پہنچ گئیں تو ایک قیامت اٹھ کھڑی ہو گی اور شاید وہ خواجہ کی زندگی کا آخری دن ہو گا۔ سلطان نے خواجہ حسن کو پریشان پریشان خاموش اور فکر مند جو دیکھا تو اس کو یہ فکر لاحق ہو گئی کہ خواجہ حسن اس سے کوئی اہم بات چھپا رہا ہے۔ خواجہ حسن نے انتہائی غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ وہ اس سلسلہ میں کسی طرح ہیلینا اور دونوں ننوں سے ضرور بات کرے گا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ ایک خطرناک اور نازک مرحلہ ہو گا مگر اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی تو نہ تھا۔

سلطان کو بتایا گیا کہ مقامی خانقاہ میں چند پراسرار آدمی ٹھہرے ہوئے ہیں اور ان میں کوئی کرائے کا قاتل بھی ہے یہ قاتل جلد جیاکی حکومت نے بھیجا ہے جو کسی بھی وقت دھوکے سے سلطان کو قتل کر سکتا ہے۔ سلطان نے اس افواہ کو پوری دلچسپی سے سنا اور خواجہ حسن سے پوچھا "کیا اس خبر میں صداقت ہو سکتی ہے؟"

خواجہ حسن نے عالمانہ شان سے جواب دیا "خبروں کے سچ جھوٹ پرکھنے کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے اس خبر کے ماخذ کو تلاش کر لیا جائے جب وہ مل جائے تو یہ دیکھا جائے کہ اس افواہ کے پیچھے کس کا مفاد کار فرما ہے؟ اور جب اس کا پتا چل جائے تو اس کی نہایت پھرتی اور سختی سے بیخ کنی کر دی جائے۔"

سلطان نے کہا "افسوس کہ میں خانقاہ کی تلاشی لینے پر مجبور ہوں۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا "آپ مجھ سے جس قسم کا تعاون چاہتے ہیں۔ میں حاضر ہوں۔"

سلطان نے خانقاہ کی تلاشی خود نہیں لی اپنے ایک معتمد اسماعیل کو بھیج دیا اور اس کو یہ ہدایت کر دی کہ وہ خانقاہ کے مستقل رہنے والوں سے کچھ بھی نہ کہے البتہ مہمانوں کو سلطان کے پاس لے آئے۔ خواجہ حسن چاہتا تھا، خانقاہ میں خود چلا جائے اور وہ ہیلینا سے کسی طرح چند باتیں کر لے وہ ہیلینا سے پوچھنا چاہتا تھا کہ وہ اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولی۔ لیکن سلطان خانقاہ میں نہیں گیا۔ خواجہ حسن اپنے خیمے کے سامنے بیٹھا آنے جانے والوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہاں اس کو اہلِ احتیاج پریشان کرنے لگے۔ وہ اپنے اپنے مسائل خواجہ حسن کے پاس لائے تھے۔ سلطان کا خیمہ بھی کچھ زیادہ دور

نہیں تھا۔ اس کی نظریں بار بار سلطان کے خیمے کی طرف جا رہی تھیں۔ ایک سپاہی نے وزیر سے شکایت کی کہ اس کا بڑا شخصی امیر اس کو خواہ مخواہ پریشان کرتا رہتا ہے اور اس کو جو کچھ بھی انعام و اکرام میں ملتا ہے اس کا امیر اس میں حصہ لگا دیتا ہے۔

خواجہ حسن نے اس کو سمجھایا "ایسی باتیں یوں سب کے سامنے نہیں کرتے، پھر کسی وقت آ جانا۔"

اس وقت خواجہ حسن کے سامنے چودہ آدمی اور موجود تھے اور یہ سب کوئی نہ کوئی مسئلہ یا شکایت اپنے ساتھ لائے تھے۔ سپاہی نے اصرار کیا "آپ کو جو کچھ کرنا سننا یا کرنا ہے اس وقت کر سن اور کر لیجیے پھر آپ سے ملاقات ہو نہ ہو کون جانے۔"

خواجہ حسن نے سلطان کی خیمے کی طرف دیکھا وہاں بالکل سناٹا تھا۔ اس کو یاد آیا کہ برمکی خاندان اسی نوع کے واقعات کی وجہ سے حسد کا شکار ہو گیا تھا۔ سلطان کی موجودگی میں نظام الملک کے در پر لوگوں کا ہجوم سلطان کو حسد میں مبتلا کر سکتا تھا اس نے ہجوم کو وہاں سے یہ کہہ کر چلتا کر دیا کہ وہ انہیں پھر کسی وقت بلوائے گا یا پھر یہ کہ وہ اپنی شکایتیں اور مسائل لکھ کر دے جائیں۔ اس نے اپنے خدمت گار کو حکم دیا کہ اگر دونوں نتنیں اس کو آتی جاتی نظر آ جائیں تو انہیں خواجہ کے پاس لایا جائے۔ جب وہ اپنے خیمے میں داخل ہو رہا تھا تو اس نے سلطان کی جھلک دیکھ لی تھی۔ شاید خواجہ حسن کے در پر ہونے والی رونق کا تماشا دیکھ رہا تھا خواجہ حسن کانپ گیا۔ کافی دیر بعد دونوں نتنیں اس کے خیمے میں داخل ہوئیں وہ پریشان اور وحشت زدہ ہو رہی تھیں۔ خواجہ نے دونوں کو ایک چٹائی پر بٹھا دیا۔ پوچھا۔ "تم دونوں ہیلینا کے پاس بار بار کیوں جاتی ہو؟"

جولیئہ نے جواب دیا "سلطان نے تو ہم سے یہ سوال کیا نہیں۔ پھر آپ کیوں کر رہے ہیں؟"

خواجہ حسن نے کہا "میں نے یہ سوال سلطان کے ایما پر ہی کیا ہے۔"

جولیئہ نے کہا "ہیلینا ہم دونوں کے ساتھ رہ چکی ہیں اس تعلق سے ہم دونوں ان سے مل لیتے ہیں۔"

خواجہ حسن نے درشت لہجہ اختیار کیا "وہاں کیا باتیں ہوتی ہیں، میں جانتا ہوں اس لئے تم دونوں پر پابندی لگاتا ہوں اب تم میری اجازت کے بغیر وہاں نہیں جاؤ گی۔"

میرینہ نے کہا "آپ شہزادی ہیلینا سے تین بار سلطان کی واپسی میں ملاقات کریں اور اسے معیوب نہ سمجھیں اور ہم دونوں سلطان کی اجازت سے ملنے جائیں تو اس پر آپ کو اعتراض ہو، خوب۔"

خواجہ حسن کانپ گیا "یہ جھوٹ ہے میں ہیلینا سے ایک بار بھی نہیں ملا۔"

جولیئہ نے بڑی بے پروائی سے کہا۔ "ہمیں نہیں معلوم کہ اس میں کیا جھوٹ ہے اور کیا سچ ہم نے تو وہ بات بتائی ہے جو ہمیں شہزادی ہیلینا سے معلوم ہوئی تھی۔"

خواجہ حسن ایک دم نرم پڑ گیا "پاک اور محترم عورتو! تم ہیلینا سے میری طرف سے پوچھو کہ وہ مجھ پر کیوں تہمت لگا رہی ہیں۔"

میرینہ نے کہا "تہمت نہیں واقعہ ہے۔ شہزادی ہیلینا جھوٹ نہیں بولتیں۔"

خواجہ حسن نے دونوں سے کہا "افسوس کہ میں ہیلینا سے پوچھ بھی نہیں سکتا کہ انہوں نے مجھ پر یہ الزام کیوں لگا دیا، کیا وہ مجھ کو تباہ و برباد کر دینا چاہتی ہیں۔"

میرینہ نے جواب دیا "ہمیں آپ کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ آپ وزیر کی حیثیت سے کوئی حکم دے سکتے ہیں لیکن آپ شہزادی ہیلینا کے معاملے میں نہ بولیں تو بہتر ہے۔"

جولیئہ نے اپنی طرف سے تجویز پیش کی "اگر آپ چاہیں تو میں خود شہزادی ہیلینا سے بات کروں۔ آپ دونوں آمنے سامنے بیٹھ کر بات کر لیں۔ میں یہ کر سکتی ہوں۔"

خواجہ حسن اس کے لئے تیار ہو گیا "میں بھی یہی چاہتا ہوں اور ہیلینا مجھ سے کس طرح ملیں گی؟ سلطان اس کی اجازت ہی نہیں دے گا۔"

جولیئہ نے جواب دیا "سلطان کو اس ملاقات کا علم ہی کیوں ہو۔"

خواجہ حسن نے متذبذب لہجے میں کہا۔ "اگر ایسا ممکن ہو تو ورنہ اس کا امکان نہیں ہے۔"

دونوں نے وعدہ کیا "ہم آپ کی مشکل حل کر دیں گے۔"

خواجہ حسن نے اپنی وزارت کا دبدبہ برقرار رکھا "تم دونوں اس میں کامیاب ہو یا ناکام لیکن آئندہ تم ہیلینا سے ملاقاتیں کم اور پھر بند کر دو گی۔"

سلطان نے خواجہ حسن کو اپنے خیمے میں طلب کر لیا۔ وہ اس وقت خاصا پریشان تھا۔ سلطان کے خیمے میں تین نئے چہرے بھی تھے۔ ان میں ایک چہرہ اس کا جانا پہچانا تھا یہ رابرٹ تھا۔ اس نے خواجہ حسن کو دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے اشارے سے سلام کیا۔

سلطان بے چینی سے خیمے میں ٹہل رہا تھا۔ رابرٹ اور خواجہ حسن کے سوال جواب پر سلطان رک گیا اور دونوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا "آپ اس کو پہچانتے ہیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "خوب اچھی طرح۔ یہ ایک خانقاہ میں راہب تھا پھر یہ کسی کے عشق میں مبتلا ہو گیا اور اپنی عبادت اور ریاضت کو طاق میں رکھ دیا۔"

سلطان نے پوچھا "کس سے عشق کرتا تھا؟"

خواجہ حسن کوئی جواب نہ دے سکا راہب رابرٹ نے جواب دیا "کسی کے ذاتی معاملات میں سلطان کو دلچسپی نہیں لینی چاہئے۔"

سلطان نے ان تینوں سے ایک ہی سوال کیا "تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

راہب رابرٹ کہنے لگا "ہم خانقاہ نشین لوگ اکثر حالتِ سفر میں رہتے ہیں سلطان کو ہم پر اگر کوئی شبہ ہو تو صاف صاف بتا دیں۔"

سلطان نے ان کے مخدوش اور مشتبہ ساتھی سے پوچھا "کیا تو بھی راہب ہے؟"

اس نے جواب دیا "میں راہب نہیں نجار ہوں اور خانقاہ میں کچھ کام کرنے آیا ہوں۔"

سلطان نے کہا "کبھی خانقاہوں میں میرے خلاف سازش کی جا رہی ہیں۔ مجھ کو غصہ آیا تو میں خانقاہوں پر سپاہی بٹھا دوں گا اور خانقاہ والوں کے نکلنے پر پابندی عائد کر دوں گا۔"

راہب رابرٹ نے کہا "سلطان کو بلاوجہ فکریں میں نہیں لگنا چاہئیں ورنہ زندگی دو بھر ہو جائے گی۔"

خواجہ حسن نے بھی تینوں کی سفارش کر دی میرا خیال ہے سلطان کو کسی بے بنیاد افواہ پر اتنا یقین نہیں کرنا چاہئے۔"

سلطان شکر ہا اور کہتا رہا "کبھی دنیا میرے خلاف جس قسم کی سازشیں کر رہی ہے وہ میرے لئے ناقابلِ برداشت ہیں۔ تم ان کو سمجھاؤ کہ میرے صبر کے پیمانے کو لبریز نہ کر دیں۔"

راہب رابرٹ نے کہا "سلطان محترم! میں کس کس کو سمجھاؤں گا۔ اس لئے آپ کو کسی بھی جذباتی معاملے میں زیادہ حساس یا زیادہ جذباتی نہیں ہونا چاہئے۔"

سلطان نے نجار کو روک لیا اور دو کو رہا کر دیا اور ان پر پابندی لگائی کہ جب وہ یہاں سے جائیں تو سلطان کو ضرور مطلع کر دیں۔

سلطان کے سر میں درد شروع ہو گیا۔ وہ اپنا سر پکڑے ہوئے تھا۔ خواجہ حسن نے طبیب کو بلوایا اور اس نے نبض دیکھ کر سلطان کو مشورہ دیا کہ راہبوں اور عیسائیوں سے دور رہیں اور یہ کہ سر کا درد کوئی بیماری ہی نہیں اس کی وجہ دور کر دیں درد چلا جائے گا۔"

سلطان نے اپنی پیشانی پکڑ لی "میں اس پریشانی کو کس طرح دور کروں؟"

خواجہ حسن نے ڈرتے ڈرتے کہا "اگر آپ کو دردِ سر کا سبب معلوم ہو تو اس سبب کا علاج کریں اور اس کو دور کر دیں۔"

سلطان نے دونوں عیسائیوں کو حکم دیا "جاؤ اب تم دونوں جاؤ۔ اور میرے سر پر کھڑے ہو کر مجھے پریشان نہ کرو۔"

راہب رابرٹ نے جاتے جاتے خواجہ حسن سے کہا "میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھ کو وقت دیں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میرے پاس وقت نہیں ہے ویسے تمہیں میں بتلا دوں گا کہ تم مجھ سے کب ملو۔"

سلطان نے نجار کو قید کر دیا اور اس سے طرح طرح سے سوال کر کے پوچھنا چاہا کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے۔"

خواجہ حسن کی پریشانیوں میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سلطان نے نجار کو خواجہ حسن کے سپرد کر دیا اور کہا "اب آپ ہی اس سے معلوم کریں میرا خیال ہے کہ یہ نجار ہے ہی نہیں۔"

خواجہ حسن اس کو اپنے خیمے میں لے آیا اور اس کو لکڑی کا ایک کام دیا اور کہا "اسے کر دے پھر میں تجھ سے بات کروں گا۔"

نجار نے جواب دیا "میرے پاس اوزار ہی نہیں پھر کام کس طرح کروں گا۔"

خواجہ حسن نے خاموشی سے ایک آدمی خانقاہ بھیج دیا کہ وہ بڑھئی کے اوزار لے آئے۔ وہاں سے یہ جواب ملا کہ "یہاں کسی کے کوئی اوزار نہیں۔"

خواجہ حسن سلطان کی فراست کا قائل ہو گیا۔ اس نے نجار کو دھمکی دی "دیکھ تو بڑھئی نہیں ہے پھر تو یہاں کیا لینے آیا ہے؟"

خواجہ حسن نے سلطان کو بتا دیا کہ وہ بڑھئی نہیں ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ وہ سلطان کو قتل کرنے نہیں آیا۔ سلطان نے جھنجلاہٹ سے کہا "وہ مجھ کو قتل کرنے نہیں آیا، وہ بڑھئی بھی نہیں ہے پھر وہ یہاں کیوں آیا یہ تو معلوم ہو۔"

بڑھئی نے عربی رسم الخط میں سلطان کو اس کا نام لکھ کر دیا اور کہا "میں ایک خطاط ہوں اور میں اس خطاطی کے ذریعہ اپنی روزی کمانا چاہتا ہوں۔ رابرٹ نے مجھ کو بتایا تھا کہ وہ خواجہ حسن کو اچھی طرح جانتا ہے اور وہ مجھے سفارش کر کے کام دلوا دے گا لیکن یہاں آ کر میں مصیبت میں پھنس گیا۔ مجھ کو میرے حاسد ہم پیشہ نے سلطان کا قاتل مشہور کر دیا یعنی میں اس کے بقول سلطان کو قتل کرنے آیا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں خود کو کس طرح اس الزام سے بری کروں۔"

سلطان نے خواجہ حسن سے کہا "یہ عجیب بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ یہ صحیح الدماغ بھی ہے یا نہیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "یہ خطاط تو ہے مگر یہ صحیح الدماغ بھی ہے یہ میں نہیں کہہ سکتا۔"

سلطان کے سر درد میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا اور خواجہ حسن بھی پریشانی میں اپنے سر میں بھاری پن محسوس کر رہا تھا۔ راہب رابرٹ اچانک خواجہ حسن سے ملاقات کرنے آ گیا اور اس نے

خطاط کی سفارش کی وہ مجاز نہیں ہے اس نے خود کو مجاز کیوں کہا تھا میں نہیں جانتا لیکن اس کو خطاط کی حیثیت سے ضرور جانتا ہوں۔"

خواجہ حسن اس کو اپنے خیمے میں نہیں دیکھنا چاہتا تھا "تم کو یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔"

راہب رابرٹ نے جواب دیا "میں یہاں خوشی سے نہیں آیا۔ میں کیا کروں؟"

خواجہ حسن نے اس کو سمجھایا "سلطان مجھ سے کئی بار اس عورت کا نام پوچھ چکا ہے جس نے تیرے زہد و تقویٰ کو خاک میں ملا دیا میں اس کو کیا جواب دوں۔ اس لئے تو یہاں سے چلا جا!"

راہب رابرٹ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا "آپ چاہیں تو ہیلینا کا نام لے لیں۔ میں موت سے نہیں ڈرتا۔"

خواجہ حسن نے کہا "فضول باتیں مت کر، میں کہتا ہوں تو یہاں سے چلا جا۔"

راہب رابرٹ نے جواب دیا "میں یہاں رہنے نہیں آیا۔ میں ہیلینا کو ایک نظر دیکھنے اور اس سے چند باتیں کرنے آیا ہوں۔ آپ میرا یہ کام کر دیں میں چلا جاؤں گا۔"

خواجہ حسن نے حیرت سے پوچھا "یہ کام میں کرا دوں؟ یعنی میں؟"

راہب رابرٹ نے جواب دیا "ہاں یہ کام آپ کرا دیں یا پھر اس شخص سے ملوا دیں جو میرا یہ کام کر سکتا ہو۔"

خواجہ حسن کو اپنا سر بھاری بھاری محسوس ہو رہا تھا۔ راہب رابرٹ نے کہا "ویسے میرینہ اور جولیانہ نے مجھ کو بتایا ہے کہ میرا یہ کام آپ کر سکتے ہیں اور آپ خود بھی ہیلینا سے تین بار چوری چوری مل چکے ہیں۔"

خواجہ حسن نے اپنا سر پکڑ لیا "تم سب مل کر مجھے تباہ کر دو گے۔ یہ میں کس طرح یقین دلاؤں کہ میں سلطان سے شادی کے بعد ہیلینا سے ایک بار بھی نہیں ملا۔"

راہب رابرٹ نے خوش اخلاقی سے اس کی بات مان لی "چلئے میں نے آپ کی بات کا یقین کر لیا آپ ہیلینا سے ایک بار بھی نہیں ملے۔ اور آپ اس کو جانتے بھی نہیں۔ آپ نے اس سے عشق بھی نہیں کیا میں آپ کی ہر بات مان لوں گا مگر اس وقت جب آپ مجھ کو ہیلینا سے کم از کم ایک بار ملوا دیں گے۔"

خواجہ حسن پاگل ہوا جا رہا تھا "کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا۔ میں نے کہہ جو دیا کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔"

راہب رابرٹ نے نرم لہجہ میں کہا "آپ یہ کام ضرور کریں گے۔ میں جانتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے اپنے خدمت گار کو آواز دی جب وہ آگیا تو اس کو حکم دیا "دو تین آدمی اور لے لو اور اس احمق کو زبردستی اٹھوا کر اس کی خانقاہ میں ڈال آؤ۔"

خدمت گار نے بالکل اسی طرح کیا دو طاقت ور آدمیوں کی مدد سے راہب رابرٹ کو اٹھا کے خانقاہ میں پھنکوا دیا۔ اب رابرٹ چیخ رہا تھا۔ اس نے خواجہ کے آدمیوں سے کہا "اپنے آقا سے کہہ دینا کہ اس نے میرے ساتھ جو کچھ کیا اچھا نہیں کیا۔ اس کو اس کی سزا ملے گی۔ خطرناک سزا۔"

جب خواجہ حسن کو راہب کا پیغام ملا تو اسی نے اس وقت خانقاہ سے آنے والی راہوں پر اپنے آدمی بٹھا دیئے اور انہیں حکم دیا کہ راہب رابرٹ کو ہرگز ادھر نہ آنے دیا جائے۔" خواجہ حسن کا سر بری طرح درد کر رہا تھا۔ اس نے رومال سے سر باندھ لیا۔

سلطان اپنے گھوڑے پر گھوم پھر رہا تھا لیکن سر سے رومال بھی بندھا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے چند ساتھی بھی تھے۔ جب وہ خواجہ حسن کے خیمے کے سامنے سے گزر رہا تھا تو اس نے گھوڑے کی لگام کھینچ لی اور اپنے ایک امیر کو حکم دیا "دیکھو یہاں کوئی ہے؟"

ایک خدمت گار نے اس کو بتایا "اندر خواجہ حسن موجود ہے۔

سلطان نے کہا "اس کو بتایا جائے کہ میں آیا ہوں۔"

خواجہ حسن نے سلطان کو اپنے خیمے کے در پر دیکھا تو اس کا خون خشک ہو گیا۔ سلطان نے خواجہ حسن کے سر سے بندھے رومال کی طرف اشارہ کیا "دماغ تو صحیح ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "سر میں شدید درد ہے پتہ نہیں کیوں؟"

سلطان نے پوچھا "یہ راہب رابرٹ کیوں آیا تھا اور اس کو خانقاہ میں کیوں پھنکوانا پڑ گیا؟"

خواجہ حسن اور زیادہ پریشان ہو گیا جواب دیا "وہ مجھ کو اپنی فضول باتوں سے پریشان کر رہا تھا۔"

سلطان نے پوچھا "وہ کیا کہہ رہا تھا"

خواجہ حسن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سلطان کو اس کے سوالوں کے کیا جواب دے۔

سلطان نے کہا "خواجہ بزرگ! اب میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ وہ آپ سے کس قسم کی پریشان کن باتیں کرتا ہے۔ اب اگر وہ آپ سے ملے تو اس سے یہ ضرور پوچھئے گا کہ وہ عورت کون اور کہاں ہے جس سے اس نے عشق کیا اور اپنا سب کچھ خاک میں ملا دیا۔"

خواجہ حسن کے درد میں اور اضافہ ہو گیا پریشان کن لہجے میں آہستہ سے جواب دیا "میں ضرور معلوم کروں گا۔"

سلطان مسکرانے لگا "میرا خیال ہے کہ آپ کے سر کا درد کچھ اور بڑھ گیا ہے!"

خواجہ حسن نے آہستہ سے جواب دیا "جی ہاں بلکہ

پرو۔

سلطان چلا گیا اور خواجہ حسن اپنے خیمے میں جا کر رونے لگا "اے اللہ! میں کیا کروں تو میری مشکل آسان کر۔"

○ ..... ○ ..... ○ ..... ○ .....

سلطان سیدھا ہیلینا کے پاس گیا۔ ہیلینا نے سلطان کے سر سے بندھے ہوئے رومال کے بارے میں پوچھا "یہ کیا ہے؟"

سلطان نے جواب دیا "میں ذرا پریشان ہوں، تیری قوم نے مجھے پریشان کر رکھا ہے!"

ہیلینا نے کہا "میری قوم نے نہیں آپ کے شوق کشور کشائی نے آپ کو پریشان کر رکھا ہے۔ آپ اس شوق میں کمی کر دیں آرام ہو جائے گا۔"

سلطان نے پوچھا "میں اس میں کس طرح کمی کروں؟"

ہیلینا نے جواب دیا "معلوم نہیں آپ میری بات مانیں گے یا نہیں۔"

سلطان نے کہا "تو مشورہ تو دے، شاید میں مان جاؤں۔"

ہیلینا نے مشورہ دیا "میں نے آپ کے مشرقی حصے نہیں دیکھے اگر آپ میری مانیں تو چند سال مشرقی حصوں میں گزار دیں اس سے آپ کے سر کا درد بھی جاتا رہے گا۔"

سلطان نے ہیلینا کو کچھ عجیب سی نظروں سے دیکھا "مشورہ تو خوب ہے میں اس پر غور کروں گا۔"

سلطان ہیلینا کے پاس بھی زیادہ دیر نہیں رکا۔ اس کے پاؤں تلے آگ سی تھی اور وہ اس آگ کی وجہ سے کسی ایک جگہ نہیں رک رہا تھا۔

دونوں تینیں ہیلینا سے ملتی رہیں اور اس پر دباؤ ڈالتی رہیں کہ وہ کم از کم ایک بار خواجہ حسن سے ضرور مل لے۔ بڑی مشکل سے وہ ملاقات پر تیار ہو گئی۔ خواجہ حسن نے اس ملاقات سے انکار کر دیا کیونکہ وہ جانتا تھا اس کی اطلاع سلطان کو تو ہو ہی جائے گی پھر وہ میا خلوہ کیوں مول لے۔ جب خواجہ حسن نے ہیلینا سے ملنے سے انکار کر دیا تو دونوں نتیں خواجہ سے ناراض ہو گئیں۔

شہزادہ ملک شاہ نے اپنے طور پر بہنوں کو اندر جانے سے روک دیا، اس نے کہا "میں ولی عہد ہونے کی حیثیت سے تم دونوں کو آزادی نہیں دے سکتا۔"

بہنوں نے شہزادے کو دھمکی دی "ہمیں سلطان نے اندر جانے سے نہیں روکا، وزیر خواجہ حسن کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ کیا آپ ان دونوں سے بڑے ہیں؟"

شہزادہ ملک شاہ نے جواب دیا "میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔ اب تم دونوں کبھی بھی اندر نہیں جاؤ گی" وہ نتیں مجبور اور بے بس ہو گئیں۔ اور انہوں نے ہیلینا کے پاس جانا چھوڑ دیا۔

اس دوران سلطان کو ایک گمنام خط موصول ہوا اس میں لکھا تھا۔

"سلطان محترم! میں اس خط میں جو کچھ لکھ رہا ہوں اس کو غور سے پڑھو اور اس پر غور کرو۔ یہ دنیا جس میں ہم سب رہتے ہیں، بڑی عجیب جگہ ہے۔ تم ہیلینا کی عزت کرو کیونکہ اس نے تمہاری خاطر اپنے چار عاشقوں کو بھلا دیا۔ تمہارا شہزادہ ملک شاہ، تمہارا وزیر خواجہ حسن، بہروز اور راہب رابرٹ یہ سب ہیلینا کے عاشق رہ چکے ہیں۔ شاید ان میں کے چند ہیلینا سے اب بھی ملتے رہتے ہیں۔ تم کو ادھر سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ تم دنیا کو فتح کرنا چاہتے ہو مگر ہیلینا کو پوری طرح مسخر نہیں کر سکے۔ آرمینیا اور جارجیا کا فاتح عاشقوں کی فوج رکھنے والی ہیلینا کی گرہ گیر زلف کا اسیر ہے۔ ....."

اس کے بعد کا صفحہ غائب تھا شاید اس کو پھاڑ کر پھینک دیا گیا تھا۔ سلطان کو یہ خط خیمے میں اس جگہ سے ملا تھا جہاں وہ گر سیدھی کیا کرتا تھا۔ اس نے خط زمین سے اٹھایا تھا اور اس کو کسی حد تک خواجہ حسن سے منسوب کیا جا سکتا تھا۔ سلطان کا خیال تھا کہ یہ خط سلطان کو بھیجا گیا تھا لیکن خواجہ حسن نے کسی وجہ سے اس کو سلطان کے پاس نہیں جانے دیا اور جو حصہ غائب ہے اس میں بھی اس سے خاص باتیں منسوب ہوں گی اور اس نے اس حصہ کو پھاڑ کر پھینک دیا ہو گا۔ سلطان نے خواجہ حسن کو تخلیہ میں طلب کیا اور پوچھا "آپ چند دنوں سے بڑے پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "آپ کو کسی وجہ سے شبہ ہوا ہو گا ورنہ واقعے اور حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔"

سلطان نے خواجہ حسن کو قدرے خشمگیں نظروں سے دیکھا اور دریافت کیا "میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ راہب رابرٹ نے آخر کس عورت کے عشق میں....."

خواجہ حسن نے جواب دیا "اس سوال کا میں کیا جواب دوں گا راہب رابرٹ ہی کو بلا کر پوچھ لیا جائے۔"

سلطان نے فوراً دوسرا سوال کر دیا، "آپ بھی تو کسی عورت کے چکر میں خاصے پریشان رہے ہیں۔"

اس بار خواجہ حسن بدحواس سا ہو گیا "آپ فرماتے ہیں تو میں مان لوں گا۔"

سلطان نے کہا۔ "خواجہ بزرگ! کیا عشق کرنا گناہ ہے؟ اگر نہیں تو آپ میرے سوالوں سے پریشان کیوں ہو جاتے ہیں؟"

خواجہ حسن نے عرض کیا "قبلہ و کعبہ! اگر آپ مجھ کو سزا ہی دینا چاہتے ہیں تو اس کے لئے خطائیں نہ تلاش کریں یوں ہی جو سزا دینا چاہیں دیدیں۔"

سلطان نے جواب دیا "خواجہ بزرگ! میں خود بھی کچھ عرصہ سے بہت پریشان ہوں۔ میں کسی سائبان کی تلاش میں ہوں جہاں میں ارضی و سماوی آفات سے محفوظ رہوں۔ میری عزت کو میری غیرت کو سر عام فروخت کیا جا رہا ہے۔ آرمینیا اور جارجیا کے مسلم فا

معلوم کس قسم کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ چہ میگوئیاں اور سرگوشیاں آخر یہ سب کیا ہے؟"

اب خواجہ حسن میں بھی یارائے ضبط نہ رہا۔ وہ سلطان کو سب کچھ سچ سچ بتا دینا چاہتا تھا، مگر ہمت نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

سلطان نے آہستہ سے کہا "خواجہ بزرگ! سچ بولنا مشکل ترین کام ہے۔ میں خود بھی یہ دیکھ رہا ہوں کہ میں وہ نہیں کہہ پا رہا جو کہنا چاہتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے موضوع ہی بدل دینا چاہا "جب سے عیسائیوں کی ریشہ دوانیاں سامنے آئی ہیں آپ کو کچھ زیادہ پریشان کن خبریں سننا پڑ رہی ہیں۔ میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ ہمارا دشمن شاید قصداً ایسا کر رہا ہے تاکہ آپ اسکے خلاف یکسوئی سے سوچ ہی نہ سکیں۔"

سلطان اٹھ کر بیٹھ گیا "بیشک میں بھی تو یہی محسوس کر رہا ہوں، آپ نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔"

اب خواجہ حسن کی ہمت عود کر آئی تھی۔ سلطان نے اپنے ہاتھ میں دبا کاغذ کا پرزہ خواجہ حسن کی طرف بڑھایا اور دوبارہ لیٹ کر منہ دوسری طرف کر لیا "آپ اس پرزے کو پڑھ کر سوچیں کہ ایسا کون اور کیوں کر رہا ہے؟"

خواجہ حسن نے کاغذ کا پرزہ لے لیا اور وہیں پڑھنے لگا۔ وہ یہ پرزہ پڑھتا رہا اور پریشان ہوتا رہا۔ سلطان نے کہا "خواجہ بزرگ! میں نہیں چاہتا کہ آپ خواہ مخواہ پریشان ہوں۔ آپ جائیں اور یہ سوچیں کہ ایسا کون کر رہا ہے، کیوں کر رہا ہے؟"

خواجہ حسن نے اس اجازت کو غنیمت جانا اور خیمے سے باہر نکل کر سکون کی سانس لی۔ جب وہ سلطان کے خیموں کے پاس سے گزر رہا تھا اس نے ایک خیمے پر ایک کاغذ چسپاں دیکھا۔ وہ ٹھٹک کر وہاں کھڑا ہو گیا اور اسے پڑھنے لگا۔ یہ رسوائیوں کا اشتہار تھا۔

یہ منظوم کلام سلطان کی شان میں قصیدہ تھا۔ بہادر، بے پناہ قوت برداشت کا حامل و ملک سلطان الپ ارسلان تو نے ان صفات کا مظاہرہ زندگی کے ہر محاذ پر کیا ہے۔ جب تیرا چچا طغرل زندہ تھا اس وقت بھی تو شیر تھا تو نے اپنے مخالفوں اور دشمنوں کو یوں زیر کر لیا جس طرح شیر روباہ اور بکریوں کو زیر کر لیتا ہے۔ حکومت تیرے بجائے تیرے نااہل بھائی کو دے دی گئی تو تو نے ہنسی خوشی اسے برداشت کر لیا پھر تیرا حق تجھ کو مل گیا یعنی تو سلطان بنا دیا گیا۔ تو نے محلاتی سازشوں اور محاذوں پر باری باری ہر ایک کو شکست دے دی اور خود اسلام کی خدمت اور سلطنت کی وسعت کی خاطر آذربائیجان، جارجیا اور آرمینیا چلا گیا تو ہتھیلی کی انگلیوں کی طرح مختلف محاذوں پر پھیل گیا تو نے شہر اور علاقے فتح کئے اور وہاں اسلام پھیلا دیا تو نے جن کو فتح کیا ان کو فراخ دلی سے معاف بھی کر دیا حالانکہ تاریخی روایات میں فاتح دشمنوں کو ہلاک اور آبادیوں کو برباد کر دیا کرتے ہیں۔ آج وہ لوگ جن کو تو نے زیر کیا ہے تیرا قصیدہ پڑھ رہے ہیں۔ پھر تو نے جارجیا کی شہزادی ہیلینا کو قبول کر لیا وہ تیری بیوی بن گئی۔ ہیلینا پاک باز و پاک باطن شہزادی جو نن تھی جس نے زندگی بھر کنواری رہنے کا عہد کیا تھا لیکن جب اس کو تیرا جیسا کامل اوصاف مرد مل گیا تو اس نے اپنے کنوارے پن کو تجھ پر قربان کر دیا۔ اے حوصلہ مند سلطان، تو نہیں جانتا کہ شہزادی ہیلینا اپنے پیچھے عاشقوں کی ایک فوج رکھتی تھی۔ اس سے نامی گرامی مردوں اور ایک بچے نے عشق کیا لیکن اس نے صرف تجھ سے عشق کیا۔ کیا تو جاننا چاہے گا کہ پاکباز ہیلینا سے کس کس نے عشق کیا ہے تو نہیں جانتا لیکن میں بتاؤں کا ایک ایک کا تعارف کراؤں گا جتنوں سے میں واقف ہوں۔ جب وہ صرف شہزادی تھی تو اس سے ایک درباری امیرزادے نے عشق کیا وہ مدتوں عشق کرتا رہا۔ امیرزادے کا عشق مشہور ہوا تو اس کو دربار سے نکال دیا گیا۔ پھر اس کو کسی شہزادے نے چاہا۔ یہ شہزادہ اس کے چچا کے دشمن کا بیٹا تھا، یہ بھی ناکام رہا۔ پھر کیا ہوا میں نہیں جانتا لیکن لوگ کہتے ہیں کہ ہیلینا سے جس نے بھی محبت کی وہ پریشان اور ناکام رہا۔ آخر حالات اور مایوسیوں سے تنگ آ کر ہیلینا نن بن گئی اور ایک خانقاہ میں جا بسی۔ اس خانقاہ میں بھی ہلچل مچ گئی۔ راہب رابرٹ نے اپنی عبادت اور ریاضت اور مذہبی ساکھ سب کچھ ہیلینا پر قربان کر دیا۔ اس دوران ایک بہروز نامی نوجوان نے اس سے محبت کی، یہ نوجوان نامعلوم والدین کا بیٹا تھا۔ پھر یہ بھی سننے میں آیا کہ کمسن شہزادہ ملک شاہ نے اس سے عشق شروع کر دیا اور وزیر خواجہ حسن بھی ہیلینا کے عشق کی آگ میں چپکے چپکے جلتا رہا۔ اس ہجوم عاشقاں میں گھری ہوئی ہیلینا پریشان تھی کہ وہ ان کی محبتوں کا جواب کس طرح دے کیونکہ وہ نن تھی اور عمر بھر کنواری رہنے کا عہد کیا تھا۔ پاکباز ہیلینا اسی کشمکش میں مبتلا تھی کہ سلطان الپ ارسلان، شیروں کا شیر سلطان فاتح کی حیثیت سے جارجیا پہنچ گیا، اور کمسن شہزادے نے معلوم نہیں کیوں اپنے باپ کو اس کے لئے چن لیا۔ کہا جاتا ہے کہ جب جارجیا کے بادشاہ کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی تو اس نے اس رشتے کو بے تامل قبول کر لیا اور کنواری اور پاک باز ہیلینا کو سلطان الپ ارسلان سے وابستہ کر دیا گیا، وہ سلطان کی بیوی بن گئی ہیلینا کی شادی میں کس کس نے دلچسپی لی، کوئی نہیں جانتا لیکن کس کس کے ارمانوں کا خون اس شادی سے ہوا ان میں سے چند ناموں سے میں بھی واقف ہوں۔ شہزادہ ملک شاہ، راہب رابرٹ، بہروز، اور وزیر خواجہ حسن ان سب کے ارمانوں کا خون ہوا لیکن شاباش و آفرین سلطان کو کہ اس نے ایسی چاہتوں اور محبتوں کی دلہن پائی۔ سلطان کے حوصلے اور برداشت میں اللہ اضافہ کرے کہ اس نے اس پاکباز شہزادی کو گوارا کر لیا۔ آفرین و تحسین سلطان کو کہ اسے ایسی بیوی ملی جو کسی کو نہ تو راس آئی اور نہ

حاصل ہوئی۔ سلطان سمندر کی طرح ہے، جس کے دامن سے چھوٹے بڑے اور اچھے برے ہر قسم کے جاندار وابستہ ہوتے ہیں وہ سب کو برداشت کرتا ہے۔ اے سلطان! میں تجھ کو سلام کرتا ہوں اے سلطان میں تیرا احترام کرتا ہوں۔ میں اسماعیل ایک بے نوا خطاط اور بے کار نجار تیرے پاس کس کس جتن اور کوشش سے آیا۔ نہ تو میں نجار ہوں اور نہ خطاط، میں صرف شاعر ہوں۔ بدقسمت شاعر، کیونکہ میرے ہم عصر شاعر اپنی شاعری کو درباروں کا وسیلہ بناتے ہیں اور میں بدقسمت اور باہر او شاعر اگر سلطان سے ملاقات کا وسیلہ شاعری کو بناتا تو میں شاید قتل کر دیا جاتا کیونکہ میں سلطان کی خدمت میں اپنا یہ قصیدہ پیش کرنا چاہتا تھا یہ قصیدہ میں نے اپنے دل کی گہرائیوں سے لکھا ہے شاید سلطان اس کو برملا سنتا یا پڑھنا پسند نہ کرے۔ اور مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ میں اپنے اس قصیدے کو خود سناتا یا خود پیش کرتا، میں نے خود کو نجار کہا، خود کو خطاط کہا اور مشتبہ انسان بن کر سلطان کی خدمت میں آ گیا۔ افسوس کہ میں اسے خود نہ پیش کر سکا اور خواتین کے خیمے پر چسپاں کر کے جا رہا ہوں۔ وہ شخص جو اسے پہلی بار پڑھے سلطان تک پہنچا دے۔ اب مجھے نہ تلاش کیا جائے کیونکہ میں اس قصیدے کی سلطان تک رسائی سے پہلے ہی اتنی دور جا چکا ہوں گا کہ میری خاک سفر بھی شاید سلطان نہ پا سکے۔"

خواجہ حسن نے اس قصیدے کو اپنے قبضے میں لیا اور خاموشی سے اپنے خیمے میں چلا گیا۔ اب وہ اس الجھن میں تھا کہ اس قصیدے کا وہ کرے کیا۔ دوسری طرف یہ شور بلند ہوا کہ اسماعیل خطاط فرار ہو گیا۔ سلطان کو اس کے پہرے دار پر غصہ آ رہا تھا۔ کسی مجرم یا ملزم کا یوں سلطانی پہرے داری سے فرار ہو جانا شرمناک بات تھی۔

خواجہ حسن سے سلطان نے پوچھا "اسماعیل کس طرح فرار ہوا۔ اس کی تحقیقات کریں اور انہیں سزائیں دی جائیں جو غفلت کے مرتکب ٹھہریں۔"

پہرے داروں کو خواجہ حسن نے اپنے خیمے میں بلوایا۔ پہرے داروں کا سردار علاؤ الدین سب سے آگے تھا۔ خواجہ حسن نے اس سے کہا "یہ جو کچھ ہوا اس کی ذمے داری تیرے سر ڈال دی جائے گی۔ اب تو ہی بتا کہ میں کیا کروں سلطان تجھ سے جواب طلب کرے گا۔"

علاؤ الدین نے جواب دیا "خواجہ بزرگ! جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ اب آپ سزا سے بچنے کی کوئی تدبیر بتائیں۔"

خواجہ حسن اس کے اطمینان اور بے خوفی پر حیران ہوا "میں تدبیر بتاؤں؟ یعنی میں، میں اس سلسلے میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔"

علاؤ الدین نے کہا "اسی کو بھاگنا تھا بھاگ گیا۔ وہ بے خوف شاعر تھا، ہمیں سلطان کو یہی باور کرانا ہے اس کے بعد شاید ہمارا جرم غفلت اتنا سنگین نہیں رہے گا۔"

خواجہ حسن چونک گیا "وہ شاعر تھا؟ کون شاعر تھا؟"

علاؤ الدین نے جواب دیا "اسماعیل شاعر تھا وہ نہ تو نجار تھا اور نہ خطاط، وہ صرف شاعر تھا اور کچھ نہیں۔"

خواجہ حسن کو گری سی محسوس ہوئی، علاؤ الدین کی باتیں اس کے ہوش و حواس اڑائے دے رہی تھیں "یہ تو کس طرح کہہ سکتا ہے کہ وہ شاعر تھا، صرف شاعر۔"

علاؤ الدین نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا "آپ کیا چاہتے ہیں؟ راز اور تخلیے کی باتیں بھی ان سب کے سامنے کر دی جائیں؟"

خواجہ حسن نے حکم دیا "تمام پہرے دار باہر چلے جائیں، انہیں باری باری طلب کیا جائے گا۔"

علاؤ الدین کے چہرے کی طمانیت خواجہ حسن کو پریشان کر رہی تھی۔ خواجہ حسن نے اس پر سرسری نظر ڈال کر بہت کچھ سمجھ لیا تھا۔ خواجہ حسن نے کہا "ہاں اب بتا تو کیا کہنا چاہتا ہے؟"

علاؤ الدین نے جواب دیا "اس شاعر نے ایک قصیدہ لکھا تھا۔ اس قصیدے کو میں نے بھی پڑھا ہے اور آپ نے بھی۔ میں غلط نہیں کہہ رہا؟"

خواجہ حسن نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی "تو کس قصیدے کی بات کر رہا ہے؟"

علاؤ الدین نے جواب دیا "اس قصیدے کی بات، جو میں پڑھ چکا ہوں، آپ پڑھ چکے ہیں اور ہم دونوں کے علاوہ بھی ایک شخص پڑھ چکا ہے۔"

خواجہ حسن اس سے نظریں نہیں ملا رہا تھا "یہ تیسرا کون ہے؟"

علاؤ الدین نے جواب دیا "ضرورت پیش آنے پر وہ خود سامنے آ جائے گا۔"

خواجہ حسن کی پریشانیوں میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا تھا "وہ قصیدہ کہاں ہے؟"

علاؤ الدین نے جواب دیا "وہ جہاں یا جس کے پاس ہے ہم تینوں جانتے ہیں۔"

خواجہ حسن نے سخت لہجہ اختیار کیا "وہ کس کے پاس ہے، بتاتا کیوں نہیں!"

علاؤ الدین نے جواب دیا "کم از کم یہ سوال آپ تو نہ کریں۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "کیا اس سے میں یہ سمجھ لوں کہ اسماعیل کو تم سب نے فرار کیا ہے؟"

علاؤ الدین نے جواب دیا "آپ جو چاہیں سمجھ لیں لیکن جب

تک وہ قصیدہ سامنے نہیں آئے گا فیصلہ نہیں ہو گا۔ "

خواجہ حسن نے متذبذب لہجہ میں کہا "وہ قصیدہ کہاں ہے؟ لور میں بھی تو دیکھوں کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ "

علاؤالدین نے جواب دیا "خواجہ بزرگ! ہم سب آپ کا احترام کرتے ہیں، آپ اس احترام کا بھرم رکھیں۔ "

خواجہ حسن خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ اس کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ اس قصیدے سے خواجہ حسن کے علاوہ بھی دو آدمی واقف ہیں۔

علاؤالدین نے پوچھا "پھر آپ کیا کہتے ہیں؟ ہم جائیں۔ ؟"

خواجہ حسن نے نرمی سے جواب دیا "میں اس معاملے کو دبانے کی کوشش کروں گا۔ "

علاؤالدین نے جواب دیا "ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔ "

خواجہ حسن نے کہا "اب تو جا سکتا ہے۔ اپنے ساتھ اپنے آدمیوں کو بھی لے جا۔ "

علاؤالدین نے جاتے جاتے مڑ کر خواجہ حسن کو دیکھا لور کہا۔ "بس اس کا آپ خیال رکھیں گے کہ یہ معاملہ دبا ہی دیا جائے تو بہتر ہے ورنہ اس سے کئی لوگ رسوا ہو جائیں گے۔ "

خواجہ حسن نے وعدہ کیا "میں کوشش کروں گا لیکن تو بار بار جس وعدے کا ذکر کر رہا ہے وہ اب نہیں ہونا چاہئے۔ "

علاؤالدین خوشامد کرنے لگا "میں نے اس کا ذکر بوجہ مجبوری کیا ہے۔ یہ کون پسند کرے گا کہ اس کے گلے میں ناحق موت کا پھندا ڈال دیا جائے۔ "

علاؤالدین چلا گیا۔ خواجہ حسن نے کچھ دیر بعد خیمے سے جھانک کر باہر کی طرف دیکھا علاؤالدین اپنے ساتھیوں کو لے جا رہا تھا۔ وہ ایک ایسی پریشانی میں پھنس گیا تھا جس کا بظاہر کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بستر پر دراز ہو گیا لور آنکھیں بند کر کے یہ سوچنے لگا کہ علاؤالدین لور اس کے ساتھیوں کو کس طرح بچایا جائے۔ وہ اس دن کو منحوس قرار دے رہا تھا جب وہ پہلی بار ہیلینا سے ملا تھا لور اس میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ وہ ہیلینا سے پہلے شادی کر لیتا تو آج اس کو یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ پھر اسے ملک شاہ کا خیال آیا جو ہیلینا لور اسکے درمیان خواہ مخواہ آ گیا تھا۔ اس پریشانی کے عالم میں دونوں ننیں اس کے خیمے میں آ گئیں۔ خواجہ حسن جس طرح لیٹا تھا لیٹا رہا لور ان دونوں سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی "کیا بات ہے؟ تم دونوں اس وقت میرے پاس کیوں آئی ہو؟ کوئی خاص بات ہے؟ "

میرینہ نے جواب دیا "ہم دونوں نے ہیلینا سے ملاقات لور بات کی۔ وہ بار بار یہی کہہ رہی ہے کہ آپ اس سے کئی بار مل چکے ہیں لور اس سلسلے میں وہ آپ سے رو در رو بات کرنے کو تیار ہے۔ "

خواجہ حسن اٹھ کر بیٹھ گیا "یقیناً۔ بات شہزادی ہیلینا سے ضرور ہو گی۔ وہ کسی غلط فہمی میں نہ رہے، میں اس کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دوں گا وہ خود کو آخر سمجھتی کیا ہے، سازشی کہیں کی۔ "

جولینا نے مشورہ دیا "لیکن میں یہ مشورہ دوں گی کہ فی الحال لڑائی جھگڑے سے بچیں، آگے بھی دیکھا جائے گا۔ "

میرینہ نے کہا "لیکن ہیلینا اس پر اصرار کر رہی ہے کہ آپ اس سے کئی بار مل چکے ہیں لور وہ یہ بات وقت آنے پر سلطان کے سامنے بھی کہہ سکتی ہیں۔ "

خواجہ حسن نے شکست خوردہ انسان کی طرح چیخ چیخ کر کہا "یہ جھوٹ ہے۔ شاعر اسماعیل، ہیلینا کو سچا اور پاک باز کہتا ہے حالانکہ وہ جھوٹ بول رہی ہیں۔ "

دونوں نے ایک ساتھ پوچھا۔ "شاعر اسماعیل کون؟ وہی تو نہیں جو پہلے نجومی بنا پھر خطاط ہو گیا؟"

خواجہ حسن کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ فوراً گریز اختیار کیا "میں سچ کہتا ہوں کہ میں اس سے شادی کے بعد ایک بار بھی نہیں ملا۔ شاید اس طرح میرے خلاف سازش تیار کی گئی ہے۔ " خواجہ حسن نے سر جھکا لیا وہ اس سازش کو سمجھنا چاہتا تھا جو کسی ایک کی نہیں، کئی کی نظر آ رہی تھی۔ اس میں ہیلینا شامل تھی، دونوں ننیں ملوث تھیں، شاعر اسماعیل، راہب رابرٹ، علاؤالدین اس کے علاوہ کوئی اور بھی جس سے وہ واقف نہیں تھا۔ یہ ایک لمبی سازش تھی۔

جولینا نے کہا "ہم شہزادی سے کہہ دیں گے کہ فی الحال آپ ان سے نہیں ملیں گے لیکن ملیں گے ضرور۔ پچھلی ملاقاتوں کی طرح اس ملاقات کو بھی راز میں رکھا جائے گا۔ یہ ہمارا وعدہ ہے۔ ہیلینا کا وعدہ ہے، آپ کے لئے آپ کے اعزاز کی خاطر۔ "

خواجہ حسن نے سخت لہجہ میں کہا "اب تم دونوں یہاں سے چلی جاؤ لور ہیلینا سے کہہ دو کہ میں اس سے نہیں ملوں گا اس طرح جس طرح پہلے کبھی نہیں ملا۔ "

میرینہ نے پوچھا۔ "آپ نے شاعر اسماعیل کی بات کی تھی، وہ کہاں ہے؟ سنا ہے وہ فرار ہو گیا۔ "

خواجہ حسن نے کہا "میں نے کہہ جو دیا کہ اب تم دونوں جا سکتی ہو۔ "

جولینا نے جاتے جاتے کہا "آپ ہمیں اس طرح رخصت نہ کریں کہ آئندہ اگر ہماری ضرورت پیش آئے تو ہم دونوں کسی قیمت پر نہ آئیں۔ "

خواجہ حسن نے سوچتے ہوئے کہا "تم دونوں جاؤ، اب میں تم دونوں کو اپنے خیمے میں نہیں آنے دوں گا۔ مجھ کو تم دونوں کی موجودگی سے وحشت سی ہو رہی ہے۔ "

جولیانہ اور سیرینہ چلی گئیں، وہ خواجہ حسن پر ہنس رہی تھیں۔ وہ خواجہ کو پریشان دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔ خواجہ حسن نے باہر نکل کر پہرے دار کو حکم دیا "اب کسی کو بھی اندر نہ آنے دیا جائے۔"

وہ ایک بار پھر بستر پر دراز ہو گیا اور مذکورہ سازش پر غور کرنے لگا۔ اس میں کون کون شامل ہے۔ کیوں تیار کی گئی ہے؟ اور اس کے نتائج کیا نکلیں گے؟ اس نے سلطان کے گرد و پیش لوگوں پر غور کیا۔ کیا کوئی اور بھی وزارت کے منصب کا امیدوار ہے؟ اس کے بعد شاعر اسماعیل کا خیال آ گیا۔ اس نے سوچا جب وزیروں نے بھی اس قصیدے کو پڑھ لیا تھا تو اسے وہ اپنے ساتھ کیوں نہیں لے گئے تھے چپ کیوں رہنے دیا۔ شاعر اسماعیل کون تھا؟ اس کو یہاں کس نے بھیجا تھا۔ اس غور و فکر میں اس کو بہروز یاد آیا اور آرمنی شاعر نائیل جولی بھی۔ کیا یہ ان دونوں کی سازش ہو سکتی ہے۔ سوچتے سوچتے وہ تھک گیا اور کسی ایک سوال کا جواب اسے نہیں مل سکا۔

پھر اچانک وہ قصیدہ یاد آ گیا جو اس کے پاس تھا۔ خطرناک قصیدہ! اگر اسے سلطان کے سامنے پیش کر دیا جائے تو معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اس کو اس قصیدے کے ساتھ ہی... علاؤ الدین اور پہرے دار یاد آنے لگے۔ علاؤ الدین اس قصیدے کو سلطان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ آخر اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اس قصیدے کو جلا دے گا اور اس کے وجود ہی سے منحرف ہو جائے گا۔ پھر اچانک یہ خیال بھی آیا کہ شاعر اسماعیل نے اس کی ایک نقل اپنے پاس بھی تو رکھی ہو گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اس کی نقل کسی اور کو بھی دے گیا ہو۔ اتنے وسوسوں اور خدشوں کے باوجود اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ اس قصیدے کو جلا ڈالے گا۔

وہ ایک بار پھر خیمے سے باہر گیا اور پہرے دار کو سختی سے ہدایت کی۔ "کسی کو خیمے کے پاس بھی نہ آنے دیا جائے۔" وہ اپنے کپڑوں میں سے قصیدے کو نکالنے لگا۔ یہ قصیدہ سیاہ عبا کے بیچ میں رکھ دیا گیا تھا لیکن اب وہ وہاں نہیں تھا۔ خواجہ حسن نے پہلے تو اسے سرسری طور پر دیکھ کر نکال لینا چاہا تھا لیکن جب وہ اپنی جگہ پر نہیں ملا تو اس نے دوسرے کپڑوں میں تلاش کیا اور پھر بے چینی اور بے قراری میں ایک ایک کپڑے کو نکال کر فرش پر ڈال دیا۔ قصیدہ کہیں بھی نہ تھا۔ کسی بھی کپڑے کی تہ میں یا ان کے درمیان قصیدے کا کہیں پتا نہیں تھا۔ خواجہ حسن کو اپنی بیجلی جلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ آنکھوں کے اندھیرا چھا گیا۔ خواجہ حسن تیزی سے باہر گیا اور پہرے دار سے دریافت کیا "یہاں میری عدم موجودگی میں کون آیا تھا؟"

پہرے دار نے جواب دیا "میری موجودگی میں یہاں کوئی نہیں آیا۔"

خواجہ نے پوچھا "تو یہاں کتنی دیر سے ہے؟"

اس نے جواب دیا "تقریباً دو ساعتوں سے۔"

دہلی کا واقعہ

محمد اعظم نے T.V خریدا جس کی گارنٹی ایک سال کی تھی۔ جب بھی T.V بگڑا محمد اعظم نے کمپنی کو فون کیا، مکینک آیا اور درست کر گیا۔

ایک سال بعد خراب ہوا تو اپنے علاقے کے مکینک سے رجوع کرنا پڑا۔ مکینک نے تیس روپے فیس جمع کرائی، شام کو آیا T.V دیکھا، اینٹینا گھمایا اور چلا گیا۔ T.V کام کرنے لگا۔ ہر مہینے میں ایک دو بار ایسا ہوتا رہا۔ ایک روز محمد اعظم نے ایک دکان پر T.V گائیڈ نامی کتاب رکھی دیکھی جو دس روپے میں خرید لی۔ پڑھا تو معلوم ہوا کہ 75% T.V کی خرابی صرف اینٹینا کی خرابی سے ہوتی ہے۔ آخر میں کتاب والا کا چھاپہ ہوا کلر T.V گائیڈ کا بھی اشتہار دیکھا، محمد اعظم نے کلر T.V گائیڈ بھی تیس روپے میں خرید لیا اور اسے پوری توجہ سے کئی کئی بار پڑھا۔ بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ تو محمد اعظم نے ہمت کر کے مرمت کا سامان جو T.V کو چیک کرنے میں مدد دیتا ہے ستر روپے میں خرید لیا۔ اپنے T.V پر ہی پہلا کام کیا اور کامیاب رہا۔ ہمت بڑھی۔ پڑوس کے لوگوں کے T.V بھی درست کیے اور تین مہینے میں خود پر بھروسہ کرنے لگا۔ ایک دن دیکھا۔ محمد اعظم کے گھر پر بورڈ لگا تھا:

کلر و بلیک اینڈ وائٹ T.V ریپیر ہاؤس
ملنے کا وقت صبح ۸ سے ۱۰ بجے تک شام چھ بجے کے بعد

اس طرح محمد اعظم نے اپنے پارٹ ٹائم ورک حاصل کر کے اپنی آمدنی بھی بڑھائی اور اپنے T.V کی مرمت فیس سے بھی بچ گیا۔ ہر وہ انسان جو اردو پڑھنا جانتا ہو اور T.V سے دلچسپی رکھتا ہو۔ T.V گائیڈ اور کلر ٹی وی گائیڈ پڑھ کر اچھا مکینک بن سکتا ہے۔

رام کرشن اگروال

خواجہ نے پوچھا "تجھ سے پہلے یہاں کون تھا؟"

اس نے جواب دیا "علاؤالدین کے آدمی وہی جو سلطان کے پہرے دار بھی ہیں؟"

خواجہ نے حکم دیا "ان کو فوراً میرے پاس لاؤ، وہ جہاں کہیں بھی ہوں، اگر یوں نہ آئیں تو زبردستی لے آؤ۔"

پہرے دار چلا گیا اور خواجہ حسن اپنے کپڑوں میں قصیدے کو دوبارہ تلاش کرنے لگا۔ پھر خیمے میں کوئی داخل ہوا اچانک خواجہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو سامنے شہزادہ ملک شاہ کھڑا ہوا تھا۔ خواجہ احتراماً کھڑا ہو گیا اور خیمے کے در تک پہنچ کر شہزادے کا استقبال کیا۔

شہزادے نے پھیلے ہوئے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا "استاد محترم! یہ کیا ہے؟ آپ کچھ تلاش کر رہے ہیں؟"

خواجہ حسن نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کی۔ "ہاں میں اپنے کپڑے خود سلیقے سے رکھنے جا رہا تھا کہ آپ آگئے۔"

شہزادہ ملک شاہ خواجہ حسن سے باتیں کرتا ہوا کپڑوں تک پہنچ گیا۔

خواجہ حسن کو اس کے آنے سے بھی خوف محسوس ہو رہا تھا۔ پوچھا "شہزادہ محترم! خیریت تو ہے؟ یہ آپ بے وقت میرے پاس کس طرح آگئے؟"

شہزادے نے جواب دیا "ہم سب اس وقت بہت پریشان ہیں اور میں آپ کو مطمئن دیکھ کر یہ سوچ رہا ہوں کہ آخر آپ پریشان کیوں نہیں ہیں!"

خواجہ حسن کی جان نکل رہی تھی "آخر کیوں؟ آپ سب کیوں پریشان ہیں اور مجھے کیوں پریشان ہونا چاہیے تھا؟"

شہزادہ ملک شاہ نے جواب دیا "سلطان کو باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ روم سے عیسائی افواج ہماری طرف آرہی ہیں اور کئی بڑی طاقتیں مسلمانوں کے خلاف متحد ہو چکی ہیں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "ایسی خبریں سلطان تک پہلے پہنچتی ہیں بعد میں مجھے معلوم ہوتی ہیں، ویسے میں ابھی تک بے خبر ہوں۔"

شہزادے نے دوسری خبر سنائی "دوسری خبر یہ ہے کہ اسماعیل نجار یا خطاط فرار ہو گیا اور اس کے بارے میں یہ عجیب و غریب خبر معلوم ہوئی کہ وہ نہ تو نجار تھا اور نہ ہی خطاط۔ وہ صرف شاعر تھا۔ بلند پایہ شاعر۔"

خواجہ حسن نے مردہ سی آواز میں پوچھا "اس کے شاعر ہونے کا انکشاف کس نے کیا؟"

شہزادے نے جواب دیا "ابھی میں یہ نہیں کہہ سکتا لیکن یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ واقعی شاعر تھا اور سلطان کے اوصاف اور عظمت کا دل سے قائل بلکہ معترف تھا۔"

خواجہ حسن نے کہا "حیرت ہے کہ یہ ساری باتیں میں کیوں نہیں جانتا۔"

شہزادہ کچھ دیر خواجہ حسن کی شکل دیکھتا رہا، اس کے بعد حیرت سے پوچھا "آپ کو اسماعیل کی شاعری کے بارے میں واقعی کچھ نہیں معلوم؟"

اس نے جواب دیا "میں کہہ جو رہا ہوں، میں جھوٹ کیوں بولوں گا۔"

شہزادے نے آہستہ سے کہا "میں حیرت زدہ ہوں کہ آپ کیسے نہیں جانتے۔ باہر نکلئے لوگوں سے ملئے اور پھر دیکھئے کہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میں باہر بھی نکلوں گا اور لوگوں سے ملاقات بھی کروں گا لیکن میں یہ نہیں مانوں گا کہ اسماعیل شاعر بھی تھا۔"

شہزادہ ملک شاہ نے خواجہ کو خطرات سے آگاہ کیا "آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی عزت اور وقار میں اضافہ ہو تو آپ اس وقت جھوٹ نہ بولئے گا، باقی باتیں میں اپنی طرف سے سنبھال لوں گا۔"

اسی وقت پہرے دار دوسرے دو پہرے داروں کے ساتھ آگیا۔ خواجہ حسن نے اپنے دوسرے دو پہرے داروں سے پوچھا "میری عدم موجودگی میں یہاں کوئی آیا تھا؟"

دونوں نے جواب دیا "ہاں سلطان بذات خود تشریف لائے تھے بمشکل آدھی ساعت یہاں ٹھہرے ہوں گے اور اس کے بعد واپس چلے گئے۔"

خواجہ حسن کو چکر آگیا۔ اس نے آہستہ سے کہا "شہزادہ ملک شاہ! مجھے سنبھالئے گا۔"

شہزادے نے خواجہ حسن کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ وہ لڑکھڑا رہا تھا۔

خیمے کے باہر سلطان کے دو آدمی کھڑے ہوئے یہ اعلان کر رہے تھے کہ سلطان نے آپ کو یاد فرمایا ہے، آپ اسی وقت ان سے جا کر مل لیں۔ خواجہ حسن نے شہزادہ حسن کو شانوں سے پکڑ لیا "شہزادے، میرے ساتھ آپ بھی چلیں، شاید یہ میں آخری بار سلطان سے ملاقات کروں گا۔"

شہزادے کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ خواجہ حسن بہکی بہکی باتیں کیوں کر رہا ہے؟

وہ خواجہ حسن کو کسی ضعیف کی طرح سہارا دے کر سلطان کی طرف روانہ ہو گیا۔



"کیا اس سیلزمین نے پھر کوئی بدتمیزی کر دی ہے؟"

خواجہ حسن چاہتا تو شہزادہ اور ملک شاہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیتا لیکن شاعر اسماعیل کا قصیدہ جو طوفان کھڑا کرنے والا تھا اس کو وہ شہزادے کے سامنے برپا ہونے سے بچا رہا تھا۔ خواجہ حسن کو اپنی عزت و آبرو کا بھی پاس تھا لیکن کو وہ کس طرح بچائے' بالکل سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے شہزادے سے معذرت کر لی "آپ جائیں' میں سلطان سے تنہائی میں ملنا چاہتا ہوں۔"

شہزادے نے افسوس کیا "میں آپ کے انجام سے خوف زدہ ہوں' اللہ آپ پر رحم فرمائے۔"

لیکن خواجہ حسن خود کو بے گناہ سمجھتا تھا اور کسی کی ہمدردی کا خواہاں نہیں تھا۔ باہر ہر طرف اداسی چھائی ہوئی تھی' راستے میں سپاہی اور محافظ اس کو سلام کر رہے تھے اور وہ ان کے سلاموں میں طنز اور استہزا محسوس کر رہا تھا۔ ایک سائیس نے خواجہ حسن کو گھوڑے کی پیش کش کی لیکن وہ پیدل ہی چلا گیا۔ سلطان الپ ارسلان کے خیمے سے پہلے اس کے خدمت گاروں کا خیمہ تھا۔ خدمت گاروں میں سے جو بھی سامنے آیا خواجہ حسن کو احترام سے سلام کیا۔ وہ خواجہ حسن کو تھکا ہوا پیدل جاتے دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ انہی میں علاؤالدین شامل تھا۔ اس نے خواجہ حسن سے پوچھا "خواجہ بزرگ خیر تو ہے؟ اس وقت کہاں؟"

خواجہ حسن نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے سنا' کوئی کہہ رہا تھا "شاعر اسماعیل ایک سازشی تھا۔ سازش وزیر کے خلاف کی گئی ہے۔"

سلطان کے خیمے کے باہر محافظ اس کا انتظار کر رہے تھے' وہ بے اختیار خواجہ کی طرف بڑھے اور خوف زدہ لہجے میں کہا "بہت کمال دیر کر دی' سلطان آپ کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔"

خواجہ حسن نے گھبرائے لہجے میں پوچھا "سلطان کے پاس اور کون ہے؟"

ایک محافظ نے جواب دیا "دو نوں نیں موجود ہیں' وہ اندر خواتین سے ملنا چاہتی تھیں لیکن سلطان نے انہیں نہیں جانے دیا اور پوچھ گچھ کے لئے اپنے خیمے میں بلوا لیا۔"

آج پہلی بار خواجہ حسن کی تلاشی بھی لی گئی۔ تلاشی لینے والے نے معذرت کر لی "خواجہ بزرگ' آپ وزیر ہیں۔ ہم نے آپ کی تلاشی لے کر سلطان کے اس حکم کی تعمیل کی ہے کہ کسی کو بھی تلاشی لئے بغیر اندر نہ جانے دیا جائے۔" خواجہ کی کمر سے ایک بیش قیمت خنجر اڑسا ہوا تھا۔ محافظ نے اسے اپنے قبضے میں لے لیا اور کہا "آپ برا نہ مانیں تو یہ ہمارے پاس آپ کی امانت ہے' واپسی میں لے لیجئے گا۔" خواجہ حسن کا دل ڈوبتا جا رہا تھا۔ دل پر ایک چھناکا سا ہوا جیسے جلتے انگارے پر پانی کی بوند پڑ گئی ہو۔ ایک محافظ نے خیمے کا پردہ اٹھایا اور اندر موجود دو خدمت گاروں نے خواجہ حسن کو بازوؤں سے پکڑ لیا اور اس کو کھینچتے ہوئے سلطان کے سامنے لے آئے۔ سلطان اپنے وسیع و عریض خیمے میں ایک تخت پر دو زانو بیٹھا تھا' اس کے سامنے دو نوں نیں کرسیوں پر بیٹھی تھیں۔ سلطان نے خواجہ حسن کو دیکھ کر نظر انداز کر دیا۔ وہ عورتوں سے کہہ رہا تھا "راہب رابرٹ کو کہیں جانے نہ دیا جائے۔ خانقاہ والوں سے کہہ دیا کہ راہب رابرٹ میرا مجرم ہے۔ اگر وہ فرار ہو گیا تو میں خانقاہ کے ہر شخص کو قید کر کے خانقاہ کو خاک میں ملا دوں گا۔"

دو نوں نیں بدحواس تھیں "آپ فکر نہ کریں سلطان محترم وہ کہیں نہیں جائے گا۔"

سلطان نے پوچھا "تم دو نوں سرور سے بھی واقف ہو یا نہیں؟"

دو نوں نے جواب دیا "نام تو سنا ہے لیکن صورت آشنا نہیں ہیں۔"

سلطان نے کہا "یہ شخص بھی میرے لئے بہت ضروری ہے۔ مجھے یہ بھی ہر قیمت پر درکار ہے۔"

دو نوں عورتوں نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ سلطان کی آخری باتوں کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ سلطان نے ان دو نوں سے کہا "تم دو نوں ابھی باہر رکو' میں بعد میں بلواؤں گا۔" پھر اپنے خدمت گار کو حکم دیا "ان دو نوں کو ابھی روکا جائے۔ میں ذرا

خواجہ بزرگ سے باتیں کرلوں۔" دونوں عورتوں کو خدمت گاروں نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ سلطان اپنے تخت سے نیچے آگیا اور آہستہ سے کہا "انسان کس پر بھروسا کرے۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا "کسی پر بھی نہیں۔ بھروسے کے لائق بس ایک ہی ذات ہے اور وہ ذات ہے اللہ تعالیٰ کی۔"

سلطان نے بڑے کرب سے پوچھا "خواجہ بزرگ! کیا آپ بتاسکتے ہیں کہ میں نے آپ پر کبھی زیادتی کی ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "کبھی بھی نہیں ایک بار بھی نہیں۔"

سلطان نے پوچھا "پھر آپ نے یہ کیا کیا؟"

خواجہ حسن خوب سمجھ رہا تھا کہ سلطان کیا کہہ رہا ہے لیکن اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ وہ حتی الامکان تجاہل عارفانہ سے کام لے۔ اس نے کہا "یہ ناچیز آپ پر قربان، اگر اس عاجز و خاکسار کے کسی عمل یا کسی بات سے آپ کو شکایت کا موقع ملا ہوگا تو وہ غلطی اور سہو کا پیدا کردہ ہوگا، یہ ناچیز دانستہ آپ کو دکھ نہیں پہنچا سکتا۔"

سلطان نے خواجہ حسن کو شکایت آمیز نظروں سے دیکھا "کیا آپ نے شاعر اسماعیل کا قصیدہ پڑھ لیا؟"

خواجہ حسن بے بس ہوگیا۔ خشک حلق میں بات پھنسنے لگی "ہاں، وہ قصیدہ میں نے پڑھ لیا۔"

سلطان نے پوچھا "اس کو میرے پاس لانے کے بجائے اپنے پاس کیوں رکھ لیا تھا؟ وہ تو میری امانت تھی۔"

خواجہ حسن نے اپنی صفائی پیش کی "اس امانت کو میں اپنے پاس کبھی نہیں رکھتا، ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ وہ قصیدہ جھوٹ کا پلندہ ہے اور اس کے بارے میں میں یہ سوچنے لگا تھا کہ اس کو میں کس طرح آپ کے روبرو پیش کروں۔ فوراً تو نہیں لیکن کسی مرحلے میں اسے آپ کی خدمت میں پیش کردیتا۔"

سلطان شاعر اسماعیل پر برہم تھا "شاعر اسماعیل بدمعاش تھا۔ اس نے میری تعریف نہیں کی بلکہ مجھے ذلیل اور رسوا کرنے کی کوشش کی ہے۔"

خواجہ حسن کوئی رائے دیتے ہوئے گھبرا رہا تھا۔ سلطان نے ہیلینا کی تعریف کی "ہیلینا بہت اچھی عورت ہے، اس عورت کو بدنام کرنے والے اچھے نہیں ہوسکتے۔"

خواجہ حسن کی زبان سے نکلا "بیشک، اس اچھی عورت کو برے آدمی ہی بدنام کرسکتے ہیں۔" سلطان کا غم کیا ستم ڈھائے گا خواجہ حسن اس کا اندازہ بھی نہیں لگا سکتا تھا۔

سلطان کی برہمی ظاہر ہونے لگی "بہروز اگر میرے سامنے ہوتا تو میں اس کو قتل کردیتا۔ راہب رابرٹ کو کیا کہوں، اس نے بلاوجہ اپنی زندگی بھر کی کمائی ہیلینا پر قربان کردی اس کو تو اللہ نے سزا دے دی۔ اب میں اسے مملکت اسلامیہ سے نکلوادوں گا۔ رہ گیا شہزادہ ملک شاہ تو اس پر شاعر اسماعیل نے تہمت لگائی ہے۔ اس نے ہیلینا کو میرے لئے پسند کیا تھا۔"

سلطان نے خواجہ حسن کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن خواجہ حسن نے فی الحال یہ سمجھ لیا تھا کہ ہیلینا اس کے زوال اور بربادی کا سبب بن سکتی ہے۔ سلطان کہہ رہا تھا "آپ نے بھی ہیلینا سے عشق کیا، مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اعتراض اس پر ہے کہ آپ شادی کے بعد بھی ہیلینا سے کئی بار ملے۔ میں پوچھتا ہوں، کیوں؟ آپ نے ایسا کیوں کیا، آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔" سلطان اپنے خیمے میں تیز تیز قدموں سے ٹہل رہا تھا۔

خواجہ حسن نے جواب دیا "سلطان محترم! یہ مجھ پر الزام لگایا گیا ہے۔ میں نے شادی کے بعد اس سے ایک بار بھی ملاقات نہیں کی۔"

سلطان نے جذباتی لہجے اور اونچی آواز میں کہا "جھوٹ مت بولیں، مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔"

خواجہ حسن نے بھی مضبوط لہجے میں پھر انکار کیا "میں جھوٹ نہیں بول رہا، جھوٹ سے میں خود بھی نفرت کرتا ہوں۔"

سلطان نے خواجہ حسن کو منع کیا کہ وہ فضول بحث یا تردید نہ کرے، خواجہ حسن نے کہا "اس وقت میں اپنا سر ہتھیلی پر لے کر آیا ہوں اس لئے میں سچ بولتا رہوں گا۔ میں شادی کے بعد ایک بار بھی نہیں ملا۔"

سلطان نے بھی اصرار کیا "میرے پاس اس کے گواہ موجود ہیں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "وہ جھوٹے ہوں گے۔"

سلطان نے دونوں عورتوں کا نام لیا "وہ کہتی ہیں، ہیلینا نے بتایا ہے کہ آپ اس سے کئی بار مل چکے ہیں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "جارجیا کی شہزادی جھوٹ نہیں بول سکتی۔ آپ اس سے بات کریں اور اگر وہاں سے یہ ثابت ہوجائے کہ میں شادی کے بعد ملا ہوں تو آپ مجھے قتل کرادیجئے گا۔"

سلطان نے علاؤالدین کا ذکر کیا "اس قصیدے کو علاؤالدین کے علاوہ بھی چند سپاہیوں نے پڑھا ہے، میں ان کے نام جاننا چاہتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے کوئی جواب نہیں دیا سلطان نے حکم دیا۔ "علاؤالدین اور اس کے سپاہیوں کو بیٹو کے پاس بھیج دے، وہ تاحکم ثانی وہیں رہیں گے اور ان کے ہاتھ بیٹو کو یہ لکھ دیا جائے کہ اگر یہ لوگ سلطانی ناموس پر کوئی بات کریں، تو انہیں قتل کردیا جائے۔ یہ کافی ہے۔"

خواجہ حسن نے دریافت کیا "بیٹو کو یہ خط میں لکھوں گا؟"

سلطان نے جواب دیا "ہاں، یہ خط آپ لکھیں گے کہ فی الحال آپ ہی وزیراعظم ہیں۔"

خواجہ حسن نے کچھ دیر بعد دریافت کیا "میرے لئے کیا حکم ہے؟"
سلطان نے جواب دیا "آپ جائیں۔ پہلے میں جھوٹوں سے نمٹ لوں۔ اس وقت میں خاصا پریشان ہوں لیکن آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کو معاف کر دیا گیا۔"
خواجہ حسن نے عرض کیا "میں معافی چاہتا بھی نہیں اور میں بھاگوں گا بھی نہیں۔" سلطان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خواجہ حسن الٹے قدموں یوں واپس ہوا جیسے کوئی ارادت مند اپنے پیر و مرشد کی طرف پشت کیے بغیر واپس جاتا ہے۔
سلطان سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا اور اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ یہیں سے رے واپس چلا جائے گا۔ عصر کے بعد آرمینیا سے چند مسلمانوں کا ایک وفد آیا۔ یہ سلطان سے مدد لینے آیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ آرمینیا اور جارجیا کے مسلمانوں پر مسیحی حکومتیں ظلم کر رہی ہیں اور انہیں اس معاملے میں روم کی تائید اور حمایت حاصل ہو گئی ہے۔ سلطان نے وفد کو روک تو لیا مگر اس سے تسلی بخش کوئی بات نہیں کر سکا۔ سلطان نے ایک دوسرے امیر صولت غز کو طلب کیا۔ یہ ترک امیر بہترین جنگجو اور معاملہ فہم مشہور تھا۔ سلطان اس سے کبھی کبھی مشورے لیا کرتا تھا۔ اس نے صولت غز کو بلوا تو لیا لیکن اس سے بات نہیں کر سکا۔ وہ صولت غز سے بات کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔
شہزادہ ملک شاہ کو خواجہ حسن کی فکر تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے خواجہ حسن سے ملنا چاہا مگر خواجہ حسن نہیں ملا۔ وہ بھی پریشان تھا اور اس پریشانی میں کسی اور کو شریک نہیں کرنا چاہتا تھا۔
صولت غز ایک طرف مؤدب کھڑا ہو گیا۔ وہ مباحثہ کرنے میں پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس عالم میں سلطان کو مطلع کیا گیا۔ "شہزادہ ملک شاہ باریابی کے خواہش مند ہیں۔"
سلطان نے بے دلی سے جواب دیا "اسے اندر بھیج دیا جائے۔"
شہزادے نے اندر کا ماحول بہت افسردہ اور کھنچا کھنچا دیکھا تو صولت غز کے پاس کھڑا ہو گیا۔ سلطان خیمے کے ایک گول سوراخ سے باہر کچھ دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد ہی سلطان کو بتایا گیا کہ اس کے محافظوں کو ہٹا کر ان کی جگہ نئے محافظ متعین کر دیے گئے ہیں۔ شہزادہ ملک اور امیر صولت غز کو اس پر حیرت ہوئی۔ پھر معلوم ہوا کہ علاؤ الدین سابقہ محافظوں کا نگران اور سردار سلطان کے پاس کوئی شکایت لے کر آیا ہے۔ سلطان نے وقت دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا "وزیر نے جو کچھ کیا ہے، میرے حکم سے کیا ہے اس لئے فیصلہ بدلا نہیں جا سکتا۔" اس جواب سے شہزادے نے یہ اندازہ لگایا کہ خواجہ حسن اب بھی وزارت کے منصب پر فائز ہے۔
سلطان نے امیر صولت غز سے پوچھا "تو سادہ مزاج ترک ہے۔ کیا تو وزارت کا منصب سنبھال سکتا ہے؟"
صولت غز نے معذرت کر لی "میں خواجہ بزرگ کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔"
سلطان نے شہزادے سے پوچھا "خواجہ بزرگ تیری تربیت کس طرح کر رہا ہے؟"
شہزادے نے جواب دیا "خواجہ بزرگ کا بدل ممکن ہی نہیں اور وہ کیسے استاد یا اتالیق ہیں، آپ کو مجھ سے زیادہ علم اور تجربہ ہے۔"
سلطان نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا "افسوس کہ جس طرح ایک متقی اور پرہیزگار ساٹھ ستر سال تک عبادت کرنے کے بعد ایک ذرا سی لغزش سے اپنا سب کچھ برباد کر دیتا ہے اسی طرح خواجہ بزرگ کا معاملہ ہے۔ میں سوچتا ہوں اب میں کس پر اعتبار کروں۔"
شہزادے نے جرأت سے کام لیا "میں خواجہ بزرگ کے بارے میں یہ وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس قسم کی غلطی نہیں کر سکتے۔"
سلطان نے طیش میں کہا "خواجہ بزرگ نے ایسی غلطی کی ہے۔"
امیر صولت غز اصل واقعے سے لاعلم تھا اس لئے اس نے اس گفتگو میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی اور سلطان کی توجہ دوسری طرف منعطف کرنا چاہی "آرمینیا سے آنے والوں نے ہمیں یہ بات بتائی ہے کہ قسطنطنیہ میں راہبوں اور پادریوں نے جمع ہو کر عیسائیوں کو سلطان اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تحریک دی ہے۔"
سلطان نے بیزاری سے جواب دیا "مجھے عیسائیوں کی کوئی پروا نہیں۔ میں رے واپس جاؤں گا۔"
شہزادے نے عرض کیا "جہاں پناہ! اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔"
سلطان نے چڑ کر جواب دیا "میں اسے ضروری نہیں سمجھتا۔ میں سخت ذہنی الجھن میں ہوں اور جب تک کہ میں کسی نئے وزیر کو تلاش نہیں کر لیتا، کسی بھی معاملے میں کوئی دلچسپی نہیں لوں گا۔"
شہزادے نے جب یہ محسوس کر لیا کہ اس وقت سلطان سے کوئی معقول بات نہیں کی جا سکتی۔ وہ اجازت لے کر واپس آنے لگا۔ سلطان نے اس سے کہا "کیا یہ ممکن ہے کہ شاعر اسماعیل کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کر دیا جائے؟"
شہزادے نے جواب دیا "میرے علم کے مطابق خواجہ بزرگ نے اس کی تلاش میں آدمی دوڑا دیے ہیں۔"
سلطان نے شہزادے کی بات پر یقین نہیں کیا اور کہا۔ "شہزادے، جو کچھ سنو اس پر پوری طرح یقین نہ کرو۔ ہم سب روزنامچے کی طرح ہیں۔ کیا روزنامچوں میں سب کچھ ٹھیک ہوتا ہے؟"
امیر صولت غز نے کچھ کچھ اندازہ لگا لیا تھا کہ سلطان خواجہ بزرگ سے کسی بات پر ناراض ہو گیا ہے۔ اس نے سلطان

مشورہ دیا "ہم اتار کو اس کے دو چار گلے سڑے دانتوں کی وجہ سے پھینک نہیں دیتے۔"

سلطان ناراض ہو گیا "میں تم دونوں سے مشورے نہیں مانگ رہا ہوں۔ تم دونوں جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

دونوں ایک ساتھ خیمے سے نکلے، یہاں علاؤ الدین ابھی تک موجود تھا، اس نے شہزادے کا دامن پکڑ لیا "شہزادے آپ کی دہائی ہے مجھ پر بڑا ظلم ہوا ہے۔"

شہزادے نے پوچھا "تجھ پر کیا ظلم ہوا ہے اور جو ظلم ہوا وہ کس نے کیا ہے؟"

علاؤ الدین نے خواجہ حسن کی شکایت کی "خواجہ بزرگ سے سلطان نے کس قسم کی باتیں کیں یہ میں نہیں جانتا لیکن خواجہ حسن نے اپنا غصہ ہم سب پر اتار دیا۔"

شہزادے نے پوچھا "یعنی؟"

علاؤ الدین نے جواب دیا "یعنی یہ کہ خواجہ بزرگ نے ہم سب کو سلطان کے خیمے پر سے ہٹوایا اور حکم دیا کہ ہم سب ماوراء النہر کے ترک حکمران بیغو کے پاس چلے جائیں اور تا حکم ثانی وہیں رہیں۔"

شہزادے نے یہ سمجھ لیا تھا کہ سلطان، خواجہ حسن اور علاؤ الدین کے درمیان جو کشیدگی یا بے چینی پائی جا رہی ہے اس کا امیر صولت عز کو کوئی علم نہیں، اس نے علاؤ الدین کو حکم دیا "میرے خیمے میں آ کر ٹھہرو، وہیں اس معاملے پر بات ہو گی۔"

علاؤ الدین نے کہا "اگر میں بیغو کے پاس جاؤں گا تو ازروئے انصاف سلطان کو پہلے مجھ کو میرے بیوی بچوں میں بھیجنا چاہیے اس کے بعد کہیں اور۔"

شہزادے نے اس کو منع کیا کہ وہ اس قسم کی باتیں نہ کرے کیونکہ سلطان اور زیادہ ناخوش ہو جائے گا۔ علاؤ الدین رو رہا تھا "شہزادے! آپ مجھ کو ایک بار سلطان سے ملوا دیں۔ میں سلطان کو مجبور کر دوں گا کہ وہ میرے معاملے میں نظر ثانی کریں۔"

امیر صولت عز نے اس کو منع کیا "تو ضرور ستایا جائے گا۔ جو حکم دے دیا گیا پہلے اس کی تعمیل کر اس کے بعد کوئی دوسری بات ہو گی۔"

شہزادہ اس کو اپنے خیمے میں لے گیا اور اس سے اصل واقعہ معلوم کیا۔ اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ علاؤ الدین جرم رسوائی کی سزا میں بیغو کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔

شہزادے نے کہا "تو نے جس قصیدے کو غلط کر کیا ہے اس کو تو نے اور تیرے بعض سپاہیوں نے بھی پڑھا اور فخریہ ادھر ادھر اس کا ذکر بھی کر دیا، یہی جرم تھا تم لوگوں کا۔ اب سلطان اس وقت تک تم سب کو اپنے پاس سے دور رکھے گا جب تک اس کو یہ یقین نہیں ہو جائے گا کہ بات اتنی پرانی ہو چکی ہے کہ لوگ اسے بھول بھال گئے۔ اس کے علاوہ تم کو معاف کرنے کی کوئی صورت نہیں۔"

علاؤ الدین نے خواجہ حسن پر اپنا شبہ ظاہر کیا "سلطان نے ہمیں جو سزا دی ہے اس کا محرک اور مشیر یہی خواجہ حسن ہے۔"

شہزادے نے جواب دیا "خواجہ بزرگ نے جو کچھ بھی کیا تو اس میں سلطان کی مرضی ضرور شامل ہے۔"

علاؤ الدین نے شہزادے کی بات بھی نہیں مانی اور اصرار کیا کہ ایک بار تو سلطان سے ضرور ملوا دیا جائے۔ شہزادے نے جواب دیا "تو بحث کر کے اپنی موت کو دعوت دے رہا ہے۔ سلطان تجھ سے نہیں مل سکے گا۔"

سلطان کو علاؤ الدین کے اصرار اور ضد بحث کی خبر ہو گئی اس لئے علاؤ الدین کو موت کی سزا کا حکم سنا دیا۔ سلطان نے کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ ملاحتی قصیدہ خواں میرے آس پاس موجود ہوں۔"

علاؤ الدین کو قید کر دیا گیا۔

سلطان نے اپنے خیمے سے نکل کر اپنی سپاہ میں گھوم پھر کر اپنی رسوائی کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ فوج کا ہر سپاہی سلطان پر قربان ہونے کو تیار تھا، وہاں پر سلطان کا احترام عام تھا۔ ہر طرف اپنے کاموں میں مصروف لوگ سلطان کو دیکھتے تو اپنے کاموں میں اور زیادہ مصروف ہو جاتے۔ پھر وہ ہنر مندوں کی طرف گیا۔ آہن گروں، حدادوں اور خیمہ سازوں کی طرف جگہ جگہ بھٹیاں روشن تھیں۔ سان گردش میں تھے اور ہتھیاروں پر دھار رکھی جا رہی تھی۔ تیروں کے پھل تیار کئے جا رہے تھے۔ نیزوں کی انیاں زہر میں بجھائی جا رہی تھیں، لکڑی کے کام کرنے والے دو دو منزلہ کمرے اور گھر بنا رہے تھے، جو پہیوں پر چلتے تھے اور سپاہی ان پر بیٹھ کر سیڑھیوں کے ذریعے قلعوں کی فصیلوں پر چڑھ جایا کرتے تھے۔ سلطان ان لوگوں میں چل پھر کر اپنا غم بھول گیا۔ اس ہجوم میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں ملا جو سلطان کو معنی خیز نظروں سے دیکھتا۔ سلطان واپسی میں خواجہ حسن کے کمرے میں گیا۔ خواجہ حسن کو سلطان کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ سورۂ یاسین پڑھنے لگا اور خیمے کے دروازے تک سلطان کے استقبال کو آیا۔ سلطان نے خواجہ حسن سے آنکھ تک نہیں ملائی اور پوچھا "ایسے کتنے آدمی ہیں جو ملاحتی قصیدے کو پڑھ چکے ہیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "محافظوں کے علاوہ ایک بھی آدمی ایسا نہیں جس پر ہم شبہ کریں۔"

سلطان نے سوچتے ہوئے کہا "آپ میرے ساتھ آئیں۔ میں اس ذلیل شاعر کو خود تلاش کر لوں گا۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میں نے جا بجا، آرمینیا اور دوسرے مشہور شہروں کی طرف اپنے آدمی روانہ کر دیے ہیں اور ان کے حکمرانوں کو حکم دیا ہے کہ اسماعیلی شاعر کو ہر جگہ تلاش کیا جائے اور جیسے ہی وہ ملے اسے گرفتار کر کے سلطان کی خدمت میں پہنچا دیں

قتل کر دیا جائے۔ ان لوگوں نے ... بھی دی ہی ہے کہ اگر انہوں نے ہم سے عدولی کی اور ہمیں اس کے بارے میں معلوم ہو گیا تو اس شہر اور اس علاقے کو برباد کر دیا جائے گا جہاں یہ منحوس شاعر موجود ہوگا۔" سلطان کو ایسا لگا جیسے خواجہ حسن ہر قیمت سلطان کے دل میں اپنا اعتماد بحال کرنا چاہتا ہے اور یہ ساری کوششیں اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔

سلطان نے حکم دیا "ذرا باہر نکلیں اور میرے ساتھ چلیں۔"

خواجہ حسن ایک تابعدار کی طرح اسی وقت سلطان کے ساتھ ہو لیا۔

سلطان نے اپنے محافظ دستے کو اپنے ساتھ لیا اور آبادی کے باہر روانہ ہو گیا۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ کسی سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ خواجہ حسن کے دل پر بڑا بوجھ تھا۔ وہ سلطان سے یہ بھی نہیں پوچھ سکتا تھا کہ وہ آبادی سے باہر کہاں جا رہا ہے؟ وسوسے اور اندیشے الگ خواجہ حسن کو پریشان کر رہے تھے۔ چہرے کا تناؤ اور پیشانی کی شکنیں اس کے اندر کی گھٹن اور غصے کو ظاہر کر رہی تھیں۔

خواجہ حسن نے ہمت کر کے پوچھ لیا "ہم اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟"

سلطان نے جواب دیا "میں جہاں جا رہا ہوں میں خوب جانتا ہوں۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟"

خواجہ حسن نے پوچھا "یہ سفر برائے امن ہے یا برائے تعزیر ہے؟"

سلطان نے جواب دیا "برائے تعزیر میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا "اس کے لئے آبادی سے باہر جانے کی کیا ضرورت ہے؟"

سلطان نے درشت لہجے میں کہا "ضرورت ہے۔ میں جانتا ہوں کیا ضرورت ہے۔"

خواجہ حسن خاموش ہو گیا لیکن کچھ دیر بعد بولا "آپ جو چاہیں کریں۔ میں بے گناہ ہوں اور شاعروں کی خرافات سے میں خطاکار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔"

سلطان نے بدستور درشت لہجے میں کہا "اگر آپ یہ سمجھتے ہیں تو پھر اپنی جملہ صلاحیتیں اس خرافاتی شاعر کی گرفتاری پر صرف کر دیتے۔"

خواجہ حسن نے کہا "کوششیں دو چار دن میں تو بار آور نہیں ہوتیں۔ ان کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔"

سلطان نے کہا "اس نے جو زخم لگایا ہے وہ بہ مشکل ہی مندمل ہوگا۔"

کچھ دیر بعد یہ لوگ ایک گرجا کے سامنے پہنچ گئے۔ اس گرجے میں وہ خانقاہ تھی جس کے راہب اور ننیں آبادی میں اکثر نظر آتی تھیں۔ میریتہ اور جولیانہ بھی یہیں رہتی تھیں۔ سلطان گرجا کے پھاٹک میں داخل ہو گیا۔ ان کے گھوڑے عبادت گاہ کی عمارت کی سیڑھیوں کے پاس رک گئے۔ گھوڑوں کی ٹاپیں گرجے اور خانقاہ کے مکینوں کو اندر سے باہر لائیں۔ گرجے کے پادری نے نہایت خوش اخلاقی سے پچلی سیڑھی تک آکر سلطان کا استقبال کیا۔ کئی راہب اور پادری ابھی تک اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہوئے آنے والوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ سلطان گھوڑے سے اتر پڑا تو خواجہ حسن اور محافظ بھی اپنے اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے۔

پادری نے سلطان سے پوچھا "خوش آمدید معزز سلطان۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

سلطان نے پیچھے مڑ کر محافظوں سے کہا "تم لوگ یہیں ٹھہرو۔" اس کے بعد خواجہ حسن سے کہا "آپ ہمارے ساتھ آئیں۔" اور پھر پادری سے کہا "اندر چلیں وہیں بات ہوگی۔" پادری ان دونوں کو اندر لے گیا اور دونوں مہمانوں کو کرسیاں پیش کیں۔

سلطان نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا "میریتہ اور جولیانہ کہاں ہیں؟ انہیں بھی بلوا لیا جائے۔" پادری نے ایک نوجوان راہب کو اشارہ کیا کہ دونوں کو بلا لائے۔ ان کے چاروں طرف کچھ پادری اور راہب کھڑے ہو گئے تھے۔ سلطان نے ان سب کو سرسری نظر سے دیکھا اور پادری سے کہا "ان کو ہٹا دیا جائے۔"

پادری نے ان کو حکم دیا "تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔"

کچھ دیر بعد جولیانہ اور میریتہ دونوں آ گئیں۔ سلطان نے پوچھا "کیا راہب رابرٹ بھی اس گرجے میں موجود ہے؟"

پادری نے جواب دیا "وہ ابھی یہیں موجود ہے لیکن اس وقت کہیں گیا ہوا ہے۔ دو دن بعد یہاں سے چلا جائے گا۔"

سلطان نے حکم دیا "اس کو روکا جائے۔ وہ مجرم ہے۔ میں اس سے پوچھوں گا کہ وہ چاہتا کیا ہے؟"

پادری نے کہا "میں نہیں جانتا کہ وہ ایک تارک الدنیا راہب آپ کا مجرم کیسے ہو گیا؟"

سلطان نے اٹل لہجے میں کہا "یہ بات طے شدہ ہے کہ جب میں نے کسی کو مجرم کہہ دیا تو سمجھ لو کہ وہ مجرم ہے۔"

پادری نے منہ بنایا "لیکن میں آپ کا ہم خیال نہیں ہو سکتا۔ میں راہب رابرٹ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔"

سلطان نے دونوں ننوں کی طرف دیکھا اور پوچھا "تم دونوں کو شاعر اسماعیل کا پتا تو معلوم ہوگا؟"

دونوں نے انکار کر دیا "نہیں، ہمیں معلوم نہیں۔"

سلطان نے شکایت کی "شاعر اسماعیل نے جو حرکت کی ہے اس سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کی سازش میں تم سب شریک ہو۔"

پادری نے جواب دیا "سلطان، ہمیں کسی سازش میں شریک نہ کریں۔ ہم دنیا سے بیزار ہیں اور نفور بھی۔ ہم بھلا کس سازش میں حصہ لیں گے۔"

سلطان نے جواب دیا "تم سب اپنی اپنی چالیں چل رہے ہو۔ شاعر اسماعیل کو تم لوگوں نے چھپا کر رکھا۔ وہ کچھ دن رہا اور آخر کار وہ شاعر نکلا اور سازش کر کے چلا گیا۔"

پادری نے پھر انکار کیا "وہ ایک مسیحی کی حیثیت سے ہمارا مہمان ہوا تھا۔ اس سے زیادہ ہم نہیں جانتے۔"

سلطان ایک دم مشتعل ہو گیا "میں چاہوں تو اس گرجا اور اس خانقاہ کو کھود کر پھینک دوں۔ میں ان ضرور رسال اداروں کو آن واحد میں

برباد کر سکیں۔"

پادری نے کہا "سلطان حکمران ہیں۔ جو چاہیں کر سکتے ہیں لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم لوگ کوئی سازش کیوں کریں گے۔"

سلطان نے پادری کی گردن پکڑ لی "ادھر دیکھو ہماری طرف۔ تم لوگ ہم میں انتشار اور افتراق پیدا کرنا چاہتے ہو۔ تم نے یہ کوشش کی کہ خواجہ حسن اور مجھ میں ان بن ہو جائے۔ ہم دونوں آپس میں لڑنے لگیں۔ تم نے بیلینا کی زندگی برباد کر دی صرف اس لئے کہ ایک مسیحی عورت ایک مسلمان کے محل میں کیوں ہے۔ وہاں کیوں رہتی ہے بیلینا پر کیا بیتنے والا اور مجھ پر بھی اثر انداز ہو گا اور جب ہم الجھنوں کا شکار ہو کر آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہوں گے تو تمہارے حملوں کا مقابلہ کون کرے گا۔ ایک بڑی جنگ سے پہلے تم لوگ اپنی حکمت عملی سے مجھے کمزور کرنا چاہتے ہو۔" جب سلطان یہ سب کچھ کہہ رہا تھا تو خواجہ حسن نے پادری کے چہرے پر ہوائیاں اڑتے دیکھیں۔ وہ سلطان سے نظریں بچا رہا تھا۔

پادری نے پوچھا "اسماعیل تجار جو بقول آپ کے شاطر تھا، اس نے کیا کیا؟"

خواجہ حسن کی ہمت بڑھ گئی اس نے جواب دیا "اس نے ایک ایسا کام کیا ہے کہ اگر سلطان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اپنے ہاتھ سے اس کا کام تمام کر چکا ہوتا۔"

سلطان نے پادری کو خبردار کیا "ہم اس گرجا اور خانقاہ کی تلاشی لیں گے کیونکہ ہمیں شبہ ہے کہ ہمارے مطلوبہ آدمی یہیں کہیں موجود ہیں۔"

پادری نے بے بسی سے بلبلایا "یہ زیادتی ہوگی۔"

سلطان نے خواجہ حسن سے کہا "خواجہ بزرگ۔ آپ ہمارے محافظوں کو بھی یہیں بلوا لیں۔ ہم یہاں کے چپے چپے کی تلاشی لیں گے۔"

میرینہ نے سلطان سے درخواست کی "آپ ایسا نہ کریں کیونکہ آخر کار آپ کو شرمندگی ہوگی۔"

سلطان نے جواب دیا "تو بھی جھوٹی ہے تو چپ رہ۔"

جولیانہ نے خوشامد کی "آپ یہ نہ کریں۔ خداوند مسیح آپ سے ناراض ہوں گے۔"

سلطان نے اسے بھی ڈانٹ دیا "تو بھی جھوٹی ہے۔ تم دونوں نے مجھے یہ باور کرایا تھا کہ خواجہ بزرگ بیلینا سے شادی کے بعد کئی بار مل چکے ہیں۔ جب کہ بیلینا نے اس بات سے انکار کر دیا ہے اور اس نے تم دونوں کو کذب و افترا کی پتلیاں قرار دیا ہے۔" خواجہ حسن کو سلطان کی یہ باتیں حیات بخش رہی تھیں۔ وہ شکر گزار نظروں سے سلطان کو دیکھ رہا تھا۔ خواجہ حسن باہر سے محافظوں کو بھی لے آیا اور سلطان ان کی مدد سے گرجا کی تلاشی لینے لگا۔ جب گرجا سے کچھ نہیں ملا تو وہ خانقاہ میں چلے گئے۔ خانقاہ میں چھوٹی سی بستی آباد تھی۔ راہبوں اور ننوں کے حجرے الگ الگ تھے۔ خواجہ حسن اور سلطان کی آنکھیں کھل گئیں۔ انہیں یہ بھی یقین ہو گیا کہ ان کے مطلوبہ آدمی یہیں سے برآمد ہوں گے۔ راہبوں اور ننوں کو دو قطاروں میں کھڑا کر دیا گیا پھر سلطان اور خواجہ حسن دونوں نے دونوں قطاروں میں شاطر اسماعیل اور راہب رابرٹ کو پہچاننا اور تلاش کرنا شروع کر دیا۔

ایک نوجوان راہب ان دونوں سے نظریں بچا رہا تھا۔ سلطان نے اسے قطار سے نکال لیا۔ پادری نے آگے بڑھ کر راہب کا ہاتھ پکڑ لیا اور سلطان سے کہا "یہ نہ تو شاطر اسماعیل ہے اور نہ راہب رابرٹ پھر آپ نے اسے قطار سے باہر کیوں نکال لیا؟"

سلطان نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا بلکہ پادری کا ہاتھ جھٹک دیا اور کہا "ان کاموں میں آپ دخل نہ دیں۔" پھر سلطان نے محافظ سے کہا "جاؤ اور تمام حجروں میں جھانک کر دیکھو وہ خالی ہیں یا ان میں کوئی چھپا ہوا ہے؟" تمام حجروں میں جھانکنا اور پھر درست بیان دینا کسی ایک آدمی کا کام نہیں تھا چنانچہ سلطان کا محافظ اپنے دوسرے ساتھیوں کو بھی ساتھ لے گیا اور کچھ دیر بعد بیان دیا کہ تمام حجرے خالی ہیں۔

سلطان نے پادری سے پوچھا "ان حجروں کے علاوہ بھی کوئی اور جگہ ہے جہاں تم لوگ رہتے ہو؟"

پادری نے جواب دیا "نہیں اس کے علاوہ کوئی جگہ نہیں۔"

سلطان نوجوان راہب کو وہاں سے الگ لے گیا۔ پادری اور ننیں اس کے ساتھ ساتھ چلیں۔ سلطان نے انہیں روک دیا اور کہا "تم لوگ میرا پیچھا نہ کرو۔"

پادری نے کہا "آپ ہمارے خانقاہی معاملات میں دخل نہ دیں۔"

سلطان نے نوجوان راہب کو علیحدہ لے جا کر پوچھا "اب بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

نوجوان راہب نے جواب دیا "یہ لوگ جھوٹے ہیں۔"

سلطان نے پوچھا "کیا جھوٹے ہیں؟ کیا وہ دونوں جو ہمیں درکار ہیں یہاں موجود ہیں؟"

راہب نے جواب دیا "میں ان دونوں کی بات نہیں کر رہا میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔"

سلطان نے پوچھا "پھر یہ تامل کیوں؟ کہہ دے جو تجھے کہنا ہے۔"

پادری بہت بے چین اور بے قرار تھا اس نے خواجہ حسن سے کہا "وزیر محترم۔ آپ سلطان کو روکیں۔ وہ ہمارے کسی آدمی کو پریشان نہ کریں ورنہ اس کے بھیانک نتائج نکلیں گے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میں سلطان کے معاملے میں کس طرح دخل دے سکتا ہوں۔"

دونوں ننوں نے بھی خواجہ حسن کی خوشامد کی "آپ سلطان سے کہہ دیں کہ وہ اس طرح ہم پر ظلم نہ کریں ورنہ ہماری زبان سے بددعا نکل جائے گی۔" اتنی دیر میں سلطان نے اس نوجوان راہب سے وہ سب کچھ معلوم کر لیا تھا جس کی نہ اسے جستجو تھی اور نہ ہی یہ سب جاننے کے لئے وہ یہاں آیا تھا۔ سلطان نوجوان راہب کے ساتھ واپس آیا اور پادری سے پوچھا "خانقاہ کے نیچے تہ خانوں تک پہنچنے کا راستہ کہاں ہے؟"

پادری نے آگے بڑھ کر نوجوان راہب کے الٹے گال پر ایک طمانچہ

رسید کر دیا اور بولا "یہ تو نے کیا کر دیا؟"

سلطان نے نوجوان راہب کو اپنے پیچھے کر لیا اور پادری سے کہا "پادری آئندہ تو اس قسم کا جو قدم بھی اٹھائے گا وہ جرم کی طرح تیرے حساب میں لکھا جائے گا۔"

پادری چیخا "ارے یہاں کوئی ایسا آدمی ہے جو اس نوجوان راہب کا کام تمام کر دے؟"

خواجہ حسن نے ایک پادری کو نوجوان راہب کی طرف بڑھتے دیکھا مگر اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ جیسے ہی سلطان کی طرف بڑھا سلطان نے ایک ٹھوکر اس کے پیٹ میں رسید کی جس کی ضرب نہ لا کر وہ پادری زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر سلطان نے خواجہ حسن سے کہا "خواجہ بزرگ۔ آپ پادری سے تہ خانے کا راستہ معلوم کریں۔"

اس بار پادری نے بھاگنے کی کوشش کی اور خواجہ حسن کے ہاتھوں پکڑا گیا۔ خواجہ حسن نے پوچھا "تہ خانے کا راستہ کدھر سے جاتا ہے؟"

پادری نے جواب دیا "میں نے کہہ جو دیا میں نہیں جانتا۔"

سلطان نے اپنے محافظوں سے کہا "پادری کو بے بس کر دیا جائے۔"

محافظوں نے حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ پادری کے ہاتھ اور پاؤں الگ الگ باندھ دیے۔ خواجہ حسن نے نوجوان راہب سے کہا "اگر تو خفیہ تہ خانوں کا راستہ جانتا ہے تو ہمیں بتلا دے ورنہ ۔۔۔۔۔۔"

نوجوان راہب نے جواب دیا "آپ گرجا میں چلیں وہاں جس منبر پر کتبہ لگا ہے اسی منبر کے نیچے سے تہ خانے کا راستہ جاتا ہے۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "وہاں کیا ہے؟"

نوجوان راہب نے جواب دیا "آپ لوگ وہاں چل کر سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اب میں کیا بتاؤں آپ لوگوں کو۔"

سلطان نے حکم دیا "اب تم سب لوگ گرجا میں چلو میں وہاں سے خفیہ تہ خانوں میں جاؤں گا۔"

پادری بندھا ہوا تھا۔۔۔۔ کسمسا کر کہہ رہا تھا "سلطان آپ وہاں نہ جائیں۔ اس کے بدلے میں آپ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ شاہر اسماعیل سے آپ دونوں کو ملوا دوں گا۔"

سلطان نے خواجہ حسن سے پوچھا "آپ کیا کہیں گے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میری ناچیز رائے تو یہ ہے کہ ہمیں وہاں ضرور جانا چاہئے اور جب پادری خود ہی وعدہ کر رہا ہے کہ شاہر اسماعیل سے ہمیں ملوا دے گا تو ہم وہاں جا کے بھی اس سے شاہر اسماعیل کا پتا معلوم کر لیں گے۔"

سلطان نے نوجوان راہب سے کہا "تو ہمیں وہاں لے چل جہاں سے ہم خفیہ تہ خانوں میں پہنچ جائیں۔" سلطان اور خواجہ حسن بندھے ہوئے پادری اور دونوں نوں کے ساتھ گرجے میں آئے۔ راہبوں اور نوں کو حجروں میں قید کر دیا گیا۔ کتبہ لگا ہوا منبر کے نیچے فرش کا ہم رنگ تختہ ہٹایا گیا تو اس کے نیچے اندر اترنے کے زینے نظر آئے۔ سلطان اور خواجہ حسن چند محافظوں کے ساتھ نیچے اتر گئے۔ دور دور تک شمعیں روشن تھیں اور ان شمعوں کی روشنی میں کچھ لوگ ادھر ادھر چلتے پھرتے نظر آئے۔ تہ خانے کے لوگ بھی سلطان اور اس کے آدمیوں کے آنے سے حیران یا پریشان نہیں ہوئے "یہاں کون بیمار تھا جس کی تیمارداری ہو رہی تھی۔" نوجوان راہب سے سلطان نے پوچھا "یہ کون لوگ ہیں؟"

نوجوان راہب نے جواب دیا "آپ نے گرجے اور خانقاہ میں جو کچھ دیکھا ہے اس کی ختنہ دنیا ہے۔"

سلطان نے پوچھا "یعنی یہ کون لوگ ہیں؟"

نوجوان راہب نے بتایا "راہبوں اور پادریوں کے طبیب بھی ہیں اور جراح بھی۔ نوں میں تیماردار بھی ہیں اور دائیاں بھی۔ نفس کشی کے دوران جب ان کے نفس کا منہ زور گھوڑا بے قابو ہو جاتا ہے تو وہ وہی کچھ کرتے ہیں جو ہر انسان کرتا ہے۔ خانقاہ میں لڑکیاں بھی ہیں، عورتیں بھی ہیں اور نوجوان، جوان اور ادھیڑ عمر مرد بھی۔ ان کا یکجا ہونا گھاس پھوس اور آگ کا یکجا ہونا ہے۔ ان میں ایک دوسرے کے لئے کشش اور لذت ہے۔ جو لوگ بڑے ہیں اور جن کے ذمے یہاں کا انتظام ہے، وہ جو چاہتے ہیں کر گزرتے ہیں اور ہم لوگ ان کے تابع اور زیر فرمان ہیں۔"

خواجہ حسن نے ایک مرد کو روک لیا اور پوچھا "یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

اس شخص نے رک کر ایک لمحے کے لئے خواجہ حسن کی طرف دیکھا اور کہا "اچھا تو یہ تم ہو۔ پادری نہیں ہو مگر تم کون ہو؟" اتنے میں سلطان اور محافظ بھی وہاں پہنچ گئے۔

نوجوان راہب نے سلطان کو اس شخص کے بارے میں بتایا "یہ اس نن کا معالج ہے جو مجھ سے محبت کرتی ہے اور میں اس سے محبت کرتا ہوں لیکن گرجے کے پادری نے اس کو ایک بچے کی ماں بنا دیا۔ وہ یہاں اس تہ خانے میں موجود ہو گی کیونکہ میں نے اسے ایک ماہ سے نہیں دیکھا۔" سلطان نے اپنے محافظوں کو حکم دیا کہ یہاں جو بھی موجود ہے اسے حراست میں لے لیا جائے۔ کچھ دیر بعد ایک بیمار نن اور دو تیماردار عورتوں کو حراست میں لے لیا گیا۔ ایک تو مردوں میں وہ تھا جو پہلے ہی خواجہ حسن کے قبضے میں تھا۔ چار مرد اور تھے جو یہاں کا انتظام چلاتے تھے۔

نوجوان راہب نن کو دیکھ کر بے قرار ہو گیا تھا "میں تو تجھ کو ایک ماہ سے تلاش کر رہا ہوں۔"

نن آنسوؤں سے رو رہی تھی۔ اس نے کمزور آواز سے کہا "تم بروقت آ گئے ورنہ یہ لوگ میرے علاج اور زندگی سے مایوس ہو کر مجھے ہلاک کر دیتے۔"

نوجوان راہب نے پوچھا "تیرا بچہ کہاں ہے؟"

نن نے بڑے کرب سے کہا "میں نہیں جانتی۔ وہ یا تو مار دیا گیا یا اسے لاوارث بچے کی طرح کسی گرجے کے دروازے پر پھینک دیا گیا ہو گا۔"

سلطان سے زیادہ خواجہ حسن معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔ اسے بیروز یاد آیا۔ وہ بھی تو کسی گرجے کے در سے اٹھایا اور ساتھ لایا گیا تھا۔

نوجوان راہب رو رہا تھا "جناب یہاں بڑا ظلم ہوتا ہے تقدس کے

پردے میں بڑے گناہ کئے جاتے ہیں۔ بھیانک ترین گناہ۔"

سلطان نے خواجہ حسن سے کہا "خواجہ بزرگ! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "خلافِ فطرت زندگیاں بسر کرنے والوں کا تماشا۔ میں مذہبِ عیسوی کو برا نہیں کہتا لیکن یہ ان کی اس خام خیالی کو کہہ رہا ہوں جس کا انجام ہمارے سامنے ہے۔"

کمزور اور بیمار نن نوجوان راہب سے کہہ رہی تھی "مجھ کو باہر لے چلو میں بیمار ہوں میں یہاں مر جاؤں گی۔"

خواجہ حسن نے کہا "میں اس تہ خانے کو اچھی طرح گھوم پھر کر دیکھنا چاہتا ہوں۔" خواجہ حسن نے اپنے محافظوں کو حکم دیا "ان سب کو اوپر لے جاؤ۔" اور راہب طبیب سے پوچھا "اس بیمار نن کا تمہارے پاس علاج ہے؟"

راہب طبیب نے جواب دیا "علاج تو ہے مگر..."

سلطان نے پوچھا "مگر کیا؟"

راہب طبیب نے کہا "آپ اوپر آئیں تو بات کروں۔" خواجہ اور سلطان گھوم پھر کر تہ خانے کا جائزہ لینے لگے یہاں چھت کے سوراخوں سے ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی اور خوشبو بھی۔

"سورج کی روشنی اور عطر ہوائیں! یہ کیا چکر ہے اور یہ کہاں سے آ رہی ہیں؟" سلطان نے خواجہ حسن سے پوچھا۔

خواجہ حسن نے جواب دیا "جناب والا! تہ خانے کی چھت دراصل گرجے کے احاطے کی زمین ہے اور اس حصۂ زمین پر پھولوں کا تختہ ہوگا۔ اور اس میں بے شمار پھولوں کی خوشبو ہواؤں میں شامل ہو کر ہم تک پہنچ رہی ہے۔ زمین میں سوراخ تہ خانے کی چھت میں ہیں اور یہ اس مقصد سے رکھے گئے ہیں کہ ہوا اور روشنی اندر آ سکے۔"

سلطان حیران ہو رہا تھا کہ یہ کیسی دنیا ہے؟ خواجہ حسن سلطان کو سمجھا رہا تھا "جس طرح دوسرے ادیان اپنے چلنے والوں کی خواہش اور مرضی سے آلائشوں سے لبریز ہو گئے ہیں اسی طرح عیسائیوں نے بھی اپنے دین میں خرابیاں شامل کر دی ہیں۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ جب تم نفس پر قابو نہیں پا سکتے تو پاکیزگی اور رہبانیت کا ڈھونگ کیوں رچا رکھا ہے؟" خواجہ حسن نے تہ خانے میں دواؤں کا ڈھیر دیکھا۔ جڑی بوٹیوں کا ڈھیر۔ ان میں چند ایسی گرم تاثیر رکھنے والی جڑی بوٹیاں بھی تھیں جن کے کھا لینے سے اس عہد کے مطابق لڑکی یا عورت میں حمل نہیں قرار پاتا تھا۔ خواجہ حسن نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھے "اللہ میری توبہ!" یہاں روئی کا ڈھیر بھی تھا۔ پیالے جن میں پیس کر یا چھان کر دوائیں دی جاتی تھیں۔ چٹکیاں بھی موجود تھیں یہاں باورچی خانہ بھی تھا۔ طشتریاں، رکابیاں، چمچے، چھریاں اور کفگیر۔ لباسوں کا ڈھیر بھی۔ نوزائیدہ بچوں کے کپڑے بھی موجود تھے۔ مرتبانوں میں سرکہ اور جلدوں میں مربیات تھے ان کے سروں پر کپڑا رکھ کر مضبوطی سے باندھ دیا گیا تھا کہ وہ خراب نہ ہوں۔ یہاں شراب بھی موجود تھی۔ سلطان کی حیرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

"خواجہ بزرگ یہ سب کیا ہے؟ یہ سب میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "مجھ کو معلوم تو ہوا تھا کہ یہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن میں نے کبھی تحقیق نہیں کیا تھا۔"

سلطان نے جوش میں کہا "میں ان کو زمین بوس کر دوں گا اور یہ حکم جاری کروں گا کہ کوئی بھی خانقاہ اور تہ خانہ نہ بنائے۔"

خواجہ حسن نے منع کیا "آپ ایسا نہیں کریں گے ورنہ مسیحی دنیا اس کو اپنے دین میں مداخلت قرار دے گی اور ہر طرف بغاوت پھوٹ پڑے گی۔"

سلطان نے کہا "میں اپنی حدود میں یہ سب کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

خواجہ حسن نے مشورہ دیا "آپ تو ایسے بن جائیں جیسے کچھ دیکھا ہی نہیں، کچھ جانتے ہی نہیں۔ آپ کے سامنے بڑے کام ہیں کیا آپ انہیں نظر انداز کریں گے؟"

سلطان خاموش ہو گیا۔ خواجہ حسن نے سوچا کہ اگر کچھ اور دیر وقت گزار دیا تو سلطان کے ارادوں میں معلوم نہیں کیا کیا شامل ہو جائے۔ اس لئے وہ تہ خانے سے واپس آ گیا۔

نوجوان راہب نے سلطان سے درخواست کی "آپ بیمار نن کو اپنے ساتھ لے چلیں۔ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔"

پادری نے احتجاج کیا "آپ ہمارے دینی معاملوں میں دخل نہ دیں۔"

سلطان نے شعلہ بار نظروں سے دیکھا "یہ دینی معاملہ نہیں ہے جو کچھ تہ خانے میں جو کچھ نظر آیا اور اس گرجے کے نوجوان راہب نے بتایا وہ بے حد شرمناک اور غیر دینی ہے۔"

نوجوان راہب نے پھر درخواست کی "ہم دونوں کو آپ اپنے ساتھ ہی لے چلیں۔"

خواجہ حسن نے بھی یہی مشورہ دیا "اب آپ واپس چلیں۔" اور پادری سے کہا "تم اس لائق تو نہیں کہ تمہیں یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ تم سب کو یہی مشورہ دوں گا کہ اگر نفس اللہ پر تم قابو نہیں رکھ سکتے تو رہبانیت کو چھوڑ دو اور شادیاں کر کے خوش حال زندگیاں گزارو۔"

دونوں نہیں سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ تہ خانے کے راہب طبیب نے بتایا "ویسے اس بیمار لڑکی کے بارے میں میرے ساتھی نوجوان راہب نے آپ کو جو کچھ بتایا ہے وہ درست نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے تھے۔ ہمارے گرجے کی انتظامیہ نے کہا کہ دونوں کو جدا کر دیا جائے چنانچہ اس بیمار نن کو تہ خانے میں بھیج دیا گیا اور تہ خانے کی بند فضا نے نن کو بیمار کر دیا۔ بس اصل واقعہ اتنا سا ہے۔"

نوجوان راہب نے غصے میں راہب طبیب پر حملہ کر دیا "تو جھوٹا ہے بیکواس ہے۔"

خواجہ حسن نے اس کو پکڑ لیا "نوجوان! خود کو ان جھگڑوں میں مبتلا نہ کر۔ ہم تم دونوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

سلطان نے پادری اور دوسروں کو ٹھکرا دیا اور پادری سے کہا "راہب رابرٹ اور شاہ اسماعیل مجھ کو درکار ہیں یہ تمہاری ذمہ داری

ہے۔ ابھی کہیں سے بھی طلب کر لے۔"

پادری نے اصرار کیا "سلطان محترم! آپ اس نوجوان کو بے شک اپنے ساتھ لے جائیں لیکن اس بیمار نن کو ہمارے حوالے کر دیں۔ یہ ہماری آبرو ہے، عزت ہے۔"

نوجوان راہب بولا "آپ اس حبشی کی بات ہرگز نہ مانیے گا۔ سسٹر نن کو اپنے ساتھ لے چلیں۔"

خواجہ حسن نے سسٹر نن سے پوچھا "تم کیا کہتی ہو؟ ہمارے ساتھ چلو گی یا یہاں ان درندوں میں رہو گی؟"

سسٹر نن نے پادری، نوجوان راہب، عمر رسیدہ راہب اور پورے گرجا پر باری باری سرسری نظر ڈالی اور خواجہ حسن سے کہا "یہ لوگ میری بیماری کے بارے میں جو کچھ بتا رہے ہیں وہ جھوٹ ہے۔ میرے ساتھ جو کچھ پیش آیا ہے، نوجوان ساتھی سے دور رہا لیکن کیا اس وجہ سے اس گرجے کو بھی چھوڑ دوں؟"

سلطان کو اس کی متذبذب کیفیت پر غصہ آ گیا "لڑکی یہ کیسی احمقانہ بات کر رہی ہو۔ تو ہمارے ساتھ چل۔"

سسٹر نن نے نوجوان راہب سے کہا "ہم دونوں کے لئے کیا بہتر نہیں ہے کہ ہم دونوں اس گرجا کو چھوڑ کر کسی دوسرے گرجا میں چلے جائیں۔ اس طرح ہم دونوں گناہ سے بچ جائیں گے۔"

نوجوان راہب بولا "نہیں۔ اب ہم کسی گرجے میں نہیں جائیں گے۔ ہر گرجے میں درندے موجود ہیں اور بیماری جلد ہی جان لے گی، موذی ہو جائے گی۔"

سسٹر نن اپنے مذہب کی طرف سے فکرمند تھی "پھر ہمارے دین کا کیا ہو گا؟"

خواجہ حسن نے اس کو سمجھایا "تو کیا سارے نیک گرجاؤں ہی میں رہتے ہیں۔ آخر ان خانقاہوں کے باہر بھی تو عیسائی آباد ہیں۔"

نوجوان راہب نے کہا "ہم کہیں بھی رہیں، نیکی ہی کریں گے۔"

پادری نے سسٹر کو ورغلایا "سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، سسٹر بچ گئی ہے۔ تم دونوں اپنے مذہب کو اس وقت بچا سکو گے جب مسلمانوں سے دور کسی گرجا یا خانقاہ میں رہو گے۔"

سلطان نے اپنا فیصلہ سنا دیا "میں تم دونوں کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

گرجے کی عمارت کے باہر آخری زینوں کے قریب ان کے گھوڑے بیزاری سے کھڑے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ سلطان، خواجہ حسن اور محافظ باہر نکلے۔ سسٹر اور نوجوان راہب ان کے ساتھ تھے۔ سلطان نے حکم دیا "دونوں کو ایک گھوڑا دیا جائے اور تم میں کوئی دو ایک ہی گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔"

پادری نے اوپر کی زینے سے کہا "سلطان محترم! آپ سسٹر کو نہ لے جائیں۔ اس طرح ہمارے گرجا کے تقدس پر اور دین پر بڑا ظلم ہو گا۔"

سلطان اور اس کے آدمیوں نے پادری کی طرف دیکھا تک نہیں اور اپنے اپنے گھوڑوں پر بیٹھ کر گرجے کے احاطے سے باہر آ گئے۔

■

سسٹر نن کو جس حال میں دیکھا گیا تھا، سلطان اس سے اور زیادہ پریشان تھا۔ اس نے سسٹر کو ہیلینا کے حوالے کر دیا اور کہا "میں اس کو ایک خانقاہ سے نکال کر لایا ہوں۔ یہ بھی مریم عذرا کی طرح زندگی بھر کنواری رہنا چاہتی تھی بالکل تمہاری طرح۔"

ہیلینا نے اس بیمار لڑکی کو بڑی محبت سے اپنے پاس بٹھا لیا اور پوچھا "کیا یہ بیمار ہے؟ مجھ کو تو بخار لگتی ہے۔"

سلطان نے جواب دیا "یہ جو کچھ بھی ہے اس سے پوچھ لو۔ میں کیا بتاؤں گا۔"

سلطان اس کو ہیلینا کے پاس چھوڑ کر اپنے خیمے میں چلا گیا۔ وہاں نوجوان راہب کو بلا کر پوچھا "اب تم کہاں جاؤ گے؟ میں تم کو اپنے پاس نہیں رکھوں گا۔"

نوجوان راہب نے جواب دیا "میں سسٹر کو صحت مند دیکھنا چاہتا ہوں۔"

سلطان نے کہا "تم دونوں ہم سے دور ہو اور بیمار کو لو اور کہیں چلے جاؤ۔"

نوجوان راہب نے پوچھا "وہ مہربان اور شفیق سلطان جو ہمیں نیکی اور فضل ایزدی گرجے میں مل گیا تھا، اب وہ کہیں نظر نہیں آ رہا۔"

سلطان نے جواب دیا "تمہارے دینی بھائی مجھ پر الزام لگائیں گے۔ سسٹر کے بارے میں معلوم نہیں کیا کچھ کہیں سنیں گے۔"

نوجوان راہب نے درخواست کی "سسٹر کے علاج تک آپ ہمیں اپنے پاس رکھیں۔ اس کے بعد ہم دونوں کہیں چلے جائیں گے۔"

سلطان سوگوار ہو رہا تھا "نوجوان شہزادی ہیلینا بھی نن ہی تھی۔ ایک شاعر نے ہمارے بارے میں اپنے اشعار میں جو کچھ کہا اس کا مطلب ابھی مبہم ہے۔ تمہاری سسٹر کے حال نے مجھے اور زیادہ پریشان کر دیا۔"

نوجوان راہب نے اپنی ہی بات کی "میری حقیر سی درخواست شرف قبولیت حاصل کر سکی تو تمام عمر آپ کا احسان مند رہوں گا۔"

سلطان نے اپنے ایک غلام کو بلا کر نوجوان راہب کو اس کے حوالے کر دیا "اس کو خواجہ بزرگ کے پاس لے جا اور ان سے کہہ، جب تک سسٹر زیر علاج رہے گی یہ نوجوان خواجہ بزرگ کے پاس رہے گا۔"

خواجہ حسن کو گرجا خانقاہ اور وہاں جو کچھ پیش آیا تھا، اب ذرا سکون ملا تھا۔ سلطان کے رویے میں خاصا فرق آ چکا تھا۔ اس نے نوجوان راہب کو اپنے ساتھ ہی رکھ لیا۔

سلطان کے طبیب نے لڑکی سسٹر کا علاج کیا جس سے وہ صحت یاب ہوتی چلی گئی۔ ہیلینا کو جب اس کے اصل حالات معلوم ہوئے تو وہ چور سی بن گئی اور اس کو اندازہ ہو گیا کہ سلطان کے لہجے میں تلخی اور کٹ کیوں تھی۔ اب ہیلینا نے سلطان کے رویے میں فرق محسوس کیا۔ اب سلطان اس سے بہت کم باتیں کرتا تھا۔ ہیلینا کو سلطان کی کم التفاتی سے الجھن ہو رہی تھی۔ اسی دوران خواجہ حسن نے سلطان کو مشورہ دیا کہ سلطنت کی حدود میں اضافہ ہو گیا ہے اس لئے اپنے عاملوں اور والیوں سے باخبر رہنے کے لئے پرچہ نویس اور وقائع نویس مقرر

کے جائیں۔ دشمنوں میں جاسوس بھیج دیے جائیں۔ سلطان نے اس تجویز پر بھی دیر غور کیا اور جواب دیا "وقائع نویس نہیں، صرف جاسوس بھیج دیے جائیں۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "وقائع نویس کیوں نہیں؟"

سلطان نے جواب دیا "خواجہ بزرگ! آپ کو یاد ہے پچھلوں کسی نے آپ کی شکایتیں کی تھیں اور میں نے وہ شکایت نامہ آپ کے حوالے کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر شکایتیں درست ہیں تو اس کا تدارک ہونا چاہئے اور آپ اپنی اصلاح کریں اور اگر درست نہیں ہیں تو شکایت کرنے والوں کو سزا دیں تاکہ وہ آئندہ آپ کے خلاف سازش نہ کریں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "مجھ کو سب کچھ ذرا ذرا یاد ہے۔"

سلطان نے کہا "یہ وقائع نویس جو ہماری طرف سے مقرر کیے جائیں گے چغل خوروں کے فرائض انجام دیں گے۔ میں خوشامد اور حاسدوں اور چغل خوروں کی فوج کیوں ملازم رکھوں۔"

خواجہ حسن نے سلطان سے اتفاق نہیں کیا۔ سلطان اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے خواجہ کے دل کی بات پا گیا اور اصرار کیا "تو آپ میری باتوں سے متفق نہیں ہیں؟ آپ کو ہونا بھی نہیں چاہئے لیکن میں ان جیسے لوگوں کو اپنی ملازمت میں نہیں رکھ سکتا۔"

سلطان کو اندر مستورات میں بیمار بیتہ کے بارے میں بتایا گیا وہ صحت مند ہو چکی ہے۔ سلطان نے اس کو خود بھی غور سے دیکھا اور ہیلینا سے پوچھا "کیا یہ واقعی صحت مند ہو چکی ہے؟ میں کیا سمجھوں؟"

ہیلینا نے جواب دیا "آپ وہی سمجھیں جو آپ کو بتایا جا رہا ہے۔"

سلطان نے بیتہ کو اپنے سامنے کھڑا کیا۔ اس کے سرخ و سفید رخسار اس کی صحت مندی کی گواہی دے رہے تھے۔ سلطان کی نظروں کی تاب نہ لا کر اس نے سر جھکا لیا۔ سلطان نے پوچھا "اب تو کہاں جائے گی؟"

اس نے جواب دیا "یہ فیصلہ میں تنہا نہیں کروں گی۔ پیٹر جس کو آپ لوگ نوجوان راہب کہتے ہیں، ہم دونوں مل جل کر فیصلہ کریں گے۔"

سلطان نے کہا "آج میں اس کو یہیں تیرے پاس بھیج دوں گا تو اس سے مل کر اپنا فیصلہ کر لے۔"

ہیلینا نے اس کی سفارش کی "یہ دونوں ہمارے ساتھ یعنی مسلمانوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔"

سلطان ہیلینا کو خیمے کے دوسرے کنارے پر لے گیا "ہیلینا آج کئی دن سے ایک سوال دل و دماغ کو بری طرح پریشان کر رہا ہے۔"

ہیلینا نے کہا "آپ کو اللہ نے بڑی عقل دی ہے۔ آپ غور فرماتے رہیں سوال کا جواب مل جائے گا۔"

سلطان نے جواب دیا "اس سوال کا جواب تو دے سکتی ہے۔ صرف تو۔"

ہیلینا نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "وہ سوال کیا ہے؟"

سلطان نے کہا "بیتہ ایک نن تھی۔ جو سلوک اس کے ساتھ خانقاہ میں ہوا کیا ایسا ہی سلوک وہاں کی دوسری ننوں سے نہیں کیا جاتا ہوگا؟"

ہیلینا نے جواب دیا "ہوتا ہو گا، نہیں ہوتا ہو گا۔ میں اس کا کیا جواب دے سکتی ہوں؟"

سلطان نے کہا "تو اس سوال کا بہیں آسانی سے جواب دے سکتی ہے کہ تو خود بھی اس ماحول میں رہ چکی ہے۔"

ہیلینا کے دل و دماغ پر بجلی سی گر گئی "سلطان محترم! بس آپ آگے کچھ نہیں کہئے گا۔"

سلطان نے جواب دیا "میں خاموش ہوں اس وقت تک جب تک میرے سوال کا جواب نہیں ملے گا۔"

ہیلینا نے روتے ہوئے کہا "معلوم نہیں اللہ کو کیا منظور ہے مجھ پر رحم فرمائیے میرے اللہ!"

سلطان خاموش بیٹھا رہا۔ وہ اپنے سوال کا جواب چاہ رہا تھا۔ ہیلینا نے آنکھوں میں آنسو لئے اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا "میرا اللہ شاہد ہے کہ میں نے خانقاہ میں بڑی صاف ستھری زندگی گزاری ہے۔"

سلطان نے جواب دیا "مجھ کو یقین ہے لیکن میری بھی ایک مجبوری ہے۔ مجھ کو بڑے کارنامے انجام دینا ہیں اور اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ میں ان جھگڑوں سے نجات حاصل کر لوں۔"

سلطان ہیلینا کو روتا چھوڑ کر باہر چلا گیا۔ اس نے فوج کے مختلف شعبوں کا جائزہ لیا اور جہاں جس کو ضروری ہدایت دینی تھیں دے کر سیدھا خواجہ حسن کے پاس گیا۔ وہاں پیٹر نوجوان راہب موجود تھا۔ سلطان نے اس کو بتایا "اب بیتہ تیرے ساتھ جا سکتی ہے اور تو اسے لے جا سکتا ہے۔"

پیٹر راہب نے ملتجیانہ لہجے میں کہا "سلطان محترم! میں آپ کی پناہ سے نکل کر جہاں بھی جاؤں گا پادری اور اس کے ساتھی باز کی طرح ہمارا پیچھا کریں گے۔ اس لئے ہم دونوں کو اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دیں۔ میں آپ کی خدمت کروں گا۔"

سلطان نے کس قدر تحمل سے کہا "تو میری خدمت کیا کرے گا۔ پادری اور اس کے ساتھی ہماری خلاف باتیں کرنا شروع کر دیں گے۔"

خواجہ حسن نے اس کی سفارش کر دی "جناب والا! یہ دونوں ہماری سرپرستی اور پناہ کے مستحق ہیں۔"

سلطان نے دونوں کو خواجہ حسن کے حوالے کر دیا "میں اس جھمیلے میں نہیں پڑوں گا۔" اس کے بعد خواجہ حسن کو خیمے میں لے گیا اور کہا "خواجہ بزرگ! میں نے ایک فیصلہ اور بھی کیا ہے۔ میں ایک دوسرا بوجھ بھی آپ کے کندھے پر ڈالنا چاہتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے بڑے انکسار سے جواب دیا "میں سلطان کا منتظر ہر بوجھ اٹھانے کو تیار ہوں۔ بس آپ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ میں آپ کے ہر امتحان پر پورا اتروں۔"

سلطان نے کہا "میں نے قاضی کو اپنے خیمے میں طلب کیا ہے۔

میں ہیلینا کو طلاق دے رہا ہوں۔"

خواجہ حسن کے جسم کو جھٹکا سا لگا وہ کانپ گیا" کیا شہزادی گناہ گار ثابت ہو گئی؟"

سلطان نے جواب دیا "نہیں وہ پارسا ہے معصوم ہے۔ میں اس عظیم عورت کو اپنے ساتھ رکھ کے خود اپنی نظروں میں گرنا نہیں چاہتا۔"

خواجہ حسن نے پوچھا" کیا آپ نے اپنے فیصلے سے ہیلینا کو مطلع کر دیا ہے؟"

سلطان نے جواب دیا" نہیں' میں اس کی ضرورت نہیں محسوس کرتا۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "طلاق کے بعد شہزادی ہیلینا کہاں جائے گی؟"

سلطان نے جواب دیا "میں آپ کو حکم دیتا ہوں' آپ اس سے شادی کر لیں۔ آپ نے اس سے عشق بھی تو کیا ہے۔"

خواجہ حسن سٹپٹا گیا۔ یہ خوف تھا کہ کہیں اس میں سلطان کی کوئی چال نہ ہو۔ اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا "میں بھی خود کو شہزادی کے لائق نہیں سمجھتا۔"

سلطان نے کہا "لیکن میں آپ دونوں کو ایک دوسرے کے لائق سمجھتا ہوں۔ آپ میرے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "لوگ سنیں گے تو کیا کہیں گے۔"

سلطان نے جواب دیا "یہ میرے سوچنے کی بات ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔"

خواجہ حسن نے دوسرا عذر پیش کیا "شہزادی ہیلینا کو یہ رشتہ پسند ہو گا۔"

سلطان نے جواب دیا "یہ فیصلہ میں نے کیا ہے۔ ایک سلطان نے۔ کیا سلطان بھی کسی کی مرضی یا اجازت کا پابند ہو سکتا ہے۔"

خواجہ حسن نے سر جھکا لیا "پھر بھی میں خوفزدہ ہوں کہیں شہزادی ہیلینا مجھے مسترد نہ کر دے۔"

سلطان نے جواب دیا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ یعنی آپ خواجہ بزرگ آپ' کیا آپ نے اکثر و بیشتر اپنے اقوال اور تحریروں میں عورت کی حیثیت کو نفی نہیں کیا ہے' مجھ کو یاد ہے کہ آپ نے اپنی ایک تحریر میں عورتوں کے بارے میں کہا تھا کہ عورتیں جو کچھ کہیں 'اسکے برعکس عمل کرنا چاہئے وہ حق بر صواب ہو گا' آپ نے کسی کتاب کا حوالہ دیئے بغیر یہ بھی لکھا تھا کہ کتب روایات میں منقول ہے کہ (ترجمہ) عورتوں سے مشورہ کر کے ان کی رائے کے برعکس چلو۔ اگر عورتیں کامل العقل ہوتیں تو خلیفہ مقتدا ہیں ارشاد نہ فرماتے۔"

خواجہ حسن سلطان کی معلومات پر حیران تھا۔ سلطان نے کہا "اتنا کافی ہے یا اور کچھ بیان کروں؟"

مرزا غالب کی طرح علامہ اقبال کو بھی پھلوں میں آم بہت مرغوب تھے۔ موسم کے آغاز میں علامہ خود بھی بازار سے آم منگواتے اور دوست احباب بھی بھیجتے رہتے۔

ایک مرتبہ آموں کے موسم میں حضرت اکبر الٰہ آبادی نے علامہ کو الٰہ آباد سے لنگڑا آم روانہ کیا۔ رسید دیتے وقت علامہ نے درج ذیل شعر بطور شکریہ لکھ کر ارسال کیا۔

اثر یہ تیرے اعجاز مسیحائی کا ہے اکبر
الٰہ آباد سے لنگڑا چلا لاہور تک پہنچا

خواجہ حسن نے پوچھا" کیا اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟"

سلطان نے جواب دیا" اسکے علاوہ بھی بہت کچھ ہے" آپ نے اپنے ایک خط میں کسی کو لکھا تھا کہ مشہور ایرانی وزیر اور دانشمند بزرجمہر سے پوچھا گیا کہ تم ساسانیوں کے کرتا دھرتا تھے اور آج عقل اور خرد و دانش کی روح سے پوری دنیا میں تمہارا کوئی ہمسر نہیں' اس کے باوجود آلِ ساسان کی بادشاہی تباہ ہو گئی تو اس کا سبب کیا تھا۔ بزرجمہر نے جواب دیا" اسکے دو اسباب تھے۔ ایک تو یہ کہ ساسانیوں نے اپنے اہم امور کم عمر اور نوجوان کارداروں کے سپرد کر رکھے تھے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ اہلِ دانش و خرد کے قدردان نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے سب کام عورتوں اور بچوں کے سپرد کر دیے تھے اور ان لوگوں کے پاس نہ تو دانش ہوتی تھی اور نہ خرد۔ جب زمامِ اختیار عورتوں اور بچوں کے ہاتھ میں چلا جائے تو جان لینا چاہئے کہ بادشاہی اس خاندان سے رخصت ہونے والی ہے۔"

خواجہ حسن لاجواب اور بے بس ہو گیا" میں سلطان کے حکم پر اپنی گردن تک کٹوا سکتا ہوں۔"

اس کے بعد سلطان نے خواجہ کو بتایا "ہیلینا مجھ کو راس بھی نہیں آئی۔ میں اس کی وجہ سے اکثر پریشان ہی رہا ہوں۔ اب میں سوچتا ہوں کہ اگر میں شاعر اسماعیل کے قصیدے پر مشتعل ہو کر آپ کو' شہزادہ ملک شاہ کو اور راہب رابرٹ کو قتل کروا دیتا تو میں اپنے ہی خلاف کتنی مصیبتیں کھڑی کر چکا ہوتا۔ میرا سکون برباد ہو جاتا اور میں غیر مسلموں کے خلاف جہاد تک نہ کر سکتا اور میں اس نتیجے پر ہی پہنچا ہوں کہ میرے دشمنوں نے میرے خلاف ایک سازش کی تھی جو ناکام ہو گئی" سلطان بالکل لبریز پیالے کی طرح چھلک رہا تھا "شادی کے بعد ہی مجھ پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ شہزادی ہیلینا کو آپ بھی پسند کرتے تھے اور یہ کوئی جرم یا گناہ بھی نہیں تھا۔ انسان کو عشق کرنے کا اختیار ہے یہ اسکی ضرورت بھی ہے' چنانچہ میں مرنے تک بے فکر رہا ہوں کہ یہ میں نے کیا کیا۔ اللہ بھلا کرے شاعر اسماعیل

کا کہ اس نے صاف اور سچی بات کرکے میری مشکل آسان کردی۔"

خواجہ حسن کے دربان نے مطلع کیا "قاضی صاحب اذن باریابی چاہتے ہیں۔" سلطان نے جواب دیا "انہیں اندر آنے دو میں انہی کا انتظار کر رہا ہوں۔"

قاضی اندر آ گیا۔ سلطان نے خواجہ حسن کی موجودگی میں ہیلینا کو طلاق دے دی اور قاضی کو حکم دیا "تیرا فرض ہے تو عدت کے ایام شمار کرتا رہ۔ جب یہ مدت پوری ہو جائے تو تو ہیلینا کا نکاح خواجہ حسن سے کردے گا۔"

قاضی نے دن، تاریخ اور وقت لکھ کر اپنے پاس رکھ لیا۔ سلطان نے خواجہ بزرگ کو حکم دیا "خواجہ بزرگ! آپ قاضی کے ساتھ شہزادی ہیلینا کے پاس جائیں اور میرے اس فیصلے کا اس کے روبرو اعلان کردیں۔ آپ دونوں اس کو صاف صاف بتا دیں کہ میں نے اس کو طلاق دے دی اور اب میں اس کے لئے نامحرم ہو گیا ہوں، وہ میری بیوی نہیں رہی اور اس کے لئے علیحدہ خیمے کا انتظام کر دیا جائے۔ اسے یہ بھی بتا دیا جائے کہ عدت کے دن گزارنے کے بعد بموجب حکم سلطانی اسے خواجہ بزرگ سے بذریعہ مناکحت وابستہ کر دیا جائے گا۔"

یہ بہت دشوار کام تھا۔ عام حالات میں یہ خواجہ کے بس کا نہیں تھا لیکن حکم حاکم مرگ مفاجات، وہ سلطان کے حکم کی بجا آوری پر مجبور تھا۔ سلطان تو اپنے گھوڑوں کی دیکھ بھال کرنے چلا گیا، ماوراءالنہر سے دو ہزار گھوڑے آئے ہوئے تھے۔ گھوڑوں کا تاجر حسب فرمائش کا خواہش مند تھا۔

خواجہ حسن اور قاضی ہیلینا کے در پر گئے تو محافظوں نے انہیں روک دیا مگر خواجہ حسن نے بتایا کہ ہم سلطان کا ایک پیغام لے کر آئے ہیں۔ اندر ہیلینا کو خبر کردی گئی۔ خواجہ اور قاضی اندر گئے تو ہیلینا کو پردے کی دوسری طرف سائے کی طرح حرکت کرتے دیکھا۔ خواجہ حسن نے کسی تمہید کے بغیر عرض کیا "شہزادی ہیلینا آج میں سلطان کی عدم موجودگی میں شادی کے بعد پہلی بار حاضر ہوا ہوں۔"

شاید ہیلینا کو اس کے دل نے کسی نامعلوم خطرے کا احساس دلا دیا تھا۔ جواب دیا "خواجہ بزرگ آپ یہاں جس لئے آئے ہیں، جلد از جلد بتا دیں تاکہ میں وسوسوں اور اندیشوں کی اذیت سے نجات پا جاؤں۔" خواجہ حسن کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی عرض کیا "میرے سپرد جو کام کیا گیا ہے وہ میرے بس کا نہیں ہے مگر میں کیا کروں؟"

ہیلینا نے کرب زدہ آواز میں کہا "یہ آپ کے ساتھ کون ہے؟"

خواجہ حسن نے عرض کیا "قاضی صاحب۔ وہی قاضی صاحب جنہوں نے آپ کو سلطان سے رشتۂ مناکحت میں ـــــ"

ہیلینا نے بات پوری نہیں کرنے دی اور کہا "تب پھر آج یہ مجھ کو طلاق کی خبر دینے آئے ہوں گے۔"

وہ رونے لگی۔ خواجہ حسن اور قاضی اس کو دیکھے بغیر آواز سے ہی سمجھ چکے تھے۔ قاضی نے عرض کیا "یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے اور ہم اس کو سنانے کی ذمے داری قبول نہیں کر رہے تھے لیکن سلطان نے ہم دونوں کو آپ کے پاس بھیجا ہے۔" ہیلینا بار بار نزلے زدہ مریض کی طرح سانس اوپر کھینچ رہی تھی اور سانس کی آواز دونوں نتھنوں سے آ رہی تھی۔ خواجہ حسن نے کہا۔ "سلطان کا خیال ہے کہ آپ زیادہ حلیم اور بردبار ہیں، انہیں آپ پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔"

ہیلینا نے کہا "خواجہ بزرگ، آپ جھوٹی تسلیاں نہ دیں۔ سلطان نے جب مجھ سے یہ پوچھا کہ بہتے کے ساتھ تن کی حیثیت سے جو پیش آیا تھا کیا خانقاہ کی دوسری عورتوں کو بھی انہی واقعات اور تجربات سے گزرنا پڑتا ہے تو میں نے ان کے اس گھناؤنے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تھا اور اسی وقت میں سمجھ گئی تھی کہ سلطان میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا "مجھ کو آپ سے ہمدردی ہے اور میں سلطان کو حق بجانب سمجھتا ہوں۔"

ہیلینا نے ہنس کر طنز کیا "آپ سلطان کو حق بجانب نہیں قرار دیں گے تو اور کون دے گا۔"

قاضی نے کہا "اور آپ نے مجھ سے یہ تو پوچھا نہیں کہ میں اتنی سی خبر دینے یہاں آیا ہوں یا کوئی اور بات بھی ہے۔"

ہیلینا نے چڑ کر جھنجلائے لہجے میں کہا "آپ وقت ضائع نہ کریں، جو خنجر میرے دل میں پیوست کیا ہے اس کو پوری قوت سے ایک ہی بار آر پار کردیں۔ یہ ذرا ذرا سا پیوست کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔"

قاضی نے عرض کیا "سلطان نے مجھ کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ میں آج کے دن، تاریخ اور وقت کو کسی یادداشت میں لکھ لوں اور جب عدت کے دن گزر جائیں تو میں آپ کا نکاح خواجہ بزرگ سے پڑھا دوں۔ یہ سلطان کا حکم ہے، قضائے مبرم کی طرح۔"

ہیلینا کی چیخ نکل گئی "اے ظالم انسان، پہلے تو تو نے مجھے ذخمی کیا اور اب اس پر نمک چھڑک رہا ہے۔ تو انسان ہے یا جلاد۔"

قاضی نے عرض کیا "میں انسان ہوں شہزادی ہیلینا، تابع اور فرماں بردار انسان۔ میری ناک میں اونٹ کی طرح نکیل پڑی ہوئی ہے اور اس نکیل کا دوسرا سرا سلطان کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جدھر کھینچتا ہے میں اسی طرف گھوم جاتا ہوں۔"

ہیلینا نے خواجہ حسن سے پوچھا "خواجہ بزرگ آپ نے کیا کہا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "شہزادی ہیلینا واللہ یہ سب حکم ہو رہا ہے۔ کیا ایک ذرہ سورج کی ہمسری کی ہمت کر سکتا ہے؟"

ہیلینا نے پوچھا "اور اگر میں اس سے انکار کر دوں تو؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "تب کیا ہو گا وہی جس کا سلطان نے حکم

دیا ہے۔ میں نے سنا ہے ہندوستان میں لکڑی کی پتلیوں کا کھیل بہت مقبول ہے۔ کاٹھ کی پتلیاں بڑی دلچسپ حرکتیں کرتی ہیں لیکن اپنی مرضی سے نہیں۔ وہ دھاگوں سے بندھی ہوتی ہیں اور دھاگوں کا دوسرا سرا کسی آدمی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہم سب کاٹھ کی پتلیاں ہیں اور اس کا دوسرا سرا سلطان کی انگلیوں سے بندھا ہے۔"

شہزادی ہیلینا کچھ دیر خاموش رہی۔ وہ طبیعت پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

قاضی نے کہا "اب سلطان آپ کے لئے غیر محرم ہے۔ خواجہ بزرگ آپ کو دوسرا خیمہ مہیا کر دیں گے۔ اب آپ اس میں منتقل ہو جائیں گی۔"

شہزادی ہیلینا نے کہا "مسیحیت نے مدتوں عورت کو ذی روح اور انسان نہیں سمجھا۔ مسلمان بھی ایسا ہی سلوک کر رہے ہیں۔ جارجیا کے بادشاہ نے سلطان سے میری شادی کر دی مجھ سے پوچھے بغیر میری مرضی جانے بغیر۔ اب سلطان نے بھی وہی کیا۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟"

قاضی نے ہیلینا کو متنبہ کیا "آپ ایسی باتیں نہ کریں جو سلطان کو آپ کے خلاف کارروائی پر مجبور کر دیں۔"

ہیلینا نے جواب دیا "قاضی، میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ میرا دل دکھایا گیا ہے آواز تو نکلے گی۔ اگر اللہ ہے تو میں اس سے انصاف چاہوں گی وہی میرا انصاف کرے گا۔"

خواجہ حسن ڈر گیا "ہیلینا میں سلطان کے حکم سے مجبور ہوں۔ شادی کے بعد اگر تم آزادی چاہو گی تو میں دے دوں گا میرے خلاف بد دعا نہ کرو۔"

قاضی نے پوچھا "شہزادی ہیلینا میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ آپ اس کی گواہ ہیں۔"

خواجہ حسن نے کہا "میں آپ کے لئے علیحدہ خیمے کا انتظام کر چکا ہوں، آج ہی سجتہ کو آپ اپنے ساتھ رکھ لیں۔"

دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا۔ قاضی اور خواجہ حسن نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور خیمے سے نکل گئے۔ خواجہ حسن نے ہیلینا کے لئے اپنے خیمے کے قریب ہی ایک شاندار خیمہ نصب کرا دیا اور اس کی ساری ذمے داریاں خود قبول کر لیں۔ سجتہ اور ہیلینا اس خیمے میں منتقل ہو گئیں۔

ہر طرف یہ خبر پھیل گئی کہ سلطان نے شہزادی ہیلینا کو خواجہ حسن کی وجہ سے طلاق دے دی۔ فوج سوچ رہی تھی خواجہ حسن کتنا اہم انسان ہے کہ سلطان نے اس کی خاطر شہزادی ہیلینا کو طلاق دے دی اور حکم دیا کہ اس کا نکاح خواجہ بزرگ سے پڑھوا دیا جائے۔ شہزادہ ملک شاہ بھی حیران تھا کہ یہ کیا ہو گیا؟ وہ خواجہ کے پاس آیا اور پوچھا "خواجہ بزرگ میں کیا سن رہا ہوں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "آپ نے جو کچھ سنا، درست ہے۔ سلطان نے اپنے فیصلے پر خود عمل در آمد کرایا ہے۔"

شہزادے نے ہیلینا کے بارے میں پوچھا "وہ کہاں ہے؟"

خواجہ حسن نے وہ خیمہ دکھا دیا۔ شہزادے کو سلطان کے فیصلوں سے خوشی نہیں ہوئی لیکن اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا، پوچھا "تو شہزادی ہیلینا اب آپ کی بیوی ہو جائیں گی؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "سلطان کے حکم کے بموجب۔"

شہزادے نے اعتراف کیا "آپ خوش قسمت ہیں اور یہ واضح ہو گیا کہ سلطان کے بعد آپ ہی سب کچھ ہیں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "آپ ولی عہد ہیں اور ولی عہد کے سامنے میری کیا حیثیت۔"

شہزادی ہیلینا کو جب یہ بتایا گیا کہ شہزادہ ملک شاہ اس سے ملنا چاہتا ہے تو اس نے کہلا دیا "اگر وہ ولی عہد کی حیثیت سے ملنے آئے ہیں تو اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں، جب چاہیں چلے آئیں اور مل لیں اور اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میری بھی کوئی حیثیت ہے اور میری مرضی کا بھی ان کے دل میں احترام ہے تو میں نہیں ملوں گی۔" شہزادہ ملک واپس چلا گیا۔

طلاق دینے کے بعد جب سلطان اس خیمے میں گیا جہاں ہیلینا رہتی تھی تو اسے نہ پا کر سلطان کو دھچکا لگا۔ اس چوٹ کی طرح جس کی تکلیف کا احساس فوراً نہیں ہوتا اور پھر کچھ دیر بعد درد میں شدت ابھرتی ہے تو انسان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا۔ سلطان بھی اس چوٹ کا مزہ چکھ رہا تھا۔ جیسے جیسے وقت گزرا، اس کو ہیلینا کی یاد نے خوب ستایا۔ اس نے اس کرب کو دوسروں پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور جواں مردی سے جھیل گیا۔ سلطان نے خانقاہ اور گرجے میں جو کچھ کیا تھا اس کا مسیحی دنیا میں بڑا چرچا ہو رہا تھا۔ پادری اور اس کے ساتھیوں نے ایک مہم شروع کر رکھی تھی۔ اس مہم میں شہزادی ہیلینا کی طلاق اور خواجہ حسن سے شادی کرنے کا حکم بھی شامل کر لیا گیا۔ مسیحی دنیا کو یہ بتایا جا رہا تھا کہ ظالم اور جابر مسلمان اپنی مسیحی آبادی کو مستقل ظلم و جور کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں۔ انگلستان سے قسطنطنیہ تک گرجوں اور خانقاہوں میں اشتعال پھیلا ہوا تھا اور ان سب کی نظریں قسطنطنیہ کے حکمران کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ بیروز ترک حکمران بیغو کو چھوڑ کر سیدھا جارجیا گیا اور وہاں کے بادشاہ کو بڑی غیرت دلائی کہ اس نے ہیلینا کی شادی سلطان الپ ارسلان سے کر کے مسیحی دنیا کی گردن جھکا دی ہے اور اب اس کا ازالہ یا تدارک اسی طرح ممکن ہے کہ مسلمانوں کو ان کے علاقوں اور شہروں میں سبق دیا جائے۔ اس پرجوش جوان مسیحی کی باتوں نے جارجیا کے حکمران کے خون کو گرما دیا اور اس نے پوچھا "جب تو شہزادی ہیلینا سے بہت قریب تھا تو تو نے ہمیں اس سے روکا کیوں نہیں تھا۔"

بیروز نے مسیحی بادشاہ کو جواب دیا "میں شہزادی ہیلینا سے چھوٹا ہوں اس کے باوجود میں نے اس سے عشق کا ڈھونگ رچایا

دراصل میں یہ چاہتا تھا کہ شہزادی ہیلینا میری محبت کا جواب محبت سے دے کر مجھ میں 'میری' ذات میں دلچسپی لینے لگے اور سلجوقوں سے دور ہو جائے لیکن شہزادی ہیلینا مسیحیت سے بے زار ہو چکی تھی۔ اس کو اپنی مفتوح شکست خوردہ قوم کے مقابلے میں فاتح مسلمان زیادہ اچھے لگے اور اس نے شہزادہ ملک شاہ جیسے کم سن میں دلچسپی لی اور پھر سلطان سے شادی پر رضامند ہو گئی۔"

کسی پادری نے پوچھا "جو کچھ ہونا تھا ہو چکا اب کیا ہو سکتا ہے؟"

بہروز نے جواب دیا "اس طرح چپ ہو جانے سے ہم اپنا سب کچھ گنوا دیں گے اس لئے ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور کرنا چاہئے۔"

ہیلینا کا چچا جارجیا کا بادشاہ ہمت ہار چکا تھا۔ جواب دیا "اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ جو ہونا تھا ہو چکا اور ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا ہے جب خداوند یسوع کا غضب سلجوقوں پر نازل ہو۔"

بہروز نے عرض کیا "جناب والا' میں سلجوقوں میں رہا ہوں اور ان کی بہت ساری باتیں میرے علم میں ہیں۔ ان کے پیغمبر کا قول ہے کہ مظلوم بذات خود ظالم ہوتا ہے جو اپنی کمزوری سے ظالم کو ظلم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ مسلمان طاقت کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور مسیحی عدم تشدد کو لیکن اب ہمیں اپنی سوچ بدلنی ہو گی۔"

جارجیا کا بادشاہ اس کی باتوں سے پریشان ہو رہا تھا' پوچھا "تو میں کیا کروں؟"

بہروز نے جواب دیا "آپ جارجیا کے بادشاہ ہیں" آپ مسیحی دنیا کی قیادت کریں اور ان میں اتحاد پیدا کریں۔ زخم خوردہ مسیحی دنیا آپ کی آواز پر لبیک کہے گی اور آپ کا شمار رجال میں ہونے لگے گا۔"

جارجیا کے بادشاہ کو بہروز کی ہمدردانہ باتیں اچھی لگیں لیکن وہ انہیں ناقابل عمل سمجھتا تھا۔ جارجیا کے بادشاہ نے بہروز کی باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ بہروز چونکہ بے گھر اور بے در ہے اس لئے وہ بادشاہ کے پاس رہنے کے لئے اپنی ضرورت منوا رہا ہے۔ اس نے بہروز سے صاف کہہ دیا' وہ جب تک اس محل میں رہنا چاہے رہے لیکن آئندہ سلطان الپ ارسلان اور سلجوقوں کے خلاف کوئی بات نہ کرے کیونکہ سلطان مسلمان ہونے کے باوجود بادشاہ کا داماد ہے۔

بہروز لاجواب اور بے بس ہو گیا۔

پھر اس دوران حلب' حمص اور انطاکیہ سمیت دوسرے کئی شہروں کے گرجوں اور خانقاہوں کی طرف سے خطوط اور محضر جارجیا کے بادشاہ بقراط کو موصول ہوا۔ اس خط میں بہتہ اور پیٹر کے واقعے کو مظلومیت کی داستان بنا کر پیش کیا گیا اور بادشاہ سے کہا گیا کہ وہ اپنے داماد سلطان الپ ارسلان کو لکھے کہ بہتہ اور پیٹر کو ان کے گرجا اور خانقاہ کے پادری کے حوالے کر دیا جائے اور سلطان کو یہ ہدایت کر دی جائے کہ وہ آئندہ کسی مسیحی عبادت گاہ میں یوں مداخلت نہ کرے۔ آخر میں یادداشت کے طور پر یہ بھی لکھ دیا گیا تھا کہ اس خط کی نقلیں مختلف والیان ریاست اور بادشاہوں کو روانہ کر دی گئی ہیں۔ مسیحی ریاستوں کے حکمرانوں کو اور بطور خاص قسطنطنیہ کے فرماں روا کو پادریوں اور راہبوں کے اس خط نے بادشاہ کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔ اس نے اسے مشیروں اور امیروں کے سامنے رکھ دیا۔ اہل الرائے میں بہروز کو بھی شامل کر لیا گیا تھا۔ یہاں پانچ سو گرجے اور خانقاہیں تھیں اور سب سے بڑا گرجا وہ تھا جہاں مریم عذرا کا سب سے بڑا مجسمہ نصب تھا اور جس کی نسبت سے وہ جگہ مریم نشیں اور شہر کا حصہ 'حصہ مریم نشیں' کہلاتا تھا۔ بہتہ اور پیٹر سے متعلق یادداشت کی ایک نقل یہاں بھی بھیج دی گئی تھی۔ اس یادداشت نے ہنگامہ برپا کر دیا اور پادریوں اور راہبوں کا ایک وفد بادشاہ بقراط سے ملا اور پوچھا "اس معاملے میں بادشاہ کیا کر رہا ہے؟"

بادشاہ نے کہا "آپ لوگ مجھے مشورہ دیں کہ میں کیا کروں اور کیا کر سکتا ہوں۔"

ایک دل جلے پادری نے جواب دیا "آپ جو کچھ کر سکتے تھے کر چکے۔ آپ نے مسلمان بادشاہ الپ ارسلان کو اپنی بھتیجی شہزادی ہیلینا دے دی۔ آپ چاہیں تو اپنی بیٹیاں سلطان کے بیٹوں کو دے دیں اور پورے خاندان کو داماد بنا لیں۔"

بادشاہ بقراط کو پادری کے طعنے پر بہت غصہ آیا لیکن وہ وقت غصے یا وحشت و جنوں کے اظہار کا نہیں تھا۔

کسی پادری نے اپنے ساتھی پادریوں اور راہبوں سے کہا۔ "آپ لوگ اپنے بادشاہ کو ٹٹولیں اس کی غیرت اور حمیت کا اندازہ لگائیں اور پھر یہ دیکھیں کہ اتنا بڑا کام اس کے بس کا ہے بھی یا نہیں' یہ معاملہ اور یہ مسئلہ حوصلہ چاہتا ہے۔"

بہروز نے اپنی رائے دی "بزرگوار۔ جہاں تک میں جانتا ہوں' یہ معاملہ اور یہ مسئلہ اپنے بادشاہ کے بس کا نہیں ہے۔"

کئی پادریوں نے آپس میں مشورہ کیا پھر کہا "بادشاہ کو بدل دو اور اس کی جگہ کسی حوصلہ مند کو بادشاہ بنا دو۔"

بادشاہ نے ان سب سے وعدہ کیا "آپ لوگ پریشان نہ ہوں اور شور نہ کریں میں دو چار دن میں اس مسئلے کا حل ضرور تلاش کروں گا۔"

ایک پادری نے کہا "بادشاہ کو جو فیصلہ کرنا ہو آج بلکہ اسی وقت کر ڈالے۔ کون جانے کتنوں کی زندگی میں کل آئے بھی یا نہیں اس لئے بادشاہ کو جو بھی فیصلہ کرنا ہے آج ہی کرے۔"

بادشاہ نے معذرت کر لی "افسوس کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جیسا سمجھ رکھا ہے۔"

بہروز نے پھر مشورہ دیا "بادشاہ کو چاہئے کہ وہ سلطان پر یلغار کرنے کی تیاری کرے' اینٹ کا جواب پتھر سے ملے گا تو

مسلمانوں کے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔"

بادشاہ کو ان فضول وعدوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی وہ ایک ایسے کام کا ارادہ کس طرح کر سکتا تھا جو اس کے بس کا نہ تھا۔

بہروز ہی نے دوسرا مشورہ دیا "اگر آپ میری مانیں تو ہمیں سلطان اور مسلمانوں کے سلسلے میں قسطنطنیہ کے حکمران سے رجوع ہونا چاہئے۔"

بادشاہ بقراط نے اس تجویز کی حمایت کی "یہ کام میں کراؤں گا۔ قسطنطنیہ کی وفود جاچکے ہیں' ایک وفد میں بھی بھیج دوں گا اور میں قسطنطنیہ کے فرمانرواؤں کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دوں گا پھر یہاں سے ہم سب سلطان سے جنگ کرنے جائیں گے۔"

بہروز نے بادشاہ کی حمایت کی "یہ تجویز مناسب ہے۔" پھر پادریوں اور راہبوں سے کہا "آپ لوگ اپنے اپنے گرجے اور خانقاہوں میں واپس جائیں۔ خداوند یسوع مسیح نے چاہا تو ہم سرخرو ہوں گے۔" وہ لوگ واپس چلے گئے۔ بادشاہ بقراط کچھ دیر اپنی جگہ پر کھڑا انہیں دیکھتا رہا بہروز بھی اس کے پاس ہی کھڑا تھا۔ بادشاہ بقراط نے اچانک بہروز کی طرف دیکھا "تو تم قسطنطنیہ جاؤ گے؟"

بہروز نے جواب دیا "ضرور جاؤں گا۔ یہ ہم پر' پوری مسیحی دنیا پر برا وقت آن پڑا ہے' میں اس کے لئے اپنی جان تک قربان کر سکتا ہوں۔"

بادشاہ بقراط نے اسکو حکم دیا "فی الحال تو تو میرے ساتھ محل میں چل وہاں میں تجھ سے بات کروں گا۔"

بہروز بادشاہ کے تیخ اور طنزیہ لہجے کو سمجھ ہی نہیں سکا' وہ چپ چاپ بادشاہ کے ساتھ محل میں چلا گیا۔ بادشاہ اس کو ایسے کمرے میں لے گیا جو نسبتاً عجیب تھا' قید خانے جیسا بالکل دارالعقوبت جیسا۔ یہاں جو پہرے دار تھے وہ بھیانک شکل کے تھے۔ کالے جنگیوں جیسے۔ لیکن یہ حبشی نہیں تھے۔ بادشاہ بقراط نے اس کمرے میں لے جاکر بہروز سے پوچھا "ہاں تو اب بتا کہ تو پادریوں اور راہبوں کو کیا مشورہ دے رہا تھا؟"

بہروز کا ماتھا ٹھنکا "میں نے جو مشورہ دیا تھا آپکے سامنے دیا تھا۔"

بادشاہ نے طنز کیا "بادشاہ کو بدل دو بہت اچھا مشورہ دیا تھا تو نے۔"

بہروز نے بات بنانا چاہی "میں نے یہ مشورہ ان کے جوش و خروش کو دبانے کے لئے دیا تھا۔"

بادشاہ نے کہا "میں تیری باتیں خوب سمجھتا ہوں تو نے سلطان اور مسلمانوں کو ایک عرصے تک بہلائے رکھا لیکن وہ سیدھے اور دیانت دار لوگ تھے۔"

بہروز نے پھر اکڑنا شروع کر دیا "بادشاہ بقراط آپ مجھے قتل کرا دیں' اس کا آپ کو فائدہ نہیں پہنچے گا لیکن اگر میں زندہ رہوں گا تو میری ذات سے آپ کو وہ فائدے پہنچیں گے جنہیں آپ زندگی بھر یاد رکھیں گے اور تاریخ میں بالکل فراموش بن جائیں گے۔"

بادشاہ اسکی باتوں میں آگیا اور اسکو کمرے میں چھوڑ کر باہر آگیا۔ پہرے داروں سے کہا' یہ بہت چالاک ہے اسکو باہر نہیں آنا چاہئے۔"

بادشاہ اپنے محل میں چلا گیا۔ وہ تنہائی میں دیر تک حالات حاضرہ پر غور کرتا رہا اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچا کہ بہروز کی زیادتیاں اور گستاخیاں اپنی جگہ لیکن وہ ہوشیار اور کارآمد ضرور ہے۔ اس کے علاوہ بہروز کی یہ خصوصیت منفرد تھی کہ وہ مسلمانوں اور اسلام سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ قسطنطنیہ بھی جاسکتا تھا۔ اس سے بہت سارے کام لئے جاسکتے تھے۔ اس دوران بادشاہ بقراط کو ایک ایسی خبر پہنچی جس نے اسکے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ سبتہ کی خانقاہ کے پادری نے بادشاہ بقراط کو مطلع کیا تھا کہ سلطان الپ ارسلان نے شہزادی ہیلینا کو طلاق دے دی اور خواجہ حسن (اپنے وزیر) کو حکم دیا ہے کہ وہ ہیلینا سے شادی کر لے۔ آج کل شہزادی ہیلینا عدت کے دن گزار رہی ہے اور جب وہ دن آئے گا کہ شہزادی ہیلینا عدت سے باہر آجائے گی تو سلطان کے حکم کے بموجب خواجہ حسن سے وابستہ کر دی جائے گی۔

جارجیا کے بادشاہ' یہ کیسی بے غیرتی کی باتیں سننے میں آرہی ہیں کیا یہ گندے طور طریقے ہم سب کے لئے شرمناک نہیں؟

بادشاہ نے اس مختصر اطلاع نامے کو اپنی پشت پر پھینک دیا۔

محل کی خواتین بھی سب کچھ سن چکی تھیں' انہیں اطلاع کا خط لانے والوں نے محل کے مخبروں کے ذریعے بتایا تھا۔ انہیں اس بات کا دکھ تھا کہ ہیلینا کے آس پاس کوئی ہمدرد بھی نہیں جو تسلی کے دو لفظ بھی ادا کر سکتا ہو' وہ ہیلینا کے کرب و اذیت پر سوچتی تھیں' انہیں دکھ پہنچ رہا تھا۔ ملکہ نے بادشاہ پر دباؤ ڈالنا چاہا لیکن اس کی ہمت نہیں پڑی۔ پھر بادشاہ اچانک تنہائی میں چلا گیا اس نے ملنا جلنا بھی بند کر دیا اور خدمت گاروں کو حکم دیا گیا کہ وہ ملاقات کے لئے آنے والوں سے کہہ دیں کہ بادشاہ کی طبیعت ناساز ہے۔

وہ دو دن تک صرف یہ سوچتا رہا کہ ہیلینا کو واپس کس طرح بلایا جائے۔ وہ ہیلینا کو سلطان کے پاس نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ ملکہ نے بادشاہ سے ملنا چاہا' لیکن ناکام رہی۔ تیسرے دن بادشاہ باہر آیا اور سیدھا بہروز کے پاس قید خانے میں پہنچا۔ بہروز اپنے انجام سے خوفزدہ تھا اور اس کو اپنی رہائی کی امید نہیں تھی۔ جب اچانک دروازہ کھلا اور بادشاہ اندر داخل ہوا تو بہروز نے اپنی زندگی کو موت کے قریب محسوس کیا۔ بادشاہ غم زدہ اس کے سامنے کھڑا ہو گیا وہ بہروز کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

بہروز نے خوشامد شروع کر دی "میں آپ کے کام آسکتا ہوں' مجھے ہلاک نہ کریں۔"

بادشاہ نے بہروز کے چہرے پر مردنی سی دیکھی تو اس نے اس کو اور زیادہ خوفزدہ کر دیا "تو میرے کسی کام کا نہیں تو نے تو مجھ کو مصیبتوں میں ڈال دیا۔"

بہروز نے پوچھا "وہ کس طرح؟"

بادشاہ نے جواب دیا "رعایا میں میرے خلاف افواہیں پھیل رہی ہیں اور لوگوں کا اصرار بڑھ رہا ہے کہ مجھے تاج و تخت چھوڑ دینا چاہیے۔"

بہروز نے سر جھکا لیا "میں شرمندہ ہوں کہ میں نے ایسا مشورہ کیوں دیا۔"

بادشاہ نے کہا "میں تجھ کو رہا کر سکتا ہوں لیکن ایک شرط پر۔ تجھ کو میرا ایک کام کرنا ہوگا۔"

بہروز نے جواب دیا "میں آپ کا کوئی بھی کام کر سکتا ہوں، آپ کام تو بتائیں۔"

بادشاہ نے کہا "تو مسلمانوں سے نفرت کرتا ہے اور مسیحیت سے محبت بس اسی خوبی نے مجھے تیرا مداح بنا دیا ہے۔"

بہروز نے عرض کیا۔ "آپ کام تو بتائیں۔"

بادشاہ نے کہا "وہ کام بہت دشوار ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ تو ہی کر سکتا ہے۔"

بہروز بے قرار ہو رہا تھا "آپ وہ کام بتائیں تو سہی۔"

بادشاہ اس کو بیلینا کی طلاق اور شادی کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اس نے کہا "میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ بیلینا کو اپنے پاس بلا لوں۔"

بہروز نے آہستہ سے کہا "لیکن اب تو وہ سلطان کی بیوی ہے۔"

بادشاہ نے کہا "ہاں میں جانتا ہوں اس کے باوجود میں اس کو اپنے پاس محل میں رکھنا چاہتا ہوں۔"

بہروز نے متذبذب آواز میں پوچھا "یہ بہت دشوار کام ہے کیا میں یہ کام کر سکتا ہوں؟"

بادشاہ نے جواب دیا "یہ کام تو ہی کر سکتا ہے، صرف تو۔ اگر تو یہ کام کر دے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تجھ کو تیری اس خدمت کے عوض میں نواز دوں گا۔"

بہروز نے بادشاہ کو بتایا "میں یہ کام اپنی جان پر کھیل کے انجام دیتا مگر شاید آپ نہیں جانتے سلطان اور مسلمان مجھ پر اعتماد نہیں کرتے۔ شاید وہ مجھ کو گرفتار کر کے سزا بھی دیں۔"

بادشاہ نے جواب دیا "میں معذرت نہیں سننا چاہتا بس تو یہ بتا کہ تو یہ کام کر سکتا ہے یا نہیں؟"

بہروز نے عرض کیا "میں یہ کام کر سکتا ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ وہاں سے زندہ واپس بھی آ سکوں گا یا نہیں۔"

بادشاہ نے اس کو یہ بھی بتایا کہ یہ کام جلد از جلد ہو جانا چاہیے کیونکہ دو تین ہفتوں میں سلطان بغداد روانہ ہو جائیں اور چلا جائے گا اور پھر یہ کام زیادہ مشکل ہو جائے گا۔

بہروز نے درخواست کی "میں کوشش کروں گا اور شاید مجھے رقم کی بھی ضرورت پیش آئے۔"

بادشاہ نے وعدہ کیا کہ اس کا انتظام کر دیا جائے گا۔ بادشاہ بہروز کو اپنے ساتھ ہی باہر لے گیا۔ اس نے بہروز کو اپنی نگرانی میں رکھا اور اس پر یہ نہیں ظاہر ہونے دیا کہ بیلینا کو سلطان نے طلاق دے دی ہے اور خواجہ حسن سے اس کی شادی کرنا اور جبر کر رہا ہے بادشاہ کا خیال تھا کہ ان تفصیلات کے علم میں آنے کے بعد بہروز کی دلچسپی کم ہو جائے گی۔

پادریوں اور راہبوں کو بیلینا کی طلاق اور شادی کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا۔ گرجوں اور خانقاہوں کی ساکت اور پرسکون سطح پر اس خبر نے کنکری کا کام کیا، لہریں پیدا ہو گئیں اور وہ لہروں کے بعد دائرے بناتی ہوئی دور دور خبر لے گئیں۔

بہروز اپنے منصوبے کی جزئیات پر غور کر رہا تھا وہ سلطان یا سلطانوں کے پاس خود نہیں جا سکتا تھا۔ ان حالات میں اس سے یہ خطرناک کام کس طرح انجام دیتا تھا بس اس پر غور کر رہا تھا۔ محل کی خواتین اپنی جگہ پریشان تھیں۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ سلطان بیلینا کے سلسلے میں کیا کر رہا ہے؟

پادریوں اور راہبوں نے ایک بار محل کا رخ کیا۔ ان کے سینوں پر نقرئی صلیبیں آویزاں تھیں اور پادریوں کے ہاتھوں میں بھی لکڑی کی صلیبیں تھیں۔ بادشاہ نے ان کو محل سے دور ہی رکوا دیا اور ان سے کہلوا دیا "بادشاہ خود ہی گرجے میں پہنچ جائے گا۔ اس وقت وہ کسی سے نہیں ملے گا۔"

پادریوں اور راہبوں کو غصہ آ رہا تھا انہوں نے کہا "یہ کیسا بادشاہ ہے دینی غیرت اور حمیت اس میں ہے ہی نہیں۔"

ایک پادری نے کہا "بادشاہ سے پوچھو ہم کہاں رہ رہے ہیں۔"

روکنے والوں نے جواب دیا "یہ ساری باتیں وہیں گرجے میں کر لیجئے گا بادشاہ وہاں خود پہنچ جائے گا۔"

پادریوں اور راہبوں کی آمد کی خبر محل میں بھی پہنچ گئی اور خواتین کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ وہ سب بیلینا کی طلاق اور شادی پر غور و خوض کرنے آئے تھے۔ ملکہ بادشاہ کے پاس سیاہ لباس میں گئی۔ بال پریشان شانوں پر بکھرے ہوئے لب پر آہ و بکا۔ بادشاہ اس کو اس حال میں دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

ملکہ نے آہ و زاری کرتے ہوئے پوچھا "آخر مسیحیت کب تک خوار و زبوں رہے گی۔ اس کے رکھوالے اس کے محافظ کہاں ہیں؟"

بادشاہ نے کہا "مسیحیت کو کیا ہوا؟"

ملکہ نے روتے ہوئے جواب دیا "اس کے شہروں کو اجاڑا گیا۔ خداوند مسیح کے ماننے والوں کو زبردستی مسلمان کیا گیا۔ شہزادی بیلینا کو شرمناک اور رسوا کن معاہدے کی رو سے سلطان کی بیوی بنا دیا گیا اور اب یہ سننے میں آ رہا ہے کہ سلطان نے بیلینا کو طلاق دے دی اور اپنے وزیر خواجہ حسن کو حکم دیا ہے کہ وہ بیلینا سے شادی کر لے۔"

بادشاہ نے جھنجھلا کر جواب دیا "یہ ساری باتیں تجھ کو کس نے بتائیں اور پھر یہ کہ جو کچھ ہو چکا اس پر سوچنا اور اس کا حل نکالنا تیرا کام نہیں۔ یہ میرا کام ہے اس لئے تو خاموش رہ" ملکہ کو ڈانٹ کر

بھیجا گیا اور بہروز کو سلطان کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ بہروز کو اس کام میں اعانت کے لئے کوئی آدمی نہیں دیا گیا تھا۔

بہروز کو پچھتاوا تھا کہ آخر اس نے بینو کا ساتھ کیوں چھوڑا۔ بینو کے ساتھ رہنے سے وہ سلطان کے قریب رہتا اور اب وہ سلطان اور مسلمانوں کا اعتماد کھو چکا تھا۔ بادشاہ بقراط نے اس کو یہ نہیں بتایا تھا کہ ہیلینا کو سلطان نے طلاق دے دی ہے اور چند ماہ بعد اسے خواجہ حسن سے وابستہ کر دیا جائے گا۔ اس کو بس یہ شوق منزل کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہا تھا کہ وہ ہیلینا کو نکال لانے میں کامیاب ہو گیا تو ہیلینا اس کو مل جائے گی۔ وہ ہیلینا جو ایک بادشاہ کی بھتیجی اور ایک بادشاہ کی بیوی رہ چکی ہے۔ وہ یہ بھی سوچ چکا تھا کہ اگر وہ ہیلینا کو بادشاہ بقراط کے پاس لے جائے گا تو بادشاہ بقراط اپنے وعدے سے منحرف بھی ہو سکتا ہے اور اگر منحرف نہ بھی ہوا تو سلطان کی افواج ایک بار پھر ہیلینا کی تلاش میں جارجیا میں داخل ہو جائیں گی۔ اس لئے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ہیلینا کو قسطنطنیہ لے جائے گا۔ مسلمان وہاں تک نہ پہنچ سکیں گے۔

وہ جس قافلے میں سفر کر رہا تھا اس میں تاجروں کے علاوہ زائر بھی تھے۔ مسیحی زائر بیت المقدس جا رہے تھے' ان کے سینوں پر صلیبیں لٹک رہی تھیں اور وہ سفید لباس پہنے ہوئے تھے۔ بہروز نے خود کو انہی زائرین میں شامل کر دیا۔ ان زائروں کے علاوہ قافلے میں وہ عام لوگ بھی تھے جو اپنے دور افتادہ عزیزوں اور رشتے داروں سے ملنے کردستان' عراق یا شام کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے مذکورہ عزیز اور رشتے دار تلاشِ معاش میں ترکِ مکانی کر کے دور دراز شہروں میں آباد ہو گئے تھے۔

اس قافلے میں تبریز اور ہمدان جانے والے موجود تھے۔

بہروز کو کسی نہ کسی طرح یہ پتا چلا تھا کہ آج کل سلطان کہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ وہ قافلے میں پہلے تو ہر آدمی سے مل کر یہ پوچھتا رہا کہ وہ کہاں جا رہا ہے' کیا کرتا ہے اور کیوں جا رہا ہے۔ اس کے تجسس نے اس کو قافلے میں خاصا معروف کر دیا تھا۔ وہ خود تو قافلے کے بیشتر لوگوں کے بارے میں جان چکا تھا لیکن اس کے بارے میں کسی نے کچھ بھی نہیں پوچھا تھا۔ قافلے میں وہ بھی تھے جن کے بارے میں قافلے والوں نے بتایا کہ وہ سلطان الپ ارسلان کے پاس جا رہے ہیں۔ بہروز کو ان لوگوں سے بڑی دلچسپی ہو گئی اور وہ ان سے ملنے کے لئے بے چین ہو گیا پھر اچانک اس کو یہ شبہ بھی ہوا کہ کہیں ان میں کا کوئی شخص اسے پہچان نہ لے اس لئے وہ سلطان کے آدمیوں سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ اس کام کے لئے اس نے ایک زائر کو پکڑا' اس سے خوب دوستی گانٹھ لی اور ایک دن اس سے کہا "دوست' خداوند مسیح تجھے زیارت مسیح سے اور اس کی جائے پیدائش کی زیارت سے شاد کام فرمائیں۔ کیا تو میرا ایک کام کر سکتا ہے؟"

زائر جوان تھا' اس دعا سے خوش ہوا اور پوچھا "تو کیا جاننا چاہتا ہے؟"

بہروز نے کہا "اس قافلے میں چند ایسے مسلمان ہیں جو مسلمانوں کے سلطان الپ ارسلان کی فوج سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو ان سے مل کر یہ معلوم کر کہ آج کل سلطان کہاں مقیم ہے؟"

نوجوان زائر نے جواب دیا "یہ کام تو بہت آسان ہے اور تو خود بھی معلوم کر سکتا ہے۔"

بہروز نے کہا "بے شک یہ ذرا سا کام میں خود بھی کر سکتا ہوں لیکن میں کسی وجہ سے ان کے سامنے نہیں جانا چاہتا۔"

نوجوان زائر گیا اور ذرا دیر بعد آ کر بتایا "آذربائیجان کے شہر... نخچوان یا تبریز میں سلطان مقیم ہے۔" بہروز نے جھرجھری سی لی کیونکہ اس کا تعلق بھی... نخچوان ہی سے تھا۔ تبریز نخچوان کے مشرق میں مختصر سے فاصلے پر تھا۔

شام کو قافلے نے ایک سر سبز و شاداب میدان میں قیام کیا۔ قافلے والوں نے جگہ جگہ عارضی چولہے بنائے اور کھانا تیار کرنے لگے۔ مسیحی زائرین نے بہروز کو اپنے ساتھ رکھ لیا تھا اس لئے ان کے کھانے میں بہروز بھی شامل تھا۔ شام کو مغرب کے بعد قافلے میں چراغ جلائے گئے اور شمعیں روشن کی گئیں۔ ان کی روشنی میں زائرین نے انجیل کا مطالعہ شروع کر دیا۔ لوگوں کی باتیں کرنے کی ملی جلی آوازیں پورے میدان میں پھیل گئی تھیں۔ بچے میدان میں دوڑ بھاگ رہے تھے۔ بہروز اپنے خیمے کے در پر بیٹھ گیا اور قافلے کے ماحول سے لطف اندوز ہونے لگا۔ کچھ دیر بعد دو مسلمان بہروز کے پاس آئے اور اس سے پوچھا۔ "کیا تیرے ساتھ کوئی بہروز نامی نوجوان بھی سفر کر رہا ہے؟"

بہروز سمجھ چکا تھا کہ وہ دونوں اسے پہچانتے نہیں ہیں اس لئے ویسا ہی جواب دیا "ہمارے ساتھ کئی زائر نوجوان یا جوان ہیں لیکن میں ان کے نام نہیں جانتا۔"

دونوں مسلمانوں نے آپس میں کھسر پھسر کی اور بہروز سے کہا "ہمیں بہروز کی تلاش ہے' اگر وہ تم لوگوں میں موجود ہے تو اسے ہمارے سپرد کر دیا جائے ورنہ ہم زبردستی برآمد کر لیں گے۔"

بہروز نے جواب دیا "آپ لوگ اسے برآمد کر لیں۔ اگر وہ ہم میں موجود ہے تو" اس نے یہ کہہ تو دیا تھا لیکن جس دشواری سے یہ چند الفاظ ادا ہوئے کچھ وہی جانتا تھا۔

دونوں مسلمانوں میں سے ایک نے کہا "تو کون ہے؟ تمہارا کیا نام ہے؟"

بہروز نے جواب دیا "میں ایک زائر ہوں اور بیت المقدس جا رہا ہوں' میرا نام یعقوب ہے۔"

اس مسلمان نے بہروز کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا "تو ہمارے ساتھ چل۔ کیا تو یہ نہیں جانتا کہ اگر ہم لوگ ناراض ہو جائیں تو تم

لوگ کسی جگہ کی زیارت نہیں کر سکتے۔"

بہروز نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی "مجھے کیوں پکڑ رہے ہو؟"

سلطان نے جواب دیا "اس لئے کہ ہمیں جس بہروز کی تلاش ہے وہ تو خود ہے اور جھوٹ بول کر ہمیں بے وقوف بنا رہا ہے۔"

بہروز کے جسم کا تو خون ہی خشک ہو گیا۔ اس کی قوت مدافعت بھی جواب دے گئی اس لئے سے ہوئے لہجے میں جواب دیا "میں بہروز نہیں ہوں۔"

دونوں سلطانوں نے بہروز کو اپنے ساتھ لیا اور قلعے کے جنوبی حصے کے خیموں کی طرف چلے گئے۔ بہروز بار بار بس ایک ہی بات کہہ رہا تھا "میں بہروز نہیں ہوں۔ میں بہروز نہیں ہوں۔"

زائرین میں شور مچ گیا کہ دو سلطان ان کے ایک ساتھی کو زبردستی اٹھالے گئے۔ پورے قلعے میں ہلچل سی مچ گئی۔ بہروز کو جس خیمے میں لے جایا گیا تھا اس میں دو شمعیں روشن تھیں اور ایک کونے میں کوئی نماز پڑھ رہا تھا۔ بہروز کا پورا جسم سن ہو رہا تھا' خوف اور دہشت کی وجہ سے مگر اس کا تیز ذہن یہاں بھی اپنے کام میں مصروف تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس کے آس پاس دس بارہ سلطان جمع ہو گئے تو فرار دشوار ہو جائے گا جبکہ دو سلطانوں سے تو نمٹا جا سکتا ہے۔ ادھر ایک سلطان یہ کہہ کر چلا گیا "میں ان دونوں ساتھیوں کو لاتا ہوں جو بہروز کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔"

دوسرے سلطان نے جواب دیا "کسی کو لانے کی ضرورت ہی نہیں جب میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ لاکھ انکار کرے کہ بہروز نہیں ہے۔ لیکن میں اس کی ایک نہیں سنوں گا۔"

دوسرا ساتھی جاتے جاتے رک گیا پھر دونوں ہی بہروز کے پاس بیٹھ گئے اور جو بہروز کو پہچانتا تھا اس نے طنزاً پوچھا "تو تو بہروز نہیں ہے؟"

بہروز نے جواب دیا "جب میں بہروز نہیں ہوں تو خواہ مخواہ اس کا اقرار کیوں کروں۔"

واقف کار سلطان نے کہا "دیکھ بہروز اب تیرے جھوٹ کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیونکہ میں تجھ سے اچھی طرح واقف ہوں۔"

بہروز نے پوچھا "تو بہروز کو کیوں تلاش کر رہا ہے؟ وہ تو سلطان کے ساتھ تھا۔"

سلطان نے جواب "احمق انسان ہم تجھے سلطان کے حوالے کر دیں گے' اگر تو بہروز نہیں ہے تو فوراً رہا کر دیا جائے گا۔"

بہروز نے کہا "ٹھیک ہے۔ میں اس کے لئے تیار ہوں۔"

کونے کا نمازی جب نماز پڑھ چکا تو دعا مانگ کر اور جائے نماز کا ایک کونا الٹ کر مصلے سے اٹھا پھر ان کے قریب آیا اور پوچھا "یہ تم لوگ کس بات پر جھگڑ رہے ہو؟"

واقف کار نے بہروز کی طرف اشارہ کیا "جناب والا! یہ بہروز ہے۔ وہ بہروز جس کی سلطان کو ضرورت ہے اور جو کوہ رالقحر کے ترک حکمران ہیلو کے پاس سے اس وقت فرار ہوا جب سلطان نے اسے چوڑے دار پہریداروں کی تحویل میں دے رکھی تھیں۔"

نمازی سلطان نے ایک شمع اٹھا کر اس کی لو بہروز کے چہرے کے قریب کر دی۔ بہروز نے اس کی آنچ اپنے چہرے پر محسوس کی۔ اس نے خوب اچھی طرح دیکھ کر تصدیق کر دی۔ "ہاں یہی ہے بہروز۔ یہ تم دونوں کو کہاں سے ملا؟"

ایک نے جواب دیا "یہ بھی زائرین کے ساتھ سفر کر رہا تھا' وہاں سے ایک نوجوان زائر ہم سے یہ پوچھنے آیا کہ ان دونوں سلطان کہاں مقیم ہے؟ اس سے پہلے ہمیں یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ بہروز کو اس قلعے میں دیکھا جا چکا ہے۔ میں نے جان لیا کہ یہ سوال بہروز ہی کر سکتا ہے چنانچہ نوجوان زائر کے پیچھے پیچھے چل کر ہم دونوں بہروز تک پہنچ گئے۔ یہ مسلسل انکار کر رہا ہے کہ یہ بہروز نہیں ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہی بہروز ہے۔"

عمر رسیدہ سلطان نمازی نے کہا "اس سے تو میں بھی واقف ہوں۔"

بہروز نے تلخی سے کہا "آپ لوگ مجھے سلطان کے پاس لے چلیں وہیں فیصلہ ہو جائے گا لیکن میں بہروز نہیں ہوں۔"

جو سلطان بہروز کو نہیں پہچانتا تھا' اس نے اپنے ساتھی سے کہا "دوست اگر یہ بہروز نہ نکلا تو ہمیں بڑی شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔"

دوسرے نے مضبوط لہجے میں جواب دیا "تو کیسی باتیں کر رہا ہے؟ یہ بہروز ہے' سو فیصد بہروز ہے۔"

بہروز نے کہا "اگر میں بہروز ہوں تو مجھے سلطان کے پاس لے چلو۔ وہاں میں تم سب کو شرمندہ کروں گا کہ میں بہروز نہیں ہوں۔"

تیسرا سلطان نے کہا "میں تجھے ایک ایسے موقع پر سلطان کے پاس لے جا رہا ہوں کہ تو بھی کیا یاد کرے گا۔ سلطان نے ہیلینا کو طلاق دے دی ہے اور اب ہیلینا کی شادی سلطان کے حکم پر خواجہ حسن وزیر سے کر دی جائے گی۔ تو نے بھی تو ہیلینا سے عشق کیا تھا اب تو اپنی محبوبہ کی شادی میں شرکت بھی کر سکے گا۔"

یہ باتیں اور یہ انکشافات بہروز کے لئے ناقابل برداشت تھے اس نے بڑے ضبط سے کام لیا اور ان بری خبروں کا رد عمل اپنے چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اس نے آہستہ سے کہا "تم سلطان کتنے سفاک ہو' مجھے بہروز کے شبہے میں پکڑ لیا اور خود ہی ہیلینا کو طلاق دے کر اس کی شادی خواجہ حسن وزیر سے کر رہے ہو۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اب میرا کیا انجام ہو گا

خداوند کا ہی جانتی تھا اسے ایک خیمے میں قید کر دیا گیا لیکن اب بہروز بہت غم زدہ اور پریشان ہو رہا تھا وہ جس بیلینا کی خاطر سلطان کے پاس جا رہا تھا وہ معمولی کھلونے کے طرح ادھر سے ادھر کی جا رہی تھی۔

زائرین کا ایک وفد بہروز کو تلاش کرتا ہوا مسلمانوں کے خیمے تک پہنچ گیا۔ وفد کی قیادت ایک عمر رسیدہ پادری کر رہا تھا۔ اس نے مسلمانوں سے کہا "آپ ہمارا آدمی واپس کر دیں۔"

مسلمانوں نے جواب دیا "بہروز ہمارا مفرور ہے۔ اس کو سلطان کی خدمت میں پیش کیا جائے گا اس لئے ہم اسے نہیں چھوڑیں گے" رات کے پچھلے پہر تک دونوں میں باتیں ہوتی رہیں اور اسی عالم میں قافلے نے وہاں سے کوچ کیا اور زخم خوردہ زائرین غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے قافلے کے ساتھ سفر کرنے لگے۔ ان کی اگلی منزل آرمینیا کا شہر تھا........

آذربائیجان کے شمال میں اران شران نامی آرمینیا کا وہ علاقہ تھا جہاں ایک تاریخی چٹان کا وجود تھا۔ بحیرۂ خزر کے مغرب میں اور آذربائیجان کے شمال میں یہ چٹان اس لئے مشہور تھی کہ اس کے قریب کے گاؤں چیز ان میں حضرت خضر نے ایک بچے کو قتل کر کے موسیٰ سے کہا کہ وہ اس کا سبب نہیں پوچھیں گے اور اگر پوچھیں گے تو خواجہ خضر موسیٰ کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ یہاں چیز ان کی آبادی میں جو شران کا ایک حصہ تھی قافلے نے منزل کی۔ چٹان کے پہلو میں ایک پرانی خانقاہ تھی اور اس میں راہبوں کی بڑی تعداد زہد و ریاضت میں مشغول تھی۔

زائرین قافلے سے جدا ہو کر چیز ان کی خانقاہ میں گئے اور راہبوں کو بتایا کہ حضرت مسیح کے ایک پرستار کو مسلمانوں نے خواہ مخواہ قید کر رکھا ہے۔

راہبوں میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے چیز ان کی مسیحی آبادی کے نوجوانوں سے مدد چاہی اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ مسیحی قیدی کو مسلمانوں سے زبردستی چھڑا لائیں۔

مسلمان اس کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ اس جگہ کی زیارت کرنے چلے گئے جہاں خواجہ خضر نے ایک بچے کو قتل کر دیا تھا۔ انہیں وہ خون بھی دکھایا گیا جو مصلحت خداوندی سے بہایا گیا تھا۔ مسلمانوں کی عدم موجودگی میں چیز ان کے پرجوش مسیحی نوجوانوں نے بہروز کو آزاد کرا لیا اور اسے راہبوں کے درمیان خانقاہ میں پہنچا دیا۔

بہروز نے ان کا شکریہ ادا کیا اور زائرین کو مشورہ دیا "اگر تم لوگ اپنی خیریت چاہتے ہو تو اس قافلے سے جدا ہو جاؤ اور جلد از جلد کہیں روپوش ہو جاؤ ورنہ مسلمان تم سب کو برباد کر دیں گے۔"

زائرین کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ ایک مسیحی کو مسلمانوں سے چھین لینے کے اتنے خطرناک حالات پیدا ہو جائیں گے۔ وہ نہ تو کہیں روپوش ہو سکے اور نہ ہی قافلے سے جدا ہو سکے۔ وہ بس یہی کہتے رہے کہ مسیحی نوجوان کی رہائی سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ چیز ان کے نوجوانوں نے جو کچھ کیا اس سے مسیحی زائرین کا کیا تعلق؟

مسلمانوں نے مسیحی زائرین کو حراست میں لے لیا اور کہا۔ "اب ہم تم سب کو سلطان کے پاس لے جائیں گے۔ تم لوگوں نے سلطانی احکام اور معاملات میں جو صریح دخل دیا ہے اس کی تم سب کو سزا ملنی چاہئے۔"

زائرین نے بڑا شور مچایا اور بار بار یقین دلایا تھا کہ اس معاملے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مسیحی نوجوان چیز ان کے باشندے تھے۔ تم ان سے پوچھو۔"

بہروز کو جس خانقاہ میں چھپایا گیا تھا وہ چٹانوں میں واقع تھی اور اس خانقاہ سے کسی کو برآمد کرنا بڑا دشوار کام تھا۔ قافلے نے چیز ان کو چھوڑا اور آذربائیجان کی طرف روانہ ہو گیا۔ مسلمانوں نے زائرین کو نہایت احتیاط سے اور ذمہ داری سے حراست میں لے رکھا تھا۔ چیز ان کی خانقاہ میں بہروز کو جس جگہ چھپایا گیا تھا وہ بڑی پُر پیچ جگہ تھی اس کے بیرونی حصوں میں چھوٹے چھوٹے حجرے تھے اور ان حجروں میں راہب اور تارک الدنیا لوگ دن رات کی پروا کئے بغیر نفس کشی میں مشغول رہتے تھے۔ ان حجروں کے آگے غار تھا اور اس غار کی لمبائی چوڑائی بہت دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

حجرے میں راہبوں نے بہروز کو گھیر لیا اور اس سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔

ایک ستر بہتر سالہ راہب نے اسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا۔ بہروز نے بھی اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ اس نے بوڑھے راہب میں ایسا حسن محسوس کیا جو وحشت اور بیزاریت میں روپوش ہو چکا تھا۔ شاید اس بوڑھے نے سالوں سے غسل نہیں کیا تھا۔ اس کے ناخن بھی بڑے بڑے تھے۔

راہب نے پوچھا "کیا تو مسیحی ہے؟"

بہروز نے جواب دیا "ہاں میں مسیحی ہوں اور مسلمانوں کا زخم خوردہ مسیحی ہوں۔"

راہب نے کہا "میں تیری بات نہیں سمجھا میرے بچے تو اس طرح بات کر کہ میں سمجھ سکوں۔"

بہروز نے کہا "مقدس باپ! میں مسلمانوں کے سلطان کے قریب رہ چکا ہوں۔ سلطان مجھ پر بے حد بھروسا کرتا تھا لیکن افسوس کہ میں اپنے ایک غلط فیصلے کی وجہ سے سلطان اور مسلمانوں سے دور ہو گیا اور میں وہ مقصد حاصل نہیں کر سکا جو میری زندگی کا عظیم مقصد تھا اور اس سے مسیحیت کو بڑے فائدے حاصل ہوتے۔"

وحشت زدہ راہب نے ہرمز کی باتوں میں زیادہ دلچسپی نہیں لی۔ "یہ دنیا چند روزہ ہے۔ اس میں اتنی اہمیت نہ الجھ کہ بس دنیا کا ہو کر رہ جائے۔ مسلمان تو خون خرابے میں مست ہے۔ یاد رکھ جو دوسروں کو قتل کرے گا وہ خود بھی قتل ہو جائے گا۔ مسیحیت کی حفاظت خدا اور یسوع مسیح خود کر لیں گے۔ اس لئے جو کام تیرے بس کا نہیں ہے اسے مت کر۔ جتنا بوجھ تو اٹھا سکتا ہے وہی اٹھا۔ اس سے زیادہ بوجھ اٹھانے کا خیال تو دل سے نکال دے۔"

ہرمز کے دل و دماغ بوڑھے راہب کی بات ماننے کو تیار نہ تھے۔

بوڑھے راہب نے ہرمز کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر کہا۔ "مسلمان تیرا پیچھا کر رہے ہیں۔ ان کے یہاں تک آنے سے پہلے تو چٹانوں کے اندر کے حجروں میں چلا جا۔ میں نہیں چاہتا کہ تیری غلط کاریوں سے ہمارے سکون میں خلل واقع ہو۔"

ہرمز نے جواب دیا "اندر تو میں چلا ہی جاؤں گا لیکن میری کوششوں کو میری غلط کاریاں نہ کہیں۔ میں ایک مجوسی ہونے کے باوجود حضرت مسیح اور مسیحیت کے لئے سلطان اور مسلمانوں سے بقا کی جنگ لڑ رہا ہوں۔"

راہب نے نفرت اور حقارت سے کہا "ہم ان انسان مسیحیت میں خون خرابا جائز نہیں۔ جنگ لڑنا بادشاہوں کا کام ہے۔ تو بھلا کیا جنگ لڑے گا۔ یہ تو تمہاری جان میں ہے۔ جا اندر غار کے حجروں میں چلا جا۔ وہاں تجھے کوئی نہ پا سکے گا۔"

ہرمز اندر کے حجروں میں روپوش ہو گیا۔

مسلمانوں نے ہرمز کو بہت تلاش کیا اور وہ اس کو ڈھونڈتے ہوئے ان چٹانی حجروں تک پہنچ گئے مگر وہ نہیں ملا۔ مسلمانوں کو یہاں کے نوجوانوں پر غصہ تھا۔ انہوں نے بستی والوں کو دھمکی دی کہ ہرمز کو تم لوگوں نے غائب کیا ہے اس لئے اس کو پیش بھی تمہی کرو گے۔ وہ سلطان کو خبر کرنے چلے گئے۔

ہرمز دو دن تک روپوش رہا۔ یہاں غار کے حجروں میں نصب کا سناٹا تھا۔ اس کے قریب ہی چشمے کا پانی آبشار کی شکل میں بلندی سے گر رہا تھا۔ اس کی آواز سناٹے کو توڑ رہی تھی۔ یہاں کے راہب ایک دوسرے سے بے خبر پڑے ہوئے تھے۔ ان میں بعض وہ تھے جنہوں نے دنیا کو بالکل چھوڑ دیا تھا اور انہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ ان کو اسلام، مسلمان اور سلطان کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ ان کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ آرمینیا اور جارجیا کو مسلمانوں نے فتح کر لیا ہے۔ ان کو کھانے پینے کی فکر بھی نہیں تھی۔ آس پاس کی آبادی سے ان کا کھانا آ جاتا تھا۔ بس یہی ان کا آزوقہ تھا۔ اس ماحول میں ہرمز کا دم گھٹنے لگا تھا۔ دو ہی دن میں وہ بیزار ہو گیا۔ وہاں اس کی ملاقات بھی ایسے ہی وحشت زدہ دنیا بیزاروں سے ہو رہی تھی۔ وہ اس ماحول میں یہ سوچ رہا تھا کہ اب اس کا حشر کیا ہو گا۔ وہ ہیلینا کے پاس کس طرح جائے گا اس سے رابطہ کس طرح قائم کرے گا۔ اس کو اس خانقاہ میں کوئی آدمی بھی نہیں مل رہا تھا جس کو وہ اپنا رازدار بنا کے کام لینے کی کوشش کرتا۔ یہاں کے یہ راہب اس کے کسی کام کے نہیں تھے۔ اس کو کھٹکا پیدا جس طرح چل رہا تھا وہ ایسا نہیں تھا کہ وہ یہاں زیادہ دن گزار سکے۔ چنانچہ ایک دن علی الصبح اٹھ کر اس نے اندر ہی اندر چل پھر کے باہر نکلنے کا منصوبہ بنایا۔ اس کو یقین تھا کہ چٹانوں کے اس پار آبادی ضرور ہو گی اور وہ قلعے کی گزرگاہ سے کافی دور اور مختلف سمت میں ہو گی۔ اس نے ایک خطرہ مول لیا اور راہبوں کو کچھ بتائے بغیر آگے ہی آگے چلتا رہا۔ اونچے نیچے راستوں پر چلتا ہوا سنسان مقامات سے گزرتا رہا پھر جلدی ہی اسے پتا چل گیا کہ وہ ساری جگہ راہبوں سے بچی ہے۔ اسے ہر جگہ راہب مل رہے تھے۔ تھوڑا سا فیر آباد راستہ طے کرتا کہ اکا دکا راہب پھر نظر آنے لگتے۔ پیچ دار اور اونچے نیچے راستوں پر چل کر وہ ایک آبادی میں داخل ہو گیا۔ یہاں ایک ٹیلے پر املی کا گھنا درخت سائبان کا کام دے رہا تھا۔ اس کے سائے میں تین آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اپنے سامنے اچانک ایک اجنبی کو دیکھ کر وہ کھڑے ہو گئے اور اس کو اپنی طرف آتا دیکھتے رہے۔ ہرمز کو ان میں دو چہرے شناسا نظر آئے۔ ہرمز ابھی انہیں اچھی طرح پہچان بھی نہیں سکا تھا کہ وہ تینوں ہرمز کے پاس پہنچ گئے اور ان میں سے ایک نے حیرت سے پوچھا "ہرمز تو یہاں کہاں؟ خیریت تو ہے؟"

اب آواز کی مدد سے ہرمز نے اپنے مخاطب کو پہچان لیا تھا۔ یہ راہب رابرٹ تھا۔ ہرمز نے پوچھا "آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

راہب رابرٹ نے پھر اپنی بپتا سنائی "سلطان اور ہیلینا کو قصیدے میں قید کر دیا گیا۔ اس کا جو نتیجہ نکلا اسے دیکھ کر میں بھاگ نکلا کیونکہ میں اگر ذرا دیر بھی ٹھہر جاتا تو مجھے قتل کرا دیا جاتا اور اگر قتل نہ بھی ہوتا تو گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا جاتا۔" راہب رابرٹ کا دوسرا ساتھی شاعر اسماعیل تھا جس کے قصیدے نے سلطان کو کئی دن تک پریشان رکھا تھا اور سلطان اپنے کئی مقربین سے بدگمان بلکہ متنفر ہو گیا تھا۔

ہرمز نے اسے مبارکباد دی "مبارک ہو۔ تیرے قصیدے نے وہ کام کیا جو کوئی بڑا منصوبہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔"

شاعر اسماعیل نے جواب دیا "لیکن اس قصیدے نے مجھے چور بنا دیا۔ سلطان کے آدمی مجھے تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

ہرمز نے پوچھا "تم دونوں کو کچھ معلوم ہے کہ اس قصیدے نے کیا گل کھلایا ہے؟"

راہب رابرٹ اور شاعر اسماعیل نے ہرمز کو سوالیہ نظروں سے دیکھا "کیوں؟ کیا ہوا؟"

بہروز نے جواب دیا "ہم نے یہ سوچا تھا کہ یہ قصیدہ سلطان اور اس کے رفقاء میں اختلاف اور انتشار کے بیج بو دے گا جس سے سلطان ذہنی انتشار کا شکار ہو جائے گا اور سلطان کے فیصلوں میں ضعف اور اضمحلال پیدا ہو جائے گا۔ کلیسا اور مسیحیت اس سے فائدہ اٹھائیں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔ تیرے قصیدے سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوئے۔"

راہب رابرٹ نے پوچھا "وہ کیوں؟"

بہروز نے جواب دیا "سلطان کی اقبال مندی اس کے ساتھ ہے اور مسلمانوں کو زمانے نے تحفظ دے رکھا ہے۔ سلطان نے اپنی اس الجھن پر اس طرح قابو پا لیا کہ ہیلینا کو طلاق دے دی اور اسکو حکم دیا کہ وہ وزیر خواجہ حسن سے شادی کر لے۔" اس افسوسناک خبر نے شاعر اسماعیل اور راہب رابرٹ کو یکساں حیرت زدہ کر دیا۔ شاعر اسماعیل نے کہا "یہ نہیں ہو سکتا۔"

راہب رابرٹ نے کہا "یہ کس طرح ممکن ہے؟"

بہروز نے جواب دیا "ایسا ہی ہوا ہے۔ اس وحشت اثر خبر نے بادشاہ قسطنطنیہ کو، گرجاؤں، خانقاہوں کے پادریوں اور راہبوں کو غم و غصے میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ خبر قسطنطنیہ بھیج دی گئی اور وہاں کے فرمانرواؤں سے مدد اور حمزہ پر حملہ آرائی کی درخواست کی گئی ہے۔"

شاعر اسماعیل نے اپنا سر پیٹ لیا "پھر میں تو کہیں کا نہیں رہا۔ سلطان اور مسلمان میرے دشمن ہو چکے ہیں اور ان کے آدمی مجھے تلاش کر رہے ہیں۔"

راہب رابرٹ نے بہروز سے پوچھا "تو ہمارے درمیان کیسے آ گیا۔ ہم تو خود مسلمانوں سے چھپتے پھر رہے ہیں۔"

بہروز نے اپنی داستان سنائی "میں شہزادی ہیلینا کو مسلمانوں کے چنگل سے رہائی دلانا چاہتا ہوں اور بمشکل ان سے بچ کر یہاں آیا ہوں۔"

شاعر اسماعیل نے کہا "میں زیادہ عرصے اس طرح نہیں رہ سکتا۔ بہروز، میں نے یہ کام تیری خاطر کیا تھا۔ تو شاعر مائیکل جولی کو سامنے نہیں لانا چاہتا تھا۔ اس کا کام میں نے کر دیا۔ اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ سلطان کے پاس واپس جاؤں اور اسے سب کچھ سچ سچ بتا دوں۔"

راہب رابرٹ نے منع کیا "ایسی غلطی بھی نہ کرنا۔ سلطان تجھے معاف نہیں کرے گا۔"

شاعر اسماعیل نے کہا "میرا خیال ہے، سلطان مجھے معاف کر دے گا۔ میں اسے بتا دوں گا کہ یہ قصیدہ میرا نہیں ہے مائیکل جولی کا ہے۔ میں نے یہ کام بہروز کے ایما پر کیا تھا۔"

بہروز نے اسے منع نہیں کیا "تو شوق سے مسلمانوں میں چلا جا لیکن یاد رکھ، سلطان تجھے معاف نہیں کرے گا اور تو ناحق اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔"

شاعر اسماعیل راہبوں کے اس ماحول سے خصوصی طور پر متاثر تھا۔ "اس ماحول سے تو موت بہتر ہے۔ میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔"

راہب رابرٹ نے بہروز سے کہا "اس کو تو ہی سمجھا۔ یہ بلاوجہ اپنی جان گنوا دے گا۔"

لیکن منصوبہ ساز اور ہوشیار بہروز نے اس کی حوصلہ افزائی کی "بے شک، میرا بھی یہی خیال ہے کہ ہمیں اس ماحول سے نکل جانا چاہئے" پھر شاعر اسماعیل کی طرف بغور خاص دیکھا اور کہا۔ "اس وقت مجھے تیرے جیسے ایک حوصلہ مند اور بہادر ہستی کی ضرورت ہے۔"

شاعر اسماعیل سوالیہ نظروں سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

بہروز نے کہا "دیکھ اسماعیل میں ہیلینا کو اس ماحول سے نکالنا چاہتا ہوں۔ تو نے اپنے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے، وہ مناسب ہے۔ تو سلطان کے پاس جا اور اس سے معافی مانگ لے... تو اپنے معافی نامے میں رنگ بھرنے کے لئے مجھے جتنا ذلیل کرنا چاہے کر لے۔ مجھے یقین ہے کہ اس طرح سلطان تجھے معاف کر دے گا اور تو ایک بار پھر مسلمانوں کے درمیان رہ سکے گا پھر تو ہیلینا سے رابطہ قائم کر کے اسے بتائے گا کہ میں اسکو لینے آیا ہوں۔ اس کے بعد پھر تو کسی بہانے شہزادی ہیلینا کو سلطانی خیموں کے شہر سے دور لے آئے گا اور میں اسے لے کر فرار ہو جاؤں گا۔"

شاعر اسماعیل نے پوچھا "اور میرا کیا بنے گا؟"

بہروز نے جواب دیا "تو بھی ہم دونوں کے ساتھ جارجیا چلے گا اور میں یہ وعدہ انتہائی وثوق سے کرتا ہوں کہ جارجیا کا بادشاہ قسطنطنیہ تجھے کوئی اہم منصب ضرور دے گا۔"

شاعر اسماعیل نے پوچھا "اور اگر سلطان نے میری موت کے فرمان پر دستخط کر دیئے تو؟"

بہروز نے جواب دیا "ہاں ایسا بھی ہو سکتا ہے مگر اس کے لئے تو پہلے ہی کہہ چکا ہے کہ تو موت سے نہیں ڈرتا۔ اگر تو قتل بھی کر دیا گیا تو ایک اعلیٰ اور ارفع مقصد کیلئے جان دے گا۔"

شاعر اسماعیل ہنسنے لگا "بہروز! تو بہت چالاک انسان ہے۔"

بہروز نے جواب دیا "میں چالاک نہیں ایک سادہ لوح ہستی ہوں اور ہر حال میں یہی چاہتا ہوں کہ میری جان بچی رہے، خداوند مسیح کے پرستاروں کو اس سے فائدہ پہنچنا چاہئے۔" راہب رابرٹ کی سمجھ میں بھی یہ بات آ رہی تھی کہ بہروز اپنی مقصد برآری کے لئے شاعر اسماعیل کو دار پر چڑھانا چاہ رہا تھا۔

بہروز نے کہا "اب ہمارا پہلا کام یہ ہو گا کہ کسی طرح یہاں سے نکل چلیں۔"

شاعر اسماعیل نے جواب دیا "میرا بھی یہی خیال ہے اور مجھے یہاں کے لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ اگر ہم یونہی چھپے رہیں اور

آگے بڑھتے رہیں تو ایک نہ ایک دن ہم بحیرۂ خزر کے ساحل پر جا نکلیں گے۔"

راہب رابرٹ نے کہا "لیکن میں تم دونوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ میں یہیں رہوں گا۔"

ہبروز نے کہا "لیکن ایک کام تم بھی کر سکتے ہو۔"

راہب رابرٹ اس کی شکل دیکھنے لگا پھر پوچھا "وہ کیا؟ بھلا میں کیا کر سکتا ہوں؟"

ہبروز نے جواب دیا "میں شہزادی ہیلینا کو وہاں سے نکال کر راہبوں کی اس بستی میں آجاؤں گا۔ تم اسے یہاں چھپا لوگے اس وقت تک کے لئے جب تک کہ خطرہ ٹل نہ جائے۔" یہ کام راہب رابرٹ کی مرضی اور پسند کا تھا۔ شہزادی ہیلینا ابھی تک اس کے دل کے کسی گوشے میں موجود اپنی دلنواز مسکراہٹوں سے اسے لبھا رہی تھی۔

ہبروز نے پھر کہا "اگر تم کو میرے منصوبے سے اتفاق ہو تو میں تمہیں بھی اس منصوبے میں شامل کر سکتا ہوں۔"

راہب رابرٹ نے جواب دیا "مجھے منظور ہے۔ میں تم دونوں کا پتا کسی کو نہ بتاؤں گا۔"

تینوں نے اپنے ہاتھ تلے اوپر کئے اور عہد کیا کہ وہ بہر حال شہزادی ہیلینا کو سلطانوں کے چنگل سے رہائی دلا کر رہیں گے۔

ہبروز ابھی تک ان دونوں کے تیسرے ساتھی کے بارے میں کچھ نہ جانتا تھا لیکن اتنا اندازہ ضرور لگا لیا تھا کہ یہ بھی انہی دونوں جیسا دکھی ہی ہوگا۔ اس نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا اور راہب رابرٹ سے پوچھا "یہ کون ہے؟ کہاں کا ہے؟"

راہب رابرٹ نے جواب دیا "یہ بڑا دکھی انسان ہے۔ اس پر جعلی سکے بنانے کا الزام ہے۔ آرمینی حکومت کو اس کی تلاش ہے حالانکہ یہ منکر ہے کہ اس نے یہ جرم نہیں کیا۔"

ہبروز نے کہا "آرمینیا کو تو سلطانوں نے فتح کر لیا پھر یہ کیوں روپوش ہے؟"

شاہو اسماعیل نے کہا "خوف بڑی بری چیز ہے۔ جعلی سکے بنانے والوں کو موت کی سزا دی جاتی ہے اور یہ اپنی موت سے بھاگتا پھر رہا ہے۔"

ہبروز نے اس سے براہ راست سوال کیا "کیا تو مسیحی ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا "ہاں میں مسیحی ہوں لیکن آرمینی نہیں ہوں۔ میں آشوری ہوں، نگاہ کرنے والا۔"

ہبروز نے حیرت کا اظہار کیا "آشوری اور غلام! تجھے غلام کس نے بنا دیا؟"

آشوری نے جواب دیا "مجھ کو حلب سے پکڑا گیا اور تجریز کے بازار میں فروخت کر دیا گیا وہاں سے مجھے ایک آرمینی تاجر نے خرید لیا تھا۔"



ہبروز نے پوچھا "پھر، پھر کیا ہوا؟"

آشوری نے جواب دیا "میں کام کر کے جو کچھ کماتا تھا اس کا بیشتر حصہ میرا آرمینی تاجر لے لیتا تھا پھر میں نے کچھ پس انداز کرنا شروع کر دیا مگر آرمینی تاجر کو میری یہ بات پسند نہ آئی اس نے مجھ پر سختی شروع کر دی اور میرا جینا دوبھر ہو گیا۔"

ہبروز کو اس کی باتوں میں مزہ آرہا تھا، پوچھا "پھر کیا ہوا؟"

آشوری نے جواب دیا "میں نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ میرے مالک نے مجھے جتنے میں خریدا تھا اس سے کئی گنا زیادہ ادا کر کے آزادی حاصل کر لوں گا۔"

ہبروز نے پوچھا "کیا تو اتنی رقم پس انداز کر سکتا تھا؟"

آشوری نے جواب دیا "کیوں نہیں میں سنگ جو ہوں میں شیشہ گر ہوں، میں جلد ساز ہوں، میں بہترین خطاطی کر لیتا ہوں، میں جڑی بوٹیوں سے پیچیدہ مرض کا علاج کر لیتا ہوں۔ ایسے ہنر مند انسان سے کیا یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اتنی دولت کما لے جو اس کی آزادی کے لئے کافی ہو؟"

ہبروز نے کہا "تو تو بڑے کام کا آدمی ہے مگر تو نے یہ نہیں بتایا کہ تو جعلی سکے بھی بناتا ہے۔"

آشوری ہنر مند نے جواب دیا "جعلی سکے کیا میں اصلی سکے بنا سکتا ہوں لیکن میں نے یہ کام کیا ہی نہیں۔"

ہبروز نے پوچھا "پھر تو پکڑا کس طرح گیا؟"

آشوری نے جواب دیا "میں پکڑا نہیں گیا اگر پکڑا جاتا تو موت کی سزا پاتا اور آج آپ لوگوں کے درمیان نہ ہوتا۔"

ہبروز نے پوچھا "پھر... پھر کیا ہوا؟"

آشوری نے جواب دیا "ایک دن میرے آرمینی آقا نے میری پس انداز کی ہوئی دولت پر زبردستی قبضہ کر لیا اور جب

میں نے احتجاج کیا تو اس نے مجھے دھمکی دی کہ وہ مجھے کسی مقدمے میں پھنسا کر سزا دلوا دے گا۔ میں نے آرمینی عدالت میں اپنے آقا کی زیادتیوں کے خلاف مقدمہ کر دیا تو اس نے حکومت کو میرے بارے میں یہ جھوٹی خبر دے دی کہ میں جعلی سکے بناتا ہوں۔ اس خبر سے جو مجھ پر قیامت ٹوٹی، اس کا کیا حال بیان کروں۔ مجھے اس کی بروقت خبر ہو گئی اور میں بھاگ کھڑا ہوا۔ حکومت کے آدمی مجھے تلاش کر رہے تھے اور میں چھپتا پھر رہا تھا۔ چھپتا چھپاتا میں یہاں تک آ گیا اور راہبوں نے مجھے پناہ دے دی۔ یہاں شاعر اسماعیل اور راہب رابرٹ سے ملاقات ہوئی۔ ان دونوں نے مجھے تسلی دی اور بتایا کہ وہ خود بھی مفرور ہیں اور مسلمان انہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔"

بہروز نے اس کی داستان سن کر سرد آہ بھری "یہاں کون ہے جو دکھی نہیں۔ خداوند مسیح ہم پر رحم فرمائیں۔"

آشوری ہنرمند نے بھی ٹھنڈی سانس لی اور پوچھا "تم ان دونوں کو اگر یہاں سے کہیں اور لے جاؤ گے تو میرا کیا بنے گا؟ میں کہاں جاؤں گا؟"

بہروز نے کہا "دیکھو بھائی! ہم تینوں پریشان ہیں تو اگر چاہے تو ہمارے ساتھ چل اور اپنی ہنرمندی سے ہماری مدد کر۔"

آشوری نے جواب دیا "میں تم سب کے کیا کام آ سکتا ہوں۔ ویسے بھی میں باہر نکلتے ہوئے گھبراتا ہوں۔ یہ خانقاہ اور یہ کوہستانی پناہ گاہ بھی تو آرمینیا ہی میں واقع ہیں۔ کیا میں باہر نکلتے ہی پکڑا نہیں جاؤں گا؟ بس یہی خوف مجھے ہلکان کر رہا ہے۔"

بہروز نے اسے دلاسا دیا اور سمجھایا "دیکھ بھائی آشوری! تجھے خداوند مسیح نے ہنرمندی میں کمال عطا کیا ہے لیکن اس دنیا میں کسی کا ہنرمند اور صاحب کمال ہونا ہی کافی نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمت اور عقل بہت ضروری ہے۔ بس یہ سمجھ لے کہ کامرانی اور کامیابی کے نسخے میں عقل اور حوصلہ نہایت اہم اجزائے ترکیبی ہیں۔ اگر تو چاہے تو ان سے بڑے بڑے کام کر سکتا ہے۔" آشوری ہنرمند گم صم بہروز کی شکل دیکھ رہا تھا۔ بہروز نے اسے بتایا "میں تجھے ایک ایسا راستہ دکھا سکتا ہوں جس سے تو خود بھی فائدہ حاصل کر سکتا ہے اور ہمیں بھی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔"

آشوری اب بھی حیران اور خاموش تھا۔ وہ کوئی سوال بھی نہیں کر پا رہا تھا۔

بہروز نے پھر اپنی مثال دی "میں ایک بے آسرا شخص تیرے سامنے ہوں۔ میرے ماں باپ کا بھی کوئی پتا نہیں۔ میں یہاں تک اپنی عقل اور حوصلے سے پہنچا ہوں۔ آج میں فخر سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے مسلمانوں کے سب سے بڑے سلطان سے ہم کلامی کا شرف حاصل کیا ہے۔ میں ترکوں کے بادشاہ بیغو کے پاس بھی رہا ہوں۔ میں نے جارجیا کے بادشاہ بقراط کی مہمان نوازی کے مزے لوٹے ہیں۔ یہ سب کچھ میں نے اپنی عقل اور حوصلے سے پایا ہے۔ تو بھی اپنی عقل اور حوصلے کو کام میں لا اور بادشاہوں کے قریب ہو جا۔"

آشوری ہنرمند اپنی ذات میں اعتماد اور قوت محسوس کر رہا تھا۔ پوچھا "مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

بہروز کو ہنسی آ گئی "بھائی آشوری! میں تجھے سلطان الپ ارسلان کے دربار میں پہنچانا چاہتا ہوں۔ اس کے سامنے آرمینیا کے حکمران کی حیثیت ہی کیا۔ بس وہیں ڈٹے رہنا اور دیکھنا کہ خداوند مسیح تجھے کیسی عزت اور اختیار سے سرفراز فرماتے ہیں۔"

آشوری ہنرمند ابھی تک مطمئن نہیں تھا۔ وہ اب بھی اپنی ذات سے وابستہ جرم سے پریشان تھا۔

بہروز نے کہا "تو مسلمانوں کے لشکر میں ایک عام ہنرمند کی طرح جا اور سلطان کے وزیر خواجہ حسن سے ملنے کی کوشش کر۔ یہ کام کوئی سپاہی بھی کر سکتا ہے۔ تو جس سپاہی یا جس شخص سے بھی ملے اس سے یہی کہہ کہ تو ایک آشوری ہنرمند ہے اور اپنی ہنرمندی سے مسلمانوں کو فائدے پہنچانا چاہتا ہے۔"

آشوری ہنرمند کسی ناتجربے کار لڑکے کی طرح بہروز کی باتیں سن رہا تھا۔ شاعر اسماعیل اور راہب رابرٹ کو ان دونوں کی باتوں میں مزہ آ رہا تھا۔ بہروز اس کو سمجھاتا رہا "وزیر خواجہ حسن سلطان الپ ارسلان کی حکومت کی عمارت کا بنیادی ستون ہے۔ تو بھی اس کا سہارا لے کر وہاں قدم جما سکتا ہے۔ جب اپنی ہنرمندی کے جوہر دکھا کر ان کے دل و دماغ پر قبضہ جما لے گا تو پھر تیری یہ آنکھیں اپنے آس پاس کا جائزہ لینا شروع کر دیں گی۔ وہاں تجھ کو شہزادے نظر آئیں گے۔ ان شہزادوں میں ایک ولی عہد ہو گا 'شہزادہ ملک شاہ'۔ امراء ہوں گے۔ فوجی عہدے دار ہوں گے۔ وہاں سلطان کے خیموں میں خواتین کے خیمے بھی ہوں گے۔ سلطان کی بیویاں اور ان کی کنیزیں۔ یاد رکھ سلطان اور ایک مسلمان کی زندگی میں ان عورتوں کی بڑی اہمیت ہے۔ یہ ان کے دلوں پر حکومت کرتی ہیں جبکہ وہ خود ملکوں اور قوموں پر حکومت کرتے ہیں۔ قوموں اور ملکوں کے فاتح عورتوں کے ہاتھوں مفتوح ہو جاتے ہیں مگر ان کا یہ خاص عقیدہ ہے کہ عورت عقلاً ان کی ہم پلہ نہیں ہوتی اس لئے عورت کو اہل الرائے نہ سمجھا جائے۔ ان کے دماغوں پر عورت کا ذرا سا بھی اثر نہیں ہوتا۔" پھر اچانک اس نے اپنی تقریر روک دی اور پوچھا "آشوری ہنرمند! کیا تو میری باتیں غور سے سن رہا ہے؟"

ایمانداری کی بات بھی یہی تھی کہ آشوری ہنرمند بہروز کی باتوں کے سحر کا شکار ہو چکا تھا۔ اس کو ہوش میں آنے کے لئے ذرا سا وقت لگا اور جواب دیا "ہاں میں آپ کی باتیں اچھی طرح سن رہا ہوں اور خوب سمجھ رہا ہوں۔"

بروز نے کہا "ہاں مسیحی یہی کہتے ہیں۔۔۔۔ اگر تجھے یاد رہے تو پیشہ ور گروہ اور کامیاب رہے گا۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ سلطان کے خیموں کے پاس ہی خواتین کے خیمے بھی ہوں گے۔ انہی میں سے کسی ایک خیمے میں جارجیا کے بادشاہ بقراط کی بھتیجی اور سلطان کی سابقہ بیوی شہزادی ہیلینا بھی ہو گی۔"

لفظ سابقہ نے کسی کو بے چین کر دیا اور کسی کو حیران۔ آشوری ہنرمند نے پوچھا "یعنی بادشاہ کی بھتیجی اور سلطان سلطان اس کا شوہر۔ اسکے علاوہ سابقہ سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

برروز نے جواب دیا "لفظ سابقہ سے میری وہی مراد ہے جو اسکے معنی ہیں۔ ہیلینا پہلے سلطان کی بیوی تھی مگر اب وہ بیوی نہیں رہی۔ سلطان نے اسے طلاق دے دی۔"

راہب رابرٹ نے بے چینی سے دریافت کیا "کیا یہ خبر درست اور پکی ہے؟"

برروز نے جواب دیا "بالکل پکی۔ میں ہیلینا کی خاطر یہاں تک گیا ہوں اور اسی کی خاطر سلطان کے قریب جاؤں گا" چاہے اس کوشش میں میری جان چلی جائے۔"

آشوری ہنرمند کو ان فضول باتوں سے ذرا سی بھی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے کہا "اب آپ اور کیا کہیں گے" اپنی بات جاری رکھیں فضول باتوں سے تقریر کا ربط نہ توڑیں۔"

راہب رابرٹ نے برجستہ کہا "جب تک تو اپنی آنکھوں سے مطلقہ ہیلینا کو نہ دیکھ لے اسے مطلقہ کس طرح کہے گا؟"

برروز نے جواب دیا "یہ خبر پادریوں اور راہبوں نے دی ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔"

آشوری ہنرمند کی بے چینی عروج پر تھی۔ اس نے راہب رابرٹ سے درخواست کی "جناب مجھے پوری بات سن لینے دیں۔ اس کے بعد یہ فضول بات کر لیجئے گا" اس کے بعد وہ برروز سے مخاطب ہوا "ہاں تو وہیں مطلقہ ہیلینا ہو گی۔"

برروز نے اپنی تقریر جاری رکھی "مطلقہ کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ وزیر خواجہ حسن سے شادی کر لے اور خواجہ حسن کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس مطلقہ شہزادی ہیلینا کو اپنی بیوی بنا لے۔"

آشوری ہنرمند کو بڑا دکھ ہوا بولا "یہ تو مسیحیت اور کسی شہزادی کے ساتھ ظلم ہو رہا ہے اور کوئی اس میں مداخلت بھی نہیں کر رہا۔ آخر بادشاہ بقراط کیوں خاموش ہے؟"

برروز نے جواب دیا "وہی تو میں تجھے بتانا اور سمجھانا چاہتا ہوں کہ جو کام شہزادی ہیلینا کا چچا اور جارجیا کا بادشاہ بقراط نہیں کر سکا اسے ہم کریں گے۔ ہم سے میری مراد ہے ہم دونوں۔ یعنی یہ کام میں کروں گا اور تو میرا شریک رہے گا۔"

آشوری ہنرمند نے بے بسی اور کم ہمتی سے پوچھا "بادشاہوں کا کام بھلا ہم دونوں کس طرح کریں گے؟ کمزور اور غریبی کے لحاظ سے دو حقیر انسان۔"

برروز مسکرانے لگا "کیا تو میری عقل اور حوصلے والی بات بھول گیا؟" اس نے پہاڑوں اور پتھروں کو کاٹ کر اور تراش کر بنائے جانے والے حجروں اور ان کے محرابوں اور دروں کی طرف اشارہ کیا۔ "تو انہیں دیکھ رہا ہے؟ کیا انہیں ہزاروں کم عقلوں نے بنایا ہے صرف اپنی جسمانی قوت و طاقت سے؟ نہیں۔ پہلے انسانی عقل نے ہتھوڑی چھینی کدال اور دوسرے اوزار بنائے پھر انسانی حوصلے نے ان کو ہمارے رہنے کے قابل بنایا۔ میں دراصل یہ ثابت کرنے لگا ہوں کہ جو کام بادشاہ اور اس کی فوج نہیں کر سکی اسے میں انجام دے سکتا ہوں چند اچھی بھی عقل مند اور ہمت انسانوں کی مدد سے۔"

آشوری ہنرمند نے پوچھا "مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

برروز نے جواب دیا "تیرا اسی یہاں سے شروع ہو گیا ہے کہ تو مظلوم ہے حضرت مسیح کی طرح۔ تو مجرم ہے اس مجرم کی طرح جس نے جرم نہیں کیا" مگر مجرم کہلایا۔ تو مفرور ہے اور اگر تو فرار نہ ہوتا تو جیل خانے جلانے کے جرم میں موت کی سزا پاتا۔ تو زندہ اس لئے ہے کہ تو مفرور ہے اور تو مفرور اس لئے ہے کہ تو نے فرار ہونے کی ہمت کی۔ تجھ میں زندہ رہنے اور فرار ہونے کا حوصلہ تھا۔ اب تو اپنی عقل اور حوصلے کو سلطانوں کے سلطان الپ ارسلان اور اس کے وزیر خواجہ حسن تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کام میں لائے گا پھر تو اپنی ہنرمندی کی بدولت جلد از جلد کوئی اعزاز اور مقام حاصل کرے گا۔ اعزاز اور مقام سے تیرا اعتماد قائم ہو گا۔ جب اعتماد قائم ہو جائے گا تو شہزادی ہیلینا پر توجہ دے گا جو تیری ہی طرح مظلوم اور مجبور ہے۔ وہ غلام رہ چکا ہے۔ شہزادی آزاد تھی مگر غلام بنا دی گئی۔ غلامی کے کرب کا احساس جتنا تجھے ہو گا کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ تو تھا کا عام شہری تھا۔ ایک آزاد شہری جسے طلب سے پکڑ کر غلام بنا دیا گیا تھا۔ میں نے تجھے آزادی کی راہ دکھائی ہے۔ تو دوبارہ آزاد شہری ہو جائے گا اور تجھے غیر معمولی اعزاز و اکرام بھی حاصل ہو جائے گا۔"

آشوری ہنرمند اس تقریر کی حسین منظر کشی سے خیالوں ہی خیالوں میں خواجہ حسن اور اس کے توسط سے سلطان تک رسائی حاصل کر چکا تھا۔ اس نے خود کو ایک محفوظ اور آزاد دنیا میں سرور و خوش و خرم دیکھا پھر خیموں کے اس شہر میں اس نے شہزادی ہیلینا کو بھی دیکھا جو پر امید نظروں سے اسکی طرف دیکھ رہی تھی۔

برروز نے پوچھا "یہ تو اس وقت ہے کہاں؟ کیا تو میری باتیں غور سے سن رہا ہے؟"

آشوری ہنرمند نے جواب دیا "میں نے آپ کی ہر بات سنی

غور اور توجہ سے سنی ہے۔ اب آپ مجھے بتائیں کہ مجھے اور کیا کرنا ہو گا؟"

بہروز نے کہا "مگر پہلے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"

آشوری نے پوچھا "کون سی بات ہے؟"

بہروز نے جواب دیا "یہ کہ ہمیں کوئی چیز مفت نہیں ملتی۔ ہم بازاروں اور دکانوں پر جاتے ہیں اور وہاں سے جو بھی مطلوبہ شے حاصل کرتے ہیں اس کی ہمیں ایک خاص قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ تو اپنی ہنر مندی کا حاصل کسی کو مفت میں نہیں دے دیتا۔ مگر میں نے ابھی ابھی جو کچھ تجھے دیا ہے۔ کیا تو سمجھتا ہے کہ یہ سب مفت دیا ہے؟"

آشوری ہنر مند اس ذہین اور ہوشیار نوجوان سے مرعوب اور متاثر ہو چکا تھا۔ ذرا مزاح اور تفنن طبع کے لئے اس نے کہا "ابھی تک تو آپ نے جو کچھ دیا ہے مفت ہی دیا ہے۔"

بہروز نے کہا "غلط بالکل غلط۔ دراصل میں نے تجھے جو کچھ دیا ہے وہ بدلہ ہے اس شے کا جو میں تجھ سے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ابھی تو پوری زندگی پڑی ہے تجھے عقل و دانش کی راہ دکھانے کے لئے۔ تو کسی بھی طرح شہزادی ایلینا سے مل اور اس کے فرار ہونے میں اس کی مدد کر۔ جس طرح تو نے غلامی سے آزادی کی طرف سفر کیا ہے اسی طرح شہزادی ایلینا کو غلامی سے آزادی کی طرف فرار کرا دے اور یہی وہ قیمت ہو گی جو تو میری رہنمائی کے عوض ادا کرے گا۔"

راہب رابرٹ نے پوچھا "تجھے اتنی عقل اور دانش کہاں سے مل گئی؟"

اس نے جواب دیا "تجربوں سے۔ اپنی بے بسی اور زبوں حالی سے۔ بیماری اور بے مددگاری سے۔"

آشوری کو ہر کسی کی بات گراں گزر رہی تھی۔ پوچھا "مگر میں وہاں کب جاؤں؟"

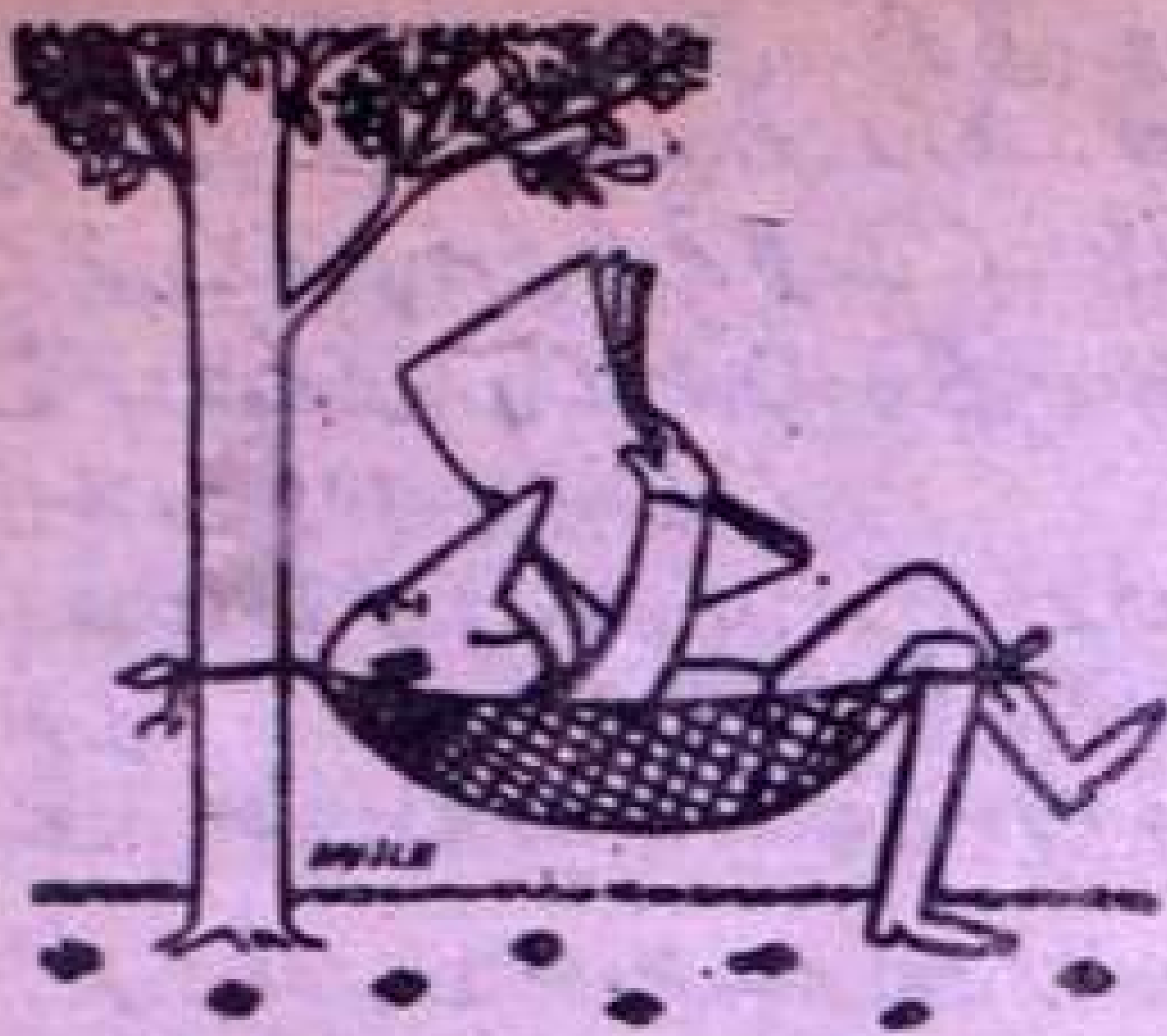
بہروز نے اپنے گرد و پیش نظر ڈالی پھر کہا "پہلے یہاں سے تو نکل۔ ہم یہاں سے کس طرح نکلیں گے؟"

آشوری ہنر مند نے جواب دیا "یہ میں سوچ کر بتاؤں گا۔"

شاہد اسماعیل کو بہروز کی باتوں نے کسی اور ہی دنیا میں پہنچا دیا تھا۔ اس نے کہا "اگر یہ باتیں میں نے پہلے سن لی ہوتیں تو میں بھاگ کر یہاں ہرگز نہ آتا بلکہ سلطان کے آس پاس رہ کر وہ ہنگامہ کھڑا کرتا کہ دنیا دیکھتی رہ جاتی۔"

بہروز نے کہا "تو اب کیا بات ہے۔ تو اس ہنر مند آشوری کے ساتھ چلا جا اور عقل اور حوصلے سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر لے اور پھر آشوری کی مدد سے شہزادی ایلینا کو وہاں سے فرار کرا دے۔ میں اس کو اس کے وطن جارجیا میں پہنچا دوں گا۔"

راہب رابرٹ نے کہا "جب تم سب ہی چلے جاؤ گے تو میں



یہاں تنہا کیا کروں گا؟"

بہروز نے جواب دیا "آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔"

راہب رابرٹ نے پوچھا "کہاں؟"

بہروز نے جواب دیا "پہلے یہاں سے نکلیں گے اس کے بعد تنجیران... کی خانقاہ میں چلے جائیں گے ہو سکتا ہے کہ کسی مرحلے پر تنجیران... کی یہ خانقاہ بھی ہماری مدد کرے" لیکن راہب رابرٹ اب کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ جس بہروز کو اس نے ناتجربہ کار اور نو عمر نوجوان کہہ کے ہمیشہ نظر انداز کر دیا تھا آج اس کی دانش و خرد سے لبریز باتیں راہب رابرٹ کے لئے بھی رہنما اصول بن گئی تھیں۔ اس نے سوچا اگر میں شروع ہی میں عقل اور حوصلے کو اپنا رہنما اور مشعل راہ بناتا تو شاید ایلینا آج میرے ساتھ ہوتی۔

بہروز اسے سمجھا رہا تھا "میں آپ کو اور کیا مشورہ دوں گا۔ آپ تنجیران کی خانقاہ میں چلے جائیں اس طرح سلطان اور سلطان آپ کو نہیں ستائیں گے۔ آپ ان کی اسی رعایت اور کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ہماری مدد کر سکیں گے۔" راہب رابرٹ نے بھی ہمت و حوصلے کو مشعل راہ بنایا اور تنجیران جانے پر آمادہ ہو گیا۔ اب یہ چاروں مشرق کی سمت چل دیئے۔ ان کے سامنے جنوب کا راستہ بھی تھا لیکن یہ راستہ انہیں آذربائیجان پہنچا دیتا۔ جہاں سلطان کی حکومت تھی' سلطان کی عملداری تھی۔ وہ راستہ تو نہیں جانتے تھے لیکن انہیں یہ ضرور معلوم تھا کہ اگر وہ مشرق کی طرف بڑھتے چلے جائیں گے تو ایک نہ ایک دن بحیرۂ خزر کے ساحل پر آباد مچھیروں کی بستی میں پہنچ جائیں گے۔ پھر وہ وہاں سے منصوبہ بنا کر اور خوب سوچ سمجھ کر آذربائیجان میں داخل ہو جائیں گے اور یہاں وہ ایک دوسرے سے جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔

دوران سفر چاروں نے ان بے شمار کلفتوں اور خطروں زمین

انسانوں کو دیکھا جو تارک الدنیا راہب کہلاتے تھے۔ ان بد ذاتوں کی طرح جنہیں اللہ نے جو اعضاء جس کام کے لئے دیئے تھے یہ ان سے بیزار ان سے کام نہ لینے کا عہد کئے یہاں گزر بسر کر رہے تھے۔ عورتوں سے نفور' دوستوں سے مجبور' موجود شے کو چھوڑ کر ناموجود کی فکر میں ہلکان اور پریشان یا جو ان کے سامنے تھی اس سے آنکھیں بند کئے نامعلوم دنیا کی محبت دل میں بسائے دنیا بھر کی مصیبتیں جھیل رہے تھے۔ راہب رابرٹ کو یہ دنیا بیکار نظر آنے لگی۔ راہبوں اور گوشہ نشینوں کی دنیا۔ ان کا عمل اسے فضول اور ہیچ نظر آ رہا تھا۔ وہ چاروں اونچے نیچے راستوں کو طے کرتے' دم لیتے ستاتے اور آگے قدم بڑھاتے اندازے سے بحیرۂ خزر کے ساحل پر آباد مچھیروں کی بستی کی طرف چلے جا رہے تھے۔

ہنرمند آشوری کے بال کو بڑے بڑے تھے مگر وہ داڑھی اور مونچھوں کے بال بڑھنے نہیں دیتا تھا۔ اس کے پاس ایک موچنا تھا جس کی مدد سے ان بالوں کو نوچ کر پھینک دیتا تھا۔ شروع شروع میں راہب رابرٹ کو اس کی یہ عادت اچھی نہیں لگتی تھی لیکن بعد میں وہ اس کا عادی ہو گیا تھا۔

شاعر اسماعیل کو اس کی یہ عادت دلچسپ لگنے لگی تھی پھر وہ غیر محسوس طور پر اتنا متاثر ہوا کہ اگر راہب رابرٹ کی خفگی کا خوف نہ ہوتا تو وہ اپنے لئے ایک موچنا تلاش کرتا اور آشوری کی طرح خود بھی داڑھی اور مونچھ کی طرف سے فارغ البال ہو جاتا۔

کئی دن بعد جب ان کے جسم چپچپانے لگے اور ہوا میں نمی محسوس ہونے لگی تو انہیں محسوس ہوا کہ بحیرۂ خزر کے قریب پہنچ چکے ہیں۔

وہ چاروں رات گزارنے کے لئے ایک ناتراشیدہ حجرے کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ پتھروں پر بار بار انسانی ہاتھوں کی رگڑ سے چکنا پن پیدا ہو گیا تھا اس بات نے انہیں یقین دلا دیا کہ اندر کوئی رہتا ہے جس نے بہروز کو آگے بڑھایا۔ رات تو گزارنی تھی۔ کھلا آسمان اور منجمد کر دینے والی سردی سے بری ہے اگر کہیں پناہ مل سکتی تو وہ یہی ناتراشیدہ حجرہ تھا۔ شام کے جھٹپٹے کا وقت تھا۔ بہروز نے حجرے میں جھانک کر پوچھا "اندر کوئی ہے؟"

کئی بار آواز دینے کے بعد اندر سے ایک بوڑھا راہب نکلا۔ خاصا عمر رسیدہ جس کی کمر جھکی ہوئی تھی اور بڑے بالوں والی بھنویں تک سفید ہو گئی تھیں اس نے ان چاروں کو غور سے دیکھا اور پوچھا "کیا چاہتے ہو؟"

اس بار راہب رابرٹ آگے بڑھا اور اپنا تعارف کرایا "میں بھی ایک راہب ہوں۔ بحیرۂ خزر کے کنارے والی خانقاہ میں جا رہا ہوں۔ بس شب بسری کے لئے پناہ درکار ہے۔"

بوڑھے راہب نے انہیں اندر آنے کا راستہ دے دیا۔ جب وہ اندر داخل ہو رہے تھے تو بوڑھا میزبان راہب ہر ایک کو غور سے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا پھر جیسے ہی اس کی نظر ہنرمند آشوری کے چہرے پر پڑی تو وہ چند قدم پیچھے ہٹ گیا اور منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

اندر ان لوگوں کو دودھ پیش کیا گیا۔ اندر اور بھی کئی راہب تھے۔ انہوں نے اپنی اپنی مرگ چھالائیں اپنے مہمانوں کو دے دیں۔ یہ مرگ چھالائیں انہیں کس نے دی تھیں؟ شاید خالص دنیاداروں نے جو ان کے تقوے سے مرعوب تھے۔

دودھ کے چار پیالے پیش کرنے کے بعد بوڑھے راہب نے کہا "یہاں رات کو کچھ بھی نہیں ملے گا اس لئے تم سب کو اسی پر اکتفا کرنا ہو گی۔"

راہب رابرٹ نے جواب دیا "میں اس کے بغیر بھی رات بسر کر سکتا ہوں۔"

شاعر اسماعیل نے کہا "میں معدے کا مریض ہوں اس لئے بھوکا نہیں رہ سکتا۔"

راہب رابرٹ نے اپنا دودھ بھی شاعر اسماعیل کو دے دیا "لے تو اسے بھی پی لے۔"

بہروز خاموش تھا۔ آشوری ہنرمند نے آہستہ سے پوچھا "کیا ایک پیالہ دودھ میرے لئے کافی ہو گا؟"

بہروز نے جواب دیا "فی الحال تو کافی ہے۔ رات بسر کر کے صبح دیکھا جائے گا۔" آشوری دودھ کا پیالہ ہونٹوں سے لگا کر غٹاغٹ پی گیا۔ بہروز نے اپنا پیالہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

آشوری نے یہ پیالہ نہیں لیا اور کہا "جناب میں نے آپ کو اپنا استاد مان لیا ہے پھر میں آپ کے حصے کا دودھ کس طرح پی سکتا ہوں؟"

بہروز نے اصرار کیا "استادی شاگردی اپنی جگہ۔ یہ دودھ تو پی لے۔"

حجرے کا بوڑھا راہب ان چاروں سے دور چلا گیا تھا۔ آشوری ہنرمند نے بہروز کے حصے کا دودھ نہیں پیا۔ مرگ چھالاؤں پر انہیں خوب نیند آئی۔ رات کے اندھیرے میں اور خانقاہ کے چاروں طرف سے بند ہونے کی وجہ سے معمولی سا چراغ بھی اچھی روشنی دے رہا تھا۔ بہروز کو نیند نہیں آ رہی تھی' اس نے یہاں بھی آبشار کی آواز سنی جو کہیں قریب سے آ رہی تھی۔ رات کے پچھلے پہر آشوری بھی جاگ گیا اس نے بہروز کو بیٹھے ہوئے دیکھا تو خود بھی اٹھ کر بیٹھ گیا اور پوچھا "آپ کو نیند نہیں آ رہی؟"

بہروز نے جواب دیا "مجھے اس وقت تک نیند نہیں آئے گی جب تک میں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاؤں گا۔"

آشوری چپ ہو گیا۔ آبشار کی آواز وہ بھی سن رہا تھا پھر اس نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا "یہ آبشار کی آواز آپ بھی سن

رہے ہیں؟"

ہمروز نے جواب دیا "خوب اچھی طرح۔"

آشوری نے کہا "جناب مجھ کو یہ آواز بہت پسند ہے۔"

ہمروز نے جواب دیا "اور مجھ کو بھی۔ آبشار ہمیں مستقل عمل کرتے رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ عمل عمل اور پیہم عمل۔"

آشوری نے کہا "جی چاہتا ہے آپ کے ساتھ رہوں اور پوری زندگی آپ کی باتیں سن کر گزار دوں۔"

ہمروز نے جواب دیا "ایسا بھی ہو گا۔ وہ دن ضرور آئے گا" خداوند پاک کی مہربانی سے۔"

آشوری نے شاعر اسماعیل اور راہب رابرٹ کی طرف دیکھا اور کہا "ان دونوں پر آپ کی باتوں کا وہ اثر نہیں ہوا جو مجھ پر ہو رہا ہے۔"

ہمروز نے جواب دیا "اثر ان پر بھی ہوا ہو گا لیکن وہ اس کا اظہار نہیں ہونے دیں گے۔"

آشوری نے پوچھا "وہ کیوں؟"

ہمروز نے جواب دیا "ان میں سے ایک کو تو اپنے شاعر ہونے کی برتری کا احساس ہے اور دوسروں کو رہبانیت اور بڑے پن کا۔ راہب رابرٹ خود کو عمر میں بڑا سمجھ کر میری بات نہیں مانے گا۔"

آشوری نے کہا "ہر طرف اندھیرا ہے۔ اگر روشنی ہوتی تو میں آپ کو آبشار کی طرف لے جاتا۔"

ہمروز نے جواب دیا "ذرا روشنی ہو جانے دے پھر چلوں گا تیرے ساتھ آبشار کی طرف۔"

آشوری کو ان سوئے ہوئے ساتھیوں کے آرام کا خیال تھا۔ اس نے کہا "ہم دونوں ان لوگوں سے ذرا دور چل کر بیٹھیں پھر باتیں کریں۔" ہمروز تیار ہو گیا۔ چراغ کی مدھم روشنی میں ان دونوں نے کسی کو جاتے ہوئے دیکھا۔ کوئی ان کے پاس ہی موجود تھا لیکن ان کو اٹھتے دیکھ کر خود بھی اٹھ گیا تھا۔

ہمروز نے آشوری ہنرمند سے پوچھا "تو نے کچھ محسوس کیا؟ یہاں ہم چار کے علاوہ بھی کوئی موجود تھا۔"

ہنرمند آشوری نے تائید کی "بے شک، کوئی تھا لیکن یہ تھا کون؟" مگر اس اندھیرے میں پتا چلانا کہ وہ کون تھا بہت مشکل تھا۔ دونوں وہاں سے اٹھ کر سونے والوں سے دور جا بیٹھے اور باتیں کرنے لگے۔

صبح ہوئی تو چاروں نے آگے جانے کے لئے اپنے میزبان سے اجازت چاہی۔ میزبان راہب چاروں سے دور کھڑا تھا۔ اس نے اپنا منہ دوسری طرف کر رکھا تھا۔ راہب رابرٹ کو احساس ہوا کہ وہ ان سے خوش نہیں ہے۔ اس نے اس کے پاس جا کر معذرت کی "کیا ہم نے آپ کو کوئی تکلیف پہنچائی ہے؟ کیا آپ ہم سے ناراض ہیں؟"

راہب نے شکایت کی "میں حیران ہوں کہ تو کیسا راہب ہے۔ تو نے میری عبادت کو بھی خاک میں ملا دیا۔"

راہب رابرٹ نے حیرت سے پوچھا "وہ کس طرح؟ نادانستگی میں ہم سے کیا غلطی ہوئی جو آپ کی عبادت خاک میں مل گئی؟"

بوڑھے راہب نے جواب دیا "اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ تمہارے ساتھ ایک عورت بھی ہے تو میں تمہیں ہرگز یہاں نہ ٹھہراتا۔"

راہب رابرٹ نے حیرت سے پوچھا "عورت، کون عورت؟"

دونوں کی باتیں ہمروز بھی سن رہا تھا۔ وہ بھی دونوں کو چھوڑ کر راہبوں کے پاس پہنچ گیا اور پوچھا "یہ کس عورت کی بات ہو رہی ہے؟"

بوڑھے راہب نے جواب دیا "اس عورت کی جس کو تو الگ لے جا کر رات کے پچھلے پہر باتیں کر رہا تھا۔"

ہمروز کو ہنسی آ گئی۔ بولا "تو وہ آپ تھے جو چھپ چھپ کر ہمیں دیکھتے تھے۔"

راہب رابرٹ نے پوچھا "رات تو کس سے باتیں کر رہا تھا؟"

ہمروز نے آشوری ہنرمند کا ہاتھ پکڑ کر اسے بوڑھے راہب کے سامنے کھڑا کر دیا۔ راہب نے گھبرا کے منہ پھیر لیا اور کہا "اس کو یہاں سے لے جائیں۔ میں نے پچاس سال سے عورت کی شکل نہیں دیکھی، تیری وجہ سے میرا یہ چلہ ٹوٹ گیا اور میں اس عورت کو دیکھ کر گنہگار ہو گیا۔"

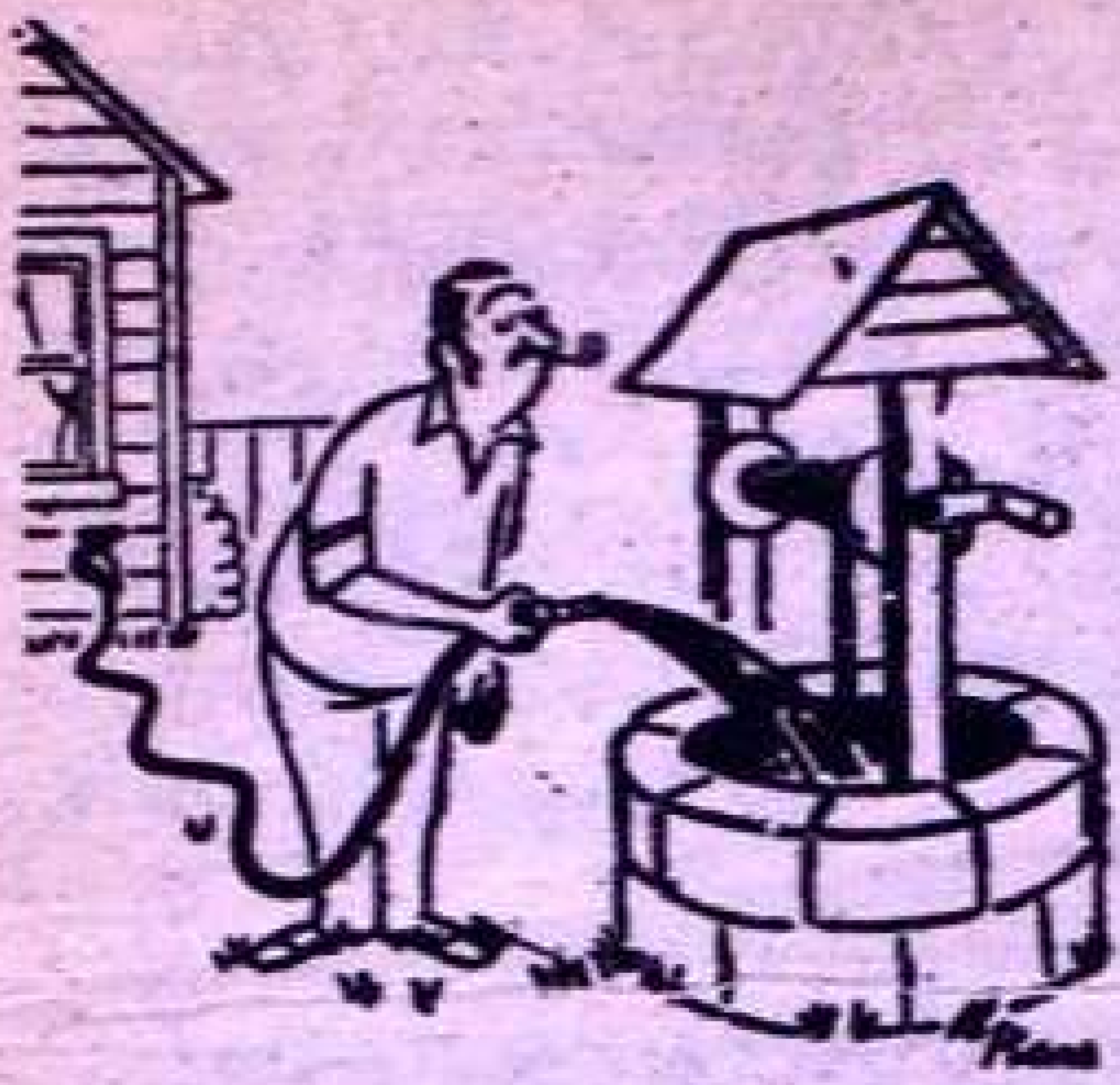
راہب رابرٹ نے کہا "لیکن بزرگوار یہ عورت نہیں۔ آشوری ہنرمند ہے اسے آپ نے عورت کیسے سمجھ لیا؟"

ہمروز بھی ہنسنے لگا "آپ نے اسے عورت سمجھ لیا۔ آپ کی ہر چیز جواب دے چکی ہے۔ نظر بھی اور حواس بھی۔ آپ مرد کو عورت سمجھ رہے ہیں اور حواس بھی نظروں کا ساتھ دے رہے ہیں۔"

راہب رابرٹ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے بوڑھے راہب کا چہرہ زبردستی ہنرمند کی طرف کر دیا "یہ آشوری ہنرمند ہے۔ ایک خوش رو نوجوان آپ اس کی داڑھی مونچھ کی کمی سے اسے عورت سمجھ بیٹھے۔ کھل بیٹھے ذرا غور سے دیکھیں اسے۔"

بوڑھے راہب نے آشوری ہنرمند کو بہت قریب سے اچھی طرح دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا "خداوند پاک میں آپ کا کس زبان سے شکریہ ادا کروں میں تو بال بال بچ گیا، میری پچاس سالہ ریاضت بھی بال بال بچ گئی۔" اتنی دیر میں شاعر اسماعیل بھی ان کے پاس پہنچ چکا تھا۔

ہمروز نے مبارکباد دی "محترم بزرگوار آپ کو مبارک ہو کہ آپ کی پچاس سالہ عورت کو نہ دیکھنے کی ریاضت بال بال بچ گئی۔" بوڑھا راہب بھی خوش تھا۔ ہمروز نے وہاں سے ہٹ کر اپنے ساتھیوں سے کہا "حالانکہ یہ بزرگوار یہ جانتے کے بعد کہ ہمارے ساتھ ایک عورت بھی ہے اس عورت کو دیکھنے کے



تمھارے آس پاس موجود رہے اور اس خیالی عورت کو دیکھنے کی کوشش کرتے رہے۔"

شاہر اسماعیل نے بوڑھے راہب کی وکالت کی "ایسا نہیں ہوا ہو گا۔"

ہبروز نے کہا "ایسا ہی ہوا ہے ورنہ سوچنے کی بات ہے کہ کل شام جب ہم یہاں آئے تھے اور ان سے ہم نے شب بسری کی جگہ مانگی تھی تو یہ آشوری ہنر مند کو عورت سمجھ کر ہمیں جگہ نہ دیتے اور ہمیں بھٹکنے دیتے کہ یہ جو بھی بیٹھے ہیں۔"

آشوری ہنر مند پشیمان تھا کہ اسے عورت سمجھ لیا گیا تھا۔ اس نے بوڑھے راہب سے ہمدردی کی "خداوند مسیح کسی کو چھلنی سے محروم نہ رکھیں۔"

بوڑھے راہب نے آشوری ہنر مند کو نصیحت کی "جب تجھے خداوند مسیح نے مرد پیدا کیا تھا تو تو داڑھی مونچھ کا صفایا کر کے عورت کیوں بن گیا؟"

آشوری ہنر مند نے شرمیلے لہجے میں جواب دیا "آئندہ میں خیال رکھوں گا۔ مجھے افسوس ہے۔"

لیکن راہب رابرٹ خاموش تھا۔ وہ اپنے ساتھ تجرد پر شرمندہ تھا۔ وہ عورت کی اہمیت اور مرد کے لئے اس کی حیثیت کو شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ وہ مایوس ہو رہا تھا کہ اس کو رہبانیت نے کیا دیا؟ عورت تو مرد کی ضرورت ہے اسی طرح جس طرح مرد عورت کی ضرورت ہے۔ آخر مریم عذرا بھی تو عورت ہی تھی اور یوسف نجار۔ مریم حضرت مسیح کی ساتھی جس کو حواری تو نہیں کہا گیا لیکن وہ حواریوں سے بڑھ کر تھی۔ وہ عورت جو حضرت مسیح کے مصلوب ہونے کا سبب بن گئی۔

ہبروز نے پوچھا "آپ کیا سوچنے لگے محترم رابرٹ؟"

راہب رابرٹ نے بوڑھے راہب سے اجازت لی اور ہبروز سے کہا "میں تیار ہوں۔ چلو آگے چلیں۔" اور پھر یہ چاروں الگ اور انداز سے بحیرۂ خزر کے مغربی ساحل کی طرف روانہ ہو گئے جہاں مچھیرے آباد تھے اور اپنے کام میں شب و روز مصروف رہتے تھے۔ آخر بحیرۂ خزر کے پانی پر اٹھتا ہوا سورج انھیں نظر آ گیا۔ انھیں مچھلیوں کی بساند بھی محسوس ہونے لگی۔ یہ لوگ مچھیروں کی بستی میں پہنچ چکے تھے۔

بحیرۂ خزر میں مچھیروں کی کشتیاں تیر رہی تھیں اور ان پر مختلف عمروں کے مچھیرے دوری سے نظر آ رہے تھے۔ یہ اجتماعی کوشش سے مچھلیاں پکڑنے میں مصروف تھے۔ یہ چاروں ایک چٹان پر بیٹھ کر روانگی کے منصوبے بنانے لگے۔

ہبروز نے آشوری ہنر مند سے کہا "اب تو مچھیران روانہ ہو جا اور اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دے۔"

آشوری نے پوچھا "وہاں آپ مجھے کہاں ملیں گے؟"

ہبروز نے جواب دیا "تو میری فکر نہ کر میں بھی اچانک مل جایا کروں گا۔ بس تو اپنا کام کر۔ شہزادی ہیلینا کو کسی طرح وہاں سے نکال لا۔"

راہب رابرٹ نے آشوری کی ہمت بندھائی "ہبروز کی طرح میں بھی تیرے ساتھ ہوں۔" اس نے سامنے نظر آنے والے ایک گرجا کی طرف اشارہ کیا "میں وہاں اس گرجا میں ملوں گا۔ وہاں بھی کوئی خانقاہ ضرور ہو گی۔ تو ہیلینا کو یہاں تک لے آ۔ اس کے بعد تیرا کام ختم اور ہمارا کام شروع ہو گا۔"

شاہر اسماعیل نے آشوری کو حوصلہ دیا "تیرے ساتھ میں بھی چلوں گا۔ گو کہ ہم وہاں الگ الگ ہی جائیں گے۔ میں سلطان کے پاس جاؤں گا اس کے قدموں میں گر کر معافی مانگنے کے لئے اور تو وزیر خواجہ حسن کے پاس جائے گا۔ ہو سکتا ہے میں وہاں تیری کوئی مدد بھی کر سکوں۔"

راہب رابرٹ نے ان تینوں سے گرجا تک چلنے کی درخواست کی لیکن ہبروز نے کہا "اب ہم چاروں الگ الگ اور اجنبی ہیں۔" راہب رابرٹ اکیلا ہی گرجا کی طرف چلا گیا۔

ہبروز نے بستی کے ایک مچھیرے سے پوچھا "یہاں وہ پڑاؤ کہاں ہے جہاں سے قافلے آگے جاتے ہیں؟"

مچھیرے نے بستی کے بازار کی طرف اشارہ کیا "وہاں" اس سے ذرا ہٹ کے مچھلیوں کے بیوپاری آتے ہیں اور ہماری مچھلیاں خرید کر لے جاتے ہیں۔ بس تم ان بیوپاریوں کے ساتھ ہو لینا" وہ تمھیں قافلے کے پڑاؤ تک پہنچا دیں گے کیونکہ پڑاؤ کے کاروباری ان مچھلیوں کو آگے لے جاتے ہیں۔" آشوری ہنر مند اور شاہر اسماعیل بھی ان دونوں کی باتیں سن رہے تھے۔ یہ دونوں بھی ہبروز سے لاتعلق ہو کر الگ الگ بستی کے بازار کی طرف روانہ ہو گئے۔ بازار میں مچھلیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ بڑے بیوپاری بھاؤ تاؤ کر رہے تھے جبکہ دوسری طرف عام خریداروں کا ہجوم تھا۔ بازار سے کچھ دور پڑاؤ تھا۔ وہاں مویشیوں اور مسافروں کا ہجوم بے ترتیب تھا۔ شاہر اسماعیل اور آشوری ہنر مند بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ہبروز ان دونوں سے دور کھڑے ہوئے ایک

تاجر سے باتیں کرنے لگا۔ راہب رابرٹ گرجا میں چلا گیا اور وہاں کے پادری کی مدد سے ملحقہ خانقاہ میں داخل ہو گیا۔ یہاں اس نے اپنی ایک فرضی کہانی سنائی۔ اس نے خود کو نخجوان کی خانقاہ کا راہب ظاہر کیا اور بتایا کہ وہاں کے مسلمان رہبانیت کو طاقت سے ختم کر رہے ہیں کیونکہ رہبانیت کو اسلام بالکل پسند نہیں کرتا۔ خانقاہ اور گرجے میں مسلمانوں کے خلاف غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اور راہب رابرٹ نے سب کے دلوں میں اپنے لئے رحم اور ہمدردی کا شدید جذبہ پیدا کر لیا۔

○

گردوں کے تاجر نے بہروز کو ایک ضرورت مند سمجھ کر اپنے ساتھ رکھ لیا۔ بہروز نے اسے یہ یقین دلایا تھا کہ آذربائیجان سے فارغ ہونے کے بعد وہ تاجر کو اپنے ساتھ جارجیا لے جائے گا اور وہاں کے بادشاہ بقراط سے اس کی ملاقات کرا دے گا اور وہاں سے وہ اتنا کچھ کمائے گا کہ زندگی بھر اس کا تصور تک نہ کر سکے گا۔

تاجر نے پوچھا "تو آذربائیجان کیوں جا رہا ہے؟"

بہروز نے جواب دیا "مجھے بچپن میں آذربائیجان کے... شہر نخجوان سے اغوا کیا گیا تھا وہ جگہ جہاں سے مجھے اغوا کیا گیا تھا' بڑے گرجا کے قریب تھی۔ مجھے دھندلا دھندلا سا یاد ہے۔ میں اپنے والدین اور خاندان کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ اگر وہ مل گئے تو میں ان سب کو اپنے ساتھ جارجیا لے جاؤں گا۔"

تاجر کو ذرا حیرت ہوئی کہ یہ بچپن میں اغوا ہونے والا بچہ جارجیا کے بادشاہ تک کس طرح پہنچ گیا' پوچھا "جارجیا کا بادشاہ تو بہت بڑی ہستی ہے تو وہاں تک کس طرح پہنچا؟"

بہروز نے جواب دیا "جارجیا کے ایک شریف انسان نے مجھے خرید کر اپنا بیٹا بنا لیا۔ وہ شریف انسان شاہی خاندان کا ایک فرد تھا۔ بادشاہ نے مجھے دیکھا تو وہ بھی مجھ پر مہربان ہو گیا اور میں نے بڑا ہو کر آہستہ آہستہ شاہی محل کی نگہداشت میں حصہ لینا شروع کر دیا اور پھر اتنا مقام حاصل کر لیا کہ اب میں بھی شاہی خاندان کا ایک فرد بن گیا ہوں۔"

تاجر نے پوچھا "تیرے خاندان کا پتا تو جارجیا کا بادشاہ خود اپنے وسائل سے چلا سکتا تھا پھر تجھے تنہا کیوں آنے دیا یہاں؟"

بہروز نے جواب دیا "میں بیت المقدس کی زیارت کے بہانے یہاں آیا ہوں کیونکہ بادشاہ اور شاہی خاندان کو میرے خاندان اور والدین سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔" تاجر مطمئن ہو کر خاموش ہو گیا تو بہروز نے کہا "میں آپ کی ہر خدمت کروں گا بس آپ میری کھانے پینے سے مدد کرتے رہیں اس کے علاوہ یہ کہ آپ میرے بارے میں کسی کو کچھ بھی نہ بتائیں۔"

تاجر نے اسے یقین دلایا "میری طرف سے تو مطمئن رہ لیکن اپنے وعدے کو یاد رکھنا۔ میں کئی ملکوں اور شہروں میں تجارت کرنا چاہتا ہوں وہاں تو میری ضرور مدد کرے گا۔"

بہروز نے زور و شور سے وعدہ کیا "اس کی تو آپ بالکل فکر نہ کریں۔ میں آپ کو جارجیا کے بادشاہ کی مدد سے قسطنطنیہ کے دربار تک پہنچا دوں گا۔" تاجر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ خوش نصیبی نے اچانک ہی اس کے خیمے میں قدم رنجہ فرمایا تھا۔

شاعر اسماعیل نے اپنے لئے ایک فوجی سردار کو پسند کیا۔ یہ آرمینی فوجی سردار سلطان الپ ارسلان کے پاس تاوان کی رقم لے کر جا رہا تھا۔ تاوان کی وہ رقم جو سلطان نے آرمینیا کی تسخیر کے بعد اس کے ذمے واجب کر دی تھی۔ شاعر اسماعیل نے اس سردار کی شان میں چند شعر موزوں کر دیے اور سردار کے دل میں جگہ بنا لی۔

آرمینی سردار نے اسماعیل سے پوچھا "... تو نخجوان کیوں جانا چاہتا ہے؟"

شاعر اسماعیل نے جواب دیا "سلطان الپ ارسلان کے دربار میں رسائی حاصل کرنے۔"

آرمینی سردار نے مشورہ دیا "تو وہاں مت جا' میرے ساتھ رہ۔ میں تجھے آرمینیا کے حاکم اور جارجیا کے بادشاہ سے ملوا دوں گا اور تو ان دونوں جگہ سے بہت کچھ کمائے گا لیکن اس سے پہلے تو ہمارے لئے ہماری شان میں شعر کہے گا۔ میں خود بھی شاعروں کا قدردان ہوں۔"

شاعر اسماعیل نے پوچھا "کیا میں آرمینیا اور جارجیا کے دربار میں جگہ پا سکتا ہوں؟"

آرمینی سردار نے جواب دیا "کیوں نہیں' اگر میں چاہوں گا تو ایسا ضرور ہو گا۔"

شاعر اسماعیل نے کہا "تو ٹھیک ہے۔ میں آپ کے ساتھ رہوں گا لیکن آپ کو مجھ جیسے گراں مایہ ہیرے کو سلطان اور سلجوقوں سے چھپا کر رکھنا ہو گا۔"

آرمینی سردار نے جواب دیا "یہ میرا کام ہے۔ تو بے فکر رہ اور میری شان میں چند یادگار اشعار مزید کہہ دے۔" شاعر اسماعیل نے وعدہ کر لیا اور اس نے آرمینی سردار کی شان میں چند اشعار اور کہہ دیے۔

آشوری ہنرمند نے اپنے لئے ایک مسلمان امیر کا انتخاب کیا۔ یہ امیر ملا کاشانی سلطان الپ ارسلان کے پاس ایک عرضداشت لے کر جا رہا تھا۔ کاشان میں اس کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا تھا۔ کاشان کے حاکم نے ملا کاشانی کے علم و مرتبے کو نظر انداز کر کے جاہلوں کو اپنے دربار میں جگہ دے دی تھی اور ملا کاشانی نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ سلطان سے کہہ سن کر اس حاکم کو معزول کرا دے گا پھر خود ہی سلطان کے دربار میں جگہ حاصل کرے گا۔

آشوری ہنرمند نے امیر ملا کاشانی کے گھوڑے کو کسی جڑی بوٹی سے اچھا کر دیا تھا۔ ملا کاشانی نے اس سے پوچھا "کیا تو طبیب ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "اس حد تک تو میں خود بھی مریض ہوں۔"

بھری بدقسمتی نے میری تمام خوبیوں اور ہنر مندیوں کو زنگ لگا دیا ہے۔"

ملا کاشانی نے کہا "ذرا کھل کر بات کر۔ تو کیا کہنا چاہتا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "میں ایک ہنر مند ہوں۔ کئی ہنروں میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ میری ان ہنر مندیوں کا صلہ صرف بادشاہ ہی دے سکتے ہیں اس لئے میں سلطان الپ ارسلان کے پاس جا رہا ہوں۔ اگر میں وہاں تک پہنچ گیا تو خیر ورنہ پھر خودکشی کر لوں گا۔"

ملا کاشانی نے اسے دلاسا دیا "میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔ سلطان سے میں تجھے ملواؤں گا تو فکر ہی نہ کر۔" ملا کاشانی اس آشوری جوان کو اپنے لئے تائید غیبی سمجھ رہا تھا۔ اس نے فوری طور پر یہ فیصلہ کر لیا کہ اسے مناسب طریقے استعمال کرے گا اور سلطان کو اپنا احسان مند کر کے اپنا دلی مقصد حاصل کرے گا۔

آشوری نے پوچھا "کیا آپ مجھے واقعی سلطان سے ملوا دیں گے؟"

ملا کاشانی نے اسے اپنے پاس ہی رکھ لیا اور کہا "میں سلطان سے پوری طرح سفارش کروں گا اور تو ملازمانِ شاہی میں اپنا مقام خود بنا لے گا یہ میرا وعدہ ہے۔" آشوری ہنر مند ملا کاشانی کے ساتھ اس کے خیمے میں رہنے لگا۔ ان کی اگلی منزل موقان تھی۔ دریائے ارس کے کنارے۔ دریائے ارس کے ایک کنارے پر موقان تھا اور دوسرے کنارے پر مغرب کی جانب نخجوان۔ یہاں سلطان اپنے لشکر کے ساتھ مقیم تھا۔ موقان بھی آذربائیجان کا حصہ تھا۔

شام سے ذرا پہلے یہ لوگ موقان پہنچ گئے اور دریا کے قریب پورا قافلہ خیمے نصب کرنے لگا۔ یہاں سے قافلے کو تقسیم ہو کر تبریز، گیلان اور پھر نخجوان جانا تھا۔ مشرق سے آنے والے قافلے یہاں پہلے سے ٹھہرے ہوئے تھے اس لئے خاصی چہل پہل ہو گئی تھی۔ موقان والے قافلے والوں سے خرید و فروخت کرنے پہنچ گئے۔ اس طرح تینوں سمتوں سے آنے والے قافلے یہاں کئی دن تک مقیم رہے۔ شام تو خیموں کی نصب اور کھانے پینے کی تیاریوں کی نذر ہو گئی تھی۔ دوسرے دن صبح کو قافلے کے بے فکر نوجوان ادھر ادھر گھومنے پھرنے نکل گئے۔ موقان کا ایک ٹیلا اس لئے مشہور تھا کہ اس پر چڑھ کر دریا میں رواں دواں کشتیوں کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ یہاں آنے والوں کے لئے ایک چھوٹا سا بازار بھی لگتا تھا۔ مسافر اور سیاح یہاں ریت پر قالین بچھا کر بیٹھ جاتے اور آپس میں باتیں کرتے رہتے۔ یہاں مختلف شہروں کے لوگ آپس میں ملتے تو دوستیوں کا آغاز ہوتا۔ اپنے اپنے علاقوں اور شہروں کی باتیں ہونے لگتیں۔ اپنے اپنے حکمرانوں کی رحم دلی یا ظلم و ستم کی داستانیں بیان ہوتیں۔ اس طرح وقت بہت عمدہ گزر جاتا تھا۔ اس ٹیلے پر اسماعیل شاہر، بہروز اور آشوری ہنر مند بھی اکٹھے ہوتے اور اپنے اپنے بارے میں ہر ایک نے بتایا۔ آشوری ہنر مند نے بتایا "میں ملا کاشانی جیسے امیر کے ساتھ سلطان کے پاس جا رہا ہوں یہی میرا اپنا ہے۔"

شاہر اسماعیل نے بتایا "آرمینی سردار جو آرمینیا کی طرف سے تاوان کی رقم لے کر سلطان کے پاس جا رہا ہے میں اس کے ساتھ جا رہا ہوں اور یہی میرا اپنا ہے۔"

بہروز نے کہا "کپڑے کا مشہور تاجر احمد کاشغری میرا میزبان ہے۔ میں ہر جگہ اس کے ساتھ رہوں گا۔ سلطانی دربار کے سوا اس کاشغری تاجر کے آس پاس مجھ سے ملاقات کی جا سکتی ہے۔"

یہاں آشوری ہنر مند نے بہروز سے پوچھا "اگر میں اپنے مقصد میں ناکام رہا تو مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

بہروز نے حیرت سے کہا "ناکامی کیا ہوتی ہے؟ اس لفظ کو اپنے دل و دماغ سے کھرچ کر نکال دے۔ میں ناکام انسانوں سے تعلق ہی نہیں رکھتا۔"

شاہر اسماعیل نے پوچھا "اگر میں گرفتار کر لیا گیا اور سلطان نے میرے لئے قتل کی سزا تجویز کر دی تو اس وقت تو میرے لئے کیا کرے گا؟"

بہروز نے جواب دیا "تو ایسا وقت ہی نہ آنے دینا۔ اپنی بے پناہ شعری صلاحیت اور قابلیت سے فائدہ اٹھا کر سلطان کو ایک بار پھر چکمہ دے اور اپنا اعتماد جما لے۔ اسی میں تیری اور ہماری جیت ہے۔"

شاہر اسماعیل نے کہا "پھر بھی؟ اگر میں ناکام رہا تو آپ کیا کریں گے میرے لئے؟"

بہروز نے جواب دیا "میں نے بتا تو دیا کہ میں ناکامی کا لفظ کسی کی زبان سے سننا ہی نہیں چاہتا۔ ناکام انسان کو مر جانا چاہئے تاکہ کامران انسان اس کی جگہ لے لے۔ بہ صورت ناکامی میں تیری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میری دوستی اور میرا تعلق کامیابی اور کامرانی سے ہے، ناکامی اور ناکامیابی سے نہیں۔"

شاہر اسماعیل حیرت سے بہروز کی صورت تک رہا تھا "میں نے ناکامی کی بات اس لئے کی کہ میں سلطان کا معتوب ہوں، سلطان مجھ سے ناراض ہے، میں تاریک پہلو کو کسی طرح نظر انداز نہیں کر سکتا۔"

بہروز نے جواب دیا "پھر تو تجھ سے یہی امید کی جا سکتی ہے کہ تو اپنی جملہ صلاحیتیں بروئے کار لائے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ تو اپنی زندگی بچانے کے لئے جان پر کھیل جائے۔"

دوسروں کی نظریں بھی ان تینوں پر پڑ رہی تھیں اس لئے بہروز نے کہا "اب ہمیں الگ الگ ہو جانا چاہئے۔" پھر بہروز ہی سب سے پہلے الگ ہوا۔

شاہر اسماعیل نے آشوری جوان سے کہا "اب صرف ہم دونوں ملیں گے اور نہایت اہم باتیں کریں گے۔"

آشوری ہنر مند بہروز کے زیر اثر تھا اس نے جواب دیا۔ "بہروز کی بات ہی کچھ اور ہے۔ ہم دونوں اس کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔"

شاعر اسماعیل نے کہا "میں نے جو کچھ بھی کیا ہے بہروز کے مشورے اور ایما پر کیا ہے اس لئے بہروز کا یہ فرض ہے کہ میری مدد کرے۔ مجھے بھی ایسے مشورے دے کہ میں خود میں ہمت و حوصلہ محسوس کرنے لگوں۔"

آشوری ہنر مند نے اسے تسلی دی "تو مت گھبرا۔ تیرے لئے میں بہروز سے مشورہ کروں گا۔ تو ہمت نہ ہار۔" دونوں نے نیچے دریا میں کشتیوں کو آتے جاتے دیکھا۔ مسافروں میں بوڑھے، اور بچے ہر عمر کے لوگ سفر کر رہے تھے۔

آشوری نوجوان کو تلاش کرتا ہوا امیر ملا کاشانی ان دونوں کے پاس پہنچا اور بڑبڑانے لگا "تو یہاں گپ شپ لگا رہا ہے اور میں تجھے تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔" آشوری جوان بالکل ایسا بن گیا جیسے شاعر اسماعیل سے واقفیت نہ ہو۔

اس نے نیچے دریا میں رواں دواں کشتیوں کی طرف اشارہ کیا "آپ بھی دیکھیں۔ کیسا دلکش منظر ہے۔"

ملا کاشانی نے کشتیوں کی طرف دیکھا اور منہ بناتے ہوئے کہا۔ "ہوں، منظر تو اچھا ہے لیکن جب تک سلطان سے ملاقات نہیں ہوتی اور اپنی بات نہیں بنتی مجھے کوئی منظر اچھا نہیں لگے گا۔" شاعر اسماعیل کسی اجنبی کی طرح اپنے ممدوح آرتیق سردار کے پاس چلا گیا۔ چوتھے دن انہیں بھی کشتیاں مل گئیں اور یہ لوگ بھی دریا کے دوسرے کنارے پہنچا دیے گئے۔ یہاں سے تبریز ان بہت زیادہ دور نہیں تھا۔

ملا کاشانی نے آشوری ہنر مند سے کہا "چند دنوں میں ہم سلطان کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اس دوران تو کوئی ایسی چیز سلطان کے لئے تیار کرلے کہ وہ تیرا تعارف بن جائے۔"

آشوری ہنر مند نے اپنے سامان میں سے ایک خوبصورت منقش پیالہ نکالا۔ چاندی کا یہ پیالہ ذرا دبیز تھا اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ اس کی باہری سطح تو منقش تھی لیکن اندرونی سطح غیر منقش تھی۔ ملا کاشانی نے اس پر اعتراض کیا "یہ پیالہ اندر سے منقش کیوں نہیں ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "چونکہ منقش حصوں میں میل کے جم جانے کا احتمال ہوتا ہے اس لئے پیالے کی اندرونی سطح غیر منقش رکھی گئی ہے۔"

ملا کاشانی نے پیالے کی اندرونی اور بیرونی سطح کو غور سے دیکھا اور پوچھا "کیا تو نے یہ نقشین کام تو نے کس طرح انجام دیا کہ اندرونی سطح پر اس کا نام و نشان تک نہیں۔"

آشوری نے جواب دیا "جناب یہی تو میرا کمال ہے۔" انہوں نے سلطانی خیموں کو دوری سے دیکھ لیا جو لوگ اس لشکر کی طرف جا رہے تھے، یہ سب راہ میں ایک دوسرے سے ملے۔ ملا کاشانی نے آرتیق سردار کو بھی لباس میں دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا غلام بھی تھا اسی میں شاعر اسماعیل بھی تھا۔

ایک صاحب نے ایک خاتون سے پوچھا "آپ ڈکنس کو پسند کرتی ہیں یا شیکسپیئر کو یا شیلے کو؟"
خاتون نے جواب دیا "آہستہ بولو، میرا شوہر بہت شکی مزاج ہے۔"

ملا کاشانی نے اس سے پوچھا "کیا تو مسلمان نہیں ہے؟"

آدھی سردار نے جواب دیا "میں مسیحی ہوں اور آدھی سردار بھی ہوں۔"

ملا کاشانی نے پوچھا "جب تو مسیحی ہے تو سلطان کے پاس کیوں جارہا ہے؟ کیا مسلمان ہو جانے کے لئے؟"

آدھی سردار نے جواب دیا "نہیں نہیں۔ تاوان اور خراج کی وہ رقم سلطان کو دینے جارہا ہوں جو آرمینیا کو فتح کرنے کے بعد سلطان نے وہاں کے حکمران پر عائد کردی تھی۔"

ملا کاشانی نے نہایت فخر و تکبر سے آشوری کی طرف دیکھا اور پوچھا "آشوری جوان تو نے اس آدھی مسیحی سردار کی بات سنی؟ اس کا آدھی حکمران سلطان کا باج گزار ہے۔"

آدھی سردار نے کہا "اس میں آپ کے لئے فخر و غرور کی کیا بات ہے؟"

ملا کاشانی نے جواب دیا۔ "یہ کہ ہم مسلمانوں نے اپنے زور بازو سے ایک دنیا کو اپنا باج گزار بنالیا ہے۔"

سلطان سے ملنے والوں نے اپنے اپنے خیمے سلطانی لشکر سے دور ایک چھوٹے سے میدان میں نصب کرلیے اور سلطان سے ملاقات کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ یہاں خواجہ حسن باری باری انہیں اپنے پاس بلا رہا تھا اور ان سے سوالات کرکے یہ اندازہ لگا رہا تھا کہ ان میں سے کون اس لائق ہے جسے سلطان سے ملوایا جائے اور کون سلطان سے ملاقات کا اہل نہیں۔ ملا کاشانی نے خواجہ حسن کو اپنی علمیت سے متاثر کرلیا، لیکن ملانے سے پہلے وزیر نے ملا کاشانی کو یہ مشورہ دیا کہ وہ سلطان کے ساتھ رہنے کی خواہش نہ کرے بلکہ کاشان واپس چلا جائے کیونکہ سلطان کا زیادہ وقت سفر میں گزرتا ہے اور ذی علم حضرات اس مشقت کو برداشت نہیں کرسکتے۔

ملا کاشانی نے جواب دیا "آپ مجھے سلطان سے ملوا دیں۔ میں سفر کی صعوبتوں سے نہیں گھبراتا۔"

خواجہ حسن نے ملا کاشانی کے ساتھ آشوری جوان کو دیکھا تو پوچھا "یہ کون ہے آپ کے ساتھ؟"

ملا کاشانی نے جواب دیا۔ "یہ آشوری ہنر مند ہے۔ میرا آدمی ہے۔ سلطان اس سے مل کر بہت خوش ہوگا۔"

خواجہ حسن نے اس کی ملاقات پر اعتراض کیا۔ "میں اس کو سلطان کے پاس نہیں جانے دوں گا۔ یہ میرے آدمیوں کی نگرانی میں رہے گا۔ تو تنہا سلطان سے مل سکتا ہے۔"

ملا کاشانی مجبور ہو گیا "چلئے یہی سہی۔" پھر آشوری ہنر مند سے کہا "تو یہیں رہ۔ میں تجھے سلطان سے بعد میں ملوا دوں گا۔ تو فکر نہ کر۔" خواجہ حسن سلطان سے ملاقات کرنے والوں کو ایک خیمے میں منتقل کر رہا تھا۔ اس نے آشوری جوان کو اپنے پاس ہی روک لیا۔

ملا کاشانی نے دوسرے خیمے کی طرف جاتے ہوئے منقش پیالہ مانگا

لا یہ مجھے دے دے۔ یہی پیالہ تیرا تعارف بن جائے گا۔"

آشوری ہنر مند نے پیالہ دینے سے انکار کردیا "اسے میں آپ کی وساطت سے خود ہی پیش کروں گا۔"

ملا کاشانی نے اعتراض کیا "تو کیا پیش کرے گا۔ میں تیری تعریف و توصیف کروں گا۔ اس کے بعد کہیں تیرا۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "آخر بات کیا ہے۔ یہ تیرا کون ہے؟"

ملا کاشانی نے جواب دیا "یہ میرا غلام ہے۔"

آشوری ہنر مند نے انکار کردیا "نہیں میں اس کا غلام نہیں ہوں۔ ہم دونوں قافلے میں ایک ساتھ سفر کر رہے تھے۔ بس وہیں ایک دوسرے کا تعارف ہو گیا۔"

خواجہ حسن نے ملا کاشانی سے پوچھا "کیا یہ درست ہے؟"

ملا کاشانی نے جل کر جواب دیا "یہ درست تو ہے مگر اب میں سلطان سے اس کا ذکر تک نہیں کروں گا۔"

خواجہ حسن نے کہا "تو کیا کسی کی سفارش کرے گا تو تو خود ہی کسی کی سفارش کا طالب ہے۔ تو سلطان کے پاس اکیلا ہی جائے گا۔"

ملا کاشانی کے چلے جانے کے بعد خواجہ حسن نے آشوری سے پوچھا "ہاں اب بتا کہ معاملہ کیا ہے؟"

آشوری ہنر مند نے ساری باتیں سچ سچ بتادیں "پہلے تو میں نے یہی سوچا تھا کہ اس کے ذریعے سلطان سے ملوں گا لیکن جب اس نے مجھے آپ کے سامنے اپنا غلام کہہ دیا تو میں برداشت نہیں کرسکا۔ یہ تو جھوٹا انسان ہے میں اس پر بھروسا نہیں کرسکتا۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "تو کون کون سے ہنر جانتا ہے؟"

آشوری ہنر مند نے اپنے سارے ہنر گنوا دیے۔

خواجہ حسن نے پوچھا "اور وہ پیالے کا کیا ذکر تھا؟"

آشوری نے اپنی عبا کے اندر سے پیالہ نکالا اور خواجہ حسن کے سامنے کردیا "یہ پیالہ میرا ایجاد کردہ ہے۔ اسے خود میں نے بنایا ہے۔"

خواجہ حسن نے پیالے کی خوبیوں کو ایک نظر میں بھانپ لیا اور کہا "خوب، اس کے باہری نقوش اس کی اندرونی سطح سے غیر متعلق ہیں۔ بہت خوب!"

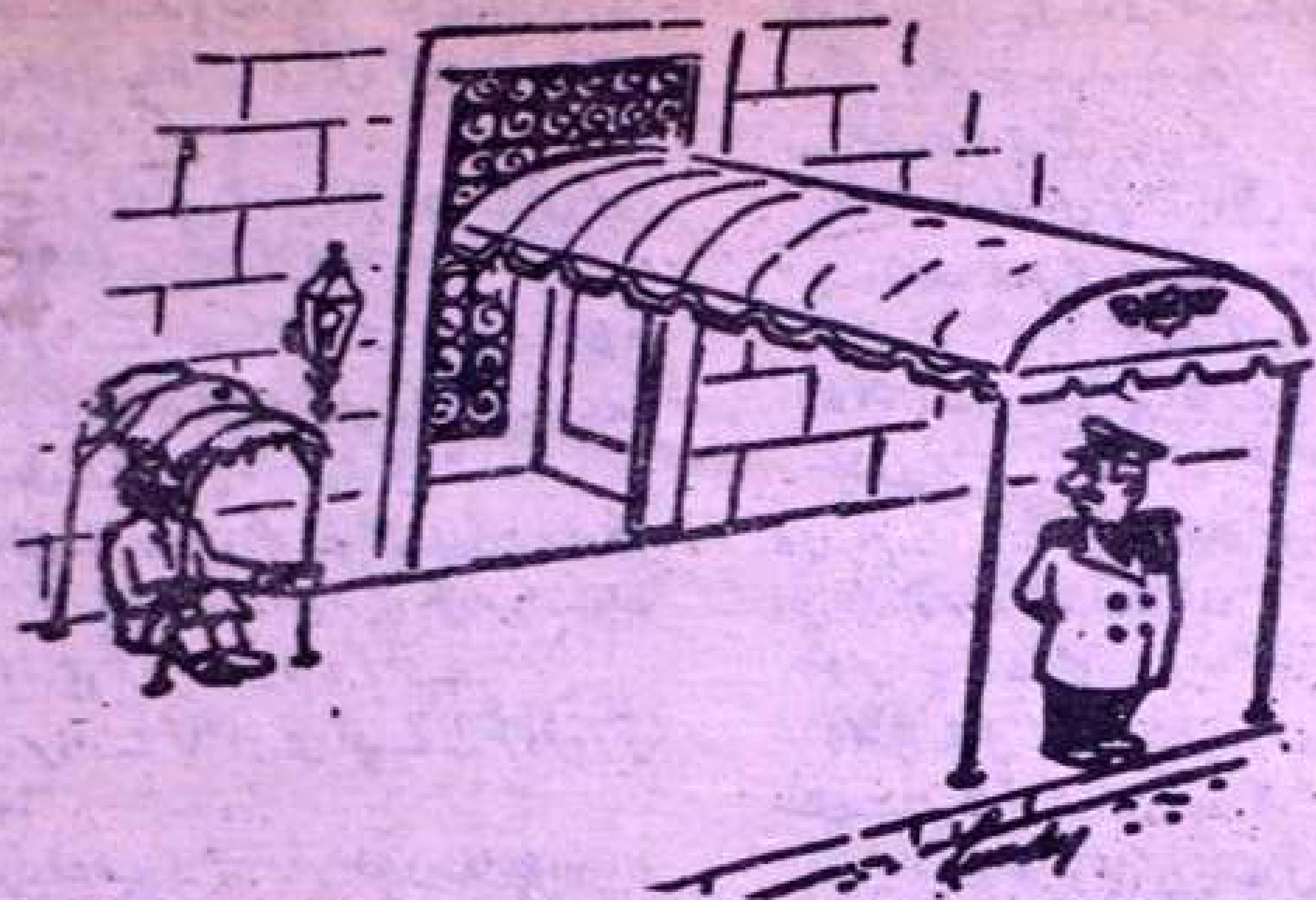
آشوری نے کہا "یہ میرے کمال کی معمولی سی جھلک ہے۔ میں تو اس سے بھی بڑے کام کرسکتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے اسے اطمینان دلایا "سلطان سے تیری ملاقات میں کراؤں گا لیکن اس شرط پر کہ تو میرے لئے بھی کچھ کام کرے گا۔"

آشوری نے جواب دیا "بالکل، بالکل میں آپ کے لئے ضرور کام کروں گا۔ آپ جو کہیں گے اس کی تعمیل ہوگی۔"

خواجہ حسن نے مسکرا کر طنز کیا "لیکن یاد رکھ میں ملا کاشانی نہیں ہوں۔ سلطان سے ملاقات کے بعد کہیں مجھ سے بھی وہی سلوک نہ کرنا جو کاشانی سے کیا۔"

آشوری نے جواب دیا "آپ وزیر ہیں۔ میں آپ کو ناراض



کر کے یہاں کتنے دن رہ سکوں گا۔ یہ بھی تو دیکھئے کہ ملا کاشانی نے مجھے اپنا غلام ظاہر کیا تھا۔ اس نے غلط بیانی کی۔ میں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔"

خواجہ حسن نے کہا "غلط بیانی تو میں بھی کر سکتا ہوں اور غلط بیانی کون نہیں کرتا۔ تو نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس میں بھی تھوڑی بہت غلط بیانی ہو سکتی ہے۔"

آشوری نے بتایا "میں نے جو کچھ بتایا ہے اس میں ذرا سا بھی مبالغہ نہیں ہے۔"

خواجہ حسن نے پیالہ اسے واپس کر دیا اور کہا "اسے چھپا لے۔ اب میں سلطان کے پاس جاؤں گا تو میں تجھے ایک دوسرے خیمے میں چھوڑ جاؤں گا۔ جب میرا آدمی تجھے بلانے آئے تو تو اس کے ساتھ دربار میں آ جانا۔"

آشوری نے جواب دیا "آپ جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گا۔"

خواجہ حسن نے کہا "اسی میں تیرا فائدہ اور تیری عافیت ہے۔"

آشوری نے پوچھا "میں سلطان کے سامنے جا کر کیا بات کروں گا۔ یہ بھی مجھے سمجھا دیں۔"

خواجہ حسن نے کہا "وہاں تو زیادہ باتیں نہیں کرے گا۔ میں خود بات کروں گا۔ ہاں ملا کاشانی کے بارے میں تو ضرور بات کرے گا۔"

آشوری نے حیرت سے پوچھا "میں ملا کاشانی کے بارے میں کیا بات کروں گا۔ میں تو اس سے اچھی طرح واقف بھی نہیں ہوں۔"

خواجہ حسن نے کہا "یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ تو ملا کاشانی سے زیادہ واقف نہیں، لیکن تو ان حالوں سے واقف نہیں۔ ملا کاشانی کو سلطان کے دربار میں یا اس کے ملازمین میں جگہ نہیں ملنی چاہئے۔ یہ لوگ سازشیں کرتے ہیں۔ اگر ملا کاشانی کو سلطان کے مقربین میں جگہ مل گئی تو یہ تیری زندگی اجیرن کر دے گا۔"

آشوری خوفزدہ ہو گیا اور کہا "پھر مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

خواجہ حسن نے مشورہ دیا "تو ملا کاشانی کی جتنی برائی کر سکے کرنا۔ میں بھی اس میں تیری مدد کروں گا۔" خواجہ حسن آشوری کو سمجھا پڑھا کر چلا گیا اور آشوری کو ایک دوسرے خیمے میں بٹھا گیا۔

سلطان کے سامنے ملا کاشانی بھی تھا اور آرچی سردار بھی۔ خواجہ حسن، سلطان سے انہیں ملوا رہا تھا۔

آرچی سردار نے اپنے ساتھ لائی ہوئی رقم سلطان کی خدمت میں پیش کی اور سلطان کو یقین دلایا "ہر چند کہ مسیحی دنیا میں سلطان اور مسلمانوں کے خلاف بے چینی اور اضطراب پایا جاتا ہے لیکن آرچی حکمران نے یہ یقین دلایا ہے کہ وہ اس اضطراب اور بے چینی میں شامل نہیں ہو گا۔"

سلطان نے جواب دیا "تو اپنے آقا سے میری طرف سے کہہ دینا کہ میں ان باتوں کی بالکل پروا نہیں کرتا۔ وہ جب چاہے اپنی مسیحی قوم سے ساز باز کرلے۔" پھر سلطان نے باج گزاری کی رقم سرکاری شاہی خزانے میں جمع کرا دی۔

اس کے بعد خواجہ حسن نے ملا کاشانی کا تعارف کرایا اور کہا "کاشان کے حاکم نے اس ذی علم خاندان کے ذی علم شخص کو بہت ستایا ہے۔"

سلطان نے ملا کاشانی کو اپنے قریب بلایا۔ جب وہ سلطان کے قریب پہنچا تو سلطان نے کہا "ہاں اب بتا تو کیا کہنا چاہتا ہے؟"

ملا کاشانی نے اپنی ساری روداد رو دھو کر سنائی اور درخواست کی "اب میں اپنے وطن میں کسی کو منہ بھی نہیں دکھا سکتا۔"

سلطان نے پوچھا "پھر تو کیا چاہتا ہے؟"

"سلطان کے آس پاس [illegible] سی جگہ درکار ہے۔ اگر میں کسی لائق ہوا تو اپنی جگہ خود بنا لوں [illegible] ورنہ سلطان کی طرف سے مجھے جو جگہ بھی مل جائے گی میں اسی پر قناعت کر لوں گا۔"

سلطان نے خواجہ حسن کی طرف دیکھا "خواجہ بزرگ آپ

کیا کہتے ہیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "جہاں پناہ میں ذاتی طور پر ملا کاشانی سے واقف نہیں ہوں اس لئے میں کیا رائے دے سکتا ہوں؟"

ملا کاشانی نے عرض کی "میں حضور والا کا بہترین خیر خواہ ثابت ہوں گا۔ اس خیر خواہی کے پیش نظر میں اپنے ساتھ ایک ایسا ہنر مند لایا ہوں جس کا دور دور ثانی نہیں ملے گا اور کئی ہنر مندوں کی جگہ وہ تنہا کافی ہو گا۔"

سلطان نے پوچھا "یہ تو کس ہنر مند کی باتیں کر رہا ہے؟"

ملا کاشانی نے جواب دیا "ایک ایسا ہنر مند جو اپنی ذات میں مجموعۂ ہنر مندان ہے۔"

سلطان نے خواجہ حسن کی طرف دیکھا "یہ کیا کہہ رہا ہے۔ یہ کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "جہاں پناہ میں کیا عرض کروں۔ معلوم نہیں یہ ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے؟"

سلطان نے پوچھا "جس ہنر مند کا تو ذکر کر رہا ہے' وہ کہاں ہے؟"

ملا کاشانی نے جواب دیا "اسے میں اپنے ساتھ لایا ہوں' وہ باہر موجود ہے۔"

سلطان نے اسے حکم دیا "اسے میرے سامنے لایا جائے۔"

ملا کاشانی آشوری ہنر مند کو بلانے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی خواجہ حسن نے کہا "جہاں پناہ مجھے تو یہ شخص صحیح الدماغ نہیں لگ رہا۔"

سلطان نے پوچھا "وہ کس طرح؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "باہر ایک آشوری ہنر مند آیا تو ہے لیکن وہ اس کے ساتھ نہیں آیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ملا کاشانی نے اسے اپنا غلام کہہ دیا تھا اس پر وہ ناراض ہو گیا۔ ملا کاشانی اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ اس کی وساطت سے سلطان کی خدمت میں پیش ہو لیکن اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔"

کچھ دیر بعد ملا کاشانی واپس آ گیا اور خواجہ حسن سے پوچھا "وہ کہاں چلا گیا؟"

خواجہ حسن نے پوچھا "کون؟"

ملا کاشانی نے جواب دیا "آشوری ہنر مند' وہی جسے میں اپنے ساتھ لایا تھا۔"

خواجہ حسن نے سلطان سے کہا "ملاحظہ فرمائیں جہاں پناہ یہ اپنی بات پر بلاوجہ اڑا ہوا ہے حالانکہ وہ اپنے طور پر خود آیا ہے۔"

ملا کاشانی نے اصرار کیا "اس کو میں لایا ہوں۔ وہ میرے ساتھ آیا ہے۔"

خواجہ حسن نے کہا "آپ ایک ذی علم شخص ہیں اس لئے غلط بیانی سے پرہیز کریں۔"

ملا کاشانی نے کہا "میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "پھر وہ ہنر مند کہاں ہے؟"

ملا کاشانی نے جواب دیا "پتا نہیں۔ اس کو میں اپنے ساتھ لایا تھا۔"

خواجہ حسن نے کچھ دیر بعد آشوری ہنر مند کو سلطان کی خدمت میں پیش کر دیا اور کہا "اب سلطان اس سے خود معلوم کر لیں کہ یہ کس کے ساتھ آیا ہے؟"

سلطان نے اس سے پوچھا "ملا کاشانی سے تیرا کیا تعلق ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "کچھ بھی نہیں' اس کے سوا کہ ہم دونوں ایک ہی قافلے میں سفر کر رہے تھے۔" اس کے بعد آشوری نے اپنا پیالہ سلطان کی خدمت میں پیش کیا اور کہا "میں سلطان کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔" سلطان نے پیالہ دیکھا اور بہت پسند کیا۔

ملا کاشانی آشوری سے سخت ناراض تھا "تو نے مجھے جھوٹا کر دیا۔ اللہ تجھے ذلیل کرے۔"

آشوری نے سلطان سے فریاد کی "یہ شخص مجھے بلاوجہ بددعا دے رہا ہے۔ اس کو اس سے روکا جائے۔"

سلطان نے ملا کاشانی کو منع کیا "دربار میں اس قسم کی باتیں نہ کی جائیں۔"

ملا کاشانی نے آشوری کو سلطان کی نظروں میں گرانے کی کوشش کی "جہاں پناہ یہ آرمینی حکومت کا مجرم ہے۔ اس پر جعلی سکے بنانے کا الزام ہے اور آرمینی حکومت اس کو اس جرم میں سزائے موت سنا چکی ہے مگر یہ مفرور ہے۔"

خواجہ حسن ہنسنے لگا "اس کا دماغی توازن مشتبہ ہے۔"

آشوری نے پھر فریاد کی "حضور والا اس آدمی کو آخر ہو کیا گیا ہے؟ یہ کبھی تو مجھے گالی دیتا ہے' کبھی بددعا اور کبھی مجرم قرار دیتا ہے۔"

سلطان نے ملا کاشانی سے پوچھا "یہ تجھے کس نے بتایا کہ آرمینی حکومت... جعلی سکے بنانے کے جرم میں اس کو موت کی سزا کا فیصلہ سنا چکی ہے؟"

ملا کاشانی نے جواب دیا "یہ بات اس نے خود بتائی تھی۔" سلطان نے آشوری کی طرف دیکھا۔

خواجہ حسن نے آہستہ سے کہا "مجھے تو ملا کاشانی اس لائق نہیں لگتا کہ اسے دربار میں جگہ دی جائے۔"

آشوری نے صدائے احتجاج بلند کی "اس کو روکا جائے۔ یہ مجھے سلطان کی نظروں سے گرا دینا چاہتا ہے۔"

سلطان کی طبیعت میں انقباض آ گیا تھا۔ اس نے خواجہ حسن کو حکم دیا "ملا کاشانی کو کاشان واپس جانے کا حکم دیا جائے اور وہاں کے حاکم کو لکھ دیا جائے کہ ملا کاشانی کے ذہنی اور دماغی توازن کے پیش نظر اس پر مسلسل نظر رکھی جائے۔"

ملا کاشانی حسرت سے کھڑا ہو گیا "جہاں پناہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔

"میں پاگل نہیں ہوں۔"

خواجہ حسن نے آہستہ سے کہا "ہر پاگل اپنے بارے میں یہی سمجھتا ہے۔"

سلطان اٹھ کر خیمے کے دوسرے حصے میں جانے لگا اور خواجہ حسن کو ہدایت کی "آشوری جوان کو دوبارہ پیش کیا جائے۔"

خواجہ حسن، آشوری ہنرمند اور ملا کاشانی ایک ساتھ باہر آئے۔ خواجہ حسن نے آشوری سے پوچھا "تو کہاں ٹھہرا ہوا ہے؟"

ملا کاشانی نے جواب دیا "یہ کہاں ٹھہرے گا۔ میرے ساتھ میرے پاس ٹھہرا ہوا ہے۔"

خواجہ حسن نے آشوری جوان سے کہا "تو کہیں بھی ٹھہرا ہو۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں لیکن اب تو اپنے خیمے میں ٹھہرے گا۔ یہ خیمہ میں تجھے فراہم کروں گا۔"

ملا کاشانی آگ بگولا ہو رہا تھا "خواجہ حسن تو اس سازش میں برابر کا شریک ہے۔"

خواجہ حسن نے برہمی سے کہا "تیری زبان اور تیری غیر ذمے دارانہ باتیں ہی تجھے ہمیشہ ذلیل و خوار رکھیں گی۔ اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ حاکم کاشان کے نام تیرے حق میں حکم جاری کیا جائے یا نہیں۔ تو انتہائی جذباتی اور غائب دماغ شخص معلوم ہوتا ہے مجھے۔"

ملا کاشانی چیخنے لگا "میں کاشان واپس نہیں جاؤں گا۔ وہاں کا حاکم مجھے قتل کرا دے گا۔"

خواجہ حسن نے غصے میں پوچھا "تو اگر کاشان نہیں جائے گا تو پھر کہاں جائے گا؟"

آشوری جوان نے پوچھا "میرے لئے کیا حکم ہے؟"

خواجہ حسن نے کہا "پہلے میں اس پاگل سے نمٹ لوں پھر تیرے لئے کچھ کروں گا۔"

ملا کاشانی نے پھر احتجاج کیا "خواجہ حسن، آپ مجھے پاگل کہہ رہے ہیں، میں آپ کو پاگل نظر آتا ہوں؟" مگر خواجہ حسن کاشان کے حاکم کے نام حکم نامہ لکھنے لگا۔

ملا کاشانی نے منع کیا "میں نے کہہ جو دیا کہ میں کاشان نہیں جاؤں گا اور خواجہ حسن تو وہی ہے نا جس کی گردن پر سابق وزیر عمید الملک کندری کا خون ہے۔"

خواجہ حسن نے نرمی سے جواب دیا "مجھے تجھ سے ہمدردی ہے۔ میں نے سابق وزیر عمید الملک کا خون کرا دیا تھا۔ یہ آشوری ہنرمند جعلی سکے بنانے کی وجہ سے سزائے موت پا چکا ہے۔ معلوم نہیں اور کیا کچھ تیرے دماغ میں بھرا ہوا ہے۔"

ملا کاشانی نے پھر منع کیا "میں کاشان واپس نہیں جاؤں گا۔ میں کہہ جو رہا ہوں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "یہ سلطان کا حکم ہے کہ تجھے کاشان واپس بھیج دیا جائے۔ تجھے کاشان واپس جانا ہی پڑے گا۔" خواجہ حسن نے حکم نامہ لکھ کر ملا کاشانی کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا "اب تو جا سکتا ہے۔ آج اور اسی وقت۔"

ملا کاشانی نے طوعاً و کرہاً حکم نامے کو عبا کی اندرونی جیب میں رکھ لیا اور کہا "میں جانتا ہوں تو نے یہ سلوک میرے ساتھ کیوں کیا۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "اب تو جا سکتا ہے۔"

ملا کاشانی وہاں سے چلا گیا۔ خواجہ حسن نے آشوری سے کہا "مصیبت گئی۔ میں تو ڈر گیا تھا کہ سلطان آرجی سردار کو بلوا کر تیرے سامنے کھڑا کر دے تو تیرا کیا حشر ہو گا۔ کیا تو جعلی سکے بنانے کے جرم میں سزائے موت کا حکم سن چکا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "میں نے یہ جرم ہرگز نہیں کیا تھا۔ مجھ پر یہ الزام لگایا گیا تھا اور سزائے موت کا حکم بھی صادر کر دیا گیا تھا۔"

خواجہ حسن نے کہا "اور تو نے یہ ساری باتیں ملا کاشانی کو بتادی تھیں؟"

آشوری نے جواب دیا "ہاں بتادی تھیں۔"

خواجہ حسن نے کہا "تب پھر تو میری یہ بات یاد رکھ کہ جو شخص اپنے راز دوسروں کو بتاتا ہے تو گویا وہ خود کو دوسروں کے حوالے کر دیتا ہے۔" خواجہ حسن آشوری ہنرمند سے ناراض

مسکراہٹ

محلے کے ایک بزرگ سے ایک صاحب نے فریاد کی "میرا پڑوسی مجھے بہت پریشان کرتا ہے رات کے دو تین بجے وہ میرا دروازہ زور زور سے پیٹتا ہے اور مجھے برا بھلا کہتا ہے۔"

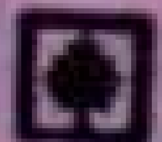
بزرگ بولے۔ "پھر تو تمہیں واقعی بہت تکلیف ہوتی ہو گی۔"

ان صاحب نے کہا۔ "جی ہاں، اور پھر اس سے میرے گانے کے ریاض میں بھی خلل پڑتا ہے۔"

نہر کے پہرے دار نے جب دیکھا کہ ایک آدمی نہر میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے تو وہ اس کی طرف بڑھا اور غصے سے بولا "کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس نہر میں نہانے کی ممانعت ہے؟"

"مگر میں نہا نہیں رہا ہوں۔" وہ آدمی چیخا۔ "ڈوب رہا ہوں۔"

"تو پھر کوئی بات نہیں۔" پہرے دار یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔



ہو گیا تھا۔ آشوری جوان خواجہ حسن کی خوشامد کرنے لگا۔ خواجہ حسن نے کہا "اب میں یہ سوچ رہا ہوں کہ دوبارہ تجھے سلطان کے سامنے لے جاؤں یا تجھے یہیں سے رفع کر دوں۔"

آشوری جوان خوشامد کرنے لگا "ایسا نہ کریں۔ میں آپ کے بھی بے حد کام آؤں گا۔"

خواجہ حسن نے کہا "مجھے تجھ پر رحم بھی آ رہا ہے۔ تو یہاں رہ سکتا ہے لیکن اس شرط پر کہ تو سلطان کے علاوہ میرا بھی تابع فرمان رہے گا۔"

آشوری نے جواب دیا "میں عزت و آبرو سے زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے کہا "تجھے ساری چیزیں مل جائیں گی لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ تو میرے اختیار اور میرے قبضے میں ہے۔ میں تجھ سے ناراض ہو کر تجھے آرچی حکومت کے حوالے بھی کر سکتا ہوں۔"

آشوری کانپ گیا "میں سلطان سے زیادہ آپ کا تابع فرمان رہوں گا۔"

خواجہ حسن نے آشوری ہنرمند کو سلطان سے دوبارہ ملوا دیا اور سلطان اس کے اس ہنر سے زیادہ خوش ہوا کہ وہ لکڑی کے بڑے بڑے برج بھی تیار کر سکتا ہے۔ ایسے دو منزلہ تین منزلہ برج جن میں سیکڑوں سپاہی بیٹھ کر دشمن کی فصیلوں پر حملہ آور ہو کر قلعے کے اندر داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ دو منزلہ اور تین منزلہ برج پہیوں پر حرکت کرتے تھے اور انہیں حسب منشا دوسری جگہ پر بہ آسانی لے جایا سکتا تھا۔ سلطان نے اسے حکم دے دیا کہ ایسے کئی برج تیار کئے جائیں۔

خواجہ حسن اسے اپنے خیمے میں لے گیا اور کہا "مبارک ہو تو کامیاب ہوا۔ اب تو چند کام میرے بھی کرے گا۔"

آشوری ہنرمند نے جواب دیا "میں آپ کا ہر کام پہلے کروں گا۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "شاید تو نساج بھی ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "ہاں میں یہ کام بھی جانتا ہوں۔ سوتی دھاگوں کی آمیزش سے ایسا ریشم تیار کر سکتا ہوں جس کی نقل بھی ناممکن ہو۔"

خواجہ حسن کچھ سوچ رہا تھا۔ پر خیال لہجے میں پوچھا "اور تو خیاط بھی ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "ہاں میں خیاط بھی ہوں اور ایسے ایسے لباس تیار کر سکتا ہوں کہ انسان اپنے قدرتی حسن سے زیادہ حسین نظر آنے لگے۔"

خواجہ حسن نے کہا "تب پھر تو یہ دونوں کام میرے لئے کرے گا۔ میرے لئے یعنی خاص میرے لئے نہیں بلکہ جارجیا کی شہزادی ہیلینا کے لئے۔ میں اس کو شادی کے موقع پر ایسا لباس دوں گا جو اس سے پہلے اس نے نہ دیکھا ہو، نہ پہنا ہو۔"

آشوری جوان کو اچانک ہی تلاش اور جستجو کے بغیر ہی گویا گوہر مقصود حاصل ہو گیا تھا۔ اس نے حیرت سے پوچھا "جارجیا کی شہزادی ہیلینا۔ مگر وہ یہاں کہاں سے آ گئی؟"

خواجہ حسن نے اسے مختصر روداد سنائی "سلطان نے اسے میری خاطر طلاق دے دی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ میں چند روز بعد شادی کروں گا اور شادی پر تیرا تیار کردہ لباس اسے پہناؤں گا۔ تیرا بنایا ہوا بے مثل کپڑا اور تیرے ہاتھ کا سلا ہوا لاجواب لباس۔ میں تجھے پا کر یہ سوچ رہا ہوں کہ اللہ نے تجھے میرے پاس ہیلینا کو خوش کرنے کے لئے بھیجا ہے۔"

آشوری جوان کو بہروز یاد آ رہا تھا۔ وہ بہروز جو ہیلینا کی تلاش اور حصول کے لئے آیا ہوا تھا اور وہ خود بھی بہروز کی خواہش اور منصوبے کا ایک اہم کردار تھا۔

آشوری جوان نے کہا "میں نے ہیلینا شہزادی کے بارے میں سنا تو تھا لیکن میں نے یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں شہزادی کا اس حد تک قرب حاصل کر لوں گا کہ ۔۔۔"

خواجہ حسن نے جو اس کی باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہا تھا حکم دیا "تو جلد سے جلد اپنا کام شروع کر دے۔"

آشوری جوان نے درخواست کی "کیا میں شہزادی ہیلینا کو دیکھ بھی سکتا ہوں اور اس سے بات بھی کر سکتا ہوں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "کیوں نہیں۔"

آشوری جوان نے کہا "تب پھر میں کل ہی سے اپنا کام شروع کر دوں گا۔"

خواجہ حسن نے کہا "عدت کی مدت گزارنے کے بعد ہی شہزادی تیرے سامنے آ سکے گی۔"

اب آشوری جوان کو اپنے کسی ساتھی کی تلاش تھی جس کے ذریعے وہ بہروز کو یہ خوش خبری پہنچانا چاہتا تھا کہ وہ کس طرح اچانک شہزادی ہیلینا تک پہنچ چکا ہے اور خداوند مسیح نے چاہا تو وہ شہزادی ہیلینا کو ایک دن اس کے پاس پہنچا دے گا، چاہے اس جدوجہد میں اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

آشوری ہنر مند کو مزدوروں اور ہنر مندوں کی ایک فوج دے دی گئی۔ لکڑیاں، کیلیں اور میخیں بھی فراہم کی گئیں۔ یہ سب اس کی ہدایات اور نگرانی میں کام کر رہے تھے۔ خود آشوری ہنر مند ایک وسیع و عریض خیمے میں نساجی اور خیاطی کا کام کر رہا تھا۔ یہاں پر وہ اپنے معاونین اور مددگاروں کی مدد سے شہزادی ہیلینا کے لئے بہترین کپڑے تیار کر رہا تھا۔ اس کی تیز دطرّار اور مضطرب و بے قرار طبیعت اسے مستقل حرکت میں رکھے ہوئے تھی۔ سلطان الپ ارسلان نے اسے محنت اور لگن سے کام کرتے ہوئے دیکھا تو بہت خوش ہوا اور اس کی کارکردگی سے مطمئن ہوا۔ یہی حال خواجہ حسن کا بھی تھا، وہ بھی اس کے کام سے بے حد خوش تھا۔

سلطان کو چغل خوروں نے بتایا کہ آشوری ہنر مند خواجہ حسن کے لئے بھی کام کر رہا ہے اور ایک دن سلطان کو اس خیمے میں بھی پہنچا دیا جو نساجی اور خیاطی کا کارخانہ بنا ہوا تھا۔ اس وقت خیمے میں آشوری موجود نہیں تھا، اس کے کارکن اپنا کام کر رہے تھے۔ وہ سب سلطان کو دیکھ کر مودب کھڑے ہو گئے۔ سلطان تانے بانے کو بغور دیکھتا رہا۔ سوتی دھاگوں میں ریشم کی آمیزش نے سلطان کو حیرت میں ڈال دیا۔ سلطان نے کارکنوں سے پوچھا "اس کام میں تمہارا استاد کون ہے؟"

انہوں نے جواب دیا "آشوری ہنر مند" سلطان کے معائنے کی خبر خواجہ حسن کو بھی ہو گئی، وہ بھاگا بھاگا آیا اور سلطان کے پیچھے مودبانہ کھڑا ہو گیا۔

سلطان نے خواجہ حسن سے پوچھا "آشوری ہنر مند کے اس منصوبے کا ذکر مجھ سے نہیں کیا گیا، آخر کیوں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "جب تک میں اس کی نساجی اور خیاطی کا تجربہ نہ کر لیتا میں سلطان کے سامنے اس کے اس ہنر کا کیسے ذکر کر سکتا تھا۔"

سلطان اس کے جواب سے مطمئن ہو گیا اور حکم دیا "جب آشوری اپنے اس تجربے اور کمال میں پورا اتر جائے تو اس سے ہمارے لئے کام ضرور لیا جائے۔" سلطان کچھ دیر وہاں موجود رہا اس کے بعد وہاں سے چلا گیا جہاں آشوری، سلطان کے حکم سے کئی منزلہ برج تعمیر کر رہا تھا۔ یہاں بڑے زور و شور سے کام ہو رہا تھا۔ آشوری ہنر مند اپنے آدمیوں سے بڑی تن دہی اور جاں فشانی سے کام لے رہا تھا۔ سلطان اس کا دل سے قائل ہو تا جا رہا تھا۔ اس نے آشوری کو ایک طرف بلایا اور اس کی تعریفیں کرنے لگا۔ سلطان نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ تم کو جتنے بھی کام آتے ہیں ان کے لئے ایک ایک کارخانہ قائم کر اور وہاں اپنی نگرانی میں مزدوروں سے کام لے۔"

آشوری نے انکسار سے جواب دیا "میں تو سلطان کی خدمت کرنے آیا ہوں، مجھ سے آپ ہر وہ کام لے سکتے ہیں جو میں جانتا ہوں۔"

معلوم نہیں کیا سوچ کر سلطان نے آشوری سے اس کے مذہب کے بارے میں سوال کیا "تیرا مذہب کیا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "میں مذہباً مسیحی ہوں۔ مسیح ناصری کا پیروکار۔"

سلطان نے افسوس کیا "ایسا ہنر مند اور عقل مند آدمی جنت سے محروم رہے، بڑے دکھ کی بات ہے۔"

آشوری نے عرض کیا "میں اپنے باپ دادا کی طرف سے ہی ناصری رہا ہوں اس لئے جہاں میرے باپ دادا ہوں گے وہیں میں بھی رہنا پسند کروں گا۔"

سلطان وہاں سے چلا آیا اور راستے میں خواجہ حسن سے کہا "مجھے تو یہ آشوری نوجوان بہت اچھا لگا ہے لیکن افسوس کہ یہ مسیحی ہے مسلمان نہیں۔ تم اپنے بہترین عمل اور اچھے برتاؤ سے اس نوجوان کے دل پر قابو حاصل کر لو۔ اگر یہ مسلمان ہو جائے تو مزہ آ جائے۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا "مذہب خالص ذاتی اور جذباتی مسئلہ ہوتا ہے اس لئے اس میں دخل نہیں دینا چاہئے۔"

سلطان نے ضد نہیں کی اور خواجہ حسن سے کہا "آپ آشوری سے کہہ سکتے ہیں کہ میں اس سے بے حد خوش ہوں اور کسی بھی وقت اس کی ایک خواہش پوری کر سکتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے جب یہ پیغام آشوری ہنر مند کو پہنچایا تو اس نے خواجہ حسن سے کئی بار بس یہی سوال کیا "کیا سلطان میری ایک خواہش بے چون و چرا پوری کر دے گا؟"

اور خواجہ حسن نے ہر بار اس کو یہی جواب دیا "ہاں یہ سلطان کا وعدہ ہے اور میں اس کا گواہ ہوں۔"

آشوری نے کہا "تو آپ سلطان کے اس وعدے کو یاد رکھئے گا۔"

خواجہ حسن نے وعدہ کیا "میں اس بات کا گواہ ہوں۔ اگر سلطان اپنے اس وعدے کو بھول گیا تو میں خود اسے یاد دلاؤں گا۔"

اب آشوری ہنر مند کو یک گونہ سکون حاصل ہو گیا تھا۔

خواجہ حسن شہزادی ہیلینا کے پاس گیا۔ وہ اسے یہ خوشخبری سنانا چاہتا تھا کہ میں تمہارے لئے آشوری ہنر مند سے

ایک خاص کپڑا بنوا رہا ہوں اور جب اس سے تیرا خاص لباس تیار ہو گا تو دنیا دیکھتی رہ جائے گی اور یہ میری طرف سے نذرانہ محبت ہو گا۔ مگر ہیلینا کو اس سے کوئی خوشی نہ ہوئی۔ اس کو اپنی کمتری کا احساس دکھ پہنچا رہا تھا کہ جب تک سلطان نے مناسب سمجھا' اپنی بیوی بنائے رکھا اور جب دل بھر گیا یا رسوائی کا اندیشہ غالب آیا تو طلاق دے دی اور اپنی ملکیت دوسرے کے نام کر دی۔ ہیلینا خود کو لونڈی محسوس کر رہی تھی۔ جس کی اپنی مرضی کو یکسر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ عدت کی مدت گزرنے کے بعد وہ خواجہ حسن کے حوالے کر دی جائے گی مگر خواجہ حسن اس کے کرب کو بالکل نہ سمجھ سکا اس نے ہیلینا سے پوچھا "شہزادی ہیلینا۔ کیا بات ہے؟ کیا تو خوش نہیں ہے؟"

ہیلینا نے جواب دیا "آپ مجھے شہزادی نہ کہیں' میں ہیلینا ہوں' لونڈی ہیلینا۔"

خواجہ حسن نے افسوس کیا "یہ کیا کہہ رہی ہے تو۔ تو جارجیا کے بادشاہ کی بھتیجی ہے پھر لونڈی کس طرح ہو گئی؟"

ہیلینا نے سرد آہ بھری اور کہا "جارجیا کا بادشاہ سلطان کا باجگزار ہو گیا اور میں کسی کنیز کی طرح سلطان کے حرم میں داخل کر دی گئی۔ پھر سلطان نے مجھے حرم سے نکال دیا اور آپ کی نذر کر دیا۔ اب میں خود اپنی نظروں سے گر گئی ہوں۔"

خواجہ حسن نے اسے تسلی دینا چاہی "سلطان مجھ سے محبت کرتا ہے۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں تو اس نے تجھے طلاق دے دی اور تجھے میرے حوالے کر دیا۔ پہلے تو سلطان کی بیوی تھی اور اب اس کے اتالیق اور وزیر کی بیوی بن جائے گی۔ تیرا مرتبہ کم تو نہیں ہوا۔" مگر ہیلینا خواجہ حسن کی کسی تاویل سے مطمئن نہیں ہوئی۔ اس کے ساتھ جو سلوک ہوا تھا وہ ایک گہرے زخم کی طرح تھا جسے مندمل ہونے کے لئے وقت درکار تھا۔

آرتجی سردار نے سلطان سے شاعر اسماعیل کی تعریف کر دی۔ اس نے شاعر کا نام تو نہیں لیا کیونکہ شاعر اسماعیل نے آرتجی سردار سے یہی کہا تھا کہ وہ سلطان کو اس کا نام نہ بتائے اس لئے کہ وہ سلطان کی شان میں ایک قصیدہ کہہ رہا ہے۔ یہ قصیدہ ہی اس کا تعارف ہو گا اور جب سلطان کا اشتیاق بڑھے گا تو وہ خود ہی سلطان کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ اس طرح وہ سلطان کے اشتیاق سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکے گا۔

ادھر شاعر اسماعیل نے سلطان کی شان میں ایک پر لطف قصیدہ لکھ ڈالا۔ اس قصیدے میں اس نے اپنے سابق قصیدے کا ذکر بھی کر دیا تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

"سلطان ہونا آسان ہے لیکن غیر معمولی انسان ہونا نہایت دشوار ہے۔

اور جب کوئی سلطان بھی ہو اور غیر معمولی انسان بھی تو وہ سلطان اعظم ہو جاتا ہے۔

سلطان الپ ارسلان ایک ایسا ہی سلطان اور ایک ایسا ہی انسان ہے۔

وہ خطاکاروں کو معاف کر دیتا ہے اور اپنے گناہ گاروں سے چشم پوشی کرتا ہے۔

میں جانتا ہوں کہ ایک شاعر نے اپنے اشعار سے سلطان کو بہت زخمی کر دیا تھا۔

لیکن شاعر کا مقصد سلطان کو زخمی کرنا نہیں تھا۔ اس نے تو سلطان کی تعریف کی تھی نادان دوست کی طرح۔

میں سلطان کی دسترس سے دور بہت دور نکل گیا تھا۔ مگر جب مجھے کسی نے یہ بتایا کہ سلطان مجھ سے خوش نہیں ہے اور میرے اشعار نے سلطان کا دل دکھایا ہے تو میں بے خوفی سے واپس آ گیا' سلطان سے معافی طلب کرنے کے لئے' معذرت خواہی کے لئے۔

ایک چھوٹا انسان بڑے انسان کو کیا دے سکتا ہے بجز یہ موقع کہ بڑا انسان اسے معاف کر کے اللہ سے اس کا اجر حاصل کرے۔

جب میں اپنی جان کے خوف سے بھاگ رہا تھا تو میں یہ نہیں جانتا تھا کہ سلطان کی معصوم اور پرکشش شخصیت کی زنجیریں میرے دونوں پاؤں میں پڑ چکی ہیں۔

اور آج وہی زنجیر مجھے سلطان کے قدموں میں کھینچ لائی ہے۔

سلطان جیسا سلوک چاہے کرے۔ میں حاضر ہوں۔ اگر میں قتل کر دیا جاؤں تو میں اس کا مستحق ہوں اور اگر معاف کر دیا جاؤں تو یہ سلطان کا ایک احسن فعل ہو گا۔

ایک بڑا سلطان جو بڑا انسان بھی ہے' دوسرے حقیر و پر تقصیر' بے بس و بے سہارا انسان سے جو سلوک بھی کرے وہ انتہائی مناسب' معقول اور منصفانہ ہو گا۔ میں ہر حال میں اس کا شکر گزار رہوں گا۔"

آرتجی سردار نے یہ قصیدہ پڑھا تو سوالیہ نشان بن گیا۔ پوچھا "اصل واقعہ کیا ہے؟"

شاعر اسماعیل نے جواب دیا "کہ یہ قصیدہ سلطان تک

پہنچاؤں۔ اصل واقعہ میں بعد میں بتاؤں گا۔"

آرتجی سردار کو خوف تھا کہ اس قصیدے میں کسی خطرے کی بوپائی جاتی ہے۔ کہیں یہ اس کے لئے وبالِ جان نہ بن جائے۔ چنانچہ اس نے اصرار کیا "مجھے پہلے اس کا پس منظر بتاؤ ورنہ میں اسے سلطان کی خدمت میں نہیں لے جاؤں گا۔"

شاعر اسماعیل نے اسے سمجھایا "آپ مجھ سے کچھ نہ پوچھیں اور یہ سمجھ لیں کہ یہ قصیدہ اور خود میں آپ کے حق میں نعمت قرار پائیں گے۔"

آرتجی سردار بادلِ ناخواستہ سلطان کے پاس پہنچ گیا اور اسے بتایا "میں ایک شاعر کو اپنے ساتھ لایا ہوں اس نے ایک قصیدہ بھی آپ کی شان میں لکھا ہے' اگر اجازت ہو تو میں وہ قصیدہ سلطان کی خدمت میں پیش کروں؟"

سلطان کو شاعر کے ذکر سے غصہ آگیا' اس نے جواب دیا "اب میں کسی اجنبی شاعر کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

آرتجی سردار نے عرض کیا "وہ شاعر تو خود نہیں آنا چاہتا' اس نے حضور والا کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے جو میرے پاس ہے' اگر اجازت ہو تو پیش کر دوں ورنہ واپس لے جاؤں۔"

سلطان نے قصیدہ لے لیا اور اسے پڑھنے لگا۔ آرتجی سردار' خواجہ حسن شہزادہ ملک شاہ اور دوسرے افراد کی نظریں سلطان کے متغیر چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ سلطان کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا' ایک جارہا تھا۔ آرتجی سردار خوفزدہ ہو گیا۔ قصیدہ پڑھ چکنے کے بعد سلطان نے اسے خواجہ حسن کی طرف بڑھا دیا اور آرتجی سردار سے پوچھا "یہ بدمعاش کہاں ہے؟"

آرتجی سردار کا دل دھک دھک کرنے لگا "میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں۔ وہ میرے خیمے میں موجود ہے۔"

خواجہ حسن بھی حیران اور خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ شاید اسے شاعر اسماعیل کا انجام پریشان کر رہا تھا۔

سلطان نے حکم دیا "شاعر کو فرار نہ ہونے دیا جائے' اسے گرفتار کر لیا جائے۔" شہزادہ ملک شاہ ابھی تک اصل واقعے سے لاعلم تھا۔ وہ خواجہ حسن کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

آرتجی سردار نے جواب دیا "اگر وہ سلطان کا مجرم ہے تو میں خود اسے سلطان کی خدمت میں پیش کروں گا۔"

خواجہ حسن نے کہا "آ میرے ساتھ چل۔ میں تیرے ساتھ چلتا ہوں' ہمیں تو خود اس کی تلاش تھی۔"

ادھر سلطان بار بار تاکید کر رہا تھا "اسے اسی وقت پیش کیا جائے۔ ابھی اور اسی وقت۔" خیمے میں کھلبلی مچ گئی تھی اور فضا مکدر ہو چکی تھی۔ آرتجی سردار خواجہ حسن اور چند سپاہیوں کے ساتھ اپنے خیمے کی طرف روانہ ہو گیا۔

راستے میں آرتجی سردار نے پوچھا "معزز وزیر' اصل معاملہ کیا ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "اصل بات تو میں بعد میں بتاؤں گا' پہلے اس شاعر کو تو گرفتار کر لوں۔"

آرتجی سردار کو اپنی فکر لاحق تھی' اس نے پوچھا "اس سے میری ذات کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا؟"

خواجہ حسن نے اسے دلاسا دیا "سلطان تو تیرا شکر ادا کرے گا' تو نے تو ہماری ایک مشکل آسان کروائی' ہمیں تو اس شاعر کی بڑی تلاش تھی۔"

یہ لوگ بہت جلدی آرتجی سردار کے خیمے میں پہنچ گئے مگر وہاں شاعر اسماعیل موجود نہیں تھا خیمہ بالکل خالی پڑا تھا۔ آرتجی سردار نے بڑی پھرتی اور بے قراری سے شاعر اسماعیل کو تلاش کیا لیکن وہ کہیں بھی نظر نہ آیا۔

خواجہ حسن نے پوچھا "وہ کہاں چلا گیا؟"

آرتجی سردار نے بڑی بے بسی سے جواب دیا "میں اس کو یہیں خیمے میں چھوڑ گیا تھا۔"

خواجہ حسن نے کہا "اسے ہر قیمت پر تلاش کرو اگر وہ نہ ملا تو بات بگڑ جائے گی۔"

آرتجی سردار خیمے سے نکل گیا اور آس پاس والوں سے پوچھنے لگا "میں شاعر اسماعیل کو اپنے خیمے میں چھوڑ گیا تھا۔ وہ کہاں چلا گیا؟ کیا تم لوگوں میں سے کسی نے اسے کہیں جاتے دیکھا ہے؟"

ہر کسی نے یہی جواب دیا "ہمیں نہیں معلوم' ہم نے تو نہیں دیکھا۔"

پڑوس کا ایک فوجی سانپ کو مار رہا تھا۔ اس نے اس سانپ کو اپنے خیمے کی طرف جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا' وہ خواجہ حسن کو دیکھ کر مودب ہو گیا اور پوچھا "آپ کس کو تلاش کر رہے ہیں؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "اس شاعر کو جو آرتجی سردار کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔"

پڑوسی فوجی نے بتایا "میں نے ایک شخص کو اس حال میں اس طرف جاتے دیکھا تھا کہ اس کا چہرہ ایک بڑے رومال میں چھپا ہوا تھا۔"

خواجہ حسن نے آرتجی سردار کی طرف معنی خیز نظروں

سے دیکھا۔ آرمنی سردار نے کہا "آیئے ادھر چلیں، کہیں وہ فرار نہ ہو گیا ہو" پھر سب لوگ ادھر روانہ ہو گئے جدھر شاعر گیا تھا۔ یہ راستہ دریا کی طرف جاتا تھا، وہ سب بے چین اور بے قرار تھے۔

آشوری جوان کئی دن سے شاعر اسماعیل کو تلاش کر رہا تھا۔ اسے آرمنی سردار کا خیمہ معلوم تھا۔ وہ کئی دن سے اس خیمے کے سامنے آکر کھڑا ہو جاتا اور شاعر اسماعیل کے باہر نکلنے کا انتظار کرتا رہتا۔ وہ شاعر کو کسی کے ذریعے بلوانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ فوج کے دوسرے لوگ ان کے باہمی تعارف اور تعلق سے واقف ہوں، چنانچہ آج جب وہ آرمنی سردار کے خیمے کے سامنے کھڑا ہوا تو شاعر اسماعیل نے اسے دیکھ لیا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور آشوری نے اشارے سے اسے اپنے پاس بلا لیا۔ شاعر اسماعیل نے اپنے چہرے پر رومال ڈالا اور اس طرف چل دیا جدھر آشوری جوان پہلے ہی جا چکا تھا۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے دور دور آگے پیچھے قریب کے جنگل میں چلے گئے۔ گھنے درختوں اور پیڑوں کے جھنڈ نے انہیں چھپا لیا۔

شاعر اسماعیل کچھ بولنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا۔ اس نے بے اختیار آشوری جوان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "میرا تو بات کرنے کے لئے دم گھٹ رہا ہے۔"

آشوری جوان نے کہا "میں تو بے حد باتیں کرتا ہوں۔ ایک سے، دو سے اور بہتوں سے۔ میں تو بے حد مصروف ہو گیا ہوں" پھر کچھ دیر توقف کرنے کے بعد اس نے شاعر اسماعیل کو یہ خوش خبری سنائی "بہر حال تجھے یہ خبر مبارک ہو کہ میں شہزادی بیلینا تک بہ آسانی پہنچ گیا ہوں۔"

شاعر اسماعیل چونک پڑا "شہزادی بیلینا تک۔ وہ کس طرح؟ وہ کہاں ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "ہاں بیلینا تک۔ اب مجھے سلطان تک جانے یا پہنچنے کی حاجت نہیں رہی، بس تو خاموش رہ اور میری کامیابی کا انتظار کر۔"

شاعر اسماعیل نے کہا "لیکن میں تو ایک قصیدہ لکھ کر سلطان کو بھیج چکا ہوں اور اب اس انتظار میں ہوں کہ سلطان میرے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔"

آشوری کو افسوس ہوا۔ اس نے جواب دیا "مگر اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ ہمارا اصل مقصد شہزادی بیلینا تک پہنچنا تھا سو میں پہنچ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو خواہ مخواہ مارا جائے گا۔"

شاعر اسماعیل نے دریافت کیا "تو شہزادی تک کس طرح پہنچا؟"

آشوری نے ساری تفصیل سنا دی اور کہا "میں جلد شہزادی سے ملاقات کرنے والا ہوں۔"

شاعر اسماعیل کو بہت افسوس تھا کہ آشوری کی کامیابی کا علم اسے دیر سے ہوا اگر پہلے ہو جاتا تو وہ سلطان کی شان میں نہ تو قصیدہ لکھتا نہ سلطان سے ملنے کی کوشش کرتا۔ اس نے آشوری سے پوچھا "اب میں کیا کروں میرے دوست؟"

آشوری نے جواب دیا "اب تو تو بھاگ بھی نہیں سکتا۔ ہر طرف سلطان کے آدمی تجھے تلاش کر رہے ہوں گے۔ اب تو بس مرنے کے لئے تیار ہو جا۔" لیکن شاعر اسماعیل زیادہ پریشان نہیں تھا وہ اپنے قصیدے کے امید افزا نتائج سے مایوس نہیں تھا۔

آشوری نے شاعر اسماعیل سے پوچھا "سچ بتا اگر تجھے سلطان کی طرف سے موت کا حکم سنا دیا جائے تو تو کیا کرے گا؟"

شاعر نے جواب دیا "میں مایوس نہیں ہوں، خوشامد بے حد کارگر شے ہے۔ میں اس کا سہارا لے رہا ہوں اور اس کے سہارے اپنی موت کو زندگی میں بدلنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

آشوری نے کہا "میں بہروز سے بھی ملوں گا اور تیرے بارے میں اس سے مشورہ لوں گا۔"

شاعر بہروز سے مایوس تھا، جواب دیا "وہ ہماری مدد نہیں کر سکتا۔ تو بھی بیلینا کو نکال لے جانے کی کوشش کر اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دے۔" ان دونوں کو بس اسی بات کا ملال تھا کہ اگر قصیدہ سلطان کے پاس نہ گیا ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔

دوسری طرف خواجہ حسن آرمنی سردار اور شاہی سپاہیوں کے ساتھ شاعر اسماعیل کو تلاش کر رہا تھا۔ وہ پوچھتا ہوا جنگل کی طرف نکل گیا۔ ایک چرواہے نے وزیر کو بتایا کہ اس حلیے کا جوان جنگل کی طرف جا رہا تھا ... اس کے ساتھ ایک دوسرا جوان بھی تھا۔ چرواہے نے چونکہ اسے زیادہ توجہ سے نہیں دیکھا تھا اس لئے وہ دوسرے نوجوان کا حلیہ نہیں بیان کر سکتا تھا۔ ان دونوں نے بھی اندر سے باہر والوں کی جھلک دیکھ لی تھی اس لئے انہوں نے راستہ بدل دیا اور دونوں مختلف راہوں پر چل کر دوسرے کنارے جا نکلے۔ ایک مشرق تو دوسرا مغرب میں۔ آشوری نے دریا کے کنارے ایک گدھا کرائے پر لے لیا اور اس پر بیٹھ کر درختوں کا جائزہ لینے لگا۔ وہ پکڑے جانے پر یہ عذر پیش کرنا چاہتا تھا کہ اسے دو حوالہ سے

حوض برج بنانے کے لئے جو لکڑیاں درکار ہیں' وہ ان درختوں سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ وہ یہی جائزہ لینے کے لئے یہاں آیا تھا۔

شاطر اسماعیل نے ایک کشتی کرائے پر لی اور اس میں سیر کرتا ہوا سلطانی لشکر کے قریب ساحل پر اتر گیا اور نہایت اطمینان سے آرمنی سردار کے خیمے میں پہنچ گیا۔ یہاں اس کے پڑوسیوں نے اسے بتایا کہ خواجہ حسن آرمنی سردار اور شاہی سپاہیوں کے ساتھ اسے تلاش کر رہا ہے۔ شاطر اسماعیل کو اپنی موت سامنے کھڑی دکھائی دے رہی تھی لیکن وہ ایک رجائی جوان تھا اس لئے مایوس نہیں تھا۔

جب خواجہ حسن تھک ہار کے واپس آ رہا تھا' اسے راستے ہی میں یہ خبر دے دی گئی کہ شاطر اپنے خیمے میں موجود ہے۔ خواجہ حسن تیزی سے خیمے میں پہنچا اور وہاں شاطر اسماعیل کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے سپاہیوں کو حکم دیا "اس کو گرفتار کر لیا جائے۔" دو مضبوط اور توانا سپاہیوں نے شاطر کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔ شاطر نے اپنے بازو چھڑانے کی بہت کوشش کی پھر پوچھا "تم لوگ یہ کیا کر رہے ہو۔ مجھے کہاں لے جانا چاہتے ہو؟"

خواجہ حسن نے اس کے چہرے پہ نظر ڈالی۔ وہ بالکل ستا ہوا اور سفید نظر آ رہا تھا۔ خواجہ حسن نے کہا "ہمیں تو تیری بڑی تلاش تھی بڑی مشکل سے ہمارے ہاتھ آیا ہے تو۔"

شاطر اسماعیل کو خدشہ تھا کہ کہیں اس کی مرمت نہ شروع کر دی جائے اس لئے اس نے درخواست کی "میری مار پیٹ نہیں ہونی چاہئے۔ تم لوگ مجھے سلطان کے حوالے کر دو۔ وہ جو بھی سزا دے گا' مجھے منظور ہو گی مگر تم لوگ مجھے بالکل نہیں ستاؤ گے۔"

لیکن خواجہ حسن نے اس کے دو طمانچے رسید کر ہی دیئے اور پوچھا "کیا تو اس خوش فہمی میں ہے کہ سلطان تجھے معاف کر دے گا؟"

شاطر اپنے رخسار سہلانا چاہتا تھا لیکن اس کے دونوں بازو سپاہیوں کے قابو میں تھے اس لئے اس نے درخواست کی۔ "محترم! میں بھاگوں گا نہیں اس لئے کم از کم میرے ایک بازو کو تو چھوڑ دیا جائے میرے دونوں شانوں میں درد ہو رہا ہے۔"

خواجہ حسن کو رحم آ گیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کے بازو چھوڑ دیں لیکن نگرانی برقرار رکھیں۔

شاطر کو اسی حالت میں سلطان کے روبرو پہنچایا گیا۔ سلطان آگ بگولا ہو رہا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے شاطر کے دو طمانچے رسید کر دیئے اور کہا "میں نے تجھے کہاں کہاں تلاش کرایا۔" سلطان کے طمانچے اتنے شدید تھے کہ شاطر گر گیا۔

آرمنی سردار اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ اس نے شاطر اسماعیل کے لئے سلطان سے رحم کی درخواست کی۔

سلطان نے کہا "تو نہیں جانتا کہ اس نے میری روح کو زخمی کر دیا تھا۔ میں اسے ہرگز معاف نہیں کروں گا۔"

شاطر اسماعیل نے عرض کیا "سلطانِ عالی مرتبت۔ بے شک آپ مجھے معاف نہ کریں لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ آپ مجھے گرفتار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ میں آپ کی دسترس سے بہت دور نکل گیا تھا اور اب تو میں خود رضاکارانہ واپس آیا ہوں کہ اپنے کئے کی سزا پاؤں۔"

آرمنی سردار اصل واقعہ جاننا چاہتا تھا جبکہ سلطان بتانا نہیں چاہتا تھا چنانچہ اس نے آرمنی سردار کو حکم دیا کہ وہ اپنے خیمے میں چلا جائے۔ آرمنی سردار بے چون وچرا اپنے خیمے میں چلا گیا۔

سلطان نے شاطر اسماعیل سے پوچھا "تو نے ایسا کیوں کیا تھا؟"

شاطر نے جواب دیا "سلطانِ محترم۔ آپ کے اس سوال کا میں کیا جواب دوں' میں اپنی غلطی پر نادم ہوں اور اس کی سزا چاہتا ہوں۔"

سلطان بے بس ہو رہا تھا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ شاطر اسماعیل اس کے پاس خود سے آیا ہے' اگر وہ نہ آنا چاہتا تو سلطان کے سپاہی اس کی گرد بھی نہ پا سکتے تھے۔ اس نے خواجہ حسن کو حکم دیا "شاطر کو فی الحال قید کر دیا جائے' فیصلہ بعد میں سنایا جائے گا۔"

خواجہ حسن نے اسے اپنے خیمے سے ملحق خیمے میں قید کر دیا اور وہاں سخت پہرا بٹھلوایا۔

آرمنی دینی حمیت اور ہمدردی کے پیش نظر شاطر اسماعیل کی مدد کرنا چاہتا تھا مگر سلطان کے آگے بے بس تھا۔ اس نے اس سلسلے میں خواجہ حسن سے بات کرنا چاہی مگر خواجہ حسن نے آرمنی سردار کو صاف صاف بتایا کہ وہ اس معاملے سے لاتعلق رہے تو اچھا ہے۔ آرمنی سردار نے خواجہ حسن سے درخواست کی "مگر یہ معاملہ کیا ہے؟ میں اسے سمجھنا چاہتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "تو اس معاملے میں ہرگز دخل نہ دے ورنہ سلطان تیرا دشمن ہو جائے گا۔"

آرمنی سردار شام کے وقت واپسی کا سوچ رہا تھا۔ وہ شاطر اسماعیل کے فیصلے سے پہلے ہی یہاں سے چلا جانا چاہتا تھا۔ وہ ملاحوں سے بات کر رہا تھا کہ دوسرے دن صبح وہ کس وقت تک اسے دریا کے دوسرے کنارے پہنچا دیں گے؟ اس وقت وہاں کئی قافلے دریا کے اس پار جانے کے لئے تیار کھڑے تھے اور

ملاحوں سے ان کا معاملہ بھی طے پا گیا تھا۔ اس لئے آرمینی سردار کو سب نے یہی جواب دیا کہ وہ تین دن تک تو اس سلسلے میں کوئی بات ہی نہیں کریں گے۔ پھر اس نے ایک کشتی سے چند ایسے عیسائیوں کو ساحل پر اترتے دیکھا جو قسطنطنیہ کے شاہی فرستادوں کے لباس میں تھے۔ وہ ان کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

آنے والوں میں سے ایک مسیحی نے ملاح سے پوچھا۔ "کیا مسلمانوں کا سلطان یہاں کہیں موجود ہے؟"

ملاح نے جواب دیا "ہاں، ہمارا سلطان اپنے لشکر کے ساتھ یہیں فروکش ہے۔"

آرمینی سردار نے نوارد مسیحی سے پوچھا "آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں؟"

قسطنطنیہ کا شاہی فرستادہ آرمینی سردار کو ایک ہی نظر میں پہچان گیا کہ یہ بھی مسیحی ہے۔ اس نے پوچھا "تو کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟"

آرمینی سردار نے اپنا تعارف کرایا اور کہا "میں آرمینیا کی مسیحی حکومت کی طرف سے سلطان کو تاوان ادا کرنے آیا ہوں۔"

قسطنطنیہ کا شاہی فرستادہ آرمینی سردار کو حیرت سے دیکھنے لگ "تم لوگوں نے مسیحیت کو ذلیل و خوار کر ڈالا۔"

آرمینی سردار نے پوچھا "آپ لوگ کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں؟"

اس نے جواب دیا "ہمیں قسطنطنیہ کے بادشاہ نے سلطان کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ وہ مسیحی حکومت سے جنگ نہ کرے اور ان کے جو شہر اور علاقے اب تک فتح کر چکا ہے وہ انہیں واپس کر دے۔"

آرمینی سردار کو ہنسی آ گئی "تو آپ کا کیا خیال ہے کہ سلطان آپ کے بادشاہ کی دھمکی سے مرعوب ہو جائے گا؟"

اس نے جواب دیا "نہ ہو مرعوب۔ شاید تجھے نہیں معلوم کہ مسیحی دنیا بیدار ہو رہی ہے اور اب وہ اپنی متحدہ قوت سے مسلمانوں کے سیل گراں بار کو روک دے گی۔"

آرمینی سردار نے کہا "بہت خوب۔ اگر آپ یہ دیکھیں کہ سلطان آپ سے مرعوب ہو گیا ہے تو میرا بھی ایک کام کر دیجئے گا کیونکہ میں بھی آپ کا مسیحی بھائی ہوں۔"

قسطنطنیہ کے شاہی فرستادہ کو شاعر اسماعیل کا واقعہ بتایا گیا۔ اس نے رعونت سے کہا "ہم شاعر کو اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے جائیں گے۔"

آرمینی سردار اپنے خیمے میں چلا گیا۔ ادھر سلطان کو مطلع کر دیا گیا کہ قسطنطنیہ کے قیصر کا ایک وفد ضروری پیغام لے کر آیا ہے۔ اس وفد کو نہایت عزت و احترام سے شاہی مہمانوں کے خیمے میں ٹھہرا دیا گیا۔

بہروز، احمد کاشغری کے ساتھ چوروں کی طرح ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ باہر نکلتا بھی تو دوپہر میں اور اس طرح وہ اپنے چہرے کو دھوپ کی تمازت سے بچانے کے لئے رومال سے چھپا لیتا تھا۔

احمد کاشغری، سلطان کے دربار میں کپڑوں کے تھان دکھا رہا تھا۔ سلطان انہیں بے دلی سے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت وہ شاعر اسماعیل کی وجہ سے سخت اداس، افسردہ اور فکر مند تھا۔ اس نے چند تھان لے لئے اور حکم دیا کہ احمد کاشغری کو چار دن بعد دوبارہ پیش کیا جائے۔ احمد کاشغری نے باہر نکل کر جب سلطان کی اداسی اور افسردگی کا سبب معلوم کیا تو اسے یہ بات معلوم ہو گئی کہ سلطان کو اپنے قصیدے سے دکھ پہنچانے والا شاعر گرفتار کیا جا چکا ہے۔ سلطان اس کے غم و غصے سے افسردہ اور مشتعل ہے۔ احمد کاشغری لشکر کے دوسرے سرداروں سے ملنے لگا اور انہیں اپنے کپڑے دکھانے لگا۔ آشوری نے احمد کاشغری کو جب ادھر مشغول دیکھا تو وہ بہروز کے پاس پہنچ گیا اور اسے شاعر اسماعیل کی گرفتاری کی خبر دی۔

بہروز نے ذرا سا بھی افسوس نہیں کیا اور کہا "وہ شاعر اچھا ہے لیکن ہوشیار اور چالاک نہیں ہے، جس کا خوف تھا آخر وہی ہوا۔"

آشوری نے پوچھا "اب ہم اس کے لئے کیا کریں؟"

بہروز نے جواب دیا "دیکھ آشوری۔ ہم یہاں شاعر اسماعیل کے لئے نہیں آئے ہیں۔ ہمیں شہزادی ہیلینا درکار ہے۔ تجھے میرے اس منصوبے پر عمل کرنا ہو گا۔"

آشوری ہنر مند واقعی پریشان تھا۔ وہ شاعر اسماعیل کو سلطان کے عتاب سے بچانا چاہتا تھا۔ اس نے بہروز کو یہ نہیں بتایا کہ وہ شہزادی ہیلینا تک پہنچ چکا ہے۔ وہ شاعر اسماعیل ہی کے بارے میں بات کرتا رہا۔ اس نے کہا "بہروز۔ میں آپ کو بہت زیرک، عقلمند اور دردمند مسیحی سمجھتا ہوں۔ ہمیں شاعر اسماعیل کی زندگی بچانے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا پڑے گا۔"

بہروز نے جواب دیا "آشوری جوان۔ شاید تجھے میری وہ باتیں یاد نہیں رہیں جو ایسے موقع کے لئے پہلے بھی کی جا چکی ہیں۔ اس مہم میں کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ ہر ایک کو اپنی

حالت اور جتانے کے لئے خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔ میں خود ہاتھوں کے کام نہیں آسکتا۔"

آشوری نے اپنا فیصلہ سنا دیا "لیکن میں اس کے لئے جو کچھ کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔"

بہروز نے کہا "میں نہیں جانتا کہ تو اس کے لئے کیا کرے گا لیکن یہ یاد رہے کہ شاعر اسماعیل کی آگ بجھاتے بجھاتے تو خود اس آگ میں نہ جل جائے۔"

آشوری نے ادھر ادھر خیمے کے اندر دیکھا پھر کہنے لگا۔ "سلطان کا وزیر خواجہ حسن کہہ رہا تھا کہ شاعر اسماعیل نے اپنی شاعری میں جو کچھ کہا ہے اس میں بہروز نامی نوجوان کا ہاتھ ہے اور شاعر اسماعیل اگر چاہے تو وہ بہت کچھ بتا سکتا ہے ... پھر اس آگ میں۔" بہروز نے پینترا بدلا "تو میری بات نہیں سمجھ رہا۔ وہ چاہے تو مجھے گرفتار کرا دے لیکن اس نے اپنے اشعار میں جو کچھ کہا ہے اس کا محرک میں ہرگز نہیں۔"

آشوری نے بہروز کی بات سنی ہی نہیں "میں نے سلطان کی ملازمت اختیار کر لی ہے۔"

بہروز نے خوشی کا اظہار کیا "یہ تو بڑی اچھی خبر سنائی تو نے۔ اب تو شہزادی ہیلینا تک بہ آسانی پہنچ سکتا ہے۔"

آشوری نے کہا "اور میں نے وزیر خواجہ حسن کا اعتماد بھی کسی حد تک حاصل کر لیا ہے۔"

بہروز کا چہرہ کھل گیا "یہ اور زیادہ اچھی خبر ہے۔ اب تیرا کام یہ ہے کہ کسی طرح شہزادی ہیلینا سے مل لے اور پھر اسے کسی طرح میرے پاس پہنچا دے پھر تیری ذمے داری ختم۔ بقیہ کام میں خود ہی کر لوں گا۔"

آشوری جواب ہاں یا نہ کئے بغیر وہاں سے چلا آیا۔ احمد کاشغری نے بہروز کو شاعر اسماعیل کے بارے میں بتایا کہ سلطان اس کی وجہ سے میرے کپڑے بھی نہیں پسند کر سکا۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس شاعر نے اپنے اشعار کے ذریعے سلطان کا بے حد دل دکھایا ہے۔

بہروز نے اس ذکر میں کوئی دلچسپی نہیں لی اور کہا "جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔" اب بہروز بھی بہت زیادہ فکر مند ہو گیا تھا۔ وہ شہزادی کو لینے یہ فیصلہ کر کے آیا تھا کہ وہ ہیلینا کو اپنے ساتھ لے جائے گا یا اپنی جان دے دے گا۔

سلطان کے روبرو قیصر قسطنطنیہ کا وفد اس سے ہم کلام تھا۔ دربار میں شہزادہ ملک شاہ کے علاوہ خواجہ حسن، کئی فوجی سردار، ترکی سردار اور سلطان کا محافظ دستہ موجود تھا۔ قسطنطنیہ کا وفد کچھ زیادہ ہی پُر اعتماد اور جتانے خوش بھی تھا۔ سلطان اس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ قیصر قسطنطنیہ کا پیغام دوستی یا خیر سگالی لایا ہو تو سلطان کو بڑی خوشی ہو گی۔ لیکن وفد کے سردار نے جواب دیا "ہماری ملکہ عالیہ اور قیصر روماتوس دیو جانس (Romanus Diogenes) نے سلطان اور مسلمانوں کی فتوحات کو تشویش کی نظر سے دیکھا ہے اور سلطان کی وہ فتوحات جن کا تعلق مسیحی حکومتوں اور مسیحی علاقوں سے ہے، ہمارے بادشاہ کے لئے ناقابلِ برداشت ہیں۔ ہم اسی سلسلے میں بات کرنے آئے ہیں۔"

سلطان کا چہرہ اور اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ غیر معمولی تحمل اور برداشت سے کام لے رہا ہے۔ اس نے آہستہ سے پوچھا "تمہارا بادشاہ آخر کیا چاہتا ہے؟"

وفد کے سردار نے جواب دیا "قسطنطنیہ کی ملکہ اور قیصر روم دونوں یہ چاہتے ہیں کہ سلطان اور مسلمان مسیحی مفتوحہ علاقوں کو ان کے حقیقی وارثوں کے حوالے کر دیں اور ان سے خراج لینے سے باز آجائیں۔"

سلطان نے پوچھا "اور ... اور کیا؟"

وفد کے سردار نے کہا "اور یہ کہ سلطان اور مسلمان، راہبوں، پادریوں اور ننوں کو بالکل نہ ستائیں۔ خانقاہوں اور گرجاؤں کے معاملات میں دخل نہ دیں۔"

سلطان نے جواب دیا "ہم کسی کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیتے خیر اور ... اور کیا؟"

وفد نے کہا "ہمارے جو زائرین بصرہ، بیت اللحم اور بیت المقدس جاتے ہیں ان کو ستایا جاتا ہے، ان سے رشوتیں لی جاتی ہیں، ان کو لوٹ لیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ سلسلہ فوراً بند ہونا چاہئے اور بیت المقدس کے نظم و نسق میں عیسائیوں کو بھی شامل کرنا چاہئے۔"

سلطان انتہائی تحمل ... سے کام لے رہا تھا، پوچھا "اور کچھ؟"

وفد کے سردار نے جواب دیا "اور یہ کہ عیسائی حکمرانوں سے اب تک جو کچھ لیا گیا ہے اسے واپس کیا جائے۔"

سلطان نے پھر وہی سوال کیا "اور ...؟"

سردار نے جواب دیا "اور یہ کہ سلطان رَے واپس جائے اور اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔"

اب سلطان کے لہجے میں اور آواز میں غصہ بھی شامل ہو چکا تھا۔ پوچھا "اور کچھ باقی ہے؟"

سردار وفد نے جواب دیا "اور یہ کہ شاعر اسماعیل کو

ہمارے حوالے کیا جائے۔ ہم انہے اپنے ساتھ قسطنطنیہ لے جائیں گے۔"

سلطان نے کہا "تمہاری یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ شاہر اسماعیل کی گرفتاری اور قید کا علم قیصر کو قبل از وقت کس طرح ہو گیا"۔

وفد کے سردار نے جواب دیا "اس کا اندازہ ہم نے کیا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں جب ہمارے بادشاہ کے علم میں شاہر اسماعیل کی گرفتاری اور قید خبر آئے گی تو وہ اس کا مطالبہ ضرور کرے گا۔"

سلطان نے ان سب کا ایک ہی جواب دیا "میں نے تیری اور قیصر قسطنطنیہ کی ہر بات مسترد کر دی۔ وہ ہمیں اپنے حکم کا پابند تو نہیں کر سکتا۔"

وفد کے سردار نے کہا "سلطان محترم! آپ خوب جانتے ہیں کہ آپ کا یہ جواب کیا رنگ لائے گا۔"

سلطان نے جواب دیا "اور تیرے قیصر کو بھی یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گی کہ اس نے جو بدتمیزی کی ہے اس کا میں کیا جواب دوں گا۔"

وفد کے سردار نے عرض کیا "میں نہیں جانتا کہ ہمارے بادشاہ کو کیا معلوم ہے۔ ہم تو آپ سے جواب لے کر واپس جائیں گے۔"

سلطان نے کہا "جاؤ اور اپنے بادشاہ سے کہہ دو کہ میں حکم سنتا نہیں، حکم دیتا ہوں۔"

وفد کے سردار نے کہا "اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ سلطان کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔"

سلطان کی آواز میں بہت کرختگی آچکی تھی۔ اس نے کہا۔ "قیصر کو اس کے گستاخ لہجے کی سزا ضرور دی جائے گی۔ میں نے جواب نہیں کیا تھا، جواب کر گزروں گا۔"

آرچی سردار وفد کی باتوں سے اپنے اندر ہمت اور حوصلہ محسوس کرنے لگا تھا، عیسائی دنیا میں کوئی تو ایسا نمودار ہوا جو سلطان سے اور مسلمانوں سے اس لہجے میں بات کر سکتا ہے۔

شہزادہ ملک شاہ نے سلطان کے اشارے پر وفد کو حکم دیا۔ "سلطان سے آج ملاقات کا وقت اب ختم ہو گیا ہے۔ تم لوگ جا سکتے ہو۔"

وفد کے سردار نے سلطان سے شکایت کی "بڑوں کی باتوں میں بچوں کو دخل نہیں دینا چاہیے۔"

سلطان نے اپنی توجہ دوسری طرف مبذول کر دی۔ وہ آرچی سردار سے کہہ رہا تھا "تو اپنے بادشاہ کی طرف سے تاوان ادا کر چکا۔ اب اپنے وطن واپس جا۔ اپنے بادشاہ سے کہہ دینا کہ اپنے معاہدے کی پابندی کرتا رہے اسی میں اس کی عافیت ہے۔"

خواجہ حسن اپنی جگہ سے اٹھا اور وفد سے کہا "شہزادہ ملک شاہ ولی عہد ہے۔ شہزادہ کا حکم سلطان کا حکم ہے۔ اب تم لوگ جا سکتے ہو۔" وفد کے سردار نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ سلطان کے ایک خدمت گار نے آگے بڑھ کے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کو گدی سے پکڑ کر باہر لے گیا اور دھکے دے کر کہنے لگا۔ "جب ملاقات اور باتوں کا وقت ختم ہو گیا تو پھر تو اپنی زبان کو بے لگام کیوں کئے ہوئے ہے؟"

وفد کے دوسرے اراکین ڈر گئے لیکن ان کے سردار نے کہا۔ "یہاں ہم سے جو سلوک بھی کیا جائے گا" میدان جنگ میں اس کا حساب ضرور لیا جائے گا۔"

سلطان کے محافظ نے کہا "افسوس ہمیں سلطان نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا کہ میں تیری گستاخیوں کا جواب دے سکوں، اب تم سب جلد از جلد اپنے لشکر واپس چلے جاؤ۔"

وفد پہلے تو اپنے خیمے میں گیا اس کے بعد آرچی سردار سے ملاقات کی اور پوچھا "کیا تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے؟"

آرچی سردار نے جواب دیا "اب میرا یہاں کیا کام؟ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اپنا شاہر اسماعیل ناحق مارا جائے گا۔"

وفد کا سردار رعونت سے بولا "تو شاہر کی فکر نہ کر ہم سب ان سب کا انتقام لیں گے۔"

آرچی سردار نے کہا "تم لوگوں نے جس طرح سلطان سے بات کی ہے اس طرح کوئی اور نہیں کر سکتا مگر کیا تم سمجھتے ہو کہ سلطان اور مسلمانوں کو شکست دی جا سکتی ہے؟"

وفد کے سردار نے جواب دیا "کیوں نہیں ہم مسلمانوں پر متحدہ یلغار کریں گے۔ مقدونیہ، بلغاریہ، ہنگریا، فرنچ، نارمن اور روس کی افواج ہمارے ساتھ ہوں گی پھر ہم دیکھیں گے کہ سلطان اور مسلمان ہمارا مقابلہ کس طرح کریں گے۔"

آرچی سردار کا حوصلہ بڑھ گیا "کیا ایسا ممکن ہے؟"

سردار وفد نے جواب دیا "ممکن ہے کیا معنی؟ ہم انھی طاقتوں کی طرف سے تو سلطان سے بات کر رہے تھے۔"

آرچی سردار نے کہا "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں بھی اپنے بادشاہ سے کہہ دوں کہ آیندہ وہ خراج ادا نہ کرے۔"

وفد نے اسے غیرت دلائی "تیرے بادشاہ کو مقابلے میں

مر جانا چاہئے تھا مگر خراج نہیں دیتا تھا۔"

آرتجی سردار کو اب بھی پوری طرح یقین نہیں آ رہا تھا کہ مغربی سنگی قوتیں متحد ہو کر یلغار کر سکیں گی۔ آرتجی سردار اس وفد کے ساتھ واپس نہیں گیا۔ اسے شاطر اسماعیل سے بڑی ہمدردی اور لگاؤ تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ شاطر اسماعیل کو کسی طرح رہائی دلائی جائے مگر سلطان اس کو واپس جانے کا حکم دے چکا تھا۔ اب اس کا یہاں رکا رہنا بھی بلا جواز تھا۔ اس نے سلطان پر اثر انداز ہونے والے ناموں پر غور کیا تو اسے خواجہ حسن کا نام برفہرست نظر آیا۔ اس نے خواجہ حسن سے ملاقات کی اور کہا "وزیر محترم ' سلطان سے اجازت مل جانے کے بعد مجھے یہاں نہیں رکنا چاہئے تھا مگر میں شاطر اسماعیل کے مقدمے کا فیصلہ سنے بغیر نہیں جاؤں گا۔"

خواجہ حسن نے کہا "تجھے چلا جانا چاہئے تھا اور شاطر کا تجھ سے بھلا کیا تعلق ؟ کیا واسطہ ؟"

آرتجی سردار نے جواب دیا "وہ یہاں میرے پاس آیا تھا اور میرے ساتھ ہی ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ میرا دینی بھائی ہے۔"

خواجہ حسن نے اسے سمجھایا "تو سلطان کی معاملات میں دخل نہ دے اور خاموشی سے واپس چلا جا۔"

آرتجی سردار نے خواجہ کی خوشامد کی "آپ چاہیں تو کچھ کر سکتے ہیں۔"

خواجہ حسن نے صاف انکار کر دیا "میں کچھ نہیں کر سکتا بلکہ میں تو ڈرتا ہوں کہ اگر میں سلطان سے سفارش کروں اور وہ اسے مسترد کر دے تو میری کتنی بے عزتی اور سبکی ہو گی۔"

آرتجی سردار بھی ہمت نہیں ہارا اور اپنے خیمے میں ٹھہرا رہا۔ ہر روز اپنی جگہ پریشان تھا۔ اسے یہ ڈر پیدا ہو چکا تھا کہ کہیں شاطر اسماعیل ہر روز کا لوگ نہ کر دے۔ اس نے عارضی طور پر احمد کاشغری کا خیمہ چھوڑ دیا اور ویرانے کی خانقاہ میں چلا گیا۔ ادھر آشوری ہنرمند بھی شاطر اسماعیل کے لئے پریشان تھا۔ اس نے بھی خواجہ حسن سے شاطر اسماعیل کی سفارش کی اور کہا "اگر اس نے کوئی جرم کیا بھی تو وہ اپنے ضمیر کی آواز پر خود ہی واپس آ گیا اور اس کا یہی پچھتاوا اسے معافی کا حقدار قرار دیتا ہے۔"

خواجہ حسن نے اس کو بھی منع کیا "تو اس معاملے میں خاموش رہ ورنہ سلطان ناراض ہو جائے گا۔"

آشوری نے کہا "بہر حال وہ ہمدردی کا مستحق تو ہے۔"

خواجہ حسن نے موضوع بدل دیا "شہزادی مدت سے لگنے والی ہے ' کیا اس کا کپڑا اور لباس تیار ہو جائے گا ؟"

آشوری ہنرمند نے بے دلی سے جواب دیا "کپڑا تیار ہے ' لباس بھی تیار ہو جائے گا۔"

خواجہ حسن اس کے ساتھ کپڑا دیکھنے چلا گیا۔ یہ سفید ساٹن پر سرخ اور نیلی دھاریوں والا کپڑا بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ ریشمی اور سوتی دھاگوں کا آمیزش کیا ہوا اور ہر دو انگل کے بعد سرمئی دھاگوں سے دو حروف الفتو کھلا گیا تھا۔ خواجہ حسن اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا اور آشوری ہنرمند کو بڑی داد دی۔ "بلاشبہ تو بہت بڑا ہنرمند ہے۔"

آشوری نے اس کی تعریف کا شکریہ ادا کیا اور بے دلی سے کہا "میرا یہاں دل نہیں لگ رہا ہے شاید میں یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں۔"

خواجہ حسن نے پریشانی سے پوچھا "وہ کیوں ؟ ابھی تو تجھے شہزادی کا لباس بھی تیار کرنا ہے۔"

آشوری نے جواب دیا "میں نے جو وعدہ کیا ہے ' اسے تو پورا کروں گا مگر اس کے بعد چلا جاؤں گا۔"

خواجہ حسن نے اسے یاد دلایا "اور وہ منصوبہ دو ہزار ملبوس برجوں کی تیاری کا منصوبہ۔ اس کا کیا ہو گا ؟"

آشوری نے کہا "میں نے آپ کو بتا دیا کہ میرا دل نہیں لگ رہا ہے۔"

خواجہ حسن نے اسے سلطانی عتاب سے ڈرایا "سلطان کے منصوبے کو ادھورا چھوڑ دینا مذاق نہیں ہے۔"

آشوری نے جواب دیا "میں جانتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے کہا "پھر تو ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے ؟"

اس نے جواب دیا "میں سلطان کا عتاب جھیل لوں گا۔ میں اس کے لئے تیار ہوں۔"

خواجہ حسن نے اسے بتایا "اس منصوبے پر سلطان کا خاصا سرمایہ لگ چکا ہے۔ وہ اس کا نقصان برداشت نہیں کرے گا۔"

آشوری کا لہجہ اب مسلسل اور مستقل اکھڑا اکھڑا سا تھا۔ "سلطان اپنے سرمائے کا زیاں میری جان لے کر اگر بچا سکتا ہے تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔"

خواجہ حسن نے کہا "میں جانتا ہوں تو ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے مگر پھر بھی شاطر اسماعیل کو تو نہیں بچا سکتا۔"

آشوری نے کہا "اگر میں اسے نہیں بچا سکتا تو اس کے لئے اپنی جان تو دے سکتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "تو یہ بات ہے ؟ کیا میں

معلوم کر سکتا ہوں کہ تو اس کے لئے اتنا جذباتی کیوں ہو رہا ہے؟"

آشوری چڑ سا گیا "وہ انسان ہے میں بھی انسان ہوں۔ کیا ایک انسان دوسرے انسان کے لئے جذباتی نہیں ہو سکتا؟ وہ ایک اچھا شاعر ہے اور میں اسے پسند کرتا ہوں۔ وہ مسیحی ہے اور میں بھی مسیحی ہوں۔ کیا ایک مسیحی دوسرے مسیحی کے دُکھ درد میں اس کا شریک نہیں ہو سکتا؟"

خواجہ حسن نے کہا "تیری آخری بات میں سب کچھ ہے، میں تیرے احساسات کا اندازہ کر سکتا ہوں لیکن یہ باتیں سلطان سے نہیں کہہ سکتا۔"

آشوری نے درخواست کی "پھر آپ میرا ایک کام کر دیں۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "کون سا کام؟"

آشوری نے جواب دیا "پھر میری طرف سے سلطان سے کہہ دیں کہ فی الحال سلطانی منصوبے پر کام نہیں کر سکوں گا۔"

خواجہ حسن نے کہا "آشوری جوان! میں سلطان کا وزیر ہوں۔ اس کا استاد اور دایہ اتالیق بھی رہ چکا ہوں۔ سلطانی منصوبے پر عمل کرانا اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانا میرا کام ہے۔ میں کوئی بیچ کا آدمی تو نہیں ہوں کہ اِدھر کا پیغام اُدھر اور اُدھر کا پیغام اِدھر پہنچا دوں۔" خواجہ حسن کے لہجے اور آواز میں سختی اور تحکمانہ انداز پیدا ہو چکا تھا۔ آشوری جوان کسی حد تک خوفزدہ ہو گیا۔ خواجہ حسن بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ پھر بولا "سلطان کی تمام ذمے داریاں میں نے قبول کر رکھی ہیں۔ تو یہاں سے ہل بھی نہیں سکتا۔ تو ہر کام پورا کرے گا جس کا تو نے وعدہ کیا ہے۔ میں نے حفظِ مراتب کا خیال کئے بغیر تجھے عزت دی۔ جس کا تو مستحق تو تھا مگر اپنی نادانی کی وجہ سے اس کا سزاوار نہیں تھا۔" آشوری کی فکر اور پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور خواجہ حسن بولے جا رہا تھا "تو نے یہ کس طرح سمجھ لیا کہ تو کام کرنے سے انکار کر دے گا اور میں مان لوں گا۔ ہم جب حکومت کرتے ہیں تو اپنے کام تحکمانہ کراتے ہیں۔ اب میں تجھ سے اس طرح پیش آؤں گا جس طرح دوسرے لوگوں سے پیش آتا ہوں۔"

آشوری روہانسا ہو گیا۔ اس کا گلا رندھ گیا اور حلق خشک ہو گیا۔ اس کے منہ سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ خواجہ حسن نے کہا "اب تو جا سکتا ہے اور وہ سارے کام کرے گا جو تیرے سپرد کئے گئے ہیں۔" آشوری خاموشی سے باہر جانے لگا تو خواجہ حسن نے کہا "تو شہزادی کا لباس تین دن میں تیار کرے گا۔ شہزادی پرسوں تک عدت کی مدت پوری کر لے گی۔"

آشوری نے آہستہ سے یاد دلایا "کیا میں حسب وعدہ شہزادی سے مل سکوں گا اور اس سے بات کر سکوں گا؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میں نے اس کا وعدہ کیا تھا اس لئے میں تجھے اس سے ملنے اور بات کرنے کی اجازت دے دوں گا۔"

آشوری نے کہا "شہزادی سے ملنے اور اس سے بات کرنے کے بعد تیسرے دن میں اس کا لباس تیار کر کے دوں گا۔"

خواجہ حسن نے کہا "اب تو جا سکتا ہے مگر جانے سے پہلے میری تنبیہ سن لے کہ اب تو سلطان سے اس وقت تک نہیں مل سکے گا جب تک میں تجھے اس کی اجازت نہیں دوں گا۔"

آشوری نے پوچھا "سرِ راہے گرجے بھی نہیں؟"

خواجہ حسن نے کہا "ہاں، سرِ راہے گرجے بھی نہیں۔"

آشوری جوان بھاری قدموں اور گراں بار دل کے ساتھ اپنے خیمے میں گیا اور قالین پر گر کر اوندھے منہ پھوٹ پھوٹ کر روتا رہا۔ وہ خواجہ حسن کو ایسا نہیں سمجھتا تھا۔ اس نے کئی گھنٹے اداسی اور مایوسی میں گزار دیئے۔ اب اسے شاعر اسماعیل سے زیادہ اپنی فکر تھی۔ وہ خود کو سلطان کے ملازمین پر بہت مطعون سمجھ رہا تھا۔ اس کو اپنی ہنرمندی پر بڑا فخر تھا لیکن یہ سارا فخر ذرا سی دیر میں ہوا ہو گیا۔ شام سے ذرا پہلے وہ مضافات کی طرف نکل گیا۔ آبادی کے باہر ویرانے میں ایک چھوٹی سی خانقاہ نظر آئی تو یہ اس میں چلا گیا۔ وہاں کے راہب اور پادری نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور پوچھا "تو یہاں کیوں آیا ہے۔ کیا سلطان تجھ سے ناراض ہو گیا؟"

اس نے جواب دیا "مجھ سے ایک سلطان کیا میری قسمت، میرا وقت، میرا زمانہ ہر کوئی ناراض ہو گیا ہے۔" پھر اسے کچھ ہوش آیا، پوچھا "لیکن تم مجھے بتاؤ تم مجھ سے کس طرح واقف ہو؟ میں کون ہوں تم کیا جانو؟"

پادری نے کہا "تو آشوری ہنرمند ہے اور آج کل سلطانوں کے لئے کام کر رہا ہے۔"

آشوری نے کہا "تب تو تم لوگ غیب دان ہو۔ میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہو تم لوگ۔"

پادری نے مشورہ دیا "تو سلطانوں کو اپنے ہنر سے زیادہ فائدے نہ پہنچا۔ کوشش کر کے جلد از جلد شہزادی ہیلینا کو حاصل کر لے اور اسے اس خانقاہ تک پہنچا دے بقیہ کام ہمارا ہے۔"

آشوری نے اپنی پیشانی پکڑ لی "خداوندِ مسیح کی قسم میں پاگل ہو جاؤں گا۔ میرے بارے میں یہ باتیں تم کو کس نے بتائی ہیں؟"

پادری نے کہا "بس اب جاؤ اور شہزادی ہیلینا کو سلطانوں

کے قبضے سے نکال لاؤ۔"

آشوری جوان انہیں خدا رسیدہ سمجھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "مقدس راہب کو مجھ پر رحم کرنا چاہئے۔ آپ دعا کریں کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں" راہب اور پادری نے مل کر اسے دعائیں دیں۔ بہروز اسی خانقاہ میں موجود یہ سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا۔ اس نے راہب اور پادری کو آشوری کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا اور یہ ہدایت کر دی تھی کہ آشوری کو بہروز کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔

آشوری حضرت مسیحؑ اور مریم عذرا کی تصویروں کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا اور انہیں بتا رہا تھا "سلطان اور خواجہ حسن مجھ پر بے حد مہربان تھے پھر معلوم نہیں کیوں خواجہ حسن مجھ سے ناراض ہو گیا۔ شاید اس لئے کہ میں آپ کے ایک پرستار شاہر اسماعیل کو موت کے منہ سے نکالنے کے لئے سفارش کر رہا تھا۔ آپ اس کی مدد کریں ورنہ وہ بے موت مارا جائے گا۔"

پادری نے اسے مشورہ دیا "تو شاہر اسماعیل کی فکر نہ کر۔ بس تو شہزادی ہیلینا کو کسی طرح نکال لا تیرا یہی عمل خداوند مسیح اور اس کی ماں کی نظر میں مستحسن ہوگا۔ اور تیری نجات کا سبب بن جائے گا۔"

آشوری کو پادری پر غصہ آگیا "کیا بات ہے؟ تم سب شاہر اسماعیل کے خلاف ہو حالانکہ وہ ہمارا دینی بھائی ہے۔"

پادری نے جواب دیا "وہ شاہر اور دینی بھائی ہے۔ جبکہ شہزادی ہیلینا نن رہ چکی ہے اور اسے بے دین مسلمانوں کے ماحول سے نکال لانا عین ثواب کا کام ہے۔"

آشوری کو یہاں بھی سکون نہیں ملا۔ وہ افسردہ اور اداس خانقاہ سے نکلا اور درختوں کے سائے میں چلتا رہا۔ درختوں پر آزاد اور بے فکر پرندے چہچہا رہے تھے۔ آشوری کو ان پر رشک آ رہا تھا۔ ان کا کوئی مذہب نہ تھا۔ ان کا کوئی ملک، کوئی وطن نہیں تھا۔ ان کی کوئی حکومت نہ تھی۔ ان کا کوئی بادشاہ اور کوئی سلطان نہ تھا۔ آپس کی رقابتیں نہ تھیں، حسد نہیں تھا۔ مکر و فریب، بے رحمی و سفاکی، جنگ و جدل، فتنہ فساد، ایک دوسرے سے ہتک آمیز سلوک اور خود غرضی و جملہ انسانی عیوب سے پاک یہ پرندے اس کے رشک کا سبب بن گئے تھے۔ وہ ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا اور اپنے اور شاہر اسماعیل کے مستقبل کے بارے میں سوچنے لگا۔ شاہر اسماعیل اس کے اعصاب پر سوار تھا۔ وہ آشوری کی انا کا مسئلہ بن گیا تھا۔ وہ اس وقت بھی وہی کچھ سوچ رہا تھا جس سے خواجہ حسن نے اسے منع کر دیا تھا۔ وہ اپنی سوچ پر قدرت نہیں رکھتا تھا۔ سوچتے سوچتے اچانک اس کی نظر ایک دوسرے درخت کے تنے پر پڑ گئی۔ وہاں پر دو سپاہی تنے سے ٹیک لگائے باتوں میں مشغول تھے۔ وہ انہیں قریب دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ وہ کیا سوچ رہا تھا یہ بھی بھول گیا۔ ہاں اس نے یہ ضرور سوچا کہ کیا یہ خواجہ حسن کے سپاہی ہیں جو سائے کی طرح اس کے ساتھ چل رہے ہیں، اس لئے کہ آشوری کو فرار نہ ہونے دیا جائے۔ اس نے سوچا کہ اگر یہ درست ہے تو یہ دونوں یہاں سے پہلے کہاں تھے اور اسے کہیں نظر کیوں نہیں آئے؟ پھر یہ بھی سوچا کہ کیا ان دونوں نے آشوری کو خانقاہ میں جاتے اور راہب پادری سے باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا؟ وہ کانپ گیا۔ اس نے تو یہ سوچا بھی نہ تھا کہ خواجہ حسن اس کی نگرانی کرا رہا ہو گا۔

دونوں سپاہیوں نے بھی آشوری کو دیکھا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھے اور بولے "تو یہاں کیا کر رہا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "جو تم دونوں یہاں کر رہے ہو وہی میں بھی کر رہا ہوں۔"

ایک سپاہی نے کہا "ہم دونوں تو تیری نگرانی کر رہے ہیں۔ تو بھی ہماری نگرانی کر رہا ہے؟" آشوری لاجواب ہو گیا۔

دوسرے سپاہی نے کہا "اب تو واپس چل ہم دونوں تیرا پیچھا کرتے کرتے تھک گئے۔" آشوری ان دونوں سپاہیوں کے ساتھ اس طرح واپس ہوا جیسے وہ قیدی ہو اور اسے گرفتار کر کے لے جایا رہا ہو۔

☆

شہزادی ہیلینا کے عدت کے دن پورے ہو چکے تھے۔ خواجہ حسن کو اس سے شادی کر لینا تھی۔ آشوری نے اس کا جوڑا ابھی تیار نہیں کیا تھا۔ خواجہ حسن نے اس کو شہزادی سے ملوا دیا اور آشوری کی بڑی تعریفیں کیں اور یہ بھی بتایا کہ آج کل یہ نوجوان شاہر اسماعیل کی جان بچانے کے لئے پریشان ہے۔

شہزادی شاہر اسماعیل کے ذکر سے چڑ گئی اور کہا "میں اس شاہر سے نفرت کرتی ہوں اس نے مجھے ذلیل و خوار اور برباد کر دیا۔"

خواجہ حسن مسکرایا "شاہر اسماعیل سے کسی کو بھی ہمدردی نہیں۔ یہ آشوری جوان الگ ہے کہ جس سے بھی بات کرتا ہے وہ یوں ہی نفرت اور بے زاری کا اظہار کرتا ہے۔"

آشوری نے دونوں کی باتوں میں بڑی دلچسپی ظاہر کی اور کہا "میں تو شہزادی سے لباس کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے اجازت دے دی اور کہا "تو خوب باتیں کر۔ لیکن میں ایک بار پھر تجھے متنبہ کر رہا ہوں کہ شاہر اسماعیل کے بارے میں سوچنا چھوڑ دے۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دے۔ تیری خانقاہ کے راہب اور پادری بھی تجھے یہی مشورہ دیں گے۔"

آشوری نے جواب دیا "میں تو اب اس کا ذکر بھی نہیں کر رہا مگر آپ بار بار کئے جا رہے ہیں۔"

خواجہ حسن نے کہا "تجھ کو نہیں معلوم کہ اللہ نے تجھے کیا موقع دیا ہے۔ تو سلطان کو خوش رکھ تو تیری دنیا سنور جائے گی۔"

آشوری نے خواجہ حسن نے خوشامد کی "خدا کے لئے اب آپ اس کا ذکر نہ کریں۔ اس ذکر نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ میں خود اپنی نظروں سے گر گیا ہوں۔ میری نگرانی کی جا رہی ہے۔ مجھے ناقابلِ اعتبار سمجھ لیا گیا ہے۔"

خواجہ حسن نے کہا "یہ میری ذمے داری اور میرا فرض ہے۔" خواجہ حسن باتیں کرتے کرتے باہر چلا گیا۔ اسے کوئی خاص کام یاد آگیا تھا مگر وہ جاتے جاتے کہہ گیا "آشوری جوان! تو بیلینا سے اس کے لباس کے بارے میں جو کچھ پوچھنا چاہتا ہے پوچھ لے اور اپنا کام شروع کر دے۔"

آشوری نے شہزادی بیلینا کو پہلی بار دیکھا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود حسین تھی۔ اس کی سیاہ لمبی زلفیں شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ نہ زیادہ بڑی نہ زیادہ چھوٹی بلکہ درمیانی درجے کی آنکھیں بڑی حسین اور سوئی سوئی سی لگ رہی تھیں۔ مخمور نرگسی آنکھیں جسے دیکھیں اپنا بنا لیں۔ قدرے لمبا چہرہ، رنگ گندمی۔ شہزادی اداس اداس نظر آرہی تھی۔

آشوری نے پوچھا "میں آپ سے یہ جاننا چاہتا تھا کہ آپ عربوں جیسا لباس پسند کریں گی یا اپنوں جیسا۔ میں ایسا لباس بھی تیار کر سکتا ہوں جیسا بغداد کی شہزادیاں پہنتی ہیں اور وہ لباس بھی جو شام کی معزز خواتین پسند کرتی ہیں۔"

شہزادی بیلینا آشوری کی باتوں سے متاثر نظر آرہی تھی پوچھا "تو اور کس کس کے لباس تیار کر سکتا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "میں قسطنطنیہ کی شاہی خواتین کے لباس بھی تیار کر سکتا ہوں۔"

شہزادی نے کہا "پھر تو ہی بتا مجھے کون سا لباس سلوانا چاہیے؟"

آشوری نے جواب دیا "آپ بغداد کی شاہی خواتین کا لباس سلوائیں اور ساتھ ہی اپنے ملک جارجیا کے شاہی خواتین کا لباس بھی۔ اور قسطنطنیہ کی شہزادیوں کا لباس بھی خوب رہے گا۔"

شہزادی نے کہا "ٹھیک ہے، میں نے یہ تیری مرضی پر چھوڑا۔"

آشوری نے اسکی خوش قسمتی کا ذکر کیا "بے شک، آپ بڑی خوش قسمت ہیں۔ آپ جارجیا کے شاہی خاندان میں پیدا ہوئیں، مسلمانوں کے عظیم فاتح سلطان الپ ارسلان کی بیوی بنیں اور اب اس کے عظیم مدبر وزیر اور سلطان کے استاد و اتالیق کی بیوی بن جائیں گی۔"

شہزادی نے سرد آہ بھری اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ آشوری نے سرد آہ سے اندازہ لگایا کہ شہزادی خوش نہیں ہے۔ اس نے شہزادی سے اجازت چاہی "اب میں اجازت چاہوں گا۔ آپ مجھے اتنی اجازت اور دیں کہ میں دوبارہ بھی آپ سے مل سکوں۔"

شہزادی نے اجازت دے دی اور کہا "لیکن بات تو اپنے پیشے سے متعلق ہی کرے گا۔"

آشوری نے اقرار کیا "بے شک میں کوئی اور بات کیوں کروں گا۔" اور جب وہ اچانک باہر نکلا تو خواجہ حسن کو وہاں موجود دیکھ کر ڈر سا گیا۔ شاید خواجہ حسن یہاں سے کہیں بھی نہیں گیا تھا۔

خواجہ حسن نے مسکراتے ہوئے پوچھا "جو کچھ تجھے پوچھنا تھا پوچھ لیا یا ابھی کچھ باقی ہے؟"

اس نے جواب دیا "مجھے دو ایک بار شہزادی سے مزید ملنا ہو گا کیونکہ میں ایسا کام کرنا چاہتا ہوں جس سے آپ اور شہزادی باغ باغ ہو جائیں۔"

خواجہ حسن نے کہا "میری طرف سے اجازت ہے لیکن خبردار جو اپنے کام کے علاوہ کوئی اور بات کی اور خاص کر شاہر اسماعیل کا ذکر تو ہرگز نہ کرنا کیونکہ اس سے ہم سب لوگ یکساں نفرت کرتے ہیں۔"

آشوری نے جواب دیا "آپ ہی اس کا ذکر بار بار کرتے ہیں۔ میں نے تو اسے اپنے دل و دماغ سے نکال دیا ہے۔" آشوری نے شہزادی بیلینا کے لئے کئی ملکوں کی شہزادیوں اور معزز خواتین کے لباس تیار کر لئے۔ خواجہ حسن اس کے کام سے ایک بار پھر بے حد خوش ہوا۔

سلطان نے بھی اس کی جامہ تراشی کی ہنرمندی کا کمال دیکھا اور بڑی تعریف کی اور اسے حکم دیا "اب تجھے اپنی پوری توجہ دو منزلہ اور سہ منزلہ برجوں کی تیاری پر مبذول کر دینا چاہیے کیونکہ اب ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

آشوری نے سرِ تسلیم خم کر دیا "اب میں اپنے کام کی رفتار اور تیز کر دوں گا۔" سلطان اسے ہدایت دے کر چلا گیا۔ آشوری شاہر اسماعیل کے لئے اب بھی بے چین تھا۔ وہ اس کا ذکر کسی

سے نہیں کر رہا تھا مگر وہ مناسب موقع اور کسی ساز گار وقت کا انتظار کر رہا تھا علاوہ جو یہ عظیم الشان کام کر رہا تھا اس سے اس کی عزت میں اور وقار میں اضافہ ہو گیا۔ اس نے بیک وقت چار برجوں کی تیاری کا کام شروع کر دیا تھا ہر برج کی پہلی دوسری اور تیسری منزل میں سو سو آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش رکھی گئی تھی جن میں بیٹھ کر وہ دشمنوں سے محفوظ رہ سکتے تھے اور وہاں سے وہ اپنے دشمنوں پر تیر اندازی کر سکتے تھے۔ ان برجوں کے خاکے اور ان کی ساری جزئیات اور تفصیلات آشوری کے اپنے ذہن کی اختراع تھیں۔ بڑھئی لوہار اور ان کے معاون و مددگار بھی آشوری کی نگرانی میں مشغول اور مصروف تھے۔ فوجی سردار اور سلطان کے وزیر اور مشیر بھی آشوری کے مداح تھے جبکہ آشوری کے ہم پیشہ حسد میں مبتلا تھے۔

سلطان کو قسطنطنیہ کی ملکہ اور قیصر کی دھمکیوں کا خیال ستاتا رہتا تھا۔ وہ کسی بڑی جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ یہ اتحادی دشمن کتنے ملکوں اور قوموں کی فوج سے اس پر حملہ آور ہو گا اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس جنگ کا انجام کیا ہو گا۔ کسے خوش کرے گا اور کسے غمگین اور افسردہ وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس جنگ کا مسیحی دنیا اور عالم اسلام پر کیا اثر پڑے گا۔

شاطر اسماعیل کا معاملہ التوا میں ڈال دیا گیا تھا سلطان اس پر برہم ضرور تھا مگر شاطر کی یہ دلیل اور یہ مشورہ دل و دماغ پر اثر انداز ہو گیا تھا کہ شاطر کو خود اس کے ضمیر نے اس حد تک پریشان کیا کہ وہ سلطان کی دسترس سے نکل جانے کے باوجود واپس آ گیا۔ سلطان نے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا لیکن وہ اس دلیل اور معذرت سے متاثر ضرور تھا۔

☆

خواجہ حسن سلطان کے پاس اہم معاملات اور مسائل پر بات کر رہا تھا۔ سلطان اپنی فوج میں اضافہ کرنا چاہتا تھا اور خلافت بغداد کو قیصر اور اس کی ملکہ کی دھمکیوں سے خبردار کرنا چاہتا تھا۔ خواجہ حسن سلطان کو مشورہ دے رہا تھا کہ سلطان اپنے دوستوں اور باج گزاروں سے فوجی مدد طلب کرے۔ ادھر احمد کاشغری خیمے کے باہر باریابی کا منتظر تھا۔ وہ سلطان کو آخری بار اپنا مال فروخت کر کے واپس جانا چاہتا تھا سلطان نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ اپنی باری کا انتظار کرے۔

بہروز نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ہمت کر کے آشوری کے پاس پہنچ گیا۔ آشوری اسے اپنے خیمے میں دیکھ کر پریشان ہو گیا اور کہا "خدا و ند مسیح کی خاطر تو اپنے خیمے میں واپس جائیں وہیں آکر تم سے بات کر لوں گا۔"

بہروز نے بے رخی سے جواب دیا "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

آشوری نے کہا "وہ تو ٹھیک ہے مگر میں ڈر رہا ہوں کہ شاطر اسماعیل کی طرح تو بھی گرفتار نہ کر لیا جائے۔" بہروز نے محسوس کیا کہ اب آشوری کی زبان اور لہجے میں اس کے لئے ادب و احترام نہیں پایا جاتا۔ وہ آشوری کی اس عزت اور وقار سے واقف تھا جو اسے سلطان اور خواجہ حسن سے حاصل ہو گیا تھا۔ اس بات نے بہروز کے دل میں آشوری کے خلاف حسد پیدا کر دیا تھا۔ آشوری نے معذرت کی "دراصل آج کل میں جن لوگوں میں گھرا ہوا ہوں وہ سب میرے ماتحت ہیں اور میں ان سے اسی لہجے میں بات کرتا ہوں بس اسی عادت نے مجھ میں یہ خرابی پیدا کر دی ہے جس کی آپ شکایت کر رہے ہیں۔"

بہروز نے پوچھا "یہاں آنے کے بعد کچھ زیادہ مشغول ہو گیا ہے اس لئے اب تو شاید وہ کام نہ کر سکے جس کے لئے ہم یہاں آئے ہیں۔"

بہروز نے جواب دیا "بے شک میں بہت زیادہ مشغول ہو گیا ہوں لیکن اپنے اصل مقصد سے غافل نہیں ہوں۔"

بہروز نے شکایت کی "تو شہزادی کے لئے لباس تیار کر رہا ہے پھر شہزادی کی شادی خواجہ حسن سے ہو جائے گی اور اس کے بعد تو شہزادی کو یہاں سے نکال لے جانا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہو جائے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تو یہ کام کس طرح اور کب انجام دے گا۔"

آشوری نے جواب دیا "جب تک اس معاملے میں شہزادی کا عندیہ نہ معلوم ہو ہم اس منصوبے پر عمل نہیں کر سکتے۔"

بہروز نے کہا "میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تو اس دوران شہزادی سے کئی بار مل چکا ہے مگر افسوس کہ تو اب تک شہزادی سے اس کا عندیہ تک معلوم نہیں کر سکا۔"

آشوری کو احساس ہوا کہ کوئی آ رہا ہے وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور بولا "جناب اس وقت چلے جائیں اگر کوئی اندر آگیا تو میں آپ کو کہیں چھپا بھی نہیں سکوں گا۔"

بہروز نے نڈر لہجے میں کہا "میں نے ہمیشہ خطرات کا مقابلہ کیا ہے اس لئے میں موت سے نہیں ڈرتا۔"

آشوری نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا "میں یہاں اور اس وقت آپ سے کوئی بات نہیں کروں گا آپ فوراً واپس چلے جائیں۔"

بسروز سخت پڑ گیا" دیکھ آشوری جوان" تو جعلی سکے بنانے کا مجرم اور مفرور شخص ہے۔ تیری باتیں سلطان کو بتائی جا سکتی ہیں اس کے بعد سلطان تجھ سے کیا سلوک کرے گا' یہ کوئی نہیں جانتا۔"

آشوری اور زیادہ سخت ہو گیا" آپ سلطان کو جو چاہیں بتا دیں' میں اس سے نہیں ڈرتا کیونکہ میں خود سلطان کو بہت ساری باتیں بتا چکا ہوں اس لئے آپ کی دھمکی مجھے ہرگز خوفزدہ نہیں کر سکتی۔ آپ دوسری باتیں کریں۔"

بسروز نے تنگڑے ہوتے ہوئے کہا" تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تو اب یہیں کا ہو رہا' میں فضول تیرا انتظار کر رہا ہوں۔"

آشوری نے جواب دیا" یہ بات نہیں ہے۔ میں دو چار روز میں شہزادی سے بات کروں گا اس کے بعد ہی کوئی منصوبہ بنے گا۔ اس بات میں ابھی تک مخلص ہوں۔"

بسروز نے کہا" میں اپنے خیمے میں واپس جا رہا ہوں۔ میں وہاں تیرا انتظار کروں گا مگر یہ یاد رہے کہ میں ناکامی سے نفرت کرتا ہوں میں اپنی جان کی پروا کئے بغیر وہ کام کر گزروں گا جس کی امید بھی نہیں کی جا سکتی۔"

آشوری نے پوچھا" اور اگر شہزادی نے ہمارے منصوبے سے اتفاق نہ کیا تو؟"

بسروز نے جواب دیا" میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں شہزادی کو جار جیا واپس لے جاؤں گا ورنہ یہیں جان دے دوں گا' اس منصوبے کا کوئی شخص بھی نہیں بچ سکے گا۔" یہ کہہ کر بسروز واپس چلا گیا۔ آشوری کو بسروز پر غصہ بھی آ رہا تھا اور افسوس بھی ہو رہا تھا کہ وہ کیسی احمقانہ باتیں کر رہا تھا۔

شہزادی خود بھی آشوری کی منتظر تھی۔ وہ آشوری کی آنکھوں میں سوالات دیکھ چکی تھی۔ کون سے سوالات۔ بس یہی وہ جاننا چاہتی تھی' اس نے ایک کنیز کو بھیج کر آشوری کو بلوا لیا اور کنیز کو کام پر لگا کر خود آشوری سے باتیں کرنے لگی۔

آشوری نے خواجہ حسن کے بارے میں پوچھا تو اسے جواب ملا کہ وہ قیصر کی دھمکیوں کے پیش نظر جنگی اور دفاعی تیاریوں میں مشغول ہے اس کے بعد شہزادی نے آشوری سے پوچھا" تو یہ جو دو منزلہ اور سہ منزلہ برج تیار کر رہا ہے کچھ جانتا ہے کہ انہیں کس کے خلاف کام میں لایا جائے گا؟"

آشوری نے جواب دیا" جانتا ہوں' میری تیار کی ہوئی یہ چیزیں عیسائیوں کے خلاف استعمال کی جائیں گی۔"

شہزادی نے پوچھا" مگر تو نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ تیری ذہانت اور تیری محنت تیرے ہی بھائیوں کے خلاف ان کی بیخ کنی میں استعمال ہو گی؟"

آشوری نے جواب دیا" میں اس طرح نہیں سوچتا کیونکہ مسلمانوں کی تلواریں' تیر' نیزے اور دوسرا اسلحہ عیسائی مسلمانوں سے خرید کر ان ہی کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور مسلمان کاریگر یہ نہیں سوچتے کہ ان کے بنائے ہوئے ہتھیار خود انہی کے خلاف استعمال کئے جائیں گے۔" شہزادی خاموش ہو گئی۔

آشوری نے ڈرتے ڈرتے پوچھا" شہزادی صاحبہ! کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟"

شہزادی نے جواب دیا" ہاں پوچھ۔"

آشوری جوان نے پوچھا" آپ کے ساتھ یہ جو کچھ ہو رہا ہے کیا آپ اس سے مطمئن ہیں؟"

شہزادی نے جواب دیا کہ" تو تو میری خوش قسمتی پر مجھے مبارکباد دے چکا ہے پھر یہ سوال کیوں کر رہا ہے؟"

آشوری نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا" اس وقت میں آپ سے آپ کے چچا بقراط کی بات کرنا چاہتا ہوں' اگر آپ اجازت دیں تو؟"

شہزادی حیرت زدہ ہو گئی" میرے چچا بقراط کو تو کس طرح جانتا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا" آپ کے چچا کو میں نہیں بسروز جانتا ہے۔ جب آپ کے چچا کو یہ بات معلوم ہوئی کہ سلطان نے آپ کو طلاق دے دی ہے اور اپنے وزیر خواجہ حسن کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ سے شادی کر لے تو بادشاہ کو بہت دکھ ہوا اور اس نے بسروز کو حکم دیا کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو شہزادی کو یہاں سے نکال لائے۔"

شہزادی نے پوچھا" بسروز کہاں ہے؟"

آشوری نے جواب دیا" احمد کاشغری کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہے۔"

شہزادی نے طنزیہ پوچھا" اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اکیلا مجھے یہاں سے نکال لے جائے گا؟"

آشوری نے جواب دیا" وہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ میں ہوں اور اس کے ساتھ شاہ اسماعیل بھی تھا جو پکڑا گیا۔"

شہزادی نے کہا" تو تو بسروز کا آدمی ہے؟"

آشوری گھبرا گیا اور کہا" نہیں' اس وقت تو میں آپ کا آدمی ہوں' سلطان کا آدمی ہوں اور خواجہ حسن وزیر کا آدمی ہوں۔"

شہزادی نے پوچھا" تیرا کیا خیال ہے؟ کیا میں تیری بات سن لوں گی۔ کیا میں بسروز کے ساتھ اپنے چچا کے پاس چلی جاؤں گی؟"

آشوری نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا "میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔"

شہزادی نے کہا کہ "شاہ اسماعیل نے مجھے ذلیل و رسوا کر دیا اور اس پر وہ مجھے یہاں سے نکال لے جانے آیا تھا بہت خوب!"

آشوری نے کہا "بھلا آپ کی مرضی اور عندیہ کے خلاف کوئی قدم کیسے اٹھایا جائے گا۔"

شہزادی جذباتی ہو رہی تھی "تم لوگ مجھے جارجیا پہنچا دو گے اور سلطان جارجیا پر حملہ کر کے مجھے دوبارہ لے آئے گا اور میں تماشا بن جاؤں گی۔"

آشوری نے کہا "یہ ہماری، آپ کے چچا طراط اور آپ کے خاندان کی خواہش تھی۔ بہروز اور راہب رابرٹ کی منشاء تھی۔"

شہزادی نے جواب دیا "میں یہاں خوش ہوں گو کہ یہاں کا ہر کام میری مرضی کے مطابق نہیں ہو رہا مگر میں یہ بھی سوچتی ہوں کہ دنیا میں ایسا کون ہے جس کا ہر کام اس کی مرضی اور منشاء کے مطابق ہو رہا ہو۔"

آشوری کا کام ختم ہو چکا تھا اس نے پوچھا "تو میں بہروز سے کہہ دوں کہ اب آپ واپس نہیں جانا چاہتیں۔"

شہزادی نے جواب دیا "ہاں بہروز سے کہہ دینا کہ وہ چپ چاپ یہاں سے فرار ہو جائے۔"

آشوری نے ان چند باتوں کے لئے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ جس مقصد سے یہاں آیا تھا وہ پورا ہو چکا تھا لیکن اس نے یہاں جو کچھ اتفاقاً پایا تھا اس سے صرف نظر کرنا بھی اس کے بس میں نہ تھا اور اب بہروز سے ملنا اور شہزادی کا جواب اس تک پہنچانا بہت ہی دشوار ہو گیا تھا۔ معلوم نہیں کیوں اس کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ اس کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ نذیر احمد کاشغری اپنا کام مکمل کر کے رخصت ہو رہا تھا۔ اب اس کو بہروز کے ساتھ جارجیا اور قسطنطنیہ پہنچنا تھا لیکن وہ بہروز کو تلاش کر کے تھک رہا تھا اور وہ اچانک کہیں غائب ہو چکا تھا۔

آشوری کو لکڑیاں درکار تھیں اس کے کارندے جنگل میں درخت کاٹ کاٹ کر لکڑیاں جمع کر رہے تھے۔ کن درختوں کی لکڑی کارآمد تھی آشوری نجاروں کی مدد سے اس کی نشان دہی کر رہا تھا۔ آشوری جنگل سے فرصت پاتا تو کسی قریبی گرجے میں یا خانقاہ میں چلا جاتا، یہاں وہ خداوند مسیح اور ان کے ماں مریم کا شکریہ ادا کرتا جن کی برکتوں سے اس نے یہاں یہ مقصد حاصل کیا تھا۔ اس خانقاہ میں جہاں وہ پہلے بھی آ چکا تھا وہ دوبارہ گیا اور راہب کو اس نے بتایا کہ شہزادی ہیرینا جارجیا واپس جانے کے لئے تیار نہیں۔

راہب کو اس جواب سے افسوس ہوا اس نے کہا "وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟ اس پر آسمانی عذاب نازل ہو گا۔"

آشوری نے اسے بتایا "شہزادی کہتی ہے کہ کیا میری حفاظت نہیں کر سکتے تھے مجھے یہاں سے نکال لے جانے کا فائدہ؟"

راہب نے اسے سمجھایا لیکن تو خود بتا کہ کیا شہزادی کو اس حال پر چھوڑ دینا چاہئے۔ میرا خیال ہے نہیں۔"

آشوری نے جواب دیا "میرا کام ختم ہو چکا ہے میں بھلا کیا کر سکتا ہوں۔"

راہب اسے اندر تہ خانے میں لے گیا یہاں شمعیں روشن تھیں پھر بھی اندھیرا دور نہیں ہوا تھا، یہاں کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ راہب نے یہاں بھی اسے سمجھایا اور کہا "تیرا کام ابھی ختم نہیں ہوا۔ تو ہمت نہ ہار۔ شہزادی کو ہر حال میں یہاں سے لے جانا ہے۔"

آشوری نے مجبوری ظاہر کی "اس کو اس کی مرضی کے خلاف کس طرح لے جایا جا سکتا ہے؟"

راہب تہ خانے کے دوسرے آدمیوں سے مخاطب ہوا "تم لوگ آشوری کو بتاؤ کہ اب اسے کیا کرنا ہو گا۔"

ایک شخص آشوری کے قریب آیا اور کہا "میں اس کو بتاؤں گا کہ اسے اب کیا کرنا ہو گا" اس کی آواز سے آشوری نے اس شخص کو پہچان لیا۔ وہ بہروز کی آواز تھی۔ آشوری نے اسے غور سے دیکھنا چاہا لیکن روشنی کی کمی کی وجہ سے وہ اسے دُھندلا دُھندلا سا نظر آ سکا۔ "آپ کو کپڑوں کا تاجر احمد کاشغری تلاش کرتا پھر رہا ہے اور آپ یہاں ہیں۔" آشوری نے کہا۔

بہروز نے جواب دیا "تو احمد کاشغری کی فکر نہ کر۔ اس کو اِدھر اُدھر خوار ہونے دے۔ اس وقت تو تو صرف اپنی اور شہزادی کی باتیں کر۔"

آشوری نے دو ٹوک جواب دے دیا "شہزادی نے واپس جانے سے انکار کر دیا ہے۔"

بہروز نے کہا "شہزادی انکار کر رہی ہے تو کرنے دے۔ تُو اپنا کام جاری رکھ۔"

آشوری نے جواب دیا "میرا کام تو ختم ہو چکا ہے۔ اب بھلا میں کیا کر سکتا ہوں۔"

راہب نے دخل دیا "کسی دین کی خوش قسمتی کا سورج

طلوع ہونے والا ہے اس لئے تو بھی اب غیر معمولی حوصلے سے کام لے۔"

بہروز نے حقارت سے حکم دیا "تو نے سلطان اور مسلمانوں کے لئے جو کام شروع کیا ہے اسے بند کر دے۔ میں تجھے قسطنطنیہ لے جاؤں گا۔ وہاں تو یہی کام اپنی قوم اور اپنے ملک کے لئے کرے گا۔" آشوری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چپ چاپ کھڑا رہا۔

راہب نے کہا "تو خود ہی یہاں آگیا یہ اچھا کیا ورنہ میں تجھے کسی کے ذریعے بلواتا۔"

بہروز نے ایک شخص کی طرف اشارہ کیا جو ذرا فاصلے پر اندھیرے میں بیٹھا تھا۔ "راہب رابرٹ بھی یہاں آچکے ہیں۔ اب آیندہ ہمیں اپنے منصوبے پر کس طرح عمل کرنا ہوگا۔ اس وقت اسی پہلو پر غور کرنے کے لئے سب لوگ جمع ہیں۔"

آشوری نے راہب رابرٹ کی طرف دیکھنے کی کوشش کی لیکن دیکھ نہیں سکا' اس طرف زیادہ اندھیرا تھا۔

اچانک راہب رابرٹ کی آواز سنائی دی "میرے دینی بھائیوں میں یہی تو ایک خرابی ہے کہ یہ مسلمانوں کے ہاتھ بک جاتے ہیں۔"

بہروز نے کہا "لیکن میں اپنے کسی ساتھی کو فروخت نہیں ہونے دوں گا۔" آشوری پریشان ہو رہا تھا کہ آخر یہ لوگ اس سے کیا چاہتے ہیں؟

راہب رابرٹ کی آواز دوبارہ سنائی دی "تو کسی بھی طرح بہلا پھسلا کر شہزادی ریلینا کو جنگل کے اس پار دریا کے کنارے لے آ' باقی کام ہم لوگ خود کر لیں گے۔"

آشوری کانپ گیا "میں یہ کام نہیں کر سکتا۔"

بہروز نے سختی سے پوچھا "کیوں؟ تو یہ کام کیوں نہیں کر سکتا؟"

آشوری نے کہا "میں شہزادی کو اتنی دور کس طرح لے جاؤں گا۔"

بہروز نے جواب دیا "یہ بات تجھے خود سوچنا ہے کہ شہزادی کو اتنی دور کس طرح لے جایا جا سکتا ہے۔ ہم نہیں جانتے۔"

راہب رابرٹ نے کہا "میرے آدمی وہاں موجود ہوں گے وہ شہزادی کو بہ آسانی قابو میں کر لیں گے اور پھر ہم سب مسلمانوں کو بے وقوف بنا کر کہیں دور چلیں جائیں گے۔"

بہروز نے کہا "جب شہزادی اس حد تک گر سکتی ہے کہ وہ اپنے وطن' اپنی قوم اور اپنے چچا کو فراموش کر بیٹھے تو اب ہم بھی وہ سب کچھ کریں گے جو شاید پہلے نہ کرتے۔"

راہب رابرٹ نے کہا "تو بہروز سے دن تاریخ طے کر لے اور پھر اس دن شہزادی کو موجودہ جگہ پہنچا دے اس کے بعد تیرا کام ختم ہو جائے گا۔"

بہروز نے کہا "نہیں اس کا کام اس طرح ختم نہیں ہوگا۔"

آشوری نے کہا "لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ میں شہزادی کو مقررہ جگہ تک کس طرح لاؤں گا۔"

بہروز نے دھمکی دی "میں نے کہہ جو دیا کہ یہ سوچنا ہمارا نہیں تیرا کام ہے۔"

آشوری نے جواب دیا "میں وعدہ نہیں کروں گا کہ میں یہ کام کر ہی دوں گا۔"

راہب نے دھمکی دی "اگر تو وعدہ نہیں کرے گا تو ہم بھی تجھے آزادی سے کام نہیں کرنے دیں گے۔"

بہروز نے کہا "تو اس وقت تک کام کرے گا جب تک شہزادی ہمارے قابو میں نہیں آجاتی۔ اس کے بعد تو بھی ہمارے ساتھ چلے گا۔"

راہب رابرٹ نے پوچھا "تو خاموش کیوں ہے' جواب کیوں نہیں دیتا؟"

آشوری نے جواب دیا "میں کیا جواب دوں۔ کام بہت مشکل ہے' ہر حال میں کوشش کروں گا۔"

بہروز نے کہا "کوشش نہیں یہ کام یقینی ہونا چاہئے ورنہ یہ کام ہم کسی اور طرح بھی کرا سکتے ہیں۔"

آشوری وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ اس نے کہا "تو اب مجھے جانے دیں تاکہ میں کوئی منصوبہ بنا سکوں۔"

راہب نے تائید کی اور کہا "ہاں اب تو جا سکتا ہے۔"

بہروز نے کہا "اگر تو نے یہ کام نہ کیا اور ہم سے غداری کی تو تیرا انجام بہت برا ہوگا۔" آشوری بہت کم بول رہا تھا کچھ توقف کے بعد بہروز نے کہا "تو سب سے پہلا کام یہ کرے گا کہ شہزادی کو خواجہ حسن سے شادی نہ کرنے دے۔"

راہب رابرٹ نے بہروز کی بات سے اختلاف کیا "بیک وقت دو محاذ نہ کھولو۔ اسے کسی طرح شہزادی کو ہمارے پاس لے آنے دو۔" اس کے بعد آشوری کو تہ خانے سے باہر لایا گیا۔ بہروز اور راہب رابرٹ اندر ہی رہ گئے۔ دوسرا راہب آشوری کے ساتھ باہر آگیا۔ آشوری بہت پریشان اور فکر مند تھا کہ وہ یہ تقریباً ناممکن کام کس طرح انجام دے گا۔

راہب نے اسے پھر ایک بار متنبہ کیا "ہم راہبوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ سلطان اور مسلمانوں کے خلاف مختلف

محاذوں پر جنگ جاری رکھیں گے۔ یہ جنگ ہم بھی لڑیں گے اور تو بھی۔ یہ فیصلہ کر کے یہاں سے جا کہ تو غداری نہیں کرے گا۔" آشوری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ راہب کو اس پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ اس کی خاموشی سے اس کے تذبذب اور کمزوری کا اندازہ لگا رہا تھا۔

آشوری خانقاہ سے باہر آیا تو دیکھا کہ اس کے چند ساتھی اسے تلاش کر رہے ہیں۔ جنگل میں کئی درخت گرائے جا چکے تھے۔ اس کو تلاش کرنے والے نجار تھے۔ وہ اس سے یہ پوچھنا چاہتے تھے کہ اسے کتنے درخت اور کٹوانے ہیں؟

آشوری نے کٹے ہوئے درختوں کا معائنہ کیا اور کہا "کم از کم دو سو درخت مزید کاٹے جائیں گے۔"

نجاروں کو اس جواب پر حیرت ہوئی "دو سو درخت مزید کاٹے جائیں گے؟"

آشوری نے جواب دیا "ہاں' دو سو درخت۔ ہمیں بہت زیادہ لکڑی درکار ہے۔" وہ باتیں تو اپنے ساتھیوں سے کر رہا تھا مگر اس کا دھیان کہیں اور تھا۔ سلطان میں' شہزادی میں' خواجہ حسن میں' برروز میں' راہب رابرٹ میں اور خانقاہ کے راہب میں۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اب ہو گا کیا؟ وہ کھویا کھویا سا گم صم سلطانی خیموں کی طرف چل دیا۔ اچانک اس کے سامنے سے ایک آدمی گزرا اور سرگوشی میں یہ کہتا چلا گیا کہ دیکھو جو کہا گیا ہے اسے پورا کرو ورنہ اپنے بھیانک انجام کا انتظار کرو۔ وہ اس آدمی کو پہچاننا چاہتا تھا مگر وہ دور جا چکا تھا اور اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ وہ سیدھا وہاں گیا جہاں دو منزلہ اور سہ منزلہ برجوں پر کام ہو رہا تھا۔ ابھی وہ وہاں پہنچا ہی تھا کہ خواجہ حسن بھی وہاں پہنچ گیا۔ آشوری خواجہ حسن کو اپنے روبرو دیکھ کر کانپ گیا۔ اس کو ایسا لگا جیسے خواجہ حسن کو برروز' راہب رابرٹ اور آشوری کی باتوں کا پتہ چل چکا ہے۔

خواجہ حسن نے کہا "میں تجھے بڑی دیر سے تلاش کر رہا ہوں' تو کہاں چلا گیا تھا؟"

اس نے آہستہ سے جواب دیا "وزیر محترم۔ میں جب بھی پریشان ہوتا ہوں تو کسی گرجے یا خانقاہ میں چلا جاتا ہوں اور وہاں رو رو کر اپنے دل کی بھڑاس نکال دیتا ہوں۔"

خواجہ حسن اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا "تو پریشان کیوں ہوتا ہے؟"

آشوری اس سوال سے اور پریشان ہوا "مجھے نہیں معلوم۔"

خواجہ حسن نے کہا "میں مذہبی معاملات میں دخل دینا پسند نہیں کرتا لیکن میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ ہمارا کوئی آدمی ایسی جگہ جائے جہاں ہمارے خلاف باتیں کی جا رہی ہوں۔" آشوری کو کسی حد تک یقین ہو گیا کہ خواجہ حسن اس کی مصروفیات سے کسی نہ کسی طرح واقف ضرور ہو گیا ہے۔

خواجہ حسن کہتا رہا "دو دن بعد شہزادی ہیلینا میری بیوی بن جائے گی۔ وہ تجھے یاد کر رہی تھی۔ وہ اپنے لئے چند لباس اور سلوانا چاہتی ہے۔"

آشوری کی جان میں جان آئی اور جواب دیا "میں ابھی ان کے پاس چلتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے کہا "میں تجھے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔" آشوری اپنے ہنر مندوں کو ہدایات دینے لگا۔ کسی ہنر مند نے اسے بتایا کہ سلطان کو اس کام کی بہت جلدی ہے' اس نے آشوری کو طلب کیا ہے۔ وہ خواجہ حسن کی صورت دیکھنے لگا۔ جیسے پوچھ رہا ہو کہ "اب آپ کیا کہیں گے؟"

خواجہ حسن نے کہا "تجھے میں اپنے ساتھ سلطان کے پاس لے جاؤں گا۔ آ میرے ساتھ چل۔"

آشوری خواجہ حسن کے ساتھ سلطان کے پاس چلا گیا۔ وہ تین تین محاذوں پر الجھا ہوا تھا۔ پہلا محاذ سلطان اور اس کا منصوبہ تھا۔ دوسرا محاذ خواجہ حسن' شہزادی اور ان کا کام تھا اور تیسرا محاذ برروز' راہب رابرٹ اور ان کا منصوبہ تھا۔ کئی بار اس کے جی میں آئی کہ وہ خواجہ حسن کو سب کچھ بتا دے اور برروز کو گرفتار کرا دے لیکن یہاں بھی اس کا آبائی جذبہ اس کے آڑے آیا۔

سلطان نے اس سے کوئی خاص بات نہیں کی بس اتنا پوچھا۔ "یہ کام جو تو کر رہا ہے کتنے دنوں میں مکمل ہو جائے گا؟"

آشوری نے جواب دیا "تین ماہ میں۔ زیادہ سے زیادہ تین ماہ لگیں گے۔"

سلطان نے کہا "ٹھیک ہے۔ تو کام کرتا رہ میں کچھ دنوں کے لئے رے جا رہا ہوں۔"

خواجہ حسن نے مشورہ دیا "ابھی آپ کہیں نہ جائیں۔"

سلطان نے اصرار کیا "نصاریٰ ہم پر یلغار کرنے والے ہیں۔ ان کے سدباب کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہو گا۔" یہاں سلطان نے خواجہ حسن سے چند راز کی باتیں کیں۔ وہ خواجہ حسن کو ایک طرف لے گیا۔ اور کہا "اس آشوری کے بارے میں مجھے جو کچھ معلوم ہوا ہے میں اس سے پریشان ہوں۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "مثلاً یعنی؟"

سلطان نے جواب دیا "یہ جارجیا کے بادشاہ لغرا طا کا آدمی ہے۔ اسے یہاں کسی خاص مقصد کے لئے بھیجا گیا ہے۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا "اور وہ کپڑے کا تاجر، احمد کاشغری؟ اس کے ساتھ جو شخص ٹھہرا ہوا تھا، وہ بھی جارجیا کے بادشاہ کا خاص آدمی ہے؟"

سلطان نے حیرت سے پوچھا "تو آپ بھی یہ ساری باتیں جانتے ہیں؟"

خواجہ حسن نے عرض کیا "میں بہت سی باتیں اس وقت تک سلطان کے گوش گزار نہیں کرتا جب تک ان کی تصدیق نہیں ہو جاتی۔"

سلطان نے افسردہ لہجے میں کہا "اگر یہ سروز واقعی جارجیا کے بادشاہ کا آدمی ہے اور یہ شہزادی ریلینا کے لئے یہاں آیا ہے تو یہ بھی بڑے افسوس اور تشویش کی بات ہے۔" آشوری ان دونوں کی باتیں سن تو نہیں سکتا تھا لیکن وہ یہ اندازہ ضرور لگا سکتا تھا کہ دونوں اسی کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔ سلطان نے خواجہ حسن سے کہا "آپ آشوری سے پوچھیں کہ احمد کاشغری کے ساتھ کون رہ رہا تھا؟"

خواجہ حسن نے پوچھا "اس سوال سے ہمیں کیا معلوم ہو گا؟"

سلطان نے جواب دیا "یہ کہ اگر یہ کسی منصوبے کا آدمی ہے تو اس سے ضرور واقف ہو گا۔"

خواجہ حسن نے عرض کیا "میں جو کچھ جانتا ہوں اس کا ذکر نہیں کرنا چاہتا۔ ہمیں اس ہنر مند سے کئی بڑے کام لینا ہیں اگر یہ عقرب ہے تو ہم اس سے بہترین سلوک کر کے اس کے ڈنک بھی جھاڑ دیں گے۔ آخر کار یہ ہمارا آدمی بن جائے گا۔ ورنہ ہر وقت یہ ہمارے قبضے میں ہے۔"

آشوری پریشان ہو رہا تھا کہ دونوں آخر کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔ وہ ان کی باتیں سن بھی نہیں سکتا لیکن یہ طے تھا کہ یہ باتیں اسی کے بارے میں ہو رہی تھیں۔

سلطان نے خواجہ حسن کو بتایا "میں نے شاعر اسماعیل کو ابھی تک کوئی سزا نہیں دی۔ صرف اس لئے کہ شاعر بھی ان کا آدمی ہے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آخر ان لوگوں کا منصوبہ کیا ہے۔ میں سلطان ہوں اور میں تحکم یا سختی سے یہ بات نہیں معلوم کر سکتا۔ یہ آپ ہی حکمت مندی سے معلوم کریں۔"

خواجہ حسن نے کن انکھیوں سے آشوری کو دیکھا۔ آشوری نے بھی خواجہ کی دزدیدہ نظریں دیکھ لیں۔ خواجہ حسن کہہ رہا تھا "میں نے اپنے آدمی اس کے پیچھے لگا دیئے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو میں ان کے ذریعے کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

سلطان نے خواجہ حسن کو بتایا "یہ آدمی بڑا ہنر مند اور کارآمد ہے۔ اس نے اب تک جو کام کیا ہے بہت شاندار ہے۔ اسے راضی رکھنا بھی بہت ضروری ہے۔"

خواجہ نے جواب دیا "میں نے عرض تو کیا کہ ہم اس پر احسان کر کے اس کے زہر کو زائل کر دیں گے۔"

سلطان اچانک آشوری سے مخاطب ہوا "احمد کاشغری کے ساتھ کون ٹھہرا تھا؟"

آشوری کو یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ سلطان کو سروز کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم ضرور ہے اور شاید وہ یہ بھی جانتا ہے کہ آشوری اس سے ملتا رہا ہے اس لئے اُس نے گول مول جواب دیا "میں نے اس کے ساتھ کسی کو دیکھا تو ہے لیکن میں اس سے واقف نہیں ہوں۔"

خواجہ حسن نے سلطان سے مہلت چاہی اور کہا "میں عنقریب کچھ نہ کچھ معلوم کر لوں گا۔ ہمیں سب سے زیادہ فکر اس بات کی ہے کہ مسیحی اتحادیوں کا استقبال کس طرح کیا جائے۔"

سلطان نے جواب دیا "اسی خیال سے میں اپنے آس پاس موجود عیسائیوں کو شک و شبے کی نظر سے دیکھ رہا ہوں کہ کہیں یہ لوگ قیصر کے ہراول نہ ہوں۔" خواجہ حسن، سلطان کے پاس سے چلا آیا۔

اس کے باہر نکلتے ہی آشوری نے کہا "وزیرِ محترم، میں اپنی اعلیٰ صلاحیتوں سے سلجوقیوں کی خدمت کر رہا ہوں لیکن اس وقت میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ میں ابھی سلطان اور سلجوقیوں کا اعتماد حاصل نہیں کر سکا۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "یہ بات نہیں ہے۔"

آشوری بددل ہو رہا تھا۔ بولا "ہو سکتا ہے۔"

خواجہ حسن اسے شہزادی کے پاس لے گیا۔ وہاں چین کا ریشمی کپڑا رکھا تھا۔ شہزادی نے یہ کپڑا احمد کاشغری سے خریدا تھا۔ اس نے آشوری سے خواہش ظاہر کی کہ اس کا لباس سلوا دیا جائے۔ آشوری نے وعدہ کر لیا۔ اور شہزادی سے درخواست کی کہ اب وہ چند لباس بازنطینی شہزادیوں جیسے سلوائے۔

شہزادی نے پوچھا "بازنطینی شہزادیوں کا لباس کیسا ہوتا ہے؟" آشوری نے جواب دیا "یہ میں کسی دن آپ کو دکھاؤں گا"

خواجہ حسن نے دونوں کو مطلع کیا "اب جو کچھ ہو کاشغری کے

بعد ہو گا۔ اگر یہ سلطان کا حکم نہ ہوتا تو میں یہ شادی رے میں کرتا۔"

آشوری نے خواجہ حسن کو ایک مشورہ دیا "وزیر محترم! میری یہ دعا ہے کہ خداوند مسیح آپ دونوں کو خوش رکھے لیکن آپ ایک بات میری بھی مان لیں۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "کون سی بات؟"

اس نے جواب دیا "شہزادی ریلینا نے جس ماحول میں ہوش سنبھالا ہو گا وہ بہت آزاد اور کشادہ ہو گا۔ آپ شہزادی کو ان مرغزاروں میں گھومنے پھرنے کی اجازت دے دیں۔ خیمے میں رہتے رہتے ان کا اصل رنگ ماند پڑ گیا ہے۔ آپ انہیں کھلا ماحول کیوں نہیں فراہم کرتے؟"

خواجہ حسن نے اس سے انکار کیا "میں نے شہزادی کو قید تو نہیں کیا۔ یہ ایک حد تک آزاد ہیں اور مرغزاروں میں گھوم پھر سکتی ہیں۔" آشوری نے شہزادی سے پوچھا "کیا آپ گھڑ سواری کر سکتی ہیں؟" شہزادی نے جواب دیا "ہاں میں گھڑ سواری جانتی ہوں۔"

آشوری نے کہا "آپ باہر نکلیں۔ اپنے رنگ و روپ میں نکھار پیدا کریں۔ اس طرح خیمے میں بند رہ کر تو آپ کملا جائیں گی۔ میرے تیار کردہ لباس آپ کے اوپر اس وقت زیادہ جچیں گے جب آپ خود بھی نکھر جائیں گی۔"

خواجہ حسن کٹ گیا۔ اس نے سوچا یہ کیسا مشورہ دے رہا ہے۔

شہزادی نے کہا "میں خود بھی باہر نکلنا چاہتی ہوں۔"

آشوری نے جواب دیا "تب پھر آپ ضرور باہر نکلیں مگر تنہا نہ نکلیں۔ آپ کے پاس کنیزوں کی فوج ہے ان کے ساتھ باہر نکلا کریں۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "یہ تو حکیم کب سے ہو گیا؟"

آشوری نے جواب دیا "جناب والا! مجھے شہزادی سے اس لئے بھی زیادہ ہمدردی ہے کہ یہ جارجیا کی شہزادی ہیں اور ان کے چہرے پر پژمردگی محسوس کر رہا ہوں۔"

خواجہ حسن نے کہا "یہ دو دن بعد میری بیوی بن جائے گی، اس کے بعد اس کو اجازت ہو گی کہ اپنے چہرے اور مزاج میں شگفتگی اور تازگی پیدا کرے۔"

آشوری کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ سمروز اور راہب رابرٹ کی خواہش کس طرح پوری کرے۔ وہ بے بس اور مجبور ہو رہا تھا۔ وہ سلطان سے وابستہ ہو کر خوشحال ہونا چاہتا تھا جبکہ سمروز نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ سلطان اور مسلمانوں کے لئے کام نہ کرے۔

خواجہ حسن کی شادی نہایت سادگی سے انجام پائی۔ اس رسم میں سلطان اور شہزادہ ملک شاہ کے علاوہ فوجی سرداروں، سلطان کے مشیروں نے بھی شرکت کی تھی۔ شہزادہ ملک شاہ نے وزیر کو یہ کہہ کر مبارک باد دی "آپ جسے پہلے مرحلے میں حاصل نہیں کر سکے تھے اسے دوسرے مرحلے میں آپ نے حاصل کر لیا۔ آپ کو مبارک ہو۔" سلطان نے وزیر کو تحفے میں چند قیمتی برتن دیئے۔ یہ برتن شیشے کے تھے اور کاریگری کی بہترین مثال تھے۔ چھ منقش پیالے، چھ طشتریاں، دو صراحیاں، گلدان اور شمع دان۔ آشوری بھی اس تقریب میں مدعو تھا۔ وہ چند کے سوا خواجہ کے باقی مہمانوں سے واقف نہیں تھا۔

خواجہ حسن نے مہمانوں کی شاندار دعوت کی تھی اور یہ دعوت عام تھی۔ فوجیوں کو بھی کھانا کھلایا گیا تھا۔

حسین کنیزوں نے ساقی گری کی خدمت انجام دیں۔ وہ اپنے کندھوں پر صراحیاں رکھے مہمانوں کے خالی پیالوں کو بھرتی جا رہی تھیں۔ بعض نشے میں چور بادہ خوار کنیزوں کے ہاتھ تھام لیتے تھے۔ آشوری بھی اس تقریب میں موجود تھا۔ اسے بھی ایک کمسن حسینہ نے خالی پیالہ پیش کیا اور صراحی سے اس میں شراب انڈیل دی۔ آشوری نے مزے لے لے کر شراب پی اور فردوشوں کے حسن و شباب نظروں سے چکھتا رہا۔ وہ خواجہ حسن اور معزز مہمانوں سے مرعوب نہ ہوتا تو وہ بھی جسارت سے کام لیتا۔

ایک مہمان آشوری کے تکلف سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس نے پوچھا "اس قسم کی تقریب میں کیا تو پہلی بار شریک ہوا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "ہاں، پہلی بار۔"

مہمان نے کہا "چند روزہ زندگی میں اتنا تکلف؟"

آشوری وہاں سے ہٹ گیا تو دوسرا مہمان آشوری سے مخاطب ہوا "تو نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ آخر کار شہزادی کی شادی ہو گئی۔" آشوری نے اس دوسرے مہمان کو بغور دیکھا اور اسے پہچاننے کی کوشش کی مگر پہچان نہ سکا۔ مہمان نے اسے یاد دلایا "میں بطور خاص یہاں آیا ہوں۔ وہاں تیرا انتظار ہو رہا ہے؟"

مہمان نے ایک دوسرے مہمان کو اپنی طرف متوجہ دیکھا تو وہاں سے ہٹ گیا اور آشوری سے کہا "ادھر آ۔ میں بتاؤں تجھ کو۔"

لیکن آشوری اس کے پاس نہیں گیا۔ ایک نازک اندام سانولی رنگت والی کنیز دوش پر صراحی لئے آشوری کے پاس

پیٹی اور خالی پیالے کی طرف اپنی صراحی کا منہ کر دیا۔ آشوری نے منع کرنا چاہا مگر وہ مانی اور زبردستی اس کا پیالہ بھر دیا اور بولی۔ "تو اتنا خود پسند اور کسی زاہد کی طرح خشک ہیں تجھے پلا کر رہوں گی۔"

آشوری نے اس کے اصرار پر پیالہ منہ سے لگالیا اور پوچھا۔ "کیا تو مجھ کو جانتی ہے...؟" لڑکی نے جواب دیا تجھ کو کون نہیں جانتا۔ تو اعلیٰ درجہ کا خود پسند ہے۔" ایک لڑکی کی زبان سے اپنی تعریف سن کر آشوری پھولا نہ سمایا۔ اب اس کی یہ خواہش تھی کہ لڑکی اس کے پاس موجود رہے۔ وہ اسے پلاتی رہے اور وہ پیتا رہے۔

اچانک ایک بدمست نوجوان وہاں آیا اور لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گیا اور پوچھا تو کہاں گم ہو گئی تھی؟ اس آشوری کے علاوہ بھی کئی بے نوش ہیں اس محفل میں۔"

آشوری کو اس بے نوش کی اس حرکت پر غصہ تو بے حد آیا لیکن وہ بے بس مجبور اور خوفزدہ تھا۔ یہ وزیر کی محفل تھی اور وہ اس بے نوش کے مرتبے اور مقام سے واقف نہیں تھا اس لئے خاموش ہو رہا۔ اتنے میں سمان پھر اس کے قریب آگیا جس نے اسے اس کا وعدہ یاد دلایا تھا۔ اس نے سانولی لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "کیا تو اس لڑکی کو جانتا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "نہیں میں اسکو نہیں جانتا"۔ سمان نے اسکو بتایا "یہ ایک ہندی لڑکی ہے۔ ہند نژاد۔ ابھی چند دن پہلے خریدی گئی ہے۔ خواجہ حسن کی کنیزوں میں اسکا اور اضافہ ہو گیا ہے۔"

آشوری نے کہا "میں تو تجھے بھی نہیں جانتا کہ تو کون ہے"۔ سمان نے جواب دیا "میں بہروز کا پیام رساں خواجہ حسن کا دوست ایک مسیحی طبیب ہوں۔"

آشوری نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا "کون بہروز؟ میں تو اسے نہیں جانتا!"

سمان نے بے پروائی سے پیالہ ہونٹوں سے لگالیا اور کہا۔ "اگر تو بہروز کو نہیں جانتا تو کوئی بات نہیں، میں بہروز سے کہہ دوں گا کہ آشوری تجھ کو نہیں جانتا کہ وہ جانے اور تو"۔ سمان وہاں سے جانے لگا تو آشوری نے اسے روک لیا اور پوچھا "کیا تو اپنے دوست خواجہ حسن سے دغابازی کر سکتا ہے؟"

سمان نے کہا "میں خواجہ حسن کا طبیب ہوں اور مسیحی بھی۔ میں مسیحیت سے غداری نہیں کر سکتا۔ خداوند مسیح ایسا وقت نہ لائیں"۔ یہ کہہ کر سمان وہاں سے چلا گیا اور آشوری کو الجھن میں ڈال گیا۔ آدھی رات کے بعد محل میں مکمل سکوت طاری ہونے لگا۔ شامیانوں کے نیچے نشے میں چور مہمان فرش پر ڈھیر ہونے لگے۔ گاؤ تکیئے بے ترتیبی سے پھیلے ہوئے تھے۔ نشے میں چور مہمان اس طرح پڑے ہوئے تھے کہ انہیں کسی بات کا ہوش نہیں تھا۔ کوئی گاؤ تکیئے کو آغوش میں لئے ہوئے یوں پڑا تھا گویا اس کی محبوبہ آغوش میں ہو۔ کوئی آدھا گاؤ تکیئے پر تھا تو آدھا فرش پر کسی نے پیالہ منہ سے لگا کر چھوڑ دیا تھا۔ کسی نے کسی کو سہارا بنایا تھا اور اپنا سر دوسرے کے سینے پر رکھ کر ہوش و خرد کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ آشوری نے زیادہ نہیں پی تھی۔ اس نے عرب کی نبیذ پی تھی جس کا سرور اسے ہلکی سی مستی میں مبتلا کئے ہوئے تھا۔ وہ سانولی سلونی لڑکی کو تلاش کر رہا تھا۔ محفل کو مدہوش کر دینے والی مہ وشیں اکا دکا نظر آ رہی تھیں۔ بقیہ کہاں چلی گئی تھیں، کون جانتا تھا۔ آشوری نے محفل میں موجود حسین کنیزوں میں اس سانولی لڑکی کو تلاش کیا مگر وہ وہاں نہیں تھی۔ رات کے پچھلے پہر آشوری نے اپنے خیمے میں جا کر آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔ شامیانے کے باہر اونچے اونچے بانسوں پر چراغ روشن تھے ان کی روشنی میں آنے جانے والوں کا راستہ مل جاتا تھا۔ آشوری کا خیمہ یہاں سے کافی دور تھا۔ اس نے کئی آدمی آتے جاتے دیکھے۔ شاید وہ بھی اپنے خیموں میں جا رہے تھے۔ آشوری کو راستے میں اس سانولی سلونی لڑکی کا چہرہ یاد آ رہا تھا۔ وہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔ اس کو اس بے نوش پر غصہ آ رہا تھا جو اس لڑکی کو اس کے پاس سے زبردستی لے گیا تھا۔

راستے میں اسے کئی جگہ روکا گیا مگر چونکہ اسے سب جانتے تھے اس لئے روک کر چھوڑ دیا تھا۔ راستے میں ایک خیمے کے در پر کسی کو اوندھے منہ پڑے دیکھا۔ یہ کوئی بلا نوش تھا جو بہت زیادہ چڑھا گیا تھا اور اپنے خیمے کے در پر ڈھیر ہو گیا تھا۔ وہ اپنے خیمے میں داخل ہوا اور بستر پر گر کر اس سانولی لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا۔ نہیں معلوم کہ کس وقت اسے نیند آگئی جب وہ بیدار ہوا تو ایک پہر بیت چکا تھا۔

خواجہ حسن کا ہرکارہ خیمے کے باہر اسکی بیداری کا منتظر تھا۔ اس نے آشوری کو بتایا کہ خواجہ حسن کی طبیعت ناساز ہے...
آشوری منہ ہاتھ دھونے اور کچھ کھائے پئے بغیر خواجہ حسن کے پاس روانہ ہو گیا۔ اس وقت خواجہ حسن چادر شانے پر ڈالے کچھ لکھنے میں مشغول تھا اور رات والا سمان اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ خواجہ حسن نے آشوری کو مسکراتے ہوئے دیکھا اور پوچھا "کیا رات زیادہ دیر میں سوئے تھے؟"

آشوری نے جواب دیا "ہاں" رات کے آخری حصے میں پچھلے پہر۔"

خواجہ حسن کا سیکی طبیب اسے ہدایات دے رہا تھا "آپ اب آرام کریں یہ لکھنے پڑھنے کا کام کسی اور دن کر لیجئے گا۔"

خواجہ حسن نے مسکرا کر طبیب کے مشورے کو نظر انداز کر دیا۔

آشوری نے پوچھا "مجھے آپ نے کس لئے یاد فرمایا ہے؟ کیا مجھ سے کوئی ضروری کام ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "ہاں سلطان کی اور میری یہ خواہش ہے کہ تو اپنا کام جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچا دے کیونکہ اب ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

آشوری نے عرض کیا "کام تو دن رات ہو رہا ہے اب اور زیادہ تیز کر دیا جائے گا۔"

خواجہ حسن نے طبیب کو دزدیدہ نظروں سے دیکھا "میں کسی مسلمان اور سیکی میں فرق روا نہیں رکھتا۔ تم دونوں کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے۔"

سیکی طبیب تلملا کر رہ گیا اور آشوری بھی گھبرا گیا۔ خواجہ حسن ایک ایسی کتاب لکھ رہا تھا جسے پڑھ کر بادشاہ بادشاہت سیکھ جاتے اور شاہی عہدے دار اور اعلیٰ منصب دار اپنے فرائض منصبی سے آگاہ ہو جاتے اور بادشاہ کی خدمت کس طرح انجام دینا چاہئے اس بات سے بھی آگاہ ہو جاتے۔

خواجہ نے ان دونوں سے کہا "یہ کام جو میں کر رہا ہوں میرے فرائض میں شامل نہیں ہے۔ یہ ایک اضافی اور ذاتی ذمہ داری ہے جسے میں نے محسوس کیا اور اسے پورا کرنے میں مشغول ہو گیا۔"

سیکی طبیب نے پوچھا "کیا مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "اسے غلطی نہیں کہہ سکتے۔ غلطی وہ ہوتی ہے جو کسی بھی انسان سے لاعلمی میں غیر ارادی طور پر سرزد ہو جاتی ہے لیکن تجھ سے جو غلطی منسوب ہے وہ غلطی نہیں عیسیت ہے، تعصب ہے، دینی تعصب۔ تو سیکی ہے جب بھی عیسائیت اسلام سے متصادم ہو گی تو شاید تو ہمیں نظر انداز کر دے گا اور عیسیت کا ساتھ دے گا۔"

سیکی طبیب نے پوچھا "آپ نے اس کا اندازہ کس طرح لگایا؟"

آشوری نے پوچھا "کیا مجھ سے اس قسم کی کوئی غلطی ہوئی ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "نہیں۔ لیکن رات محفل ناؤنوش میں کسی نے اس قسم کی باتیں کی ہیں۔"

سیکی طبیب نے عرض کیا "نشے میں کسی نے کوئی بات کہہ دی ہو گی۔ یہ غلطی میں بھی کر سکتا ہوں "آشوری بھی کر سکتا ہے، کوئی اور بھی کر سکتا ہے۔"

آشوری نے بڑے تحمل سے تردید کی "لیکن میں نے اپنے ہوش و حواس اور مدہوشی میں ایسی کوئی بات نہیں کی۔"

خواجہ حسن نے کہا "اس وقت میں یہ بات اس لئے کر رہا ہوں کہ عنقریب مسیحیت اور اسلام کا زبردست معرکہ ہونے والا ہے اس وقت تم لوگ غیر جانبدار اور معمول کے مطابق رہو گے اگر یہ بات ناممکن یا مشکل معلوم ہو رہی ہو تم اس سے پہلے ہی ہمارے پاس سے چلے جاؤ۔"

آشوری نے جواب دیا "میں تو یہیں آپ کے پاس رہوں گا۔"

سیکی طبیب نے کہا "میں جب سے یہاں آیا ہوں آپ کا وفادار رہا ہوں اور آئندہ بھی وفادار رہوں گا۔"

خواجہ حسن نے طبیب کو چلتا کر دیا "اب تو جا سکتا ہے۔"

طبیب نے رکنا چاہا "لیکن یہاں آپ کو میری ضرورت ہے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "نہیں" اب مجھے "تیری ضرورت نہیں ہے۔ تو جا سکتا ہے۔"

سیکی نے خوشامد کا سہارا لیا "میں اس دربار کو چھوڑ کر کہاں جاؤں گا مجھ پر رحم فرمائیں۔"

خواجہ حسن اپنے فیصلے پر قائم رہا "میں اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتا کیونکہ میرا یہ اصول ہے کہ میں اپنے دشمن کو یا تو بالکل برباد کر دیتا ہوں یا پھر اسے اپنا دوست بنا لیتا ہوں۔ درمیان کا کوئی راستہ ہے ہی نہیں۔ ہاں تو میرا دشمن ہے اور تو دوست نہیں بن سکتا۔ اس لئے تجھ کو ہمیشہ کے لئے رخصت کرنا بہتر ہے۔" سیکی طبیب کو اسی وقت اسلامی چھاؤنی سے نکال دیا گیا۔

خواجہ حسن نے آشوری سے کہا "سیکی طبیب نے وہ بات تجھ سے کی تھی۔ میرا اپنا مخبر ساری باتیں سن نہیں سکا تھا اور میں تجھ سے پوچھوں گا کہ وہ کیا بات تھی جس پر اس نے تجھے ورغلانے کی کوشش کی تھی۔"

آشوری نے سیکی طبیب سے سبق حاصل کیا تھا۔ اس نے اپنی وفاداری کا یقین دلایا "میں سیکی ہوں اور میرے سپرد جو کام ہوئے ہیں وہ سیکی طاقت کے خلاف کام میں لائے جائیں گے لیکن اس کے باوجود میں اپنا کام جاری رکھوں گا اور مسلمانوں کو دھوکا نہیں دوں گا۔" خواجہ حسن نے بے فکرانہ انداز میں بات کی "تو ہمارا پابند نہیں

ہے۔ جب دل چاہے اور جب دینی جذبہ تیرے دل پر غالب
آجائے تو اس کا برملا اظہار اور اعلان کر سکتا ہے۔ میں تیرا
کام کسی اور کے سپرد کروں گا۔ دنیا کے کام تو اسی طرح
ہوتے رہتے ہیں۔" خواجہ حسن نے زیر تحریر کتاب ایک
طرف رکھ دی تھی۔ شاید اس کی دوا کا وقت ہو گیا تھا۔
اس نے آہستہ سے تالی بجائی۔ جواب میں اندر سے وہی
سانولی سلونی کنیز برآمد ہوئی جس نے آشوری کو بے چین
و بے قرار کر کے رکھ دیا تھا۔

خواجہ حسن نے کہا "میری دوا کا وقت ہو گیا ہے"
کنیز نے اپنی بند مٹھی کھول دی اس میں چار قرص تھیں۔
کنیز نے دوا خواجہ کو دے دی اور خاموشی سے واپس چلی گئی۔

خواجہ حسن نے کنیز کی بڑی تعریفیں کیں "یہ ہندی
نژاد کنیز بہت عقلمند اور سمجھ دار ہے۔ میں نے اسے
اچھی قیمت میں خریدا ہے۔"

کنیز نے خواجہ حسن کو کام کرنے سے منع کیا "آپ
کو آرام کرنا چاہئے کیونکہ طبیب نے بھی یہی مشورہ دیا
ہے۔" کنیز آشوری جوان کو بھی کن انکھیوں سے دیکھ
رہی تھی۔ آشوری نے رات جو زخم کھایا تھا اور جسے چند
گھنٹوں کے وقفے میں مندمل ہونے کا موقع ملا تھا وہ اس
کنیز کو دیکھ کر دوبارہ ہرا ہو چکا تھا۔ وہ بھی کنیز کو نظر
بچا کر دیکھ رہا تھا۔

خواجہ حسن نے کنیز کو اندر جانے کا حکم دیا اور جب وہ
اندر چلی گئی تو خواجہ نے آشوری کو بتایا "میں اس شوخ و
شریر لڑکی کو زمانے سے بچانا چاہتا ہوں ورنہ اس کا تو یہ حال
ہے کہ اس سے جو کوئی بھی ملتا ہے اس کی طرف کھنچا
چلا جاتا ہے" آشوری نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ دل
میں جو چور تھا، وہ باتوں سے پکڑا جا سکتا تھا۔

خواجہ حسن نے اس کے بعد اس سے کوئی خاص بات
نہیں کی اور یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ جو کام وہ کر رہا
ہے اس پر اب شب و روز محنت کی جائے کیونکہ قیصر
کسی بھی وقت حملہ آور ہو سکتا ہے۔ آشوری کارخانے میں
گیا اور کام کی رفتار اور تیز کرا دی۔ مزدوروں اور
محنت کشوں کی تعداد میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔ آشوری
برق آسا کبھی یہاں نظر آتا تو کبھی وہاں۔ وہ بڑی توجہ اور
محنت اور لگن سے اپنا کام کر رہا تھا۔

سلطان اور شہزادہ ملک شاہ بھی کام کی طرف متوجہ تھے۔
وہ آشوری سے بے حد خوش تھے لیکن وہ اس کے لئے بھی
ہر وقت تیار تھے کہ اگر آشوری کام چھوڑ کر چلا جائے تو
یہ کام دوسروں سے کرایا جا سکے۔

کارخانے میں ایک مسیحی مزدور نے آشوری کو یہ پیغام
دیا "آپ جو وعدہ کرتے ہیں اسے پورا کیوں نہیں کرتے؟"

آشوری نے پوچھا "کیا میں نے تم سے کوئی وعدہ کیا تھا؟"

مسیحی مزدور نے جواب دیا "وہ طبیب بھی اسی قسم کی
باتیں کر رہا تھا اور اس وقت وہ بھی وہیں موجود ہے۔"

آشوری نے کہا "جب تو سب کچھ جانتا ہے تو مجھ سے
ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے؟"

مسیحی مزدور نے کہا "میں نے آپ کو آپ کا وعدہ یاد
دلا دیا بس میرا کام ختم ہوا۔"

دونوں کو باتیں کرتا دیکھ کر دوسرے مزدور بھی
وہاں پہنچ گئے اور آشوری سے پوچھا "یہ کیا باتیں کر رہا تھا
آپ سے؟" آشوری نے ان سب کو ڈانٹ کر بھگا دیا۔
شام کو اس کے خیمے میں کوئی شخص ایک خط چھوڑ گیا تھا
اس میں بھی آشوری کو اس کا وعدہ یاد دلایا گیا تھا۔

"آشوری جوان۔ میں کہتا ہوں کہ اپنا کام بند کرو اور
اگر بند نہ کرو تو اس میں کوئی ایسا نقص پیدا کرو جو اس
وقت ہمارے کام آئے جب جنگ ہو رہی ہو۔ خواجہ کا
طبیب ہمارے پاس تھا اور وہ بھی ہماری مدد کر رہا تھا" اس
کے بعد خط میں اسے یہ بھی یاد دلایا گیا تھا کہ شہزادی بیلینا
اب تک ہمارے پاس کیوں نہیں لائی گئی۔ خط میں یہ
دھمکی بھی تھی کہ اس کو ہمارے پاس جلد از جلد لے آ
ورنہ اپنے عبرت ناک حشر کے لئے تیار ہو جا۔ آشوری
نے خط پڑھا اور بھیجنے والے کو ادھر ادھر دیکھا مگر وہاں
کوئی نہ تھا۔ وہ پریشان تھا کہ آخر کیا کرے۔ وہ ساری
باتیں خواجہ حسن کو بتا سکتا تھا لیکن اندیشہ یہ تھا کہ اس
طرح اس کا اعتماد جاتا رہے گا۔

خواجہ حسن شادی کر کے بہت خوش تھا۔ اس نے
شہزادی بیلینا کے چہرے پر پھیکا پن محسوس کیا اور اسے
آشوری کا وہ مشورہ یاد آیا کہ شہزادی کو کھلی فضا میں
رکھا جائے اس طرح اس کی شادابی اور شگفتگی واپس
آجائے گی چنانچہ اس نے شہزادی کو اجازت دے دی کہ
وہ آس پاس کی حدود میں گھوم پھر سکتی ہے۔ جب یہ بات
آشوری کے علم لائی گئی تو وہ فکر مند ہو گیا۔ وہ متذبذب

ہو رہا تھا۔ پہلے تو وہ شہزادی کو باہر لانا چاہتا تھا اور اب اسے اس سے باز رکھنا چاہتا تھا۔

خواجہ حسن نے شہزادی بیلینا سے کہا "میں تیرے چہرے کی تازگی واپس لانا چاہتا ہوں۔"

شہزادی نے جواب دیا "میں خود بھی یاسیت اور افسردگی سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہوں" شہزادی کو گھومنے پھرنے کی اجازت تو مل گئی لیکن اس کے لئے سہ پہر کا مخصوص وقت مقرر کر دیا گیا اور ساتھ ہی چار کنیزیں اور چند سپاہی بھی کر دیئے گئے۔ جب یہ لوگ آشوری کے کارخانے کے سامنے سے گزرے تو آشوری کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ اس نے انہیں روکنا چاہا اور شہزادی سے کہا "اس وقت آپ واپس جائیں۔"

شہزادی کے ساتھ چلنے والے سپاہیوں نے آشوری کو منع کیا کہ وہ شہزادی سے بات نہ کرے کیونکہ یہ معاشرتی آداب کے خلاف ہے۔ آشوری نے سپاہیوں کو آگاہ کیا "میں نے سنا ہے کہ کسی سرپھروں کا ایک دستہ یہاں آیا ہوا ہے اور وہ اچھے ارادے نہیں رکھتا۔"

سپاہی ہنسنے لگے "اتنی بڑی چھاؤنی اور سلطانوں کی موجودگی میں چند سرپھرے سیمیوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔"

آشوری نے تیزی سے خواجہ حسن کے خیمے کا رخ کیا اور جب خواجہ حسن کو یہ بات بتائی تو وہ حیرت سے پوچھنے لگا "یہ بات تو ہمیں معلوم ہونا چاہئے۔ تجھے کس طرح معلوم ہوئی؟" آشوری کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ آشوری تلملایا تلملایا پھر رہا تھا۔ خواجہ حسن اس کی پریشانی محسوس کر رہا تھا۔

آشوری نے اصرار کیا "اچھا آپ یہ تو کر سکتے ہیں کہ شہزادی کی حفاظت کے لئے بیس پچیس سپاہی مزید بھیج دیں۔"

خواجہ حسن نے اس کے بازو پکڑ لئے "بات کیا ہے؟ تو کچھ بتا رہا ہے تو کچھ چھپا رہا ہے۔ سچ بتا کہ آخر بات کیا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں اور میری اس بات پر یقین کریں کہ جارجیا کا بادشاہ شہزادی بیلینا کو یہاں سے اٹھوا لینا چاہتا ہے۔"

خواجہ حسن نے اس کے بازو چھوڑ دیئے اور کہا "اگر کوئی اتنی بڑی بات تیرے علم میں تھی تو تجھے پہلے بتانا چاہئے تھا۔"

آشوری نے بے قراری سے کہا "میں کہہ تو رہا ہوں کہ آپ مجھ سے کوئی سوال نہ کریں اور شہزادی کو بچانے کی فکر کریں۔"

خواجہ حسن ذرا بھی نہ گھبرایا۔ اس نے اپنا گھوڑا منگوایا اور پچاس سپاہی ساتھ لئے۔ آشوری کو بھی ایک گھوڑا دیا اور اس سے کہا "تو بھی ہمارے ساتھ چل۔" آشوری کے دل و دماغ اس کے قابو میں نہیں تھے۔ یہ سب لوگ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے جنگل کے اس پار دریائے ارس کے کنارے روانہ ہو گئے۔

شہزادی بیلینا کھلی فضا میں بڑی فرحت اور تازگی محسوس کر رہی تھی۔ اس کی کنیزیں بھی ہشاش بشاش تھیں۔ دریا کے کنارے اونچی اونچی گھاس کھڑی تھی۔ انہوں نے اپنے گھوڑے چھوڑ دیئے اور پیدل چلنے لگیں۔ نرم گیلی ہوئی زمین ربر کی طرح دب رہی تھی۔ پاؤں میں گدگدی سی محسوس ہو رہی تھی۔ ہندی نژاد لڑکی شہزادی کو بتا رہی تھی کہ اس کے ملک میں بھی دریا ہوتے ہیں اور دلدلی دریاؤں کے کنارے پانی میں خودرو گھاس اگتی ہے اور یہ گھاس اتنی خطرناک ہوتی ہے کہ جب کوئی تیراک اس میں الجھ جاتا ہے تو اس میں سے زندہ نہیں نکلتا۔

شہزادی نے پوچھا "اس ملک میں اور کیا کیا ہوتا ہے؟"

ہندی نژاد لڑکی نے جواب دیا "اونچے اونچے پہاڑ بھی ہوتے ہیں۔ آسمان سے باتیں کرنے والے پہاڑ۔"

شہزادی نے حیرت سے کہا "اچھا۔ کیا تو نے وہ پہاڑ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں؟"

لڑکی نے جواب دیا "میں نے پہاڑیاں تو دیکھی ہیں لیکن پہاڑ نہیں دیکھے۔"

شہزادی کو اس سے باتیں کرنے میں مزہ آ رہا تھا۔ پوچھا "تو نے اونچے پہاڑ کیوں نہیں دیکھے؟"

لڑکی نے جواب دیا "پہاڑ میرے گاؤں سے میرے گھر سے بہت دور تھے۔"

شہزادی نے پوچھا "تجھے اپنا گھر بھی یاد آتا ہے؟"

ہندی نژاد لڑکی افسردہ ہونے کے بجائے کھلکھلا کر ہنس دی۔ جواب دیا "نہیں، گھر میں یاد رکھنے والی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔"

شہزادی کو اس لڑکی کی باتوں میں مزہ آ رہا تھا۔ دوسری کنیزیں ہندی نژاد کنیز سے حسد کر رہی تھیں۔ سپاہی ان سے دور دور چل رہے تھے۔ ہندی نژاد لڑکی شہزادی کو بتا رہی تھی "میرا خاندان کاشتکاری کرتا تھا۔

گزر بسر بڑی مشکل سے ہوتی تھی۔ پھر ایک سال کال (قحط) پڑ گیا' بارش جو نہیں ہوئی تھی۔ میرے باپ نے مجھے ایک سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ سوداگر بردہ فروشی کرتا تھا۔ اس نے ایران میں مجھے لائق استادوں کے حوالے کر دیا۔ وہاں میں نے درباروں سرداروں کے آداب سیکھے اور رقص و موسیقی کی تربیت لی۔ انہی سے میں نے ساقی گری کا فن حاصل کیا اور پھر دوبارہ فروخت ہو کر آپ کے شوہر خواجہ حسن کے پاس آ گئی۔"

انہی باتوں کے درمیان ایک اجنبی اس کے پاس آیا اور شہزادی سے پوچھا "جارجیا کی شہزادی ہیلینا آپ ہی ہیں؟"

شہزادی نے جواب دیا "میں سلطان الپ ارسلان کے وزیر خواجہ حسن کی بیوی ہوں۔"

اجنبی نے اپنی بات پر اصرار کیا "آپ شہزادی ہیلینا ہیں!"

ہندی نژاد کنیز نے شہزادی کی طرف سے جواب دیا "تو کون ہے؟ انہیں تنگ نہ کر۔ یہ خواجہ حسن کی بیوی ہیں۔"

کسی طرف سے پانچ اجنبی اور آ گئے اور پہلے اجنبی سے پوچھا "کیا بات ہے؟"

اجنبی نے شہزادی کی طرف اشارہ کیا "یہ شہزادی ہیلینا ہے۔ جارجیا کے بادشاہ شاہ قراط کی بھتیجی۔ لیکن اس سے انکار کر رہی ہے۔"

شہزادی اور اسکی کنیزوں نے آگے نکل جانا چاہا لیکن پانچوں اجنبیوں نے ان کا راستہ روک لیا "اگر یہ شہزادی ہیلینا ہے اور تجھے اس کی ضرورت ہے تو اسے اٹھا لے۔ ڈر کس کا ہے۔"

کسی دوسرے نے مشورہ دیا "اگر یہ کوئی اور بھی ہے تو ہمارے پاس وہ لوگ بھی ہیں جو شہزادی ہیلینا کو پہچانتے ہیں' اسکے پاس لے چلو۔ وہ دیکھ کر بتا دیں گے کہ یہ کون ہے۔"

اچانک شہزادی کے سپاہیوں نے ان پر حملہ کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے تین کو قتل کر دیا۔ بقیہ سپاہیوں سے مقابلہ کرنے لگے۔ ترک سپاہیوں نے شہزادی اور اسکی کنیزوں سے کہا "آپ دریا کی طرف چلی جائیے۔ ہم انہیں جہنم واصل کرتے ہیں۔"

کئی اجنبی اب بھی بچ تھے' وہ نہ جانے کہاں سے آ رہے تھے۔

شہزادی اور کنیزیں دریا کے کنارے چلی گئیں۔ ترکوں نے عیسائیوں کو روک دیا۔ وہ اپنی جان لڑا کر عیسائیوں کو روک رہے تھے۔ اچانک عیسائیوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ وہ دس ہو گئے تھے۔ ترک سپاہی اس اضافے سے اور پریشان ہو گئے۔

عیسائی چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے "ان چاروں کو مار دو اور شہزادی کو اسکی کنیزوں سمیت اٹھا لے چلو۔" عیسائیوں میں اب دس آدمی اور شامل ہو گئے۔ اب چار ترکوں کی حیثیت ہی کیا تھی۔ عیسائی ہنس رہے تھے اور مسلمانوں کا مذاق اڑا رہے تھے۔

شہزادی کو بھی یقین ہو گیا تھا کہ اگر عیسائیوں کی تعداد میں اسی طرح اضافہ ہوتا رہا تو اسکا محفوظ رہنا ناممکن ہو جائے گا۔ اس نے اپنی کنیزوں سے کہا "میں دریا میں ڈوب مروں گی مگر جارجیا واپس نہیں جاؤں گی۔ یہ سارا ہنگامہ مجھے جارجیا واپس لے جانے کے سلسلے میں ہو رہا ہے۔"

اس دوران خواجہ حسن اور اس کے سوار بھی وہاں پہنچ گئے۔ شہزادی سمجھی کہ پچاس ساٹھ عیسائی اور آ گئے لیکن کنیزوں نے مسلمانوں کو ان کے لباس سے پہچان لیا۔ ہندی نژاد کنیز نے شہزادی کو مبارک باد دی "مبارک ہو شہزادی کہ مسلمان آ گئے۔" چاروں ترک سپاہی زخمی ہو چکے تھے اور تھک بھی چکے تھے۔ خواجہ حسن کے اچانک وہاں پہنچنے سے ان کی ہمت اور بڑھ گئی اور وہ زخمی ہونے کے باوجود جوش و خروش سے لڑنے لگے۔

عیسائیوں نے جب پچاس ساٹھ مسلمانوں کو مقابلے پر آتا دیکھا تو ان کی ہمت جواب دے گئی۔ انہوں نے آہستہ آہستہ پسپائی اختیار کی۔ آشوری نے جنگ میں حصہ نہیں لیا' وہ شہزادی کے پاس چلا گیا۔

ہندی نژاد کنیز نے آشوری سے کہا "تو یہاں عورتوں میں کیوں چلا آیا؟ جا کر دشمنوں کا مقابلہ کر۔"

آشوری نے جواب دیا "میرے پاس ہتھیار نہیں ہیں۔"

کنیز نے پوچھا "ہتھیاروں کے بغیر تو یہاں آیا ہی کیوں؟"

عیسائی فرار ہو رہے تھے۔ خواجہ حسن نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا "ان کے دو چار آدمی ضرور گرفتار کر لیے جائیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ یہ کون ہیں اور انہوں نے ایسا کیوں کیا؟"

لیکن فرار ہونے والے گرفتار نہیں کیے جا سکے البتہ نو عیسائی مقتول پڑے تھے۔

خواجہ سیدھا شہزادی کے پاس گیا اور اسکی خیریت دریافت کی مگر جب شہزادی کے قریب آشوری کو دیکھا تو حیرت سے پوچھا "تو یہاں کیا کر رہا ہے؟"

ہندی نژاد کنیز نے طنز کیا "ہماری طرح یہ بھی ہتھیاروں کے بغیر چلا آیا تھا۔"

خواجہ حسن نے خدا کا شکر ادا کیا اور شہزادی سے کہا "یہ آشوری جوان ہی کی مہربانی ہے جو ہم بروقت یہاں پہنچ گئے۔ اس نے ہمیں ان عیسائیوں کی خبر دی تھی۔"

شہزادی نے کہا "اب ہوا خوری بند' آئندہ میں باہر نہیں نکلوں گی۔"

سلطان سپاہی دور کھڑے آپس میں باتیں کر رہے تھے اور ہر کوئی ایک دوسرے سے یہی پوچھ رہا تھا "یہ کون تھے اور یہاں کیوں آئے تھے؟"

ایک ترک نے اپنے ساتھیوں کو حیرت انگیز خبر دی "حملہ آوروں میں مسیحی طبیب بھی تھا۔" مگر کسی کو اس ترک کی بات پر یقین نہیں آیا۔ یہ ترکوں کے مشہور سردار سعد اللہ گوہر آئین کا غلام تھا اور خواجہ حسن کو ادھر آتے دیکھ کر ساتھ ہو لیا تھا۔ خواجہ حسن نے گوہر آئین کے غلام کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ دبلا پتلا نحیف الجثہ یہ غلام خواجہ حسن کے سامنے کھڑا اسے یہ یقین دلا رہا تھا۔۔ "میں نے آپ کے طبیب کو عیسائی مفروروں میں دیکھا ہے۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "پہلی بات تو یہ کہ تو ہمارے ساتھ کس طرح آ گیا؟"

غلام نے جواب دیا "میں نے آپ کو عجلت میں آتے دیکھا تو میں بھی آپ کے آدمیوں میں شامل ہو گیا۔"

خواجہ حسن کو اس کمزور غلام پر ہنسی آ رہی تھی "واپس چل کے شکرانے کی نماز ضرور ادا کرنا اگر ہوا تیز ہوتی تو اب تک اُڑ چکا ہوتا۔" لوگ ہنسنے لگے اور غلام شرمندہ ہو گیا۔

خواجہ حسن نے آشوری سے کہا "اس غلام کی بات غور طلب ہے ویسے میں تجھ سے بات کروں گا۔"

خواجہ حسن نے چھاؤنی میں پہنچ کر سلطان سے درخواست کی "کہ شاہر اسماعیل کے مقدمے کا فیصلہ کر دیا جائے۔" سلطان کو حیرت ہوئی کہ وزیر کو اچانک شاہر اسماعیل کا خیال کیسے آ گیا! پوچھا "خیریت تو ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "اس مقدمے سے میں یہ سمجھنا چاہتا ہوں کہ آشوری ہنر مند بہروز اور شاہر اسماعیل میں کوئی قدرِ مشترک موجود ہے یا نہیں۔"

سلطان نے جواب دیا "استاذ محترم! میں نے شاہر کے مسئلے کو قصداً التوا میں ڈال دیا ہے۔ آشوری یہاں کیوں آیا تھا' یہ میں جانتا ہوں مگر وہ ایک کار آمد ہنر مند ہے۔ اس پر یہ الزام بھی ہے کہ اس نے جعلی سکے بنائے تھے وہ آرمینیا واپس نہیں جا سکتا۔ آشوری نے مجھ سے یہ کہا تھا کہ شاہر اسماعیل کو معاف کر دوں۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ آپ نے وعدہ کیا ہے کہ آپ میری ایک یعنی کوئی ایک خواہش ضرور پوری کریں گے۔ میں نے اس کی یہ خواہش پوری کر دی' اب اس پر مقدمہ نہیں چلے گا۔"

خواجہ حسن نے سلطان کی اعلیٰ ظرفی کی بڑی تعریف کی۔ "آپ نے تو کمال ہی کر دیا میں ابھی تک کچھ اور ہی سمجھتا رہا۔"

سلطان نے خواجہ کو یقین دلایا "آشوری بے ضرر جوان ہے۔ اب وہ ہمارا آدمی ہے۔"

خواجہ حسن نے عیسائیوں کی شرارت کا ذکر کیا "آج انہوں نے شہزادی کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔"

سلطان نے جواب دیا "ایسا ممکن نہیں تھا کیوں کہ میں نے سرحدوں کی ناکابندی کر رکھی ہے۔"

خواجہ حسن کو سلطان سے گلہ پیدا ہو گیا "جب یوں ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب میں سلطان کے کئی معاملات میں شامل نہیں رہا۔"

سلطان نے جواب دیا "یہ بات نہیں ہے استاذ محترم میں نے آپ کی شادی کی وجہ سے آپ کو فرصت دے رکھی ہے۔ عنقریب عیسائیوں سے جو معرکہ پیش آنے والا ہے آپ اس میں شریک نہیں ہوں گے۔ میں آپ کو اپنے خاندان کے ہمراہ تبریز یا ہمدان بھیج دوں گا۔ آپ یہاں میرے ساتھ نہیں رہیں گے۔"

خواجہ حسن کو دھچکا سا لگا "تو میں جہاد میں حصہ نہیں لے سکوں گا۔"

سلطان نے جواب دیا "ہاں کیوں کہ میں اپنی خواتین اور شہزادوں کے معاملے میں کسی اور پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔"

خواجہ حسن اداس ہو گیا۔

سلطان نے مزید کہا "آپ نہیں جانتے کہ عیسائیوں نے سمندری ساحل سے دراندازی شروع کر دی ہے۔ حلب اور اس کے آس پاس جنگ بھی ہو چکی ہے۔ وہاں مسلمانوں کو شکست بھی ہو چکی ہے۔ میری مجبوری یہ ہے کہ میں یہاں سے ہٹ نہیں سکتا۔ کیونکہ میرے ہٹنے سے تیاریوں میں خلل پڑے گا۔ میں یہیں آس پاس سے حملہ آوروں کو جواب دینا چاہتا ہوں۔"

خواجہ حسن نے سلطان کو آشوری کے بارے میں مشورہ دیا۔ "آشوری سرحل سکی ہے۔ اس سے ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔"

سلطان نے جواب دیا "آپ جانے سے پہلے ایسا انتظام کریں کہ آشوری ہم میں موجود رہے۔ وہ بہت کار آمد نوجوان ہے۔"

خواجہ حسن نے کہا "آپ اس کی فکر نہ کریں۔ میں نے آشوری کو ایک ایسی جھلک دکھلا دی ہے کہ اب وہ ہمیں نہیں

چھوڑے گا۔"

سلطان نے اسکے ذمے ایک اور اہم کام کر دیا "جانے سے پہلے آپ کو اپنی فوج سے ان سپاہیوں کا انتخاب کرنا ہے جو اس خطرناک جنگ میں میرے ساتھ رہیں گے۔ سعد اللہ گوہر آئین سپاہیوں کو آپ کے سامنے پیش کرے گا اور آپ انہیں قبول اور مسترد کریں گے۔" خواجہ حسن نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ وہ سلطان کے پاس سے سیدھا آشوری کے پاس گیا۔

آشوری کارخانے میں اپنے منصوبے پر کام کر رہا تھا۔ خواجہ حسن وہاں پر زیرِ تکمیل کام کو دیکھتا رہا۔ آشوری اپنے کام میں اتنا مشغول تھا کہ اُسے خواجہ حسن کی آمد کا علم ہی نہ ہوا۔

کسی کارکن نے آشوری کو آہستہ سے بتایا۔ "خواجہ حسن وزیر تشریف لائے ہیں۔" آشوری نے دیکھا وزیر سہ منزلہ منجنیق کو بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ آشوری دوڑ کر وزیر کے پاس پہنچا اور معذرت کرنے لگا "وزیرِ محترم۔ میں نے آپ کو دیکھا نہیں آپ کب تشریف لائے؟"

خواجہ حسن نے منجنیق کی جسامت کے پیشِ نظر سوال کیا۔ "اس کو میدانِ جنگ تک کھینچ کر لے جانے کے لئے کتنے مویشی درکار ہوں گے؟"

آشوری نے جواب دیا "میں کوئی حتمی اور قطعی تعداد تو نہیں بتا سکتا لیکن ایک اندازے کے مطابق تقریباً پانچ سو بیل ضرور درکار ہوں گے۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "یہ کام کب تک ہو جائے گا؟"

آشوری نے جواب دیا "تقریباً پندرہ دن اور لگیں گے۔"

خواجہ حسن نے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی نہ ہی اس کی خدمات کو سراہا فقط اتنا کہا 'کام کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔

آشوری نے اس کو مختلف جگہوں پر ہوتا ہوا کام دکھایا۔ یہاں ہزاروں محنت کشوں نے اپنی اپنی ذمے داریاں سنبھال رکھی تھیں۔

خواجہ حسن آشوری کو کارخانے سے باہر لایا اور اسے بتایا۔ "میں کچھ دنوں کے لئے یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میری عدم موجودگی میں تیرا واسطہ سلطان سے رہے گا یا پھر کسی ایسے امیر سے جو سلطان کا مقرر کیا ہوا ہو۔"

آشوری کو اس خبر سے دکھ پہنچا "آپ اکیلے جائیں گے یا ...؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میرے ساتھ شہزادی ہیلینا بھی جائے گی اور شہزادی کے ساتھ اس کی کنیزیں بھی۔"

آشوری اداس ہو گیا "حالانکہ یہاں آپ کی بڑی ضرورت ہے اور سلطان آپ کے بغیر کس طرح۔"

خواجہ حسن نے بات کاٹ دی "تو نے سلطان سے شاہر اسماعیل کو معافی دلا دی مگر میں اس سے لاعلم رہا۔ آئندہ کوئی کام اس طرح نہیں ہونا چاہئے۔"

آشوری نے معذرت کی "میں یہ بات آپ کو بتا دیتا مگر...."

خواجہ حسن نے کہا "اگر مگر کی کوئی ضرورت نہیں تو ایک اچھا انسان ہے۔ تجھ میں خامیاں بھی ہیں اور خوبیاں بھی مگر خوبیاں زیادہ ہیں۔"

آشوری نے عرض کیا "میں آئندہ خیال رکھوں گا۔"

خواجہ حسن نے کہا "میں جا رہا ہوں۔ مجھ سے مل لینا اور آئندہ ایسا کوئی کام نہ کرنا جس سے تو میرے اعتماد سے محروم ہو جائے۔" خواجہ حسن آشوری کو فکر مند اور اداس چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ خواجہ کو اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ نظر آتا رہا۔

*

فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ سعد اللہ گوہر آئین فوجیوں کو دیکھتا پھر رہا تھا۔ فوجی اس کے آگے پیچھے پھر رہے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس وقت سعد اللہ گوہر آئین کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ ہر ایک فوجی اس کے رحم و کرم پر تھا۔ وہ جس کو چاہتا خواجہ حسن کے سامنے پیش کرتا اور جسے پیش نہ کرنا چاہتا اسے خواجہ کے سامنے ہی نہ لے جاتا۔ گوہر آئین نے ایسے فوجیوں کو جو ہر لحاظ سے فوجی تھے انہیں مستثنیٰ قرار دے دیا تھا اور ان کو خواجہ حسن کے سامنے لے جانا ضروری نہیں تھا۔

سعد اللہ گوہر آئین خواجہ کے سامنے آدمی پیش کرتا اور ان کا چند الفاظ میں تعارف کراتا "یہ ترکوں کے اس قبیلے سے تعلق رکھتا ہے جو کاشغر کے شمالی حصہ میں آباد ہے۔" خواجہ اس کے ڈیل ڈول اور قد و قامت کو دیکھ کر اسے کامیاب قرار دے دیتا۔ سعد اللہ گوہر آئین نے کچھ دیر بعد ایک ایسا جوان پیش کیا جو ایک ہاتھ سے معذور تھا۔ خواجہ حسن نے پوچھا "یہ کس طرح جنگ میں حصہ لے گا یہ ایک ہاتھ سے تو معذور ہے۔"

سعد اللہ نے اس کی حمایت کی "اس کا جذبۂ جلو دینی ہے۔ یہ اپنے پیروں کی مدد سے تیر اندازی کر سکتا ہے۔"

خواجہ حسن نے پوچھا "وہ کس طرح؟ ذرا میں بھی تو دیکھوں۔"

سعد اللہ نے ایک ہاتھ سے معذور کو کمان دے دی ترکش اس کے پاس رکھ دیا اور کہا "تو تیر اندازی کا مظاہرہ کر انشاءاللہ تو جلد میں ضرور حصہ لے گا۔"

فوراً ہی معذور ترک نے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کی مدد سے تیر اندازی شروع کر دی اور مظاہرہ اتنی تیزی اور سرعت سے ہوا کہ خواجہ حسن دنگ رہ گیا۔

خواجہ نے اسے قبول کرلیا "تو اس جلا میں ضرور حصہ لے گا۔" اور ایک موٹے ترک کو خواجہ نے اس لئے قبول نہیں کیا کہ اس نے قطار سے نکل کر خواجہ حسن تک پہنچنے میں بڑی سستی کا مظاہرہ کیا تھا۔ دوپہر تک سعد اللہ گوہر آئین اور خواجہ حسن شل ہوگئے۔ کام تیسرے پہر پر موقوف ہوگیا۔ خواجہ حسن اپنے خیمے میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ آشوری کئی چکر لگا چکا ہے۔

خواجہ حسن نے حیرت سے پوچھا "وہ کیوں؟ اسے تو معلوم ہے کہ میں کہاں مشغول ہوں۔"

ہندی نژاد کنیز نے جواب دیا "میں نے بھی ہر بار اسے یہی جوب دیا کہ آپ سپاہیوں کے انتخاب میں مشغول ہیں' وہیں چلے جاؤ۔"

خواجہ حسن مسکرایا "تو اس کو ہر بار تونے یہی جواب دیا۔"

کنیز نے جواب دیا "جی جناب۔"

خواجہ نے کہا "پھر تو وہ بار بار آئے گا؟"

کنیز بھی ہنسنے لگی "میں اسے سمجھادوں گی۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "نہیں' اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آتی رہ۔ وہ برا انسان نہیں ہے۔"

شہزادی نے بھی آشوری کی آنکھوں میں وہ جذبہ محسوس کرلیا تھا جو عاشق ہی میں پیدا ہوتا ہے۔ اس نے اپنے شوہر کو خبردار کیا "آشوری یہاں بار بار کیوں آتا ہے؟ میں جانتی ہوں' وہ اس کنیز کو پسند کرنے لگا ہے۔"

خواجہ حسن نے جواب دیا "میں بھی جانتا ہوں اور یہ اچھی بات ہے۔"

ہندی نژاد کنیز نے آشوری کا مذاق اڑایا "اس احمق کو اپنے حواس میں رہنا چاہئے۔ اب میں اس کے سامنے نہیں جاؤں گی۔"

خواجہ حسن نے اسے سمجھایا "لڑکی میں تیری وجہ سے اس لائق ہوگیا کہ آشوری سے کام لیتا رہوں ورنہ وہ بھاگ جاتا۔"

کنیز نے جواب دیا "لیکن میں اسے پسند نہیں کرتی۔" ان باتوں کے دوران آشوری پھر آگیا۔

خواجہ حسن نے ہندی نژاد کنیز سے کہا "تو اسے متصل خیمے میں بٹھادے اور اس سے اس وقت تک باتیں کرتی رہ جب تک میں نہ آجاؤں۔" کنیز نے خواجہ حسن کے حکم کی تعمیل کی اور آشوری کے پاس پہنچ گئی اور اس سے بے ڈھب باتیں کرنے لگی۔ اس نے آشوری سے پوچھا "کیا تم یہ نہیں جانتے تھے کہ خواجہ حسن باہر مصروف ہیں پھر خواجہ کی تلاش میں یہاں کیوں آئے؟"

آشوری نے کنیز سے پوچھا "تو مجھ سے سوالات ہی کرتی رہے گی یا مجھے کہیں بٹھائے گی بھی؟"

کنیز نے جواب دیا "تو جس سے ملنا چاہتا ہے وہ موجود ہی نہیں پھر تجھے کیوں بٹھایا جائے۔"

آشوری خود ہی بیٹھ گیا "یوں تو تو بڑی چالاک اور ہوشیار ہے مگر اتنی سی بات تیری سمجھ میں نہیں آئی کہ میں یہاں خواجہ کے لئے نہیں تیرے لئے آتا ہوں۔"

کنیز کو بڑی حیرت ہوئی "میرے لئے وہ کیوں؟"

آشوری نے جواب دیا "ہاں' تیرے لئے۔ تیری کیوں کا میں کیا جواب دوں۔"

کنیز نے کہا "شاید تیری شامت آئی ہے۔ اب تو جاسکتا ہے۔"

آشوری ہلا تک نہیں۔ بدستور بیٹھا رہا "ہندی دوشیزہ اس وقت تو میں چلا جاؤں گا لیکن میں نے تجھ سے اپنی محبت کا ذکر کردیا ہے تو اب تیرے لئے برباد ہونا بھی گوارا کرلوں گا۔"

خیمے میں اچانک خواجہ حسن داخل ہوا تو کنیز گھبرا کر جانے لگی اور آشوری کھڑا ہوگیا۔

خواجہ حسن نے کراہیت سے دونوں کو دیکھا اور کنیز سے پوچھا "تو یہاں کیا کررہی ہے؟"

کنیز کوئی جواب نہ دے سکی تو یہی سوال خواجہ نے آشوری سے کردیا "تو یہاں کیوں بیٹھا ہے اور کیا کررہا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا "آپ کا انتظار کررہا تھا۔"

خواجہ حسن نے کہا "جب میں یہاں نہیں تھا تو میری کنیز کو روک کر میرا انتظار کرنے کا مطلب؟"

آشوری مرعوب ہوچکا تھا "میں آپ کے پاس کئی بار آچکا ہوں۔"

خواجہ نے ترش لہجے میں کنیز کو اندر جانے کا حکم دیا "تو اندر جا آئندہ میں تجھے اس طرح نہ دیکھوں۔"

اس کے بعد آشوری سے پوچھا "مجھ سے کیا کام ہے؟"

آشوری کو کوئی کام تو تھا نہیں ہکلا ہکلا کر ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔

خواجہ نے دیکھا' آشوری اندر جاتی ہوئی کنیز کو بڑی بے قراری سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا "ان دنوں میں بہت زیادہ مصروف ہوں اس کے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔ تو اپنا کام کرتا رہ۔" آشوری خاموش تھا اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا۔

خواجہ حسن نے کہا "اب تو جاسکتا ہے اور یہ بات یاد رکھ' جب میں خیمے میں نہ ملوں تو تو یہاں بیٹھ کر میرا انتظار نہیں کرے گا۔"

آشوری چلا گیا تو خواجہ حسن اندر جا کر ہنسنے لگا "آشوری بزدل بھی ہے۔ وہ عشق بھی نہیں کر سکتا۔ وہ ڈرتا ہے۔"

ہندی نژاد کنیز بھی ہنس رہی تھی۔ کہنے لگی "وہ مجھ سے اپنے عشق کا اعتراف کر رہا تھا۔"

خواجہ حسن مسکرایا "پھر تو نے کیا کہا؟"

کنیز نے جواب دیا "میں نے اسے ڈانٹ دیا۔"

خواجہ حسن نے کہا "عشق کرنا بری بات نہیں ہے۔ یہ تو ہو جاتا ہے لیکن یہ بزدلوں کو زیب نہیں دیتا۔"

خواجہ حسن کو سلطان کی طرف سے یہ حکم ملا کہ اپنے سارے کام نمٹا کر خواجہ حسن سلطان کی خواتین اور کمسن شہزادوں کو ساتھ لے کر ہمدان چلا جائے۔ خواجہ حسن نے سعد اللہ گوہر آئین کو حکم دیا کہ وہ سپاہیوں کو خواجہ کے ملاحظہ کے لئے پیش کرے چنانچہ سپاہیوں کا ایک ہجوم خواجہ کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔

سعد اللہ گوہر آئین ملاحظے کے لئے ایسے آدمی بھی پیش کر رہا تھا جو دیکھنے میں فوج کے لائق نہیں تھے۔ خواجہ حسن اعتراض کرتا اور سعد اللہ گوہر آئین اس کی وکالت کرتا اور طرح طرح کی دلیلیں دے کر اسے ہر طرح اہل قرار دے دیتا۔

سعد اللہ گوہر آئین نے خواجہ حسن کے سامنے ایک نحیف الجثہ مخنی سے جوان کو کھڑا کر دیا اور خواجہ سے اس کی پر زور سفارش کی "اسے ضرور لینا ہے۔"

خواجہ حسن نے اسے غور سے دیکھا اور پوچھا "تو وہی تو نہیں جس نے حملہ آور عیسائیوں میں میرے مسیحی طبیب کو دیکھا تھا؟"

اس نے تائید میں سر ہلایا اور کہا "ہاں میں وہی ہوں اور میں نے آپ کے طبیب کو بالکل صحیح پہچانا تھا۔"

خواجہ حسن ہنسنے لگا "میں تجھے جھٹلاؤں گا نہیں لیکن سچ بتا کیا تو فوج کے لئے مناسب ہو سکتا ہے؟"

سعد اللہ گوہر آئین نے اس کی سفارش جاری رکھی "یہ میرا مملوک ہے اس لئے میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ شخص ہر طرح مناسب اور معقول ہے۔"

خواجہ حسن نے مملوک سے پوچھا "تو فوج میں کیا کرے گا؟ تو تو ہوا کے زوردار جھونکے کو بھی برداشت نہیں کر سکتا۔"

مملوک نے جواب دیا "آپ میرا مذاق نہ اڑائیں۔ میں فوج میں بھرتی کا اہل ہوں۔"

خواجہ حسن مسکرا دیا "تو اصرار کر رہا ہے اور تیرا آقا سعد اللہ گوہر آئین تیری سفارش کر رہا ہے تو میں بھی اب یہ سوچ رہا ہوں کہ قسطنطنیہ کا قیصر شاید تیرے ہی ہاتھوں گرفتار ہو گا۔"

مملوک کو افسوس ہوا "آپ میرا مذاق تو نہ اڑائیں۔"

خواجہ نے اسے فوج میں شامل کر لیا اور کہا "میں تیرا مذاق نہیں اڑا رہا شاید سچی بات کہہ رہا ہوں۔"

سعد اللہ گوہر آئین نے خواجہ کا شکریہ ادا کیا "آپ کی مہربانی کہ آپ نے میرے مملوک کو فوج میں شامل کر لیا۔ اللہ نے چاہا تو یہ ہمیں مایوس نہیں کرے گا۔" شام تک خواجہ نے ہزاروں سپاہیوں کا انتخاب کر لیا۔ پھر سعد اللہ گوہر آئین نے فوج کا شمار کیا تو معلوم ہوا کہ سلطان کے پاس پندرہ ہزار سپاہی موجود ہیں۔ بہترین سپاہی۔

سلطان نے اپنے امراء اور فوجی سرداروں کو ہر وقت تیار رہنے کا حکم دیا اور... نجوان کو چھوڑ کر خوی کا رخ کیا۔ یہ جگہ اس اعتبار سے بڑی اہم تھی کہ یہاں سے حملہ آوروں پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ اس کے کارخانے اور کارندے بدستور نجوان میں ہی رہے۔ بس سلطان اور اس کی فوج خوی نامی قصبے کے سامنے ایک میدان میں فروکش ہو گئی۔ سلطان کو اس کے مخبروں نے یہ خبر دی تھی کہ قیصر اپنی افواج کے ساتھ قسطنطنیہ سے سمندری راستے سے روانہ ہو چکا ہے اور وہ شاید طلب سے دس فرسخ شرق میں منج نامی ساحلی شہر میں اترے گا۔ سلطان اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکتا تھا کیوں کہ اگر وہ اپنی جگہ چھوڑ کر رے یا کہیں اور جاتا تو آس پاس کے زیر نگیں حکمراں یہ سمجھتے کہ سلطان قیصر کے خوف سے کہیں فرار ہو گیا۔

سلطان نے خواجہ حسن کو ہمدان جانے کا حکم دیا اور اس کی ساری ذمے داریاں خود سنبھال لیں۔ شہزادے ملک شاہ کو حکم دیا گیا کہ وہ کارخانوں کی نگرانی کرے اور ان کی کارکردگی کو شاندار بنائے۔ خواجہ حسن نے شہزادے کو آشوری جوان اور دوسرے کارکنوں سے ملا دیا اور انہیں بتایا کہ اب شہزادہ ملک شاہ ان سے کام لے گا۔

خواجہ حسن نے آشوری کو اپنے خیمے میں بلا کر بڑی ہدایتیں دیں۔ اس نے کہا "کام پہلے سے زیادہ مستعدی اور چوکسی سے کرنا اور اب میں تجھے رے یا ہمدان میں بلواؤں گا۔"

آشوری کو خواجہ حسن کی مفارقت کا بڑا دکھ تھا۔ اس نے کہا "اب میرا کام میں دل نہیں لگے گا۔" خواجہ حسن نے آشوری کو اپنے دسترخوان پر جگہ دی اور ہندی نژاد کنیز انہیں کھانا کھلاتی رہی۔ آشوری جوان کنیز کو کن انکھیوں سے آتا جاتا دیکھتا رہا اور خواجہ حسن اس کی چوری پکڑتا رہا۔

خواجہ حسن نے کہا "ابھی تو آزمائشوں سے گزر رہا ہے۔ فکر نہ کر۔ تجھ کو تیرے کام کا جو صلہ مل رہا ہے آئندہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ملے گا۔ آشوری کی زبان پر یہ بات آتے آتے رہ گئی کہ اس کو انعام میں یہ ہندی نژاد کنیز بخش دی جائے۔

خواجہ حسن نے کنیز سے پوچھا "تو آشوری کو دیکھ رہی ہے یہ بہت ہنر مند جوان ہے۔ پہلے تو میں نے یہ سوچا تھا کہ تجھے آشوری کے پاس چھوڑ جاؤں کہ تو اسے کھانا پکا کر کھلاتی رہے مگر افسوس کہ شہزادہ ملک تجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔"

آشوری کا دل زور زور سے دھڑک کر رک سا گیا۔ کہا "اگر آپ مجھ پر یہ مہربانی کرتے تو میں زندگی بھر آپ کا شکر گزار رہتا۔"

خواجہ حسن نے معذرت کی "تو پریشان مت ہو، یہ موقع تجھے پھر ملے گا۔"

آشوری نے عرض کیا "میرا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ آپ اپنے ساتھ مجھے بھی لے چلیں۔"

خواجہ حسن نے وعدہ کیا "ابھی تو نہیں لیکن میں تجھے مایوس نہیں کروں گا۔" خواجہ حسن کسی کام سے دوسرے خیمے میں گیا۔ اس موقع سے دونوں نے فائدہ اٹھایا۔ آشوری نے کنیز سے فوراً سوال کیا "کیا تو مجھے یاد کرے گی؟"

کنیز نے کہا "نہیں میں کیوں یاد کروں گی تجھ کو۔"

آشوری نے کہا "لیکن میں تجھے برابر یاد کرتا رہوں گا اور ایک نہ ایک دن۔۔۔"

خواجہ حسن دوبارہ آ گیا اور بولا "میری سلطان سے بات ہو چکی ہے شاید وہ تجھ سے کوئی اور اہم کام لینا چاہتا ہے۔"

آشوری نے جواب دیا "میں سلطان کا ہر کام کر سکتا ہوں، ہر کام۔"

خواجہ حسن نے کہا "تو ہر کام کر سکتا ہے۔ یہ بات میں جانتا ہوں لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔" خواجہ حسن کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

خواجہ حسن کی روانگی سے پہلے آشوری نے بڑی ہمت سے کام لیا اور وہ سلطان کے پاس چلا گیا۔ سلطان اس وقت کارخانے میں تیر بنتے دیکھ رہا تھا۔ شہزادہ ملک شاہ سلطان کے ساتھ تھا۔ اس نے یہاں ایک طرف آشوری کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ سلطان کو بڑی حیرت ہوئی اور شہزادے سے پوچھا "یہ آشوری یہاں کیا کر رہا ہے؟"

شہزادے نے لاعلمی ظاہر کی اور جواب دیا "یہ میں اس سے پوچھ کر بتاؤں گا۔"

شہزادہ آشوری کے پاس آیا اور پوچھا "تو یہاں کیوں آیا ہے؟"

آشوری نے سلطان کی طرف اشارہ کیا "میں سلطان سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

شہزادے نے کہا "لیکن وہ یہاں تجھ سے کوئی بات نہیں کریں گے۔"

ان دونوں کی باتیں سلطان نے بھی سن لیں۔ اس نے شہزادے سے کہا "آشوری کو میرے قریب آنے دے۔"

شہزادے نے آشوری سے کہا "تجھ کو مبارک ہو۔ سلطان نے تیری بات سن لی۔" بجائے اس کے کہ آشوری سلطان کے پاس جاتا سلطان خود آشوری کے پاس پہنچ گیا۔ پوچھا "کیا بات ہے، تو مجھ سے کیا بات کرنا چاہتا ہے؟" آشوری شرمیلا تھا۔ کوشش کے باوجود وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

سلطان نے اسے حوصلہ دیا "ہاں ہاں کہہ ڈال شرما مت۔ کیا بات ہے؟"

آشوری نے عرض کیا "میں نے منصوبے کو مکمل کر دیا ہے۔ اب جو کام ہو رہا ہے اس کے لئے میری چنداں ضرورت نہیں ہے۔"

سلطان نے پوچھا "کیا تو یہاں سے جانا چاہتا ہے؟"

آشوری نے عرض کیا "نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں نے سلطان کا دامن عافیت تھاما ہے تو اب یہ زندگی بھر نہ چھوٹے گا مگر۔۔۔؟"

سلطان نے پوچھا "مگر۔۔۔ مگر کیا؟ میں نے کہا تو شرما نہیں اپنا مدعا بیان کر دے۔"

آشوری نے کہا "مجھ پر خواجہ حسن کے بڑے احسانات ہیں۔ میں خواجہ وزیر کے ساتھ ہمدان جانا چاہتا ہوں۔ مجھے ان کے ساتھ جانے کی اجازت دی جائے۔"

"خواجہ حسن میرا استاد، میرا اتالیق اور معلوم نہیں میرا کیا کچھ ہے۔ بلاشبہ وہ ایک شاندار انسان ہے لیکن تیری ضرورت تو مجھے ہے" سلطان نے کہا۔

آشوری نے پھر وہی بات دہرائی "مگر میں اپنے منصوبے کا کام مکمل کر چکا ہوں۔"

سلطان نے مسرت کا اظہار کیا "یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ تیرے لیے میرے پاس ابھی کئی کام ہیں۔ نہایت اہم اور ضروری کام۔"

آشوری کا دم گھٹنے لگا "میں سلطان کا غلام ہوں لیکن ابھی مجھے خواجہ حسن کے ساتھ جانے دیا جائے۔"

سلطان نے جواب دیا "اچھا، اس وقت تو تو جا یہاں سے۔ اس موضوع پر میں پھر بات کروں گا۔" اور شہزادے ملک شاہ سے کہا "اس کو آج رات خیمے میں بلانا وہیں بات ہو جائے گی۔"

شہزادے نے سلطان کا پیغام آشوری کو پہنچا دیا۔

●

آشوری کا دل ڈوب رہا تھا۔ وہ شام ہی سے خوی کی طرف روانہ ہو گیا۔

سلطان بہت مصروف ہو چکا تھا۔ اس کے خیمے تک بآسانی نہیں پہنچا جا سکتا تھا۔ اس کو کافی دور روک لیا گیا اور اس سے کہا گیا کہ سلطان سے اجازت لینے کے بعد ہی اسے وہاں جانے دیا جائے گا۔ وہ کافی پہرے داروں کے درمیان بٹھا لیا گیا۔

گھوڑوں پر سوار آنے جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ اندھیرا پھیل گیا اور اونچے اونچے بانسوں پر چراغ جل گئے۔

وہ اپنے گھوڑے کے آگے ایک پتھر پر ٹکا ہوا تھا۔

اچانک پہرے دار مستعد ہو گئے اور سرگوشیوں میں ایک دوسرے کو بتانے لگے کہ شہزادہ ملک شاہ آ رہا ہے۔

آشوری ایک دم کھڑا ہو گیا اور خود کو شہزادے کے گھوڑے کے سامنے گرا دیا۔

شہزادے نے گھوڑا روک دیا اور پہرے داروں سے پوچھا "یہ کون ہے؟"

آشوری نے دُہائی دی "شہزادے۔ میں آشوری ہوں۔ آپ کے یہ پہرے دار مجھے سلطان کے پاس نہیں جانے دیتے۔"

شہزادہ اپنے گھوڑے سے اتر گیا اور ہاتھوں کا سہارا دے کر آشوری کو اٹھایا اور کہا "تو میرے ساتھ چل۔ تجھے تو ملاقات کا وقت دیا گیا ہے۔"

آشوری نے پہرے داروں کی طرف اشارہ کیا "انہوں نے مجھے روک دیا" آگے جانے ہی نہیں دیا۔"

شہزادے ملک شاہ نے آشوری کو اپنے ساتھ لیا اور سلطان کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں خواجہ حسن، سعد اللہ گوہر آئین اور امام الصلوٰۃ اور فقیہ ابونصر محمد بن عبداللہ بخاری حنفی پہلے سے موجود تھے اور کسی اہم معاملے میں مشورے ہو رہے تھے۔

آشوری خواجہ حسن کو دیکھ کر پریشان ہو گیا لیکن سلطان نے اسے تسلی دی "میں تو تیرا انتظار کر رہا تھا۔"

دہلی کا واقعہ

محمد اعظم نے T.V ٹی وی خریدا جس کی گارنٹی ایک سال تھی۔ جب بھی T.V بگڑا محمد اعظم نے کمپنی کو فون کیا، مکینک آیا اور درست کر گیا۔

ایک سال بعد خراب ہوا تو اپنے علاقے کے مکینک سے رجوع کرنا پڑا۔ مکینک نے تیس روپے فیس جمع کرائی۔ شام کو آیا ٹی۔ وی کو دیکھا، انٹینا گھمایا اور چلا گیا۔ ٹی۔ وی کام کرنے لگا۔ ہر مہینے میں دو بار ایسا ہوتا رہا۔ ایک روز محمد اعظم نے ایک دکان پر ٹی۔ وی گائیڈ نامی کتاب دیکھی دس روپیہ میں خریدلی۔ پڑھا تو معلوم ہوا کہ بیشتر فیصد ٹی وی کی خرابی صرف انٹینے سے ہوتی ہے۔ آخر میں کتاب والا کا چھاپا ہوا کلر ٹی۔ وی۔ گائیڈ کا اشتہار بھی دیکھا۔

محمد اعظم نے کلر ٹی۔ وی گائیڈ بھی تیس روپے میں خرید لیا، اور اسے پوری توجہ سے کئی بار پڑھا۔ بہت سی باتیں معلوم ہوئیں۔ تو محمد اعظم نے ہمت کر کے مرمت کا سامان جو T.V کو چیک کرنے میں مدد دیتا ہے، ستر روپے میں خرید لیا۔ پھر ٹی۔ وی کی پہلا کام کیا اور کامیاب رہا۔ ہمت بڑھی، پڑوس کے لوگوں کے بھی ٹی۔ وی درست کیے اور تین مہینے بعد خود پر بھروسہ کرنے لگا۔

ایک دن محمد اعظم کے گھر پر بورڈ لگا تھا:

کلر و بلیک اینڈ وائٹ ریپیر ہاؤس

ملنے کا وقت صبح ۸ بجے سے ۱۰ بجے تک شام ۶ بجے کے بعد

اس طرح محمد اعظم نے بغیر پارٹ ٹائم ورک حاصل کر کے اپنی آمدنی بھی بڑھائی اور اپنے T.V کی مرمت فیس سے بچ گیا۔

ہر وہ انسان جو اردو پڑھنا جانتا ہو اور T.V سے دلچسپی رکھتا ہو T.V گائیڈ لے کر T.V کی مرمت خود ٹھیک کر سکتا ہے۔

آشوری نے خواجہ حسن کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل اجنبی اور لاتعلق نظر آ رہا تھا۔ ابونصر فقیہہ نے آشوری پر کوئی خاص توجہ نہ دی۔ اس نے خواجہ حسن سے پوچھا "کیا یہ نصرانی سلطانوں کا وفادار ہو سکتا ہے؟"

خواجہ حسن نے جواب دیا "یوں تو یہ ہر اعتبار سے قابلِ اعتبار ہے مگر ذرا بزدل ہے اور ہنرمندیوں بھی سپاہی نہیں ہوتے۔"

سلطان نے آشوری کو حکم دیا "تو نے اپنی جس خواہش کا اظہار کیا تھا اسے ذرا دوبارہ بیان کر۔" آشوری کو اگر معلوم ہوتا کہ اس وقت سلطان کے پاس خواجہ حسن بھی موجود ہو گا۔ تو وہ اس وقت ہرگز نہ آتا اور ٹل جاتا۔

سلطان نے اصرار کیا "تو خاموش کیوں ہے جو بھی خواہش ہو بیان کر۔"

آشوری نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ کھول دیا "میں اپنے منصوبے کا کام تقریباً مکمل کر چکا ہوں جو کچھ باقی ہے اسے دوسرے لوگ کر لیں گے اس لئے میں محترم خواجہ وزیر کے ساتھ ہمدان جانا چاہتا ہوں۔"

خواجہ حسن کو اس پر اعتراض ہوا "آشوری جوان یہ بات تو مجھ سے بھی کر سکتا تھا۔"

آشوری نے جواب دیا "اس وقت یہاں سلطان سے بڑی شخصیت نہیں ہے اس لئے یہ بات میں نے براہ راست سلطان سے کی" آشوری سلطان کو احمد میں لینا چاہتا تھا کیونکہ سلطان سے بڑی بااختیار کوئی دوسری ہستی نہیں تھی۔

خواجہ حسن نے سلطان سے کہا "جنابِ والا! آشوری نے اپنی درخواست جس طرح آپ کی خدمت میں پیش کی اس پر مجھے اعتراض ہے اور میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں اس کو اپنے ساتھ ہمدان تو کیا کہیں بھی نہیں لے جاؤں گا۔"

سعد اللہ گوہر آئین نے خواجہ حسن کا ساتھ دیا "آشوری نے جو کچھ کیا غلط کیا اسے یہ سب نہیں کرنا تھا۔"

شہزادہ ملک شاہ نے آشوری کی تائید کی "حضورِ والا! آپ اس کی درخواست پر ضرور غور کریں اور اگر یہ خواجہ بزرگ کے ساتھ جانا چاہتا ہے تو اسے اجازت دی جانی چاہئے۔"

خواجہ حسن نے اسے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا۔ "اسے یہیں رہنا چاہئے میرا خیال ہے کہ اس کا کام مدت العمر جاری رہے گا۔"

سلطان نے خواجہ حسن کی تائید کی "آشوری ایک لائق نوجوان ہے میں اس سے ایک دوسرا کام لینا چاہتا ہوں۔"

اس نے سلطان کی ہاں میں ہاں ملائی "سلطان کا فیصلہ یقیناً درست ہو گا۔"

آشوری کا دل ٹوٹ گیا مگر خواجہ حسن نے ایک بار پھر اسے دلاسا دیا "مجھے اس ہنرمند کی ذہانت، لیاقت اور قابلیت پر مکمل بھروسہ ہے میں اسے بھی اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا مگر میں نے کسی طرح سے یہ اندازہ لگایا تھا کہ سلطانِ محترم بھی اس سے کوئی کام لینا چاہتے ہیں۔"

آشوری کا دل پھر پرامید ہو گیا۔ وہاں دوسرے موضوعات پر باتیں ہونے لگیں۔ آشوری کا مسئلہ بالکل نظر انداز کر دیا گیا سلطان نے فقیہہ ابونصر کو حکم دیا کہ وہ ہر نماز کے بعد سلطان اور مسلمانوں کی فتوحات اور کامرانی کی دعائیں مانگا کریں۔ اور شہزادہ ملک شاہ کو حکم دیا گیا کہ تم کلر خانوں کی کارکردگی پر نظر رکھو۔ اسلحہ کی تیاری شب و روز جاری رہنا چاہئے اور زیرِ استعمال ہتھیاروں پر صیقل کی جانی چاہئے اور سعد اللہ گوہر آئین سے کہا گیا کہ وہ سپاہیوں کو جنگ کی تیاری اور مشق میں مشغول رکھیں انہیں آرام نہ کرنے دیں گھڑ سواری، پہلوانی، جنگی مشقیں اور کسرت سے سپاہیوں کو مستعد و چاق چوبند رکھیں۔

خواجہ حسن کو حکم دیا "اب آپ ایک دن بھی ضائع کئے بغیر ہمدان روانہ ہو جائیں گے خواتین اور شہزادوں کو نہایت احتیاط اور آرام سے بحفاظت ہمدان میں رکھا جائے۔ وہاں فوج کی بھرتی بھی کی جائے کیونکہ ہمیں مزید فوجیوں کی ضرورت کسی بھی وقت بھی پیش آ سکتی ہے" ان سب کو رخصت کر دیا گیا۔ آشوری، سلطان کے پاس ہی رہا کیونکہ اسے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا۔

سعد اللہ گوہر آئین نے اپنی رائے دی "وہ کچھ بھی ہو مگر سپاہی نہیں ہے۔ سلطان کو اس کی کون سی ادا بھا گئی ہے، معلوم نہیں، اب وہ اتنا اہم ہو گیا ہے کہ ہمارے بعد بھی سلطان کے پاس موجود ہے۔"

خواجہ حسن نے کہا "سلطان نے اس میں کوئی ایسی خوبی ضرور دیکھی ہے جس سے وہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے ویسے میں خود بھی اس کو بہت پسند کرتا ہوں" وہ سب آپس میں تبصرہ کرتے چلے جا رہے تھے۔

سلطان اپنے خیمے میں آشوری سے بات کر رہا تھا "تو سیکی ہے اور اللہ نے تجھے اعلیٰ درجے کا ہنرمند بھی بنایا ہے۔"

آشوری ہنرمندی اپنی قسمت پر ناز کر رہا تھا کہ عالمِ اسلام کا سب سے بڑا سلطان اپنے معززینِ دربار کو رخصت کر کے

اس سے تخلیے میں باتیں کر رہا تھا۔

آشوری نے سلطان کا شکریہ ادا کیا کہ اسے اتنی عزت و حرمت سے نوازا گیا۔

سلطان نے اسے بتایا "تو نے شاید غور نہیں کیا۔ میری مملکت میں ہر ملت و مذہب کا آدمی موجود ہے اور میں نے اسے جس عزت اور دولت سے نوازا ہے وہ اسے کہیں اور سے نہیں مل سکتی۔" آشوری سلطان سے نئے کام کے متعلق کچھ سننا چاہتا تھا۔ سلطان نے کچھ توقف کے بعد اس سے پوچھا "تو یہ بتا کہ تو میرے پاس عارضی اور وقتی فائدے حاصل کرنے آیا ہے یا تو زندگی بھر مجھ سے وابستہ رہنا چاہتا ہے۔"

آشوری نے جواب دیا "سلطانِ محترم مجھے یہاں بڑی عزت ملی ہے۔"

سلطان نے کہا "اور دولت بھی۔ تو اپنی محنت اور ہنر مندی کا جو صلہ چاہے مجھ سے لے لے تو نے اب تک جو کام کیا ہے میری نظر میں اس کا معاوضہ دو ہزار دینار بنتا ہے ویسے تو اس کے علاوہ بھی طلب کر سکتا ہے۔"

آشوری کو شبہ گزرا کہ شاید سلطان اسے اس کا معاوضہ دے کر رخصت کر دینا چاہتا ہے۔ پوچھا "کیا میں یہاں سے رخصت کر دیا جاؤں گا؟"

سلطان نے جواب دیا "ہاں یہ میرا فیصلہ ہے۔"

آشوری کے دل پر چوٹ لگی "حضورِ والا میری غلطی، میرا قصور؟"

سلطان نے کہا "تو نے خود ہی کہا ہے کہ تیرے منصوبے کا کام تقریباً ختم ہو چکا ہے اور باقی کام دوسرے لوگ کر لیں گے۔"

آشوری نے عرض کیا "مگر میں نے یہ تو نہیں کہا کہ مجھ سے کوئی کام نہ لیا جائے۔"

سلطان نے کہا "اگر تو کام کرنا چاہتا ہے تو تجھے مجھ سے جدا ہونا پڑے گا۔"

آشوری نے جواب دیا "میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔"

سلطان نے کہا "تو شاعر اسماعیل کو بھی اپنے ساتھ لے جا تجھے شام کے ساحلی شہر تیج جانا پڑے گا۔ اپنے ساتھ اور آدمی لے جا۔"

آشوری نے اس شہر کا نام سنا تھا مگر دیکھا نہیں تھا یہ حلب کے قریب واقع تھا اور یہاں یونانیوں کے اثرات بھی پائے جاتے تھے۔

سلطان اسے سمجھا رہا تھا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ قسطنطنیہ کا قیصر اپنے حلیفوں اور اتحادیوں کے ساتھ بحری راستے سے آ رہا ہے وہ تیج میں یا تو اتر چکا ہے یا پھر اترنے والا ہے۔" سلطان بولتے بولتے رک گیا۔ شاید اسے یہ شبہ ہو گیا تھا کہ آشوری اس کی باتیں غور سے نہیں سن رہا۔

آشوری نے سر اٹھایا اور سلطان کی طرف دیکھا۔ سلطان نے پوچھا "کیا تو میری باتیں توجہ سے سن رہا ہے؟"

آشوری نے عرض کیا "میں ہمہ تن گوش ہوں۔ آپ کی ہر بات سننے کے لئے میرا ہر بُنِ مو سراپا گوشِ اشتیاق بن چکا ہے۔"

سلطان نے کہا "تو قیصر کے لشکر میں جا اور اس کے جملہ ساز و سامان کی فہرست تیار کر لا۔ دمدموں اور منجنیقوں کی تعداد ان کی قوت اور صلاحیت فوجوں کی تعداد ان کے پاس سامانِ رسد کتنا ہے وہ جنگ جو بھی ہیں یا صرف مالِ غنیمت کے لالچ میں لڑنے آ گئے ہیں" آشوری کو سلطان کی دور بینی اور ہوشیاری کا اندازہ ہو رہا تھا۔

سلطان نے کہا "اس کام کو جلد از جلد مکمل کرنا ہے۔ یہ سرعت جتنی جلد ممکن ہو سکے کیونکہ مجھے تیری اطلاعات کی روشنی میں جنگ کا نقشہ مرتب کرنا ہے۔"

آشوری نے پوچھا "کیا سلطان کو یہ یقین ہے کہ میں یہ کام انجام دے سکوں گا۔"

سلطان نے کہا ہاں "مجھے یقین ہے کہ تو میرے لئے یہ کام

آشوری نے عرض کیا" آپ کے دشمن مسیحی ہیں' میں بھی مسیحی ہوں۔ کیا میں یہ کام منصفانہ طور پر انجام دے سکوں گا۔ کیا میں وفادار رہ سکوں گا؟"

سلطان نے جواب دیا" کیوں نہیں' جب میں تجھ سے مخلص ہوں تو پھر تو مجھ سے کیوں مخلص نہ ہو گا۔"

آشوری نے کہا" میں عیسائی ہوں مجھ پر شبہ کیا جاسکتا ہے کہ میں مسلمانوں کے مفاد میں عیسائیوں کے خلاف کام نہیں کر سکتا۔"

سلطان نے جواب دیا" یہ کام میں تجھی سے لوں گا۔ شبہ کروں یا نہ کروں۔ یہ میں جانوں۔ تیرا کام یہ ہے کہ جو کام میں تیرے سپرد کر رہا ہوں' تو اسے انجام دے۔"

آشوری نے وعدہ کیا" میں بخوشی آپ کا کام کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ کوئی کچھ بھی کرے آخر کار جیت حق کی ہو گی۔"

سلطان نے بھی اس سے وعدہ کیا" جس طرح میں نے تیری خواہش پر شاعر اسماعیل کو معاف کر دیا تھا اسی طرح ایک بار پھر میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تو اپنا کام انجام دے کر واپس آئے گا میں تیری کوئی خواہش ضرور پوری کروں گا۔"

آشوری کو ہندی نژاد کنیز کا خیال آیا۔ اس نے سوچا کیوں نہ اپنی خواہش کا اظہار اسی وقت کر دے لیکن یہ سوچ کر خاموش رہا کہ کوئی بات قبل از وقت نہیں ہونا چاہئے۔ سلطان نے اسے اپنے خیمے کے قریب ہی رات گزارنے کی اجازت دے دی۔

صبح کو شاعر اسماعیل کو بھی آشوری کے حوالے کر دیا گیا اور اسے تاکید کی گئی کہ وہ کہاں اور کیوں جا رہا ہے' کسی سے اس کا ذکر نہ کیا جائے' اور شاعر اسماعیل سے کہا گیا کہ وہ آشوری کے ساتھ رہے گا اور آشوری کی ہدایت اور مشوروں پر عمل کرے گا۔ سلطان نے آشوری کو بطور خاص ہدایات دیں اور کہا کہ انہیں لکھ لیا جائے آشوری نے انہیں لکھ لیا۔

نمبر ۱ دمدموں کی تعداد' نمبر ۲ منجنیقوں کی تعداد اور ان کی کارکردگی' نمبر ۳ فوج کی تعداد' نمبر ۴ دوستوں اور اتحادیوں کی تعداد۔ ان میں سپاہی کتنے ہیں اور مال و زر کے حریص کتنے ہیں۔

شاعر اسماعیل سے کہا گیا" اپنی شاعری میں مسلمانوں کا مذاق اڑائے گا مگر ان کی بہادری کی تعریف کرے گا۔ اور سلطان کی بہادری اور فراخ دلی کی مدح و ستائش کی جائے گی اور یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی جائے گی کہ زمانہ اور وقت سلطان کے اور مسلمانوں کے ساتھ ہے۔"

سلطان نے ان دونوں کو یہ یقین دلایا کہ اگر وہ دونوں سلطان کے اس منصوبے پر صحیح طور پر کام کرنے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں مالا مال کر دیا جائے گا۔

☆

یہ دونوں خوشی سے منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ دونوں سلطان کے حسن سلوک کے قائل تھے۔ شاعر اسماعیل سلطان کا درباری شاعر بننا چاہتا تھا کیوں کہ شاعروں کو مشرقی دربار میں بڑی حیثیت اور اہمیت حاصل تھی۔

آشوری اپنے ہنر اور ذکاوت کی زیادہ سے زیادہ قیمت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس سے سلطان کے دربار اور مزاج میں اتنا رسوخ حاصل کرنا چاہتا تھا کہ لوگ اس پر رشک کریں۔ وہ خواجہ حسن اور سعد اللہ گوہر آئین جیسی قدر و منزلت کا خواہاں تھا۔ دونوں مسیحی تھے لیکن اپنے مقاصد اور حصولِ دنیا کے لئے وہ مسیحیت کے دخل اور اثر کو نظر انداز کر دینے پر آمادہ تھے۔

شاعر اسماعیل نے آشوری کا بے حد شکریہ ادا کیا اور کہا" تو نے میرا اس وقت ساتھ دیا جب امید کی ہر کرن معدوم ہو چکی تھی۔"

آشوری نے جواب دیا" میں نے دنیا کو کھلی اور شعور کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم دونوں اپنی وہ قیمت حاصل کریں' جس کے ہم حقدار ہیں۔"

شاعر اسماعیل نے کہا" اگر میں سلطان کا درباری شاعر بن گیا تو میں بغداد میں خلیفہ کا قرب حاصل کر لوں گا اور پھر میں ایک بااثر اور اس کا درباری بن جاؤں گا۔"

آشوری نے اپنی خواہش ظاہر کی" میں خواجہ حسن جیسا مقام اور مرتبہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

شاعر اسماعیل نے اس کی ہمت افزائی کی" ایسا ممکن ہے کیوں کہ سلطان کام کرنے والوں کی قدر کرتا ہے اور تو نہایت کار آمد انسان ہے۔"

آشوری نے اپنی کمزوری کا ذکر کیا" خواجہ حسن کے پاس ایک ہندی نژاد حسینہ ہے۔ حد درجہ شوخ و شریر اور حاضر جواب۔ میں اس سے عشق کرتا ہوں مگر اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ میں خواجہ حسن جیسا مقام حاصل کر لوں گا تو اس کنیز کی حصول یابی بہت آسان ہو جائے گی۔"

شاعر اسماعیل نے افسوس کا اظہار کیا اور کہا" میں تو تجھے نہایت عقل مند اور کار آمد جوان سمجھ رہا تھا مگر تو نے خود کو ایک ہندی نژاد حسینہ کا عاشق ظاہر کر کے خود کو کمتر قرار دے دیا۔"

آشوری نے حیرت سے پوچھا" وہ کس طرح؟"

شاکر اسماعیل نے جواب دیا "یہ دنیا جس میں ہم زندہ، فعال اور مشغول ہیں بہت بڑی ہے۔"

آشوری نے اقرار کیا "ہاں بڑی تو ہے بلکہ بہت بڑی ہے۔"

شاکر اسماعیل نے سماں باندھ دیا۔ "اس دنیا میں ہر طرف حسن بکھرا پڑا ہے۔"

آشوری نے جواب دیا۔ "یہ بھی درست ہے۔"

شاکر نے کہا۔ "جہاں ہر طرف حسن بکھرا پڑا ہو وہاں صرف ایک ہندی نژاد پر اکتفا کر لینا کہاں کی عقلمندی ہے؟"

آشوری شرمندہ سا ہو گیا۔ "لیکن میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔"

شاکر اسماعیل نے جواب دیا۔ "میں تجھے محبت کرنے سے نہیں روکتا۔ محبت کر مگر کسی ایک سے نہیں۔ حسن سے محبت کر، جہاں بھی ہو، جہاں بھی ملے اس کو گلے لگا لے۔ اس سے عشق کر محبت کر مگر کسی ایک سے نہیں۔ اپنے آپ کو وسعت دے۔"

آشوری نے سوچا۔ "یہ کون سا نظریہ ہے، کون سا عقیدہ ہے۔ اس سے کیا فائدہ اور اس سے حاصل؟"

شاکر اسماعیل نے کہا۔ "میں جانتا ہوں میری یہ باتیں تیری سمجھ میں نہیں آئیں گی لیکن تو میرا ساتھی ہے میرا دوست ہے میرا رفیق ہے۔ میں ساری باتیں تجھے آہستہ آہستہ سمجھاتا اور بتاتا رہوں گا۔" آشوری نے شاکر اسماعیل کو پہلے بھی دیکھا اور سنا تھا لیکن اس بار وہ جس طرح سامنے آیا تھا، بہت عجیب اور حیران کن تھا۔

آشوری نے اس سے کہا۔ "اب ہم دونوں اپنا بہتر وقت ساتھ گزارا کریں گے۔ تو اپنا کام یہیں سے شروع کر دے۔"

شاکر اسماعیل نے اپنے ذہن اور حافظے پر زور دیا اور پوچھا۔ "کون سا کام؟"

آشوری نے جواب دیا۔ "شاعری، مقصدی شاعری جس کا سلطان نے حکم دیا ہے۔"

شاکر اسماعیل نے کہا۔ "ہاں۔ یاد آیا ٹھیک ہے۔"

وہ دونوں خوی سے تج کی طرف جا رہے تھے۔ بحیرہ روم کے شمالی ساحلی شہر کی طرف۔ راستے میں کتنی آبادیاں، قصبے اور شہر پڑنے والے تھے۔ ان میں گرجا، خانقاہیں اور معابد بھی ہوں گی۔ ان میں سے کسی میں کوئی شناسا چہرہ بھی ہو سکتا ہے۔ سروز اور راہب رابرٹ جیسا چہرہ۔ یہ چہرے ان کے لئے پریشانی اور مصیبت کا باعث بھی بن سکتے تھے۔ دونوں نے اس موضوع پر بھی بات کی۔

شاکر اسماعیل نے کہا۔ "یہ دونوں ہمارے جانی دشمن ہو چکے ہیں۔"

آشوری نے جواب دیا۔ "جب تجھ کو گرفتار کیا گیا اور یہ بات مشہور ہوئی کہ تجھے قتل کر دیا جائے گا تو میں سروز سے ملا۔ اس سے تیری مدد کے سلسلے میں مشورہ کیا۔ اس وقت اس نے ہمیں بالکل مایوس کر دیا تھا۔ اب ہم اسے مایوس کر دیں گے۔"

شاکر اسماعیل نے کہا "وہ ہماری راہ میں روڑے اٹکائے گا۔"

آشوری نے کہا "نہیں۔ وہ لوگ ایسا نہیں کر سکیں گے۔"

شاکر اسماعیل نے پورے یقین سے کہا "وہ ایسا ضرور کریں گے۔"

آشوری نے پوچھا "وہ کیا کہیں گے۔ وہ کیا کریں گے۔ اب ان کے پاس ہمارے خلاف کہنے یا کرنے کو کیا رہ گیا ہے۔ ہم تو سلطان اور مسلمانوں سے پیچھا چھڑا کر فرار ہوئے ہیں۔"

شاکر اسماعیل فوری طور پر آشوری کی بات نہیں سمجھ سکا لیکن جب سمجھا تو بہت خوش ہوا۔ "واہ میں نے تو اس طریقے سے سوچا ہی نہیں تھا۔"

آشوری نے کہا۔ "شہزادی بیلینا خواجہ وزیر سے شادی کر کے خوش ہے پھر ہم اس کی مرضی کے خلاف کلام کیوں کرتے۔"

شاکر اسماعیل نے سرد آہ بھری۔ "افسوس تو مجھے بھی ہوا تھا۔ شہزادی بیلینا قیامت ہے میں نے اس کی صرف ایک جھلک دیکھی تھی اور آج تک اسے بھلا نہیں سکا۔"

آشوری کو ہنسی آ گئی۔ "تیرے بقول دنیا بہت بڑی ہے اور یہاں ہر طرف حسن بکھرا پڑا ہے پھر کسی ایک چہرے کو مرکزِ نظر کیوں بنایا جائے۔"

شاکر اسماعیل نے آشوری کو غور سے دیکھا اور پھر دونوں ایک ساتھ قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ شہزادی بیلینا کے ذکر نے ان دونوں پر ایک ایسا نکتہ بالکل واضح کر دیا تھا جس پر ابھی تک دونوں متذبذب اور فکر مند تھے۔

شاکر اسماعیل نے کہا۔ "دنیا کا ہر شخص اپنی دنیا دیکھ رہا ہے اور اپنی مرضی سے اپنا ہر قدم اٹھا رہا ہے۔ شہزادی نے مسیحیت اور خانقاہیت کو اپنی بہتر زندگی پر قربان کر دیا ہے۔"

آشوری نے اسی حوالے سے راہب رابرٹ کا ذکر کیا۔

"اس نے اپنی ذاتی شرافت اور عمری تفاوت کو نظر انداز کر دیا اور اپنی ساری عبادت اور ریاضت شہزادی بیلینا پر نچھاور کر دی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں بھی اپنی زندگی اور شاندار مستقبل کے لئے اپنی کئی چیزیں قربان کرنا ہوں گی۔"

شاکر اسماعیل نے تائید کی۔ "بے شک، بے شک۔"

خوی کے بعد وہ کئی جگہ ٹھہرے۔ کبھی کسی سرائے میں کبھی کسی خانقاہ میں، کبھی کسی گرجا میں۔ وہ دنیا کی نظر میں پریشان حال

اور بے روزگار نوجوان تھے۔ انہیں روزی کی تلاش تھی اور اس کی تلاش میں ان کا سفر حج کی طرف جاری تھا۔ یہاں تک کہ وہ خلاط پہنچ گئے۔ خلاط پر مسلمانوں کی حکومت تھی لیکن پورا شہر بہت پریشان اور خوفزدہ نظر آرہا تھا۔ ان دونوں نے شہر کی سرائے میں قیام کیا۔ سرائے کے مالک نے ان دونوں کو مشورہ دیا کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے وہ خلاط سے کہیں اور چلے جائیں۔

آشوری نے پوچھا "کیوں، یہاں کون سا زلزلہ آرہا ہے؟"

سرائے کے مالک نے ان سے الٹا سوال کر ڈالا "تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو۔؟"

آشوری نے جواب دیا "ہم روزگار کی تلاش میں گھر سے بےگھر ہوئے ہیں۔ کیا بے روزگاری سے بڑی کوئی اور مصیبت ہو سکتی ہے؟"

سرائے کے مالک نے دونوں کو سمجھایا "تم شاید نہیں جانتے کہ ساحل پر عیسائیوں کی افواج اتر چکی ہیں۔ وہ مسلمانوں کی بربادی کا منصوبہ بنا کر آئی ہیں۔ تم دونوں بھی خس و خاشاک کی طرح اس سیلاب میں بہہ جاؤ گے' اس لئے بہتر ہے کہ کہیں دور چلے جاؤ۔"

شاکر اسماعیل نے پوچھا "کیوں ہم دونوں ہی کیوں اس سیلِ گراں میں بہہ جائیں گے؟"

سرائے کے مالک نے جواب دیا "وہ مسلمانوں کی بربادی کا منصوبہ لے کر آئے ہیں اور اہلِ خلاط ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔"

آشوری نے خوش ہو کر کہا "ہم دونوں تو مسیحی ہیں پھر ہمیں کیا ڈر ہو سکتا ہے یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے۔"

سرائے کے مالک نے نفرت سے دونوں کو دیکھا اور کہا "تم دونوں مسیحی ہو لیکن ہو تو ہمارے ہی کسی شہر کے باشندے۔ تم غدار ہو۔"

آشوری نے سرائے کے مالک کو قائل کرنا چاہا۔ "ہم نے اسلامی حکومت کا مزہ چکھا' اب یہاں مسیحی آرہے ہیں' اور تم ان کی حکومت کا مزہ چکھو گے لہٰذا حساب برابر ہو جائے گا۔"

سرائے کے مالک نے ان دونوں کو اپنی سرائے میں جگہ دینے سے انکار کر دیا۔ "دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ ہم تمہاری قوم کا مقابلہ کریں گے۔ اس وقت تک سلطان بھی ہماری مدد کو آجائے گا۔"

شاکر اسماعیل ہنسنے لگا اور آشوری سے کہا۔ "چلو ہم دونوں کچھ دن خانقاہ میں گزار لیں گے اور سرائے کے مالک سے بعد میں نمٹ لیں گے۔" دونوں نے سرا خالی کر دی اور ایک خانقاہ میں چلے گئے۔ ان دونوں نے شہر میں ہر طرف وحشت ہی وحشت دیکھی۔ یہاں یہ افواہ عام تھی کہ قسطنطنیہ کا قیصر اپنے اتحادیوں کے ساتھ سلطان پر یلغار کر رہا ہے اور چند روز بعد خلاط شہر میں داخل ہو جائے گا۔ خانقاہ میں ان دونوں کو خوش دلی سے قبول کیا گیا۔

خانقاہ کے راہب نے ان سے وہی سوال کیا جو دوسرے کر چکے تھے کہ کہاں اور کیوں جا رہے ہو؟

دونوں نے کہا "ہم بے روزگار ہیں اور کام کی تلاش میں نکلے ہیں۔"

راہب نے پوچھا "تم کیا کر سکتے ہو؟"

ایک نے اپنی شاعری کا ذکر کیا اور دوسرے نے نجاری کا ذکر کیا۔ راہب نے شاکر کو مشورہ دیا "تو خداوند مسیح اور پاک مریم کی شان میں شاعری کر۔ خدا ابر کت دے گا۔" اور نجار کو مشورہ دیا۔ "تو چھوٹی چھوٹی صلیبیں بنا میں جگہ جگہ انہیں لگوا دوں گا۔"

آشوری نے کہا "ہم حج جا رہے ہیں' وہیں کام کریں گے اگر وہاں کے لئے کوئی تعارفی خط مل جائے تو مہربانی۔"

راہب مسکرایا "ہاں ایسا بھی ممکن ہے۔ ہماری کوششوں اور بلاووں پر مسیحی دنیا متحد ہو کر ادھر آرہی ہے۔ میں حج کے ایک راہب کے نام تمہیں ایک خط دوں گا جس سے تمہارا کام ہو جائے گا۔" اس کے بعد راہب نے حج کے راہب کے نام ایک مختصر سا خط لکھ دیا۔

"خداوند مسیح کے دو پرستار آرہے ہیں' انہیں ان کے شایانِ شان کام فراہم کر دیئے جائیں۔" راہب کی باتوں سے دو باتیں ان کے علم میں آگئی تھیں۔ اول تو یہ کہ جن پادریوں اور راہبوں نے عیسائیوں کو مسلمانوں پر حملے کی دعوت دی تھی' یہ راہب ان میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ دوم یہ کہ حج کا راہب بھی اسی حیثیت کا مالک ہو گا اور اس کے توسط سے یہ دونوں مسیحی فوج میں بہ آسانی داخل ہو جائیں گے۔ وہ اپنی منزلِ مقصود کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھ چکے تھے۔

کہانی کے تاریخی پس منظر کے ماخذ

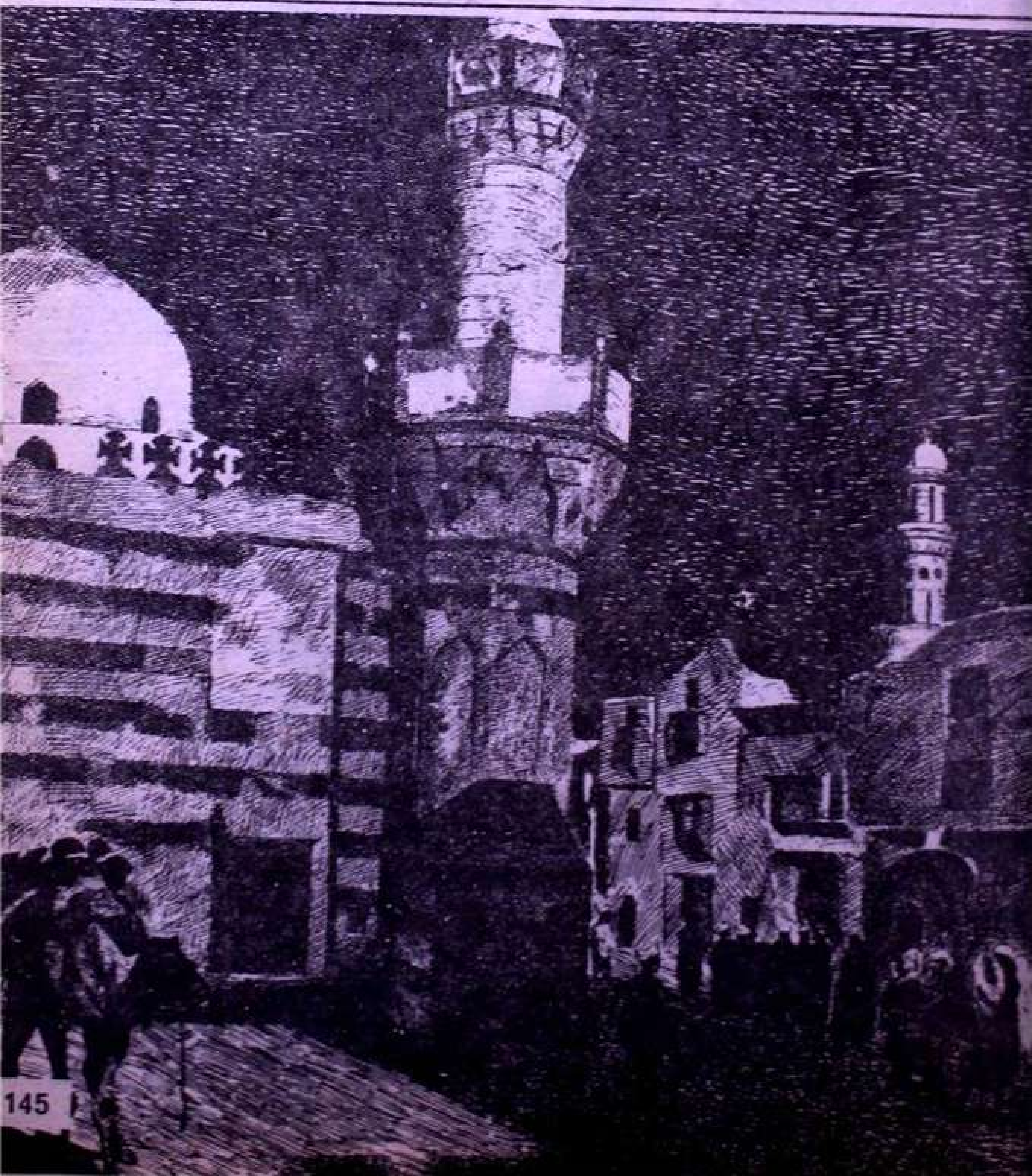
بزنطینی تاریخِ شام	معجم البلدان	سلاجقہ	سفرنامہ ابنِ جبیر	نظام الملک طوسی	قسطنطنیہ
جی وی اسٹرینج	یاقوت حموی	مولانا مسعود ندوی	محمد بن جبیر اندلسی	مولانا عبدالرزاق کانپوری	ھیرالڈ لیمب

دوسری دنیا

الیاس سیتاپوری

اُس پُر آشوب دور میں جب سلجوقی سیلِ بےکراں کی طرح چاروں طرف رواں دواں تھے۔ مسیحی دُنیا عالمِ اسلام سے ایک ہاتھ کرنے کے لیے بےچین اور بےقرار تھی وہاں کچھ دوسری دُنیائیں بھی تھیں۔ انہی دوسری دُنیاؤں میں سے ایک یہ بھی تھی۔ وہ دوسری دُنیا جو آپ اس کہانی میں پڑھیں گے۔ دیکھیں گے۔ فاتحین اور سلاطین کے آس پاس موجود دُنیا مگران کی نظروں سے اوجھل۔ اپنی دُنیا میں مگن۔ اپنے ناجائز کام کو جواز کی دلیلوں سے جائز قرار دینے والے یہ لوگ ہر کام کرتے تھے۔ ان کی عجیب و غریب دُنیا میں سب کچھ تھا مگر عورت نہیں تھی کیونکہ ان کا سردار عورت کو اس لائق نہیں سمجھتا تھا کہ اس کی بستی اس کی آبادی میں رہے۔ ایک معتبر سردار اور اس کے پیرو کاروں کی دُنیا میں لوگ کس طرح رہتے تھے؟ کیا اس طرح جس طرح ہم سب رہتے ہیں یا کسی اور طرح؟

پھر وہاں دو عورتیں پہنچا دی گئیں اور ان کے پہنچتے ہی وہاں ہلچل مچ گئی۔ زلزلہ سا آ گیا۔ اپنے موضوع اور ندرت کے اعتبار سے دلکش کہانی۔





دونوں خلاط کے راہب سے سفارشی خط لے کر منج روانہ ہو گئے۔ وہ دونوں جس قافلے کے ساتھ سفر کر رہے تھے اس میں گھڑ سوار ایک بھی نہ تھا، ہر کوئی گدھے یا خچر پر سوار تھا۔ ان دونوں کے پاس بھی دو گدھے تھے۔ دوسرے مسافروں کے پاس تو ہتھیار بھی تھے لیکن ان کے پاس صرف خنجر تھے۔ ان خنجروں سے وہ رسیاں یا چیزیں کاٹنے کا کام لیتے تھے۔ راستے میں ڈاکوؤں کا خطرہ تھا اور قافلے والے بہت چوکنے رہتے تھے۔ شاعر اسماعیل نے سفری صعوبتوں سے گھبرا کے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ کہیں اور چلا جائے گا اور سلطان کا کام نہیں کرے گا۔

آشوری نے اسے منع کیا اور کہا: "ہم اپنے شاندار مستقبل کے لیے یہ کام کر رہے ہیں۔ سفری صعوبتوں کے بدلے میں ہم وہ سب حاصل کر لیں گے جس کا عام آدمی تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

شاعر نے اندیشہ ظاہر کیا: "اثنائے سفر میں اگر ہمیں قتل کر دیا گیا تو؟"

آشوری نے جواب دیا: "قتل تو ہم اپنے گھروں میں بھی ہو سکتے ہیں۔"

شاعر اسماعیل نے دُنیا کی بے ثباتی کا ذکر کیا: "دُنیا کے بکھیڑوں میں پڑنے کے بجائے اگر میں کہیں رہ جاؤں، شادی کر لوں اور دُنیا کی لذتوں سے لطف اندوز ہوں تو کیا وہ سب اس سے بہتر نہیں ہوگا؟"

آشوری نے شاعر کا مذاق اُڑایا: "مال و زر کے بغیر تو کس طرح شادی کرے گا اور بیوی کو خوش کس طرح رکھے گا؟"

شاعر اسماعیل نے آشوری کی بات مان لی اور ان سنی سوچ کو نظر انداز کر دیا۔

راستے میں انھیں جو بھی خانقاہ ملی، دونوں اس میں گئے، راہبوں سے باتیں کیں اور ان سے بھی منج کے بڑے راہب کے نام سفارشی خطوط حاصل کر لیے۔

شاعر اسماعیل نے ہر خانقاہ میں حسین و جمیل ننیں دیکھیں تو اس کی شاعرانہ حس کو تحریک ہوئی۔ اس نے ان ننوں کو پہلے بھی دیکھا تھا لیکن جس کیفیت سے وہ اس بار دوچار ہوا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

اس نے ان ننوں کو جب بھی غور سے دیکھنا چاہا، آشوری نے اسے منع کر دیا۔ وہ شاعر کے اس فعل کو گناہ سمجھتا تھا۔

شاعر اسماعیل عورت کے بارے میں دوسری طرح سوچنے لگا تھا۔ آدم و حوا کے بارے میں مذہبی کتابوں میں جو کچھ پڑھا تھا اس کے خیال میں وہ یک طرفہ تھا۔ کسی لڑکی یا عورت نے آج تک اس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ وہ خود ہی ان کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ وہ خیال تھا اور خیالوں میں لطف اندوز ہو رہا تھا۔

آشوری اس کی حرکتوں سے بیزار نظر آنے لگا۔ وہ شاعر اسماعیل کو سمجھاتا کہ تو ننوں کو حرص و ہوس کی نظروں سے مت دیکھا کر۔

شاعر اسماعیل نے اپنی مجبوری بیان کر دی: "تو ٹھیک کہہ رہا ہے، میں سمجھ رہا ہوں لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ مجھے اچانک یہ احساس ہو گیا ہے کہ میری زندگی مختصر ہے اور میں ابھی تک اس نعمت سے محروم ہوں۔"

آشوری کو ہنسی آ گئی: "عمر کی کمی کا احساس کیوں کر ہو گیا؟"

شاعر نے جواب دیا: "اس خوف کے ساتھ کہ قافلہ لٹیروں کے ہاتھوں برباد بھی ہو سکتا ہے۔ لٹیرے ہمیں قتل بھی کر سکتے ہیں۔"

آشوری کو اس پر ہنسی آ رہی تھی: "اپنے کام سے کام رکھ۔ سلطان نے ہمارے سپرد جو کام کیا ہے اسے ہو جانے دے پھر میں تیرا یہ مسئلہ بھی حل کر دوں گا۔"

اس کے بعد آشوری ہندی تحفہ کنیز کا ذکر کرنے لگا۔

ان کا قافلہ ویرانے میں جس جگہ خیمہ زن ہوا تھا وہاں دو آتش کدے ماضی کا نوحہ کہہ رہے تھے۔ ان کے تینوں اطراف میں موجود تھے نیم دائرے میں۔ ویران اور شکستہ دروں پر چڑیوں نے گھونسلے بنا رکھے تھے۔ آتش کدے اونچے چبوتروں پر کھڑے سائیں سائیں کر رہے تھے۔ گہرا سناٹا اور گمبھیر ویرانی نے ماحول کو اثر انگیز بنا دیا تھا۔

شاعر اسماعیل کو آتش کدوں میں عبرت کا سامان نظر آیا۔ وہ آتش کدے میں تنہا گھومتا پھرتا رہا۔

اس کی طبیعت موزوں ہو گئی اور کوئلے سے آتش کدے کی دیوار پر چند اشعار لکھ دیے۔

"ارے لوگو! تم کہاں ہو کل تم جس آگ کو صدیوں بجھنے نہیں دیتے تھے
آج اس کے دھوئیں کے بھی آثار نہیں ملتے۔
آتش کدے کی اُداسی نے میرے سینے میں آتش عبرت روشن کر دی ہے۔
اب یہ آگ میرے وجود کو جلا رہی ہے۔"

آشوری اس کو تلاش کرتا ہوا آتش کدے میں آیا اور اسے دیواروں پر کوئلے سے لکھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا: "کیا لکھ رہے ہو؟"

شاعر اسماعیل نے جواب دیا: "ان کا نوحہ جو اپنی قدیم تہذیب کے ساتھ فنا ہو گئے۔"

آشوری نے اس کی شاعری پڑھی اور کہا: "خداوند یسوع کی قسم! اگر میں شاعر ہوتا تو شاعری کے صلے میں بڑے بڑے انعام و اکرام حاصل کرتا۔"

شاعر نے پوچھا: "کس طرح؟"

آشوری نے جواب دیا: "جس کسی کو راضی کرنا ہو شاعری میں اس کا قصیدہ لکھ دو۔"

شاعر اسماعیل نے آشوری کو دیکھتے ہوئے بھی اسے نظر انداز کر دیا۔ وہ کچھ دیر کے لیے ماضی میں جا چکا تھا۔ آتش پرستوں کے ماضی میں۔ اسے آتش کدے کے اندر ماہر آگ کے پرستوں کا ہجوم محسوس ہو رہا تھا۔ آگ کی گرمی سے اس کا جسم تمتمانے لگا تھا۔ ہر جسم

مذہبی رسم ادا کر رہا تھا۔ عورتیں اور لڑکیاں اپنی خواہشوں کا بوجھ سنبھالے تھر تھر کانپتے ہونٹوں سے وہ مانگ رہی تھیں جو ان کی قسمت میں نہیں تھا۔

اچانک باہر سے شور و غل بلند ہوا۔ آشوری گھبرا کر آتش کدے سے باہر نکلا اور پھر فوراً ہی دوبارہ اندر داخل ہو گیا۔ آشوری نے شاعر کو بھی اپنے اصل ماحول میں واپس بلوا لیا۔ وہ بھی آتش کدے سے نکلنے لگا مگر آشوری نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: "باہر مت جانا، وہاں ڈاکو لوٹ مار میں مشغول ہیں۔"

شاعر اسماعیل نے کہا: "وہاں خیمے میں اپنا جو کچھ بھی ہے لُٹ جائے گا، اُسے بچانا تو چاہیے۔"

آشوری نے پوچھا: "کیا تو لٹیروں سے مقابلہ کر سکتا ہے؟"

شاعر اسماعیل نے جواب دیا: "نہیں، میرے پاس تو ایک خنجر کے سوا کچھ بھی نہیں اور میں اس خنجر کے استعمال سے بس اس حد تک واقف ہوں کہ اس سے رسّی یا سبزی کاٹ لیتا ہوں۔"

آشوری نے کہا: "اسی لیے میں یہ کہہ رہا ہوں کہ ابھی دیر تک آتش کدے میں دُبکا بیٹھا رہ۔ جب ڈاکو لوٹ مار کر کے چلے جائیں گے تو ہم بھی باہر نکل کے دیکھ لیں گے کہ ہم نے کیا کھویا اور کیا بچا؟"

دونوں نے دیوار کی آڑ میں جھانک کر باہر کا منظر دیکھا۔ وہاں قافلے کے جنگجو ڈاکوؤں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ تلواریں ٹکرا رہی تھیں اور زخمی ہونے والے واویلا مچا رہے تھے۔

شاعر اسماعیل نے اندیشہ ظاہر کیا: "اگر اپنا سامان بھی لُٹ گیا تو ہم بالکل برباد ہو جائیں گے۔"

آشوری نے جواب دیا: "اس کی تو فکر ہی نہ کر۔ جب انسان باہر نکلتا ہے تو اس کو ان مشکلات اور دُشواریوں کا سامنا تو کرنا ہی پڑتا ہے۔"

شاعر اسماعیل خوفزدہ بھی تھا: "اگر وہ ادھر آ گئے تو ہم قتل بھی ہو سکتے ہیں۔"

آشوری نے جواب دیا: "ہاں، یہ بھی ممکن ہے۔"

شاعر اسماعیل نے سرد آہ بھری: "ہماری سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ ہم دوسروں کی بتائی ہوئی راہ پر چلتے ہیں اور اس میں اتنے زیادہ منہمک اور مشغول ہو جاتے ہیں کہ اپنی مرضی اور سوچ کا دخل باقی ہی نہیں رہتا۔"

آشوری نے دیکھا، باہر قافلے والوں اور ڈاکوؤں میں کشمکش اور مزاحمت کم ہو چکی ہے اور دو ڈاکو زمین پر کچھ دیکھتے ہوئے آتش کدے کی طرف چلے آ رہے ہیں۔

شاعر اسماعیل بڑبڑا رہا تھا: "ہمیں سلطان سے پیچھا چھڑا لینا چاہیے تھا اور حج کے بجائے قسطنطنیہ میں چلا جانا چاہیے تھا۔"

آشوری نے خطرے کی گھنٹی بجا دی: "یہ ہم بعد میں بھی سوچ سکتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے تھا۔ دو ڈاکو ہماری طرف آ رہے ہیں۔"

شاعر کا خوف سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ اس نے آتش کدے سے فرار ہونے کا ارادہ کیا لیکن آشوری نے اسے روک دیا اور اندیشہ ظاہر کیا: "بھاگنا مت ورنہ یقیناً قتل کر دیے جائیں گے۔"

شاعر اسماعیل نے بھی دیوار کی آڑ سے باہر دیکھا۔ دونوں ڈاکو زمین پر کچھ دیکھتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔

شاعر نے پوچھا: "یہ زمین پر کیا دیکھ رہے ہیں؟ وہاں کیا تلاش کر رہے ہیں؟"

آشوری نے جواب دیا: "وہ زمین پر ہم دونوں کے نقشِ قدم دیکھ رہے ہیں۔ وہ ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔"

شاعر کو بڑی حیرت ہوئی، پوچھا: "نقشِ قدم؟"

آشوری نے جواب دیا: "ہاں نقشِ قدم۔"

شاعر اسماعیل سوالیہ نشان بن کر رہ گیا۔ وہ نقشِ قدم کا مطلب ہی نہیں سمجھا۔

آشوری نے اسے سمجھایا: "ڈاکوؤں میں بعض کھوجی بھی ہوتے ہیں۔ وہ انسانوں اور جانوروں کے پاؤں کے نشانات سے ان کا تعاقب کرتے ہیں اور آخر کار پکڑ لیتے ہیں۔"

دونوں ڈاکو آتش کدے کے قریب پہنچ چکے تھے۔

شاعر اسماعیل کے چہرے کا رنگ زرد پڑ چکا تھا۔ اسے اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ اس نے بھاگنے کا ارادہ کیا لیکن آشوری نے اسے بھاگنے نہیں دیا۔

شاعر اسماعیل نے کہا: "ہم تو ان سے لڑ بھی نہیں سکتے۔ اب کیا ہوگا؟"

دونوں ڈاکو آتش کدے میں داخل ہو گئے اور انہیں دیکھ کر طنزیہ پوچھا: "تو تم دونوں ڈر کر یہاں چھپ گئے تھے؟"

آشوری نے جواب دیا: "ہم آتش کدہ دیکھنے کے لیے آئے تھے، تم لوگ ہماری عدم موجودگی میں آ گئے ہو۔"

ڈاکوؤں کو آشوری کے طرزِ تخاطب اور سکون پر حیرت پوچھا: "تم کون ہو اور کیا کرتے ہو؟"

آشوری نے شاعر اسماعیل کی طرف اشارہ کیا: "یہ شاعر ہے اور میں ایک ہنرمند ہوں۔ ہم دونوں کام کی تلاش میں منبج جا رہے ہیں۔"

ڈاکوؤں کو آشوری کی باتیں اچھی لگیں۔ ایک نے پوچھا: "تم دونوں کے پاس مال کتنا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "ہم تلاشِ معاش میں نکلے ہیں، جب کمائیں گے تو مال بھی آ جائے گا۔ فی الحال کچھ بھی نہیں۔"

دوسرے ڈاکو نے شاعر اسماعیل سے ازراہِ مذاق سوال کیا۔ "تیرا ساتھی تو ہنرمند ہے، یہ جہاں بھی جائے گا کما کھائے گا لیکن تو

جو شاعر ہے تو کس طرح کمائے گا؟"

آشوری نے شاعر کی طرف سے جواب دیا: "واہ، تم لوگ تو بہت سادہ لوح ہو۔ شاعر تو کسی بھی بادشاہ، سلطان، امیر یا سردار کے دربار سے وابستہ ہو سکتا ہے۔ یہ جس کی شان میں بھی قصیدہ لکھ دے گا، وہ اس کا مداح اور سرپرست بن جائے گا۔"

ڈاکو نے پھر وہی سوال کیا: "تم لوگوں کے پاس مال کتنا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "تم لوگوں نے ہماری عدم موجودگی میں لوٹ مار کی ہے۔ ہم دونوں کے پاس جو کچھ تھا، وہ لُٹ چکا ہوگا۔ اس وقت ہمارے پاس کیا ہے، تم دونوں تلاشی لے کر اپنا اطمینان کر لو۔"

دونوں نے ان دونوں کی تلاشی لی تو انھیں خلاط کے راہب کا ایک سفارشی خط ملا۔ یہ خط منبج کے راہب کے نام لکھا گیا تھا۔

ایک ڈاکو نے پوچھا: "یہ کیا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "ایک سفارشی خط، خلاط کے راہب کا منبج کے راہب کے نام۔"

دونوں ڈاکو ہنسنے لگے: "ہمارا واسطہ بھی کیسے ننگے بھوکوں سے پڑا ہے۔ ارے بھائی! گھر سے چلے تھے تو ہمارے لیے کچھ لے کر ہی چلتے۔"

آشوری نے جواب دیا: "آیندہ اس بات کا خیال رکھوں گا۔"

ایک ڈاکو نے اپنے ساتھی سے کہا: "یہ دلچسپ آدمی ہے۔ اس کو اپنے سردار کے پاس لے چلو، وہ اس سے مل کر بہت خوش ہوگا۔"

دونوں کو ڈاکوؤں نے قید کر لیا۔ ان کی تلاشی لینے پر خلاط کے راہب کا خط ڈاکو نے اپنے پاس رکھا۔ وہ واپس نہیں کیا۔

دونوں آگے آگے چل رہے تھے اور ڈاکو ان کے پیچھے پیچھے۔ قافلہ لوٹا جا چکا تھا۔ قافلے کے جو افراد اپنی جان بچا سکے تھے، وہ فرار ہو گئے تھے۔

ڈاکوؤں کا سردار لوٹا ہوا مال بندھوا رہا تھا۔ وہ ایک پتھر پر بیٹھ کر اپنے ساتھیوں کو احکامات دے رہا تھا۔

شاعر اور آشوری کو اپنے ساتھیوں کی تحویل میں دیکھ کر پوچھا۔ "یہ کون ہیں؟"

ایک نے دونوں کا تعارف کرایا: "یہ شاعر ہے اور یہ دوسرا اس کا ساتھی ہنرمند۔"

سردار نے پوچھا: "یہ دونوں کہاں تھے؟"

ڈاکو نے دور آتش کدے کی طرف اشارہ کیا: "وہاں آتش کدے کے کھنڈر میں۔"

سردار کے ہاتھ چمڑے کا چابک تھا جو اچانک ہوا میں لہرایا اور یکے بعد دیگرے شاعر اور آشوری پر برسنے لگا: "ہم سے ڈر کے بھاگ گئے تھے۔ کیوں؟ تم نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ تم ہم سے بھاگ کر جاؤ گے کہاں۔ میرے ساتھی تمھیں جہنم سے بھی کھینچ لائیں گے۔"

ڈاکوؤں کے ایک ساتھی نے سردار کو منع کیا: "سردار! آپ انھیں نہ ماریں۔ یہ دونوں ہمارے خوف سے فرار نہیں ہوئے تھے بلکہ یہ آتش کدے میں کھنڈرات سے دل بہلا رہے تھے۔"

سردار نے ہاتھ کھینچ لیا: "احمقو! کھنڈرات بھی کوئی دیکھنے کی چیز ہوتے ہیں۔" پھر دونوں ساتھیوں سے پوچھا: "ان کے پاس سے کچھ نکلا بھی؟"

ایک نے جواب دیا: "خلاط کے راہب کا ایک سفارشی خط جو منبج کے راہب کے نام ہے۔ یہ دونوں معاش کی فکر میں وہاں جا رہے ہیں۔"

سردار نے ڈانٹ کے پوچھا: "نقدی کتنی تھی ان دونوں کے پاس؟"

ساتھی نے جواب دیا: "کچھ بھی نہیں۔ یہ دونوں بہت پریشان ہیں۔"

سردار نے کہا: "ان دونوں سے پوچھو کہ ان کا خیمہ کون سا ہے؟"

شاعر اسماعیل نے اپنے خیمے کی نشاندہی کر دی۔ وہ پہلے ہی لوٹا جا چکا تھا۔ سردار نے دونوں ڈاکوؤں سے پوچھا: "ان دونوں کو یہاں کیوں لائے ہو؟"

ایک ڈاکو نے جواب دیا: "سردار! دونوں مزے کی باتیں کرتے ہیں۔ ایک شاعر ہے دوسرا ہنرمند۔ ان سے آپ کام لے سکتے ہیں۔"

سردار نے کہا: "اس مصیبت کو ہم اپنے ساتھ کیوں رکھیں؟ انھیں چھوڑ دو یا مار دو۔"

شاعر اسماعیل کانپنے لگا۔ آشوری نے سردار سے درخواست کی: "آپ اگر ہمیں قتل کر دیں گے تو آپ کو اس سے کیا فائدہ پہنچے گا؟ اگر چھوڑ دیں گے تو ہم آپ کو دعائیں دیں گے۔"

سردار نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سامان خچروں پر بار کرو اور ان دونوں کو ساتھ لے کر یہاں سے نکل چلو!

سردار کے حکم کی تعمیل نہایت مستعدی اور تیزی کے ساتھ کی گئی۔ شاعر اور آشوری کو بھی دو گھوڑے دیے گئے اور انھیں حکم دیا گیا کہ وہ دوران سفر خاموش رہیں۔

اور پھر ڈاکوؤں کا یہ قافلہ عام مسافروں کے قافلے میں تبدیل ہو گیا۔ یہ آبادیوں اور بستیوں میں آزادی سے بیٹھ جاتے، وہاں وارداتیں کرتے اور پھر آگے روانہ ہو جاتے۔

شاعر اسماعیل اور آشوری اپنے انجام کا انتظار کر رہے تھے۔ آشوری کو منبج پہنچنے کی فکر تھی اور شاعر کو اپنی جان کی فکر تھی۔ انھیں نہیں معلوم تھا کہ سردار آخر کار ان سے کیا سلوک کرے گا؟

ڈاکو جب کسی قافلے کو لوٹنے جاتے تو ان دونوں کو اپنے

سامان اور چند ڈاکوؤں کے ساتھ کسی ندی، جنگل یا باغ کے کنارے خیموں میں چھوڑ جاتے۔ عام راہ گیر یا بستیوں کے لوگ ان خیموں کو مسافروں کا قافلہ سمجھ کر نظر انداز کر دیتے۔

ایک باغ کے کنارے اسی طرح خیمے نصب کر دیے گئے اور بیشتر ڈاکو چار فرسخ دور تاجروں کے ایک قافلے کو لوٹنے روانہ ہو گئے۔ اپنے خیموں میں بارہ تیرہ ساتھی چھوڑ گئے اور انھیں ہدایت کر دی کہ اگر شاعر اور آشوری فرار ہونے کی کوشش کریں تو انھیں تیروں سے چھلنی کر کے ہلاک کر دیا جائے۔ ان پہرے داروں میں وہ دونوں بھی تھے جو آتش کدے کے کھنڈر سے ان کو پکڑ کر لائے تھے۔

آشوری نے اپنے خیمے سے نکل کر باہر کا جائزہ لینا شروع کیا۔ شاعر اسماعیل نے کہا: "آشوری جوان! احتیاط کرنا کہیں تجھ کو نقصان نہ اٹھانا پڑ جائے۔"

آشوری نے جواب دیا: "میں تو یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کروں گا، چاہے اس کوشش میں میری جان ہی چلی جائے۔"

شاعر نے دل گرفتہ کیفیت میں پوچھا: "اور میں؟ میں کیا کروں؟ کیا مجھ کو یہیں ان ظالموں میں چھوڑ جاؤ گے؟"

خیمے کے باہر دونوں کو باتیں کرتے دیکھ کر ایک ڈاکو نے ان کے پاس جا کر پوچھا: "کیا منصوبہ بن رہا ہے؟"

آشوری نے کہا: "ہم دونوں یہ سوچ رہے ہیں کہ ہمارا یہاں کیا کام؟ ہمیں بلا وجہ کیوں روک رکھا ہے؟"

ڈاکو نے جواب دیا: "تم دونوں ہمارے ساتھ ہمارے غار میں چلو گے، وہاں تم دونوں پر مقدمہ چلے گا اور پھر سزا پاؤ گے۔"

شاعر اسماعیل کی جان نکل گئی: "پھر کیا ہوگا؟"

ڈاکو نے جواب دیا: "تیرے جیسے قتل کر دیے جاتے ہیں۔"

شاعر چونک پڑا: "قتل کر دیے جاتے ہیں؟ کیا ہم بھی قتل کر دیے جائیں گے؟"

ڈاکو نے جواب دیا: "بالکل ہمارے سردار کی نظر میں جو لوگ اس کے کام کے نہیں ہوتے انھیں قتل کر دیا جاتا ہے۔"

آشوری نے کہا: "لیکن ہم دونوں تو کارآمد ہیں۔ میں ہنرمند ہوں، تم سب کے لیے تخت بنا سکتا ہوں، کرسیاں بنا سکتا ہوں۔"

ڈاکو نے کہا: "پھر تم سردار کو کچھ بنا کے دکھا دینا۔" اور شاعر اسماعیل سے کہا: "تو سردار کی شان میں ایک قصیدہ تیار کر لے۔ اللہ نے چاہا تو تم دونوں سردار کا دل جیت لو گے۔"

دوسرے دن دوپہر کو سردار اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ بدحواس واپس آیا اور حکم دیا کہ فوراً یہاں سے کوچ کرو۔ سامان گھوڑوں پر لادا گیا اور خیموں کو خالی چھوڑ کر جنوب میں روانہ ہو گئے۔ شاعر اور آشوری قیدیوں کی طرح ان کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ اونچے نیچے ٹیڑھے میڑھے راستوں کو طے کرتے ہوئے ایک غار میں داخل ہو گئے۔ اس غار میں بڑا اندھیرا تھا۔ اندھیرا کو شمعوں کی روشنی سے دور کیا گیا۔ مشعلیں بھی روشن کی گئیں۔ ان کی تیز روشنی میں دونوں نے ہر طرف مال و زر کے ڈھیر دیکھے۔ لوٹ کا لایا ہوا سامان بھی یہیں رکھ دیا گیا۔ یہاں کی دنیا باہر کی دنیا سے بالکل مختلف تھی۔

سردار اپنے بڑے سر اور بڑی داڑھی کی وجہ سے اپنے ساتھیوں میں ممتاز تھا۔ قد نسبتاً چھوٹا تھا۔ آنکھیں کچھ بڑی بڑی تھیں اور ان میں سرخ ڈورے دور ہی سے نظر آ جاتے تھے۔

سردار بہت برہم تھا، بے حد غصے میں۔ وہ اپنے چند ساتھیوں سے سخت ناراض تھا۔

ایک ڈاکو نے شاعر اسماعیل سے سرگوشی میں پوچھا: "سردار کی شان میں کوئی قصیدہ کہا ہے تو نے؟"

شاعر اسماعیل نے جواب دیا: "ہاں کہا تو ہے ایک قصیدہ۔"

ڈاکو نے بدستور سرگوشی میں کہا: "سردار ہم سے ناراض ہے، تو قصیدہ سنا کے اس کی مزاجی کیفیت بدل سکتا ہے۔"

بظاہر سردار دوسروں سے مخاطب نظر آتا تھا لیکن شاید وہ کن انکھیوں سے اپنے ساتھی اور شاعر اسماعیل کی کھسر پھسر دیکھ اور سن رہا تھا۔ وہ عقاب کی طرح اپنے ساتھی پر جھپٹا اور اس کو گدی سے پکڑ کر یوں کھینچ لے گیا جس طرح عقاب اپنے شکار کو پنجوں سے پکڑ کر لے جاتا ہے۔

سردار نے شاعر کو حکم دیا: "تو بھی میرے پیچھے پیچھے چلا آ اور ہمیں بتا کہ تم دونوں کس قسم کی باتیں کر رہے تھے؟"

ڈاکو نے عرض کیا: "میں بے گناہ ہوں۔"

شاعر نے جواب دیا: "میں بھی بے گناہ ہوں، ہم کوئی خاص بات نہیں کر رہے تھے۔"

سردار نے اپنے ساتھی کے دونوں رخساروں پر طمانچوں کی بارش کر دی: "میں نے تیرے دو ساتھیوں کو قتل کر دیا کیونکہ وہ اسی لائق تھے۔"

گروہ کے دوسرے ساتھی دم بخود تھے۔ سردار نے ان کی طرف اشارہ کیا: "ان سے پوچھ کر تیرے ساتھیوں نے ہم سے کیا غداری کی ہے؟"

ایک ڈاکو نے اپنے سردار کی حمایت میں اپنے ساتھیوں سے کہا: "جب ہم قافلے کو لوٹ کر واپس آ رہے تھے تو دوسرے ڈاکوؤں نے ہم پر حملہ کر دیا اور انھوں نے ہمیں لوٹ لیا۔ ہمارے چند ساتھی ان ڈاکوؤں سے ملے ہوئے تھے۔ انھی کی مخبری اور مدد

سے ہم پر حملہ ہوا۔ وہ غداران سے ملے ہوئے تھے۔"

سردار نے اپنے ساتھی کو ٹھوکروں سے مارنا شروع کر دیا۔

دوسرے ڈاکو نے مار کھانے والے کو مشورہ دیا۔"اگر تو اپنے غدار ساتھیوں کے بارے میں کچھ جانتا ہے تو سردار کو بتا دے ورنہ جان سے جائے گا۔"

ڈاکو نے انکار کیا کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتا۔

سردار نے شاعر سے پوچھا۔"یہ تجھ سے کس قسم کی باتیں کر رہا تھا؟"

شاعر اسماعیل نے سوچا کہ اگر وہ جھوٹ بولا تو سردار اس کی پٹائی شروع کر دے گا اس لیے صاف صاف بتا دیا کہ اس کو سردار کا قصیدہ لکھنے اور سنانے کا مشورہ دیا گیا تھا۔

سردار نے غصے میں دریافت کیا۔"تو نے قصیدہ لکھا؟"

شاعر نے خوش ہو کر جواب دیا۔"ہاں قصیدہ تیار ہے اجازت ہو تو سناؤں۔"

سردار نے کہا۔"صبر کر، تیرا قصیدہ بھی سنوں گا پہلے تو میرا قصیدہ سن۔"

سردار کے وفادار ساتھی اس کی ہاں میں ہاں ملا رہے تھے اور اس کو نئے نئے مشورے دے رہے تھے۔

پٹنے والا ڈاکو بے حال ہو رہا تھا، اس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔

سردار نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے اپنے مال کو دوسرے غار میں منتقل کر دیا کیونکہ اس کو شبہ تھا کہ ڈاکوؤں کا دوسرا گروہ یہاں تک نہ پہنچ جائے۔ اس کام میں کافی وقت لگا۔ یہ غار بھی موجودہ غار سے ملحق تھا اور اس کا راستہ بھی اسی غار سے ایک تنگ راستے کے ذریعے جاتا تھا۔ شاید اس دوسرے غار سے سردار کے دوسرے ساتھی واقف نہیں تھے۔ پرانے غار میں تھوڑا سا سامان رہنے دیا گیا۔ آنے والے ڈاکوؤں کو خوش کرنے کے لیے سردار اپنے ہم پیشہ لوگوں کی دشمنی نہیں مول لینا چاہتا تھا۔

دوسرے غار میں بھی روشنی کی گئی۔ شمعوں کے علاوہ مشعلیں بھی جلائی گئیں۔

سردار نے غار کے دروازے کو بڑی احتیاط سے بند کروا دیا۔ اس غار کی روشنی دوسرے غار میں نہیں جا رہی تھی۔ سردار کے ساتھی اس غار میں مطمئن نہیں تھے۔ وہ سب ڈاکوؤں کے نئے گروہ سے خوفزدہ تھے کیونکہ ان کی تعداد بھی زیادہ تھی اور وہ لوگ بھی غیر معمولی چالاک تھے۔

سردار اپنے بائیں ہاتھ کو بار بار دبا رہا تھا اور اس کے ایک حصے کو بغور دیکھ کر چھوڑ دیتا تھا۔

اس غار میں ایک مرصع تخت بھی موجود تھا۔ سردار اس پر بیٹھ گیا اور اس کے ساتھی درباریوں کی طرح تخت کے سامنے مؤدبانہ کھڑے ہو گئے۔

سردار نے آشوری سے پوچھا۔"تو کون سا ہنر جانتا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا۔"میں نجار ہوں۔"

سردار خوش ہو گیا۔"تب تو تو میرے لیے بڑے کام کا ہے۔"

اس کے بعد سردار نے اپنے چند آدمیوں کا نام لے کر دوسروں سے الگ ہو جانے کا حکم دیا۔

یہ کل چھ تھے۔ وہ گریہ و زاری کرنے لگے۔"سردار ہم بے قصور ہیں۔"

سردار نے جواب دیا۔"یہ نام تیرے... میرا مطلب یہ ہے کہ یہ سارے نام تمہارے اس ساتھی نے بحالت نزع بتائے تھے۔"

سردار نے کوئی اشارہ کیا۔ اس کے وفادار ساتھیوں نے ان چھ کی پنڈلیوں پر ڈنڈوں سے ضربیں لگائیں جس سے وہ چیخیں مار کے گر گئے۔ اس کے بعد انہیں ریشم کی ڈوریوں سے باندھ دیا گیا۔ وہ واویلا مچاتے رہے، روتے رہے لیکن ان پر کسی کو رحم نہ آیا۔

سردار نے اپنے وفادار ساتھیوں سے کہا۔"ہمیں مزید ساتھی درکار ہیں۔ ہم اپنے گروہ میں زیادہ سے زیادہ آدمیوں کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔"

ساتھیوں نے سردار کو کیا جواب دیا، آشوری نہیں سمجھ سکا کیونکہ دھیان اس وقت کہیں اور تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ کن لوگوں میں پھنس گیا۔ وہ منج کس طرح پہنچے گا اور سلطان کا کام کس طرح انجام دے گا۔ اسے اس ماحول میں بھی ہندی شہزادی کی یاد آ رہی تھی۔

پھر اچانک ایک ڈاکو نے آشوری کو جھنجھوڑ ڈالا۔"تو اس وقت کہاں چلا گیا؟ دیکھ سردار تجھ سے کیا کہہ رہا ہے؟"

آشوری نے سردار کے دل میں جذبہ ترحم بیدار کر دیا۔ اس نے جھوٹ کا سہارا لیا۔"سوغد میں میرے بیوی بچے میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اگر میں ان کی محبت کا اسیر نہ ہوتا تو میں اس گروہ کا ایک رکن بن جاتا۔"

سردار نے اس کا مذاق اڑایا۔"احمق کیا کہہ رہا ہے۔ میرے گروہ میں ایک بھی ایسا نہیں پھر میں تجھ کو اپنے گروہ میں کیوں شامل کرنے لگا۔"

شاعر اسماعیل کو آشوری کے جھوٹ پر حیرت ہوئی، پوچھا۔"تیرے بیوی بچے سوغد میں ہیں؟"

آشوری نے جواب دیا۔"ہاں وہ میری حماقت کا انتظار ہی کرتے رہ جائیں گے۔"

سردار نے کہا۔"تو تو نجار ہے، عمارتی کا کام جانتا ہے یا

تمھارا کام کر دوں گا مگر ایک شرط پر۔"

آشوری نے بے قراری سے پوچھا: "آپ شرط بتائیں، میں پوری کر دوں گا۔"

سردار نے جواب دیا: "میرا اپنا ایک نظام ہے۔ بادشاہوں اور سلطانوں جیسا۔ میرے پاس بھی بادشاہوں جیسی فوج ہوتی ہے اور یہ فوج وہی کام کرتی ہے جو بادشاہوں کی فوج انجام دیتی ہے۔"

آشوری اس کی باتیں حیرت سے سن رہا تھا۔ اس نے سوچا، کہیں سردار پاگل تو نہیں ہو گیا۔

سردار اپنی بات کرتا رہا: "ہمارے ہاں بھی غدار اور وفادار ہوتے ہیں۔ ہم بھی بادشاہوں کی طرح لوٹ مار اور قتل و غارت گری میں مشغول رہتے ہیں۔"

شاعر اسماعیل کو سردار کی باتوں میں مزہ آ رہا تھا۔ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

سردار آشوری کو سمجھاتا رہا: "ہمارے پاس اچھے سپاہی بھی ہیں، اچھے طبیب بھی۔ ہم عدالتیں بھی کرتے ہیں، موت اور قید کی سزائیں بھی دیتے ہیں۔ ہمارے اپنے قید خانے ہیں جہاں عرصے سے قیدی اس طرح رہ رہے ہیں کہ انھوں نے برسوں سے سورج کی روشنی تک نہیں دیکھی اور شاید مرنے کے بعد بھی کھلے آسمان تلے آنا ان کے مقدر میں نہیں۔"

اس کے بعد سردار اٹھا اور اپنے وفادار ساتھیوں سے کہا: "ان غداروں کو اپنی جگہ سے ہلنے بھی نہ دینا۔ ان پر مقدمہ چلے گا اور ان کو ان کے کیے کی سزا مل کے رہے گی۔"

شاعر اسماعیل نے بڑی حیرت پکڑی۔ اسے اپنے آپ پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ ابھی تک اس عجیب و غریب دنیا اور ان کے آدمیوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ اس کو سردار کی باتوں میں ندرت اور صداقت نظر آئی۔

سردار نے آشوری کو ساتھ لیا اور اسی غار کے تیسرے حصے میں چلا گیا۔ سردار کے ساتھ اس کے وفادار ساتھی بھی چل رہے تھے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ وہ ناتراشیدہ پتھر کے زینوں سے اوپر چڑھ رہے تھے۔ اوپر چڑھتے چڑھتے وہ نیچے اترنے لگے۔ سردار آشوری کو سمجھا رہا تھا: "یہ میری مملکت ہے۔ یہاں میری حکومت ہے، صرف میری۔ یہاں کا ہر آدمی میرا آباد ہے اور یہاں کے کئی غاروں کا باہمی ربط و تعلق اور راستوں کا صحیح علم مجھے حاصل ہے۔ میں نے مہینوں ان میں گھوم پھر کے انھیں سمجھا ہے۔ ان کی افادیت اور مضرت پر غور کیا ہے۔ یہاں کئی جگہوں پر میرے خزانے چھپے ہیں۔ اس وقت میرے گروہ میں دو سو آدمی ہیں۔ بیس مارے گئے، چھ غلط تھے جنھیں میں نے قتل کر دیا۔ اب میں اپنے گروہ میں اضافہ چاہتا ہوں۔"

آشوری حیران تھا کہ سردار اس سے اس قسم کی باتیں کیوں کر رہا ہے۔

سردار نے پلٹ کر شاعر اسماعیل کی طرف دیکھا اور پوچھا: "اسے! تو بھی ہمارے ساتھ چل رہا ہے! کیوں؟ تیرا یہاں کیا کام؟"

شاعر اسماعیل نے جواب دیا: "جناب والا! اگر یہ آپ کی مملکت ہے اور آپ اس کے بادشاہ ہیں تو اس مملکت کے بادشاہ کو شعرا کی ضرورت بھی درپیش ہو گی اور میں خود کو اس کے دامن عظمت و حشمت سے وابستہ کر سکتا ہوں۔"

سردار نے ایک لمحے کے لیے رک کر شاعر کو گھورا: "تو تیرے فیصلے بھی خود ہی کر رہا ہے؟"

آشوری نے اس کی سفارش کی: "یہ میرا ساتھی ہے۔ اس پر بھی رحم فرمائیں۔"

سردار کو ان دونوں پر غصہ آ گیا: "تو کون ہے سفارش کرنے والا؟ تجھ کو حق کس نے دیا کہ اپنے ساتھی کی سفارش کرے؟"

آشوری سہم گیا۔ اس نے معذرت کر لی: "میں نے اپنے ساتھی کی سفارش نہیں کی۔ میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ یہ بڑا شاعر آپ کے کسی کام کا نہیں، پھر اس کو اپنے ساتھ رکھنے یا سزا دینے کا فائدہ؟"

سردار انھیں ایک ایسی جگہ لے گیا، جہاں پہلے سے لوگ موجود تھے۔

سردار نے آشوری سے کہا: "تو میرے لیے مفید ہے۔ میں تجھ سے ایک کام لینا چاہتا ہوں۔"

آشوری نے وہاں جو منظر دیکھا وہ بڑا بھیانک تھا۔ وہاں جو لوگ موجود تھے ان کے سر پاؤں میں لکڑی کے بڑے بڑے کنڈے (پہیوں کی شکل کے) پڑے ہوئے تھے۔ وزنی اور بڑے بڑے کنڈے۔

سردار نے ان کے بارے میں بتایا: "یہ میرے مجرم ہیں۔ میں نے انھیں قید کر رکھا ہے۔ یہاں کب تک قید رہیں گے، کوئی نہیں جانتا۔"

آشوری زبان کھولتے ڈر رہا تھا۔ پوچھا: "مجھ کو کیا کرنا ہو گا؟"

سردار نے جواب دیا: "مجھ کو اس قسم کے کنڈے درکار ہیں۔ کم از کم پچاس کنڈے۔ ان کی کمی کی وجہ سے میں اپنے قیدیوں کو ریشم کی ڈوریوں سے بند ھوا دیتا ہوں اور ریشم کی ڈوریاں اتنی زیادہ قابل اعتبار نہیں ہو سکتیں۔ انھیں کاٹا جا سکتا ہے، ڈوریوں سمیت بھاگا جا سکتا ہے لیکن ان کنڈوں کے پاؤں یا گلے میں پڑ جانے کے بعد کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ اس لیے مجھ کو پچاس کنڈے درکار ہیں اور تو یہ کام کر سکتا ہے۔"

آشوری نے جواب دیا: "میں یہ کام کر دوں گا مگر جنگل سے

کڑیاں میں اپنی پسند کی لاؤں گا اور آپ مجھ سے یہ وعدہ کریں کہ جب میں آپ کا کام کر دوں گا تو آپ مجھ کو رہا کر دیں گے۔"

سردار کو پھر غصہ آ گیا: "تو میرا کام اپنی شرط پر کرے گا! کہیں تو پاگل تو نہیں ہو گیا۔ میں تو تجھ سے جبراً کام لوں گا۔"

آشوری پریشان تھا کہ اس بے ڈھنگے اور فضول انسان سے کس طرح بات کی جائے۔

سردار کہہ رہا تھا: "میں اپنے قیدیوں کو اس طرح رکھنا چاہتا ہوں کہ فرار نہ ہو سکیں۔"

آشوری نے پھر وہی بات کی: "میں آپ کا کام کر دوں گا اور ساتھ ہی یہ درخواست بھی کروں گا کہ اس کے بعد مجھ کو رہا کر دیا جائے۔"

سردار نے اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر اوپر اٹھایا۔ اس کا چہرہ اپنے سامنے کر لیا اور پوچھا: "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تو میری بات سمجھ کیوں نہیں رہا؟"

آشوری کی ٹھوڑی دکھنے لگی۔ سردار کی انگلیاں اس میں پیوست ہوتی جا رہی تھیں۔

سردار نے کہا: "تیرا جرم یہ ہے کہ جب تیرا قافلہ لوٹا گیا تو تیرے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ ہم نے تم دونوں کو قید کر لیا اور اب ہم تم دونوں سے رہائی کا معاوضہ چاہیں گے۔"

آشوری نے کہا: "لیکن ہمارے پاس دینے کے لیے اس وقت کچھ بھی نہیں۔"

سردار نے جواب دیا: "پچاس کشتیوں کی تیاری اس کا معاوضہ ہو گی کہ تو بوقت لوٹ مار تہی دست و تہی داماں تھا۔ پچاس کشتیوں کی تیاری کے بعد سوچوں گا کہ تیری رہائی کے بعد اور تجھ سے کیا کام لیا جائے۔"

آشوری اور زیادہ سہم گیا: "یعنی اس کے بعد بھی کام کرنا ہوگا؟"

سردار نے جواب دیا: "بالکل۔ اور وہ کام تیری رہائی کی قیمت ہوگا۔"

آشوری کا سر چکرانے لگا۔ آنکھوں تلے اندھیرا پھیل گیا۔

سردار نے کہا: "میں دیکھتا ہوں یہاں کتنے قیدی ایسے ہیں جو ریشم کی ڈوریوں سے بندھے ہیں!"

آشوری اور شاعر اسماعیل نے مشعل کی روشنی میں قیدیوں کے علاوہ آزاد انسان بھی دیکھے۔ شاید یہی قیدیوں کے پہرے دار تھے۔

شاعر اسماعیل نے آہستہ سے کہا: "ہم دونوں زندگی بھر یہاں سے نہیں نکل سکیں گے۔"

آشوری نے اس کی تائید کی: "نظر تو ایسا ہی آ رہا ہے!"

شاعر رونے لگا: "میں تو اپنے اس انجام سے خوفزدہ ہوں جس کا مجھے کوئی علم نہیں، اس کے سوا کہ وہ بہت بھیانک ہوگا۔"

آشوری نے جواب دیا: "یسوع مسیح سے مدد مانگ، یہ سردار نہیں جلاد ہے۔"

آشوری نے سردار کو اپنی طرف آتے دیکھا تو خاموش ہو گیا۔

سردار اکیلا واپس نہیں آیا تھا۔ اب اس کے ساتھ دو نئے آدمی تھے۔ سردار نے ان کا تعارف کرایا: "یہ دونوں میرے نائب ہیں۔ میرا ہر منصوبہ ان پر واضح رہتا ہے۔ یہاں تیرا کام ان دونوں کی نگرانی میں ہوگا۔ انھیں اچھی طرح پہچان لے۔"

آشوری نے جواب دیا: "میں ان دونوں کو پہچان کر کیا کروں گا، ان دونوں سے کہیں کہ یہ مجھے پہچان لیں۔"

دونوں نے سردار سے کہا: "ہم نے اسے پہچان لیا۔" پھر انھوں نے شاعر کی طرف اشارہ کیا: "یہ کون ہے؟"

سردار نے جواب دیا: "ایک شاعر۔ فضول بیکار آدمی۔ میرے لیے بالکل بیکار۔"

شاعر اسماعیل نے پھر اصرار کیا: "محترم سردار! میں فضول اور بیکار آدمی ہرگز نہیں۔ آپ بڑے آدمی ہیں اور میں اپنے اشعار سے دنیا کو یہ بتاؤں گا کہ آپ اس عہد کے کتنے بڑے آدمی ہیں!"

سردار نے کہا: "ابھی مجھ کو اس کی ضرورت نہیں۔" سردار نے اپنے نائبین کے بارے میں بتایا: "یہ دونوں میرے نائب ہیں۔" ان سے پوچھا: "کیا ان کو تیری ضرورت ہو سکتی ہے؟"

دونوں نائبوں نے جواب دیا: "ابھی نہیں، ہاں اگر ہم کسی طرح کوئی علاقہ فتح کر لیں تو کوشش کریں گے کہ ہمارے سردار کو باقاعدہ اس کا فاتح مان لیا جائے۔ اس وقت ہم اپنی [illegible] جائیں ہیں بدل دیں گے اور اپنے کارناموں سے یہ تاثر دینے کی کوشش کریں گے کہ ہمیں فاتح مان لیا جائے۔"

شاعر اسماعیل نے کہا: "اس وقت تو آپ کو ہماری ضرورت پیش آئے گی!"

سردار نے سر پکڑ لیا: "تو ہماری بات نہیں سمجھے گا۔" اور آشوری سے کہا: "تو ہی سمجھا اپنے دوست کو۔ یہ میری بات بالکل نہیں سمجھ رہا۔"

آشوری نے سردار سے وعدہ کیا: "میں اسے اچھی طرح سمجھا دوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔"

سردار نے دونوں سے کہا: "تم دونوں یہیں رہو گے۔" آشوری سے کہا: "تو اپنا کام یہیں کرے گا۔ کام کل سے شروع کر دیا جائے۔" پھر شاعر سے کہا: "تو بھی اس وقت تک یہیں رہے گا جب تک کہ میں تیرے لیے کوئی فیصلہ نہ صادر کر دوں۔"

سردار دونوں کو چھوڑ کر چلا گیا۔ دونوں نائبوں نے آشوری اور شاعر اسماعیل کو ایک حجرے نما کمرے میں پہنچا دیا اور آشوری سے کہا: "تو اپنا کام کل سے شروع کر دے گا۔"

آشوری کو بڑی وحشت ہو رہی تھی، وہ دنیا سے بالکل کٹ چکا تھا۔

شاعر اسماعیل رونے لگا: "اب کیا ہوگا، میں تو کہیں کا بھی نہیں رہ گیا۔"

آشوری نے اس کی ہمت بندھائی: "مت گھبرا، ہم آج کل آزمائشوں سے گزر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ اچھا نکلے گا۔"

شاعر نے جل کر تائید کی: "ہاں نتیجہ اچھا نکلے گا۔ شاید ہم دونوں یہاں سے مر کر ہی نکلیں گے۔"

دونوں نے رات بڑے کرب میں گزاری۔

صبح ہوئی تو آشوری کو پہاڑی درختوں کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔ درخت کاٹنے والے اس کی مرضی سے درخت کاٹتے۔ یہ کام پہاڑ کی بلندی پر ہو رہا تھا۔ آشوری نے اپنے داہنی طرف نشیب میں دھندلے دھندلے مکانات دیکھے جس سے اسے اندازہ ہوا کہ وہ پہاڑی پر کسی آبادی سے زیادہ دور نہیں ہے۔

سردار نے شاعر اسماعیل کو بھی آشوری کے ساتھ لگا دیا اور کہا: "جب تک میں اس کو اپنی عدالت میں نہ بلاؤں، تو اس سے بھی کام لیتا رہ۔"

صنوبر کے درختوں کو کاٹ کاٹ کے یکجا کیا گیا۔ آشوری نے شاعر سے بس اتنا سا کام لیا کہ وہ درخت کاٹنے والوں کی نگرانی کرتا رہے۔

سردار کے دونوں نائبین ایک ساتھ کبھی بھی نہ جاتے، وہ جب بھی کہیں جاتے تو باری باری۔ ایک نہ ایک وہاں موجود ضرور رہتا۔

دونوں میں سے ایک کا نام شعیب تھا اور دوسرے کا یحییٰ۔

چند دنوں کے ساتھ نے انھیں آپس میں خاصا بے تکلف کر دیا تھا۔

جب صبح سے کام کرتے کرتے آشوری پسینہ پسینہ ہو جاتا تو دوپہر کا کھانا وہ دونوں نائبوں کے ساتھ ہی کھاتا۔ کھانے پر باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ دونوں نائب شامی تھے۔

شاعر اسماعیل بھی انھی کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ باتوں ہی باتوں میں آشوری اور شاعر اسماعیل کو علم ہوا کہ پہلے ان دونوں کا خاندان بھی مسیحی تھا مگر ادھر پچاس سال سے وہ مسلمان تھے۔ ان دونوں کے خاندانی مراسم بھی تھے۔ ان پر دوسروں نے ظلم کیا۔ یہ کچھ عرصہ ظالموں کا مقابلہ کرتے رہے پھر ہمت جواب دینے لگ گئی اور دونوں نے سردار کے گروہ میں شمولیت اختیار کر لی: "ہم دونوں نے یہ کام نہایت جرأت اور بہادری سے انجام دیا۔ اس کام میں ہوشیاری، بہادری، مکر و حیلہ اور اپنے پیشے اور سردار سے وفاداری کو بڑا دخل ہوتا ہے۔ یہ چیزیں ہم میں بدرجہ اتم دیکھ کر سردار نے ہمیں اپنا نائب بنا لیا۔"

آشوری نے پوچھا: "مگر یہ ساری باتیں آپ مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟"

یحییٰ نائب نے جواب دیا: "اس لیے کہ تو ہمارے کام کا آدمی ہے تو بھی ہمارے گروہ کا ایک فرد بن جا۔"

آشوری نے کہا: "اس میں ہمیں ملے گا کیا؟"

یحییٰ نائب نے جواب دیا: "وہ سب کچھ جو تو اپنی عام معاشرتی زندگی میں حاصل نہیں کر سکتا۔"

آشوری نے کہا: "میں آپ کی پیش کش پر غور کروں گا، ابھی تو آپ مجھے وہ کام کرنے دیں جو آپ کے سردار نے ہمارے ذمے کیا ہے۔"

کئی دن بعد سردار نے بڑے فکر مند لہجے میں کہا: "کیا یہ درست ہے کہ تم دونوں سلطان الپ ارسلان کے آدمی ہو؟"

آشوری نے سوال کر دیا: "یہ عجیب و غریب خبر آپ کو کس نے دی؟"

سردار کو غصہ آ رہا تھا: "میں نے ایک بات تم دونوں سے پوچھی ہے اس کا جواب دو۔ میں نے تمھیں یہ حق نہیں دیا کہ تم مجھ سے کوئی سوال کرو۔"

آشوری نے جواب دیا: "ہم دونوں پریشان حال شہری ہیں۔ ہمارا سلطان سے کیا واسطہ؟"

سردار نے کچھ سوچتے ہوئے کہا: "ٹھیک ہے، اگر تو اپنے جواب میں سچا ہے تو اب تو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گا۔ اب تیری ہنر مندی ہمارے کام آتی رہے گی۔"

شاعر اسماعیل کچھ کہنا چاہتا تھا مگر دہشت ناک ماحول نے اس کی قوتِ گویائی سلب کر لی تھی۔

سردار نے اپنے دونوں نائبوں کو حکم دیا: "اس کو ہمارے ہنرمندوں میں پہنچا دو۔ اب یہ ہمیشہ انھی میں رہے گا۔"

ان دونوں کو اس پہاڑی سلسلے کی ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں صراف بھی تھے، رنگ ساز بھی، دباغ بھی، جراح بھی اور طبیب بھی۔ لوہار، بڑھئی، ندّاف بھی اور کاتبین بھی۔ لیکن پوری بستی میں عورت کا نام و نشان تک نہ تھا۔

یحییٰ نائب نے آشوری کو بتایا: "یہ سرطک آباد کی چھوٹی بستی ہے۔ ہمارے آدمیوں کو شہروں اور قصبوں میں نہیں جانا پڑتا۔ دراصل ہمارا سردار اس طرح حکومت کے نظم و نسق کا تجربہ حاصل کر رہا ہے۔ اس کی آخری منزل حکومت ہے۔ وہ ڈاکو سے فاتح بن کر دنیا کے سامنے نمودار ہوگا۔"

آشوری نے پوچھا: "کیا سردار کو عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں؟ اس بستی میں عورت تو نظر ہی نہیں آتی۔"

یحییٰ نائب نے جواب دیا: "بستیوں کی طرح سرطک بھی

ذاتی طور پر بھی یہی ہے کہ عورت فتنہ و فساد کی جڑ ہوتی ہے۔ سردار کا خیال ہے کہ اس کے ان آباد کاروں میں اس وقت تک سکون اور یکجہتی ہے جب تک کہ ان میں کوئی عورت نہیں آتی۔"

آشوری ان سے یہ تو نہیں کہہ سکا کہ ان کا سردار پاگل ہے۔ مگر اُسے یہی کام کی اور یحییٰ نائب سے پوچھا: "اس بے رنگ و بے نور آبادی میں لوگ رہتے کس طرح ہیں؟ اور خود آپ جناب والا یحییٰ نائب صاحب! میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا آپ بھی اپنی زندگی میں عورت کی کمی اور اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے؟"

یحییٰ نائب اس سوال سے لرز گیا، جواب دیا: "ہمارے نظام میں سردار اور اس کے احکامات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ہم نے ابھی تک اس پر غور ہی نہیں کیا کہ عورت کے بارے میں سردار کی رائے میں کوئی نقص بھی ہے۔ ہاں اس پر ہم سب متفق ہیں کہ عورت فتنہ و فساد کی جڑ ہوتی ہے۔"

آشوری سردار کی بستی میں ہر شخص سے ملا! وہ سب کسی مشین کی طرح اپنے اپنے حصے کا کام انجام دے رہے تھے۔

تھوڑے دنوں میں آشوری پر یہ بات واضح ہو گئی کہ سردار بہت ظالم انسان ہے اور ظلم کرنے میں اسے لذت سی محسوس ہوتی ہے۔ سردار کا قرب بھی انہی کو حاصل ہے جو اپنی فطرت و طبع میں سردار ہی کی طرح لذت آزار اور اذیت پسند ہیں۔

آشوری اور شاعر اسماعیل بہت پریشان تھے کہ وہ اس معیت سے آخر نکلیں گے کس طرح؟ آشوری یہ بھی سوچ رہا تھا کہ سردار کو یہ بات کس طرح معلوم ہوئی کہ وہ دونوں سلطان الپ ارسلان کے آدمی ہیں؟ اور سردار اگر یہ جان لیتا کہ ان دونوں کا تعلق واقعی سلطان اور اس کی مہم سے ہے تو وہ کیا کرتا؟

اچانک سردار اور اس کا نائب شعیب غائب ہو گئے۔ وہ اپنی کسی مہم پر روانہ ہو گئے تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں یحییٰ نائب ہی سب کچھ تھا۔ یہ پانچ آدمیوں کی مدد سے ہر کسی سے بڑے سفاکانہ انداز میں کام لے رہا تھا۔

آشوری نے دو کُنٹھے تیار کر دیے تھے۔ کُنٹھے اتنے بھاری اور مضبوط تھے کہ طاقتور ترین انسان بھی ان کے پاؤں یا گردن میں پڑ جانے کے بعد اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتا تھا۔

یحییٰ نائب آشوری کی ہنرمندی سے بہت خوش ہوا اور آشوری کے لیے اس کے دل میں عزت و احترام پیدا ہو گیا۔

آشوری نے یحییٰ نائب کے احساس اور جذبے کو اچھی طرح بھانپ لیا تھا۔ وہ اس گرم لوہے پر ایک فیصلہ کن چوٹ لگانا چاہتا تھا۔

وہ صنوبر کے گھنیرے سائبان کے نیچے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ وہ یہاں سے نکلے کس طرح؟ شاعر اسماعیل بھی پاس ہی بیٹھا تھا، اس کے چہرے کی شگفتگی مدھم پڑ گئی تھی۔ آشوری کو اس پر زیادہ رحم آ رہا تھا۔ اس لیے شاعر اسماعیل سے پوچھا: "خلاط کے راہب کا سفارشی خط کہاں ہے؟"

شاعر نے افسردگی سے جواب دیا: "پتا نہیں۔ اور اب اس خط کی ضرورت بھی کہاں رہ گئی!"

آشوری نے صنوبر کے تنے سے پُشت لگا دی اور دوسرے درخت کو دیکھنے لگا: "میں یہاں سے فرار ہونے کی تدبیر سوچ رہا ہوں، اس خط کی ضرورت ہے۔"

شاعر نے بے دلی سے اختلاف کیا: "اب اس کی کوئی ضرورت نہیں۔"

بیگاری مزدور تنوں اور شاخوں کی کاٹ چھانٹ میں مشغول تھے، مُردوں اور مردہ دل انسانوں کی طرح۔

آشوری نے کہا: "بہر حال میں یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

شاعر نے کہا: "ہو سکتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ سفاک لوگ انسان نہیں وحشی درندے ہیں اور اگر ہم نے یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کی تو یہ ہمیں جان سے مار دیں گے۔"

آشوری نے شاعر سے اتفاق کیا: "تیرا خیال بھی درست ہو سکتا ہے لیکن میں موت کے خوف سے آزادی کا خیال تو دل سے نہیں نکال سکتا۔"

اچانک بیگاری مزدوروں میں شور و غل ہونے لگا۔ وہ چیخ چلا رہے تھے اور سامنے دور کسی چیز کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔ پھر ان دونوں نے یحییٰ نائب اور اس کے چند ساتھیوں کو اس طرف بھاگتے دیکھا۔

آشوری اور شاعر بھی اپنی جگہ پر کھڑے ہو کر اُس طرف دیکھنے لگے۔

پھر آشوری بیگاری مزدوروں کے پاس گیا۔ وہاں فرش پر کھانا رکھا تھا۔ غالباً چند مزدور کھانا کھا رہے تھے لیکن اس شور و غل پر کھانے سے ہاتھ کھینچ کر تماشا دیکھنے لگے تھے۔ وہ آشوری اور شاعر کو اپنے قریب دیکھ کر دوبارہ کھانے پر بیٹھ گئے۔

آشوری نے پوچھا: "کیا ہوا؟ یہ شور و غل کیسا تھا؟"

ایک مزدور نے جواب دیا: "دو مزدور یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ سردار کا نائب ان کو گرفتار کرنے گیا ہے۔"

آشوری نے پوچھا: "یہ کس طرح معلوم ہوا ہے کہ وہ دونوں فرار ہو رہے تھے؟"

مزدوروں نے جواب دیا: "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ فرار کا منصوبہ دس مزدوروں نے بنایا تھا مگر اس پر عمل صرف دو نے کیا اور بقیہ آٹھ نے ان کی مخبری کر دی۔"

آشوری نے آہستہ سے کہا: "خوف غلامی اسی کو کہتے ہیں۔" اور کھانے میں مشغول مزدوروں سے کہا: "ختم کرو جلدی کھانا اور اپنا کام شروع کر دو۔"

یحییٰ نائب دونوں مفرور مزدوروں کو پکڑ کے آشوری کے پاس لے گیا اور دونوں کو دھکے دے کر آشوری کے قدموں میں ڈال دیا: "ان دونوں کے پاؤں میں ایک ایک کھنٹا ڈال دے۔"

آشوری نے حکم کی تعمیل کی اور دونوں کے ایک ایک پاؤں میں ایک ایک وزنی اور بڑا کھنٹا ڈال دیا گیا۔

دونوں زار و قطار رو رہے تھے اور اپنے کیے پر شرمندہ تھے، معافی مانگ رہے تھے۔

یحییٰ نائب نے کہا: "میں تم دونوں کو معاف نہیں کر سکتا، تم نے بہت غلط کام کیا ہے۔"

ایک مزدور نے وعدہ کیا: "اس بار آپ ہمیں معاف کر دیں، ہم آئندہ ایسی غلطی نہیں کریں گے۔"

یحییٰ نائب نے جواب دیا: "تم دونوں نے اپنا اعتماد کھو دیا ہے، میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔"

آشوری لاتعلق بنا رہا۔ اور وہاں سے اٹھ کر بیگاری مزدوروں کے پاس چلا گیا۔ وہاں کام بڑے زور و شور سے جاری تھا۔

شام کو دونوں قیدی مزدوروں کو دوسرے مزدوروں سے پٹوایا گیا۔ پیٹنے والے وہی آٹھوں مخبر تھے اور ان کو بھی منصوبے کے مطابق فرار ہونا تھا۔

یحییٰ نائب دونوں کو لہولہان چھوڑ کر آشوری کے پاس گیا اور پوچھا: "تیرا کیا خیال ہے، میں نے ان دونوں کو جو سزا دی ہے اس کے بعد کوئی دوسرا مزدور یہاں سے فرار ہونے کی ہمت کر سکے گا؟"

آشوری نے کوئی جواب نہیں دیا، بس خاموش رہا۔

یحییٰ نائب کو اس کی خاموشی گراں گزری اور درشت لہجے میں پوچھا: "کیا تو نے میرا سوال نہیں سنا؟"

آشوری نے جواب دیا: "سنا کیوں نہیں!"

اس نے پوچھا: "پھر جواب کیوں نہیں دیا؟"

آشوری نے جواب دیا: "سردار! میں اس ماحول کا آدمی نہیں ہوں اس لیے میں آپ کو وہ جواب نہیں دوں گا جس کی آپ مجھ سے توقع کریں گے۔"

یحییٰ نائب کو آشوری کا سردار کہنا بہت اچھا لگا۔ وہ نرم پڑ گیا اور پوچھا: "تو کیا جواب دے گا؟"

آشوری نے جواب دیا: "سردار! آزادی کا جذبہ ہر جاندار میں فطری ہوتا ہے، یہ اس کا پیدائشی حق ہے۔ ہر جاندار آزاد پیدا ہوتا ہے پھر دوسرے جابر جاندار اس سے اس کا یہ حق چھین لیتے ہیں۔"

آشوری کی باتیں عجیب اور ناقابل فہم تھیں۔ یحییٰ نائب بغور اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا: "اے نوجوان! میں سردار نہیں ہوں پھر تو بار بار مجھے سردار کہہ کر کیوں مخاطب کر رہا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "آپ مجھے قتل کر دیں یا کوئی اور سزا دیں لیکن سچی بات تو یہ ہے کہ سردار محض درندہ ہے، سفاک اور خونخوار، مگر آپ انسان بھی ہیں، آپ واقعی سردار معلوم ہوتے ہیں۔"

یحییٰ نائب حیران و پریشان گونگا بہرا بنا ہوا تھا: "تو یہ کیا کہہ رہا ہے؟"

آشوری نے کہا: "آپ نے دونوں مزدوروں کو قید کر دیا اور پٹوا کر لہولہان کر دیا۔ اگر آپ کا سردار ہوتا تو وہ انھیں قتل کرا دیتا۔ آپ دونوں کا یہی فرق ایک کو کمتر اور دوسرے کو برتر قرار دیتا ہے۔"

یحییٰ نائب نے پوچھا: "برتر کون ہے اور کمتر کون؟"

آشوری نے جواب دیا: "آپ برتر ہیں اور آپ کا سردار کمتر۔"

یحییٰ نائب نے اسے جھڑک دیا: "بند کر اپنی بکواس، سردار سنے گا تو تجھے قتل کر دے گا۔"

آشوری نے کہا: "میں سچ بولوں گا اور اپنے اس سچ پر میں اپنی جان قربان کر سکتا ہوں۔"

یحییٰ نائب نے اسے دوبارہ ڈانٹا لیکن اس بار اس میں پہلے جیسی تند خوئی نہیں تھی: "ایسا سچ مت بول کہ اس سے تیری جان چلی جائے۔"

آشوری اپنی کامیابی کا اندازہ لگا چکا تھا، اس نے اپنی کوشش جاری رکھی: "سردار! آپ مجھے معاف فرمائیں کیونکہ میں نے آپ میں جو کچھ دیکھا یا محسوس کیا، اس کا برملا اظہار کر دیا۔"

یحییٰ نائب نے منہ پھیر لیا: "تو باتیں بھی اچھی کر لیتا ہے، کہیں سردار یا کسی اور کے سامنے ایسی باتیں نہ کرنا۔"

آشوری نے اس کی سنی ہی نہیں، وہ اپنی بات کرتا رہا: "سردار میں کتنی ہی خصوصیات کیوں نہ ہوں لیکن وہ عقلمند نہیں ہے، بادشاہوں اور سلطانوں کی خصوصیات اس میں ہرگز نہیں، وہ تو ڈاکو ہے جبکہ آپ میں بادشاہوں کی خصوصیات موجود ہیں۔"

یحییٰ نائب نے اسے پھر منع کیا: "یہاں ایسی باتیں مت کر، اپنا کام کر اور بستی کے دوسرے آدمیوں کی طرح چپ چاپ پڑا رہ۔"

وہ چلا گیا اور آشوری اپنی کامیابی کے امکانات پر غور کرنے لگا۔

وہ اپنے خالی اوقات میں بستی والوں سے ملتا، شاعر اسماعیل سائے کی طرح اس کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ شاعر اسماعیل دونوں مزدوروں

کے حشر سے کچھ زیادہ ہی ڈر گیا تھا۔

آشوری نے ایک شخص کو دیکھا، ادھیڑ عمر یہودی معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سر کے بال کھچڑی تھے اور لمبے کرتے کے نیچے غالباً پاجامہ نہیں تھا۔ پنڈلیاں پوری تو نظر نہیں آ رہی تھیں مگر ذرا سی جو نظر آ رہی تھیں وہ عریاں تھیں۔

وہ آشوری کو دور سے گھور گھور کے دیکھے جا رہا تھا۔ وہ ایک حجرے کے دروازے پر کھڑا آشوری کو اچھی نظر سے نہیں دیکھ رہا تھا۔

آشوری نے بھی اس کے احساسات کا اندازہ لگا لیا تھا۔

شاعر اسماعیل نے آشوری سے پوچھا۔ "اس بستی کا نظم و نسق سردار کس طرح چلاتا ہوگا۔ اور ان سب کی اسے ضرورت کیوں پیش آئی؟"

آشوری نے اس ادھیڑ عمر کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ یہاں کا پرانا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ چلو اس سے باتیں کریں۔ چل کے۔"

لیکن اس سے پہلے ایک دوسرا آدمی ان کے پاس آیا اور آشوری سے پوچھا۔ "لکڑی کے بڑے بڑے اور وزنی کھمبے تم ہی بنا رہے ہو؟"

آشوری نے جواب دیا۔ "ہاں، میں ہی یہ کام کر رہا ہوں۔"

وہ بہت جلا ہوا تھا۔ "تجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ تو نے میرے بھائی کو کس عذاب میں ڈال دیا۔"

آشوری نے کہا۔ "میں تیرا مطلب نہیں سمجھا۔"

اس نے کہا۔ "فرار ہونے والوں میں میرا ایک بھائی بھی تھا۔ تیرے بنائے ہوئے بھاری اور بڑے کھمبے نے اسے کہیں کا بھی نہیں رکھا۔"

آشوری نے پوچھا۔ "تو کون ہے اور یہاں کیا کرتا ہے؟"

"میں کاتب ہوں یہاں۔ سردار کی خط و کتابت میں ہی کرتا ہوں اور اس کا حساب کتاب اور دستاویزات بھی میں ہی رکھتا ہوں۔"

اب وہ ادھیڑ عمر بھی ان کے پاس آ چکا تھا۔

آشوری نے کاتب سے کہا۔ "تیرا بھائی یہاں سے بھاگا ہی کیوں تھا؟ اس کو بھاگنا نہیں چاہیے تھا۔"

کاتب نے غصے سے کہا۔ "میں تم سے مشورہ یا نصیحت نہیں چاہتا۔"

آشوری نے بے مروتی سے کہا۔ "ابھی کیا ہے۔ میں تو سردار کے نائب کو یہ مشورہ دینے والا ہوں کہ وہ بڑے بڑے وزنی کھمبوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے اور ہلکے کھمبے بھی بنوائے۔ میں یہ کھمبے تم سب کے لیے بناؤں گا اور جب تم کام سے فارغ ہو جایا کرو گے تو تمہارے پاؤں میں انہیں ڈال دیا جائے گا۔ پھر میں دیکھوں گا کہ تم کس طرح بھاگو گے۔"

کاتب نے ادھیڑ عمر شخص کی طرف دیکھا اور آشوری کے بارے میں رائے دی۔ "یہ تو کوئی جہنمی شیطان معلوم ہوتا ہے۔"

ادھیڑ عمر شخص نے کاتب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "اپنی زبان کو قابو میں رکھیں۔ یحییٰ نائب اس کی عزت کرنے لگا ہے۔"

آشوری نے اس ادھیڑ عمر شخص سے پوچھا۔ "تو یہاں کیا کرتا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "میں صراف ہوں اور مجھے یہاں اس لیے رکھا گیا ہے کہ سردار اور اس کے ساتھی جب کبھی ہیرے جواہرات لوٹ کر لاتے ہیں تو ان کی شناخت اور درجہ بندی میں کرتا ہوں۔"

آشوری نے پوچھا۔ "اور تو بھی یہاں خوش ہے؟"

صراف نے جواب دیا۔ "خوش یہاں کوئی بھی نہیں۔ مجھے چار سال پہلے اریحا کے بازار سے اٹھایا گیا تھا۔ وہاں میرے بیوی بچے رہتے ہیں۔"

آشوری کو اس پر رحم آیا۔ پوچھا۔ "تم لوگ یہاں ہنسی خوشی رہتے ہو۔ کبھی بغاوت اور سرکشی بھی نہیں دکھاتے۔"

صراف نے جواب دیا۔ "یہاں کا قانون سخت ہے۔ رحم یا مروت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ دو فرار ہونے والوں کا حشر تو نے دیکھ ہی لیا۔"

اتنے میں ایک وحشی دوڑتا ہوا آیا اور آشوری، صراف اور کاتب کو تھپڑ مارنے لگا۔ صراف اور کاتب تو بھاگ کر اپنے حجروں میں چھپ گئے۔ باہر صرف آشوری رہ گیا۔ اس نے وحشی کے وار اپنے ہاتھوں پر روکنے کی کوشش کی اور پوچھا۔ "کیا بات ہے؟ تو آخر مجھے مار کیوں رہا ہے؟"

یہ شاید گونگا تھا کیونکہ اس کی کسی بات سے بھی یہ نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ اس نے آشوری کی بات سن لی ہے۔

اس نے صراف اور کاتب کو تو نظر انداز کر دیا۔ آشوری کا گریبان پکڑ کر کھینچتا ہوا ایک طرف لے گیا۔

آشوری نے گریبان چھڑانے کی کوشش کی اور پوچھا۔

"تو کون ہے اور میرے ساتھ یہ کیسی زبردستی کر رہا ہے؟"

اس نے پھر کوئی جواب نہیں دیا اور اس کا گریبان بھی نہیں چھوڑا۔ اس نے یحییٰ نائب کے سامنے لے جا کر دھکا دے کر چھوڑ دیا۔

آشوری کی جان میں جان آئی اور اس نے یحییٰ نائب سے اس وحشی کی شکایت کی۔ "یہ کیسا پاگل انسان ہے۔ مجھے مارا بھی اور مجھے گریبان سے پکڑ کر گھسیٹ بھی لایا۔"

یحییٰ نائب اس سے ناخوش نظر آ رہا تھا۔ پوچھا۔ "تو ان سے کس قسم کی باتیں کر رہا تھا؟"

آشوری نے جواب دیا۔ "میں ابھی ان سے ان کا تعارف حاصل

کر رہا تھا کیونکہ اب ہمیں بھی یہیں رہنا ہے۔"
یحییٰ نائب گونگے وحشی کی طرف دیکھ رہا تھا جو وحشی بھی کسی حکم کا منتظر نظر آ رہا تھا۔ یحییٰ نائب نے اس کو چلے جانے کا حکم دیا تو وہ اسی وقت وہاں سے چلا گیا۔
اب وہ آشوری سے مخاطب ہوا۔ پوچھا: "تیرا ساتھی شاعر کہاں ہے؟"
آشوری نے جواب دیا: "وہ یہیں کہیں ہوگا میرے ساتھ تو وہ نہیں تھا۔"
یحییٰ نائب نے کہا: "دیکھ ہنرمند جوان! ہر ملک اور ہر حکومت کے کچھ اصول اور قانون ہوتے ہیں یہاں کے بھی کچھ اصول اور کچھ قانون ہیں۔"
آشوری نے محسوس کیا کہ وہ جہاں کھڑا ہے وہاں دیوار کے پیچھے کچھ لوگ موجود ہیں کیونکہ انسانوں کی آہٹ کو کہیں بھی واضح محسوس کیا جا سکتا ہے۔
یحییٰ نائب اس کو بتا رہا تھا: "تو باتونی بہت زیادہ ہے۔ تیری باتیں تجھ کو مروا دیں گی۔ یہاں لوگوں کو اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے کہ وہ کسی جگہ اکٹھا ہوں اور فضول باتوں میں وقت ضائع کریں۔"
آشوری نے جواب دیا: "مجھ کو اس کا علم نہیں تھا اب میں اس کا خاص خیال رکھوں گا۔"
یحییٰ نائب نے آشوری کے سرخ اور سوجے ہوئے گال کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: "گونگے نے تجھ کو بھی مارا؟"
آشوری نے جواب دیا: "جی! دو تھپڑ۔"
یحییٰ نائب نے کہا: "یہاں اس جیسے کئی گونگے ہیں جن کا کام ہی یہ ہے کہ کسی کا خیال یا لحاظ کے بغیر اپنے فرائض انجام دیں۔"
آشوری نے یحییٰ نائب کو بتایا: "آپ میری باتوں سے خوش تو نہیں ہوں گے لیکن میں نے چونکہ آپ میں سرداری کے آثار اور خواص دیکھے ہیں اس لیے میں آپ کو بتانے بغیر بھی نہیں رہ سکوں گا۔"
یحییٰ نائب نے کہا: "تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ اب ہم سے بھی بکواس کرے گا۔"
آشوری برا مان گیا: "آپ میری سچی اور کھری باتوں کو بکواس کہہ رہے ہیں۔ آئندہ میں خاموش رہوں گا۔"
یحییٰ نائب نے اسے آرام کرنے کا مشورہ دیا۔
وہ اپنی پتھریلی کوٹھری میں جا کے لیٹ گیا۔ شاعر اسماعیل وہاں نہیں تھا۔ آشوری کو پھر اس اندیشے اور احساس نے گھیر لیا کہ وہ یہاں سے نکلے گا کس طرح؟
تقریباً نصف ساعت بعد اس کے پاس ایک طبیب آیا جسے یحییٰ نائب نے بھیجا تھا۔ اس بستی کا طبیب۔ وہ اس کے سرخ اور متورم رخسار کا علاج کرنے آیا تھا۔ اس نے سوجے ہوئے گال کو اچھی طرح دیکھا اور ایک مرہم دے کر سمجھایا: "اسے ایک ہفتے تک صبح و شام لگاتا رہ۔"
آشوری نے مرہم لے لیا۔ طبیب کچھ دیر کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر پوچھا: "تجھ کو کس نے مارا تھا؟"
آشوری نے جواب دیا: "وحشی گونگے نے۔ ایک مجھے کیا، اس نے کئی کو مارا تھا۔ وحشی گونگا کہیں کا۔"
طبیب نے کہا: "ویسے یحییٰ نائب آپ پر کچھ زیادہ مہربان ہے۔"
آشوری نے بیزاری سے جواب دیا: "ہو سکتا ہے اس سے خود مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔"
طبیب بدستور کھڑا رہا۔ وہ آشوری سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے پوچھا: "ویسے آپ یہ تو بتائیں کہ آپ صراف اور کاتب سے باتیں کیا کر رہے تھے؟"
آشوری نے اس کو جھڑک دیا: "اب تو بھاگ جا یہاں سے ورنہ وہ گونگا یہاں آن کے مارپیٹ شروع کر دے گا۔"
طبیب وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے تقریباً نصف ساعت بعد یحییٰ نائب نے اس کی مزاج پرسی کی۔
یحییٰ نائب نے کہا: "طبیب آیا تھا؟ مرہم دیا اس نے؟ اس سے افاقہ بھی ہوا یا یوں ہی؟"
آشوری نے اس کا شکریہ ادا کیا: "افاقے اور فائدے کا پتا تو دو چار دن بعد چلے گا۔"
یحییٰ نائب نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: "آ میرے ساتھ چل ذرا۔"
آشوری نے پوچھا: "کہاں؟"
یحییٰ نائب نے جواب دیا: "جن دو مزدوروں کو میں نے پٹوایا تھا، اب میں ان کا علاج بھی کروا رہا ہوں۔"
آشوری نے بے اختیار کہا: "آپ واقعی سردار ہیں، حقیقی سردار۔"
یحییٰ نائب آشوری کو دونوں مزدوروں کے پاس لے گیا وہی طبیب جو آشوری کے پاس آیا تھا ان دونوں کا علاج کر رہا تھا، وہ اس وقت بھی دونوں کے پاس بیٹھا تھا۔
یحییٰ نائب نے کہا: "میں نے اپنے بارے میں تیری رائے جاننے کے بعد خود کو ٹٹولا تو اندر سے میں خاصا رحم دل نکلا۔"
آشوری اپنی کامیابی پر بے حد خوش تھا: "آپ سردار ہیں۔ پتھر کی طرح سخت اور موم کی طرح نرم۔ ایک سردار کو اتنا متعدل ہی ہونا چاہیے۔"
وہ دونوں کچھ دیر وہاں رہے۔ اس کے بعد یحییٰ نائب اسے اپنے گھر لے گیا۔ یہ بھی ایک سنگی دو کمروں کا مکان تھا بے ڈھنگے

چھوٹے بڑے پتھروں کو تلے اوپر رکھ کر مکان کھڑا کر دیا گیا تھا۔

یحییٰ نائب نے پوچھا: "شاید تو نے عالموں کی صحبت اٹھائی ہے کیونکہ تیری باتیں ذرا عالمانہ ہوتی ہیں۔"

آشوری نے اقرار کیا: "ہاں سوفان میں جہاں کا میں رہنے والا ہوں، دور دور سے لوگ آتے تھے۔ چین سے، ہندوستان سے، مصر سے، ایران سے۔ میں ان کی صحبت سے فیض اٹھاتا رہا۔"

یحییٰ نائب نے اس کے اور اپنے لیے کھانا منگوایا۔ کھانے میں ایک اچار آشوری کو زیادہ پسند آیا۔ مری نام کا اچار۔ اس نے باورچی کو بلا کر پوچھا: "یہ کس چیز کا اچار ہے؟"

باورچی نے جواب دیا: "سرکے اور مچھلی میں کئی دوسرے مسالے بھی استعمال ہوتے ہیں اور یہ اس علاقے کا مشہور مزے دار اچار ہے۔"

یحییٰ نائب آشوری کے تجسس پر غور کر رہا تھا: "تو واقعی ہنرمند ہے۔ اچار پسند آیا تو اس کی ترکیب اور اجزائے ترکیبی ہی معلوم کرنے لگا۔"

باتوں ہی باتوں میں یحییٰ نائب اپنے سردار کی شکایت کرنے لگا: "وہ بہت سخت ہے، کسی پتھر کی طرح۔ وہ کہتا ہے سنگدلی اختیار کرو، وہ رحم اور مروت کو انسانی کمزوری قرار دیتا ہے۔"

آشوری نے کہا: "آپ جس کو اپنا سردار کہتے ہیں وہ صرف قصاب ہے قصاب۔ آپ قانونِ قدرت پر غور کریں۔ موسموں کا حال دیکھیں۔ کبھی گرمی، کبھی سردی، کبھی بارش، کبھی سخت گرمی کبھی سخت سردی کبھی بہت زیادہ بارش۔ انسان کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اور سردار کو تو بالکل ایسا ہونا چاہیے۔"

یحییٰ نائب کے دل و دماغ کے تاریک گوشوں میں نور کی کرنیں داخل ہو چکی تھیں۔

اس نے کہا: "سردار کہتا ہے، اپنے ماتحتوں اور زیردستوں سے دور دور رہ اور درمیان میں تکلف اور حجاب کو حائل رہنے دے ورنہ رعب جاتا رہے گا اور یہ اپنا کام صحیح طرح نہیں انجام دیں گے۔ تیرا کیا خیال ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "تیرے سردار کی سوچ ناقص ہے، رعب قائم رہے یا جائے اس سے انسان کی کارکردگی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

یحییٰ نائب نے پوچھا: "پھر بھی؟ اس باب میں تیری عقل کیا کہتی ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "یہ پوری دنیا جو آوارہ و سرگرداں ہے، والہانہ اور مضطربانہ اپنے اپنے کام انجام دے رہی ہے۔ کیا اس کے پیچھے کسی کا خوف یا رعب کارفرما ہے؟"

یحییٰ نائب نے آہستہ سے کہا: "شاید یہی بات ہو۔"

آشوری نے نفی کر دی: "نہیں، یہ بات ہرگز نہیں۔ بہت سے لوگ پیٹ کا ذکر کرتے ہیں، مگر میں یہ پوچھتا ہوں کہ انسانی معدہ کتنا بڑا ہوتا ہے۔ اس کا حجم، اس کی سمائی کتنی ہے۔ اس میں کتنی گنجائش ہوتی ہے؟ انسان کی محنت اور سعی و کاوش اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔"

یحییٰ نائب آشوری سے بہت مرعوب ہو چکا تھا۔

آشوری کہہ رہا تھا: "انسان کو اس کی ہوس، اس کی حرص آوارہ و سرگرداں رکھتی ہے۔ تیرے سردار کے پاس کیا کچھ نہیں ہے، وہ پھر بھی مارا مارا خوار پھر رہا ہے۔"

یحییٰ نائب بدک گیا: "ہنرمند جوان! اب تصوف یا رہبانیت کی بات ہرگز نہ کرنا، یہ چیزیں میرے مزاج کے خلاف ہیں۔"

آشوری نے جواب دیا: "سردار! میں خود ایک دنیادار انسان ہوں۔ میں تصوف اور رہبانیت کو خود بھی پسند نہیں کرتا۔ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ زیادہ کی ہوس نہ کرو اور اگر اموالِ دنیا زیادہ مل رہا ہو تو اس سے دوسروں کی ضرورت پوری کرو۔"

یحییٰ نائب نے اس کی یہ بات نہیں مانی: "محنت ہم کریں اور فائدہ کوئی اور اٹھائے، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"

آشوری نے کہا: "جبکہ آپ کی بستی میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ کام دوسرے کرتے ہیں اور فائدہ سردار اٹھاتا ہے۔"

یحییٰ نائب نے اس پہلو پر غور کیا تو بات سچی نظر آئی۔ اس نے آشوری سے ایک اور مشورہ کیا: "سردار ایک خطرناک مگر انتہائی سود مند مہم پر گیا ہوا ہے۔ وہ جلدی واپس نہیں آئے گا۔ اس وقت تک میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اپنے آدمیوں کے دل جیت لوں، ان کو اپنا بنا لوں۔ میں ان سب کو سردار کے مقرر کردہ اصولوں اور طریقوں پر نہیں رکھنا چاہتا۔ میں انھیں اپنے اصول دینا چاہتا ہوں۔"

آشوری نے اس کے لیے وقت مانگا: "بہت اچھا خیال ہے آپ کا، اس پر آپ بھی سوچیں اور میں بھی سوچوں گا۔"

یحییٰ نائب نے اسے بتایا: "یہاں سے پندرہ فرسخ دور منبج کے ساحل پر قسطنطنیہ کے قیصر کی فوج اتر چکی ہے۔ سردار اس کا جائزہ لینے گیا ہے۔"

آشوری کی پوری توجہ اس موضوع پر مبذول ہو گئی۔ "سردار کا قیصر سے کیا واسطہ؟ قیصر اور مسیحی تو مسلمانوں سے جنگ کرنے آئے ہوں گے، سردار کا ان سے کیا تعلق؟"

یحییٰ نائب نے جواب دیا: "سردار نے اس بار زیادہ حوصلے سے کام لیا ہے۔ وہ ان دور افتادہ مسیحیوں کو لوٹنا چاہتا ہے۔ وہ اسے اسلام کی خدمت سمجھ کر انجام دے گا۔"

آشوری نے پوچھا: "قیصر کے پاس کتنی فوج ہے؟"

یحییٰ نائب نے جواب دیا: "تقریباً دو لاکھ۔"

آشوری نے اپنی حیرت کا ذکر کیا: "اے کاش ان مسیحیوں

کر میں بھی دیکھ سکتا۔"

یحییٰ نائب کو آشوری کی ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ اپنی کہتا رہا: "پتا نہیں سردار کی اس مہم میں مارے گیا ملے اور کیا کھو دے۔ میں ہر حال اور ہر معاملے میں خود کو چاق و چوبند اور مستعد رکھنا چاہتا ہوں۔"

یحییٰ نائب نے آشوری کے مرتبے اور اعزاز میں اضافہ کر دیا۔ اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔

آشوری نے کہا: "سردار! آپ تو جانتے ہی ہیں کہ شاعر اسماعیل میرا دوست ہے۔ میں اس کے بغیر یہاں کس طرح رہوں گا؟"

یحییٰ نائب نے کہا: "اگر تو اس کو اپنے ساتھ رکھنے پر بضد اور مصر ہے تو میں اس کو بھی تیرے پاس بھیجے دے رہا ہوں۔"

کچھ دیر بعد شاعر اس کے پاس آ گیا اور بڑے عجیب انداز میں کہنے لگا: "بھائی! ایک بات تو بتا، یہ سب کیا ہو رہا ہے چپکے چپکے؟"

آشوری نے شاعر کو سمجھایا: "میں یہاں سے نکلنے کی تدبیر کر رہا ہوں۔ اس کوشش میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"

شاعر نے ٹھنڈی سانس لی: "کیا ہم ایک قبرستان میں نہیں رہ رہے ہیں۔ عجیب لوگ ہیں یہاں والے۔۔ ہر طرف سناٹا، ویرانی۔"

آشوری نے اسے اس قسم کی باتیں کرنے سے روک دیا۔

"زیادہ باتیں نہ کر۔ مجھ کو اپنا کام کرنے دے۔"

شاعر نے کہا: "مجھ کو تو ایسا لگتا ہے کہ ہم سے کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی غلطی ضرور ہو گی اور یہ لوگ ہمیں قتل کر دیں گے۔ اب ہم مر کر ہی نکلیں گے یہاں سے۔"

یحییٰ نائب اچانک معلوم نہیں کہاں چلا گیا تھا۔

شام ہوئی تو پرندوں نے درختوں پر جمع ہو ہو کر چہچہانا شروع کر دیا۔ وہ بسیرا لے رہے تھے۔ بستی میں چراغ جل گئے۔ نائب کا مکان بلندی پر تھا۔ وہاں سے نیچے کی طرف بستی کے جھلملاتے ٹمٹماتے چراغ بہت اچھے لگ رہے تھے۔

رات آ گئی لیکن یحییٰ نائب لاپتا تھا۔ اس کا کہیں کوئی پتا نہ تھا۔ گونگا کئی بار اس کے پاس آیا اور مسکرا کر چلا گیا۔ شاید یحییٰ نائب نے آشوری کے بارے میں اشاروں کنایوں میں کچھ بتا دیا تھا کہ گونگا اس کو دیکھ کر مسکرانے لگا تھا۔

آدھی رات ہو گئی۔ یحییٰ نائب غائب تھا۔ آشوری وہاں کس کس سے پوچھتا کہ یحییٰ نائب کہاں چلا گیا۔ یہاں کے دوسرے آدمی کہیں سامنے موجود نہیں تھے۔

شاعر اسماعیل تو پاگل ہوا جا رہا تھا۔ رات کے سناٹے اور تنہائی میں اس کی وحشت میں کچھ زیادہ ہی اضافہ ہو گیا تھا۔

رات کے پچھلے پہر صبح سے ذرا پہلے یحییٰ نائب پریشان پریشان واپس آیا۔ اس وقت آشوری سو چکا تھا اور شاعر جاگ رہا تھا۔

یحییٰ نائب نے شاعر سے کہا: "تو اپنے ساتھی کو جگا دے۔"

شاعر نے کہا: "وہ گہری نیند سو رہا ہے۔"

یحییٰ نائب نے اس کو برا بھلا کہا اور پھر کہا: "او کم عقل! میں کہتا ہوں اسے بیدار کر دے۔ سردار واپس آ گیا ہے۔ اس کے یہاں آنے سے پہلے پہلے تم دونوں اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جاؤ۔"

شاعر اسماعیل نے آشوری کو جگا دیا اور اس کو یہ خوشخبری سنائی کہ تیری عزت افزائی وقتی اور عارضی تھی اس لیے ہوش میں آ جا اور اپنے حجرے میں واپس چل۔

آشوری نے دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملیں اور چراغ کی روشنی میں یحییٰ نائب کے چہرے کو دھندلا دھندلا دیکھ لیا۔

یحییٰ نائب کو ایک ایک لمحہ گراں گزر رہا تھا۔ اس نے چیخ کر دونوں کو دہلا دیا: "یہ کیا سستی اختیار کر رکھی ہے تم دونوں نے؟"

آشوری نے کچھ سمجھے جانے بغیر پوچھا: "کیا بات ہے، خیریت تو ہے؟"

یحییٰ نائب نے دونوں کو ایک ایک ہاتھ پکڑ کے ان کے بستروں پر کھڑا کر دیا: "جلدی کرو جلدی۔"

دونوں بدحواس گھر سے نکلے اور باہر نکل کر پوچھا: "ہم کہاں اور کیوں جائیں؟"

یحییٰ نائب نے جواب دیا: "میں تم دونوں کو دوبارہ اپنے پاس بلا لوں گا۔ اس وقت سردار آیا ہوا ہے اور وہ تم دونوں کو میرے گھر میں دیکھ کر پاگل ہو جائے گا۔"

آشوری نے کہا: "ٹھیک ہے مگر اب میں یہیں اسی جگہ اپنے گھر پڑا رہوں گا اور یہیں رہوں گا کسی اور کے گھر میں نہیں، اپنے گھر میں۔"

یحییٰ نائب نے اسے سمجھانا چاہا: "تو بہکی بہکی باتیں مت کر۔ سردار آ چکا ہے۔ میں سردار کے سامنے تم دونوں کو اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔"

آشوری کو جب پوری طرح ہوش آ گیا تو وہ یحییٰ سے معذرت کرنے لگا۔

آشوری اور شاعر اسماعیل نیند کے اڑ جانے سے الجھن اور تھکان محسوس کر رہے تھے۔ یحییٰ نائب کے چلے جانے کے بعد دونوں کافی دیر تک بے دلی سے باتیں کرتے رہے۔ دونوں خوفزدہ ہو رہے تھے کیونکہ سردار کا کوئی بھروسا نہ تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

شاعر اسماعیل نے کہا: "تو کیوں ڈرتا ہے کیونکہ تو نے تو اتنا شاندار کام کیا ہے کہ سردار کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔"

آشوری نے جواب دیا: "بات کام یاد کرنے کی نہیں بلکہ

سچی بات تو یہ ہے کہ سردار کو میری کوئی بھی بات بری لگ سکتی ہے۔"

دونوں نے وہ رات بڑی بے چینی سے گزاری۔ صبح ہونے سے ذرا پہلے انھیں نیند آگئی اور دیر تک سوتے رہے۔

یحییٰ نائب نے ان دونوں کو بیدار کیا اور بتایا کہ سردار ان دونوں کو فرداً فرداً طلب کر رہا ہے۔

دونوں یحییٰ نائب میں ایک عجیب سی تبدیلی دیکھ رہے تھے۔

اس نے آشوری کو بتایا: "سردار تجھ سے خوش ہے کیونکہ تیرے بارے میں دوسروں نے بھی اچھی گواہیاں دی ہیں۔"

شاعر اسماعیل نے پوچھا: "اور میرے بارے میں؟"

یحییٰ نائب نے ناگواری سے جواب دیا: "وہاں چل کے معلوم ہوگا۔ ویسے جس نے جو کیا وہ سامنے آجائے گا۔"

وہ غار جس میں سردار نے بستی والوں کو جمع کیا تھا، شاہی دیوان خانے جیسا تھا۔ سردار نے اپنے لیے ایک اونچا چبوترا بنوایا تھا۔ وہ اس چبوترے پر کسی حکمران کی طرح بیٹھ گیا۔ دونوں نائبین بھی اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ سردار سے کمتر درجے کے خدمت گار شاہی محافظوں کی طرح اس کے آس پاس کھڑے ہو گئے۔

سردار نے ایک ایک کو بلانا اور اس کے کام اور کارکردگی کے بارے میں سوالات شروع کر دیے۔

اس نے آشوری کو یہ خوشخبری سنائی کہ اب وہ ہمیشہ یہیں ان کے ساتھ رہے گا کیونکہ اس نے جو کام کیا تھا وہ بہت شاندار اور معیاری تھا۔

دو مزدوروں کو یہ سزا دی کہ ان کے پاؤں میں پڑا ہوا بھاری اور بڑا کنڈا دو ماہ کے لیے مستقل کر دیا گیا۔ اس کنڈے نے پنڈلی کو زخمی کر دیا تھا اور وہ حصہ سوج گیا تھا۔ سردار نے اسے ان کی سزا میں شمار کیا اور اعلان کیا کہ اس کا علاج نہیں کیا جائے گا۔

صراف اور کاتب کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ یہ آپس میں باغیانہ باتیں کرتے ہیں۔

سردار نے ان دونوں کو یہ سزا دی کہ وہ آئندہ ایک دوسرے سے لاتعلق رہیں گے اور یہ کہ اگر وہ آپس میں باتیں کرتے دیکھے گئے تو انھیں مزدوروں میں شامل کر دیا جائے گا۔

چند مزدوروں کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ وہ اپنے خیالوں میں گم رہتے ہیں جس سے ان کے کام پر اثر پڑتا ہے۔

ان کو سردار نے یہ سزا دی کہ ان کے سرہانے رات کو ڈھول والے بٹھا دیے جائیں اور رات کو جب وہ سونا چاہتے ہوں تو ڈھول کو زور شور سے بجایا جائے اور انھیں سونے نہ دیا جائے۔

سردار نے انھیں بتایا کہ وہ یہ سب اس لیے کر رہا ہے کہ اس طرح وہ اپنے آدمیوں کو نظم و ضبط کا پابند کر دے گا جس سے بھی کو فائدہ پہنچے گا۔

یہ کارروائی کئی گھنٹے جاری رہی۔

آخر میں شاعر اسماعیل کو بلایا گیا۔

وہ کانپتا تھرتھراتا سردار کے سامنے کھڑا کر دیا گیا۔

سردار نے بستی والوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے ٹھکانوں کو واپس جائیں۔

وہ سب خاموشی سے چلے گئے۔ اب سردار شاعر اسماعیل سے مخاطب ہوا: "ہاں اب تو بتا کہ تو نے کیا کام کیے؟"

شاعر اسماعیل نے جواب دیا: "میری بدقسمتی یہ ہے کہ میں کوئی کام نہیں جانتا اور جو کام جانتا ہوں اس کا یہاں کوئی قدردان نہیں۔"

سردار نے آشوری کی طرف دیکھا: "تیرا یہ ساتھی کیا بکواس کر رہا ہے، سن رہا ہے تو؟"

آشوری نے جواب دیا: "سن رہا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔"

سردار نے کہا: "تو نہیں جانتا کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔"

آشوری نے جواب دیا: "سن رہا ہوں اور اس کی سمجھ پر ماتم کر رہا ہوں۔"

شاعر نے کہا: "میں نے سردار کی عدم موجودگی میں مزدوروں والا کام کیا ہے۔"

سردار نے پوچھا: "تو نے شاعری کے علاوہ جو کچھ کیا ہے، اس کی تفصیل بتا۔"

شاعر نے جواب دیا: "میں نے لکڑیوں کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر رکھے ہیں۔ اور یہ کام میں نے بڑی لگن اور تن دہی سے کیا ہے۔"

سردار نے اس کا یہ جواب نہیں مانا۔ اس نے کہا: "یہ کوئی کام نہیں۔ اس کے علاوہ تو نے کیا کیا؟"

شاعر اسماعیل نے جواب دیا: "اس کے علاوہ میں کیا کرتا۔ اسی کام نے میرا خون پسینہ ایک کر دیا۔"

سردار نے نفی میں سر ہلایا: "نہیں، یہ کوئی کام نہیں۔ وہ کام بتا جس کی محنت کو میں تیرے تاوان میں شمار کروں۔"

شاعر اسماعیل لاجواب ہو رہا تھا۔

سردار نے کہا: "میرے گروہ کا ہر آدمی کچھ نہ کچھ کرتا ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے اس کے عوض ہمیں کچھ حاصل ہوتا ہے۔ تجھ سے تو ہمیں کچھ بھی نہیں ملا ابھی تک۔"

آشوری کو شاعر پر بے حد رحم آ رہا تھا مگر وہ اس کی حمایت میں ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں ادا کر سکتا تھا۔

سردار نے اچانک اپنے نائب یحییٰ سے پوچھا: "کیا تو شاعر کی حمایت میں کچھ کہے گا؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "میری نظر میں یہ ایک فضول سا انسان

ہے۔ میں اس کی حمایت میں کس رشتے سے کچھ کہوں۔“

سردار نے شاعر سے پوچھا۔ ”سُنا ہے تو نے ہمارے لیے چند اشعار کہے ہیں۔“

شاعر اسماعیل کے چہرے پر رونق نمودار ہوئی۔ جواب دیا۔ ”ہاں، ایک قصیدہ آپ کی شان میں موزوں تو کیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو عرض کروں۔“

سردار نے اجازت دے دی۔ ”سُناؤ، میں سُنوں گا۔“

سردار کے اس جواب نے سبھی کو حیرت زدہ کر دیا۔ سردار نے اس قسم کی بات کبھی کسی سے کی ہی نہ تھی۔

آتشوری شاعر کے کلام کا قائل تھا اس لیے اُسے یقین ہو گیا کہ شاعر اسماعیل اب سردار کا دل جیت لے گا۔

دونوں نائب، شاعر پر پوری توجہ مرکوز کیے ہوئے تھے۔

شاعر اسماعیل نے اپنا قصیدہ شروع کر دیا۔

”اے سردار! میں نے تجھ سے پہلے سلطانوں کو دیکھا اور ان کا حال پڑھا تھا

وہ سلطان جنھوں نے حکومت کی اور انسانوں کے عظیم الشان ہجوم کو اپنا مطیع اور فرماں بردار بنا کے رکھا

وہ سلطان جو فاتح تھے، شہروں اور ملکوں کے فاتح، تو ملوں کے فاتح

وہ سلطان جن کے آباؤ اجداد بھی سلطان تھے اور جنھیں سلطانی ورثے میں ملی تھی

وہ سلطان جن کے آباؤ اجداد گڈریے تھے اگر یاں چرواہے

اور وہ سلطان جو اپنے قبیلوں کی مدد سے رہزنی کرتے کرتے سلطان بن گئے

اُنھوں نے شہر اجاڑے، شہر بسائے، بے شمار انسانوں کا خون بہایا

ایک ملک کو لوٹا اور اپنے ملک کو مالا مال کر دیا

وہ سلطان جن کو لوٹ مار کا سلیقہ آتا ہے اور اسی سلیقے نے انھیں عزت اور شہرت دی

وہ سلطان جن کا ہر لفظ قانون ہوتا ہے۔ ان کو انسانوں کی جانوں پر اختیار ہوتا ہے

جس کو چاہیں مار دیں، جس کو چاہیں بخش دیں۔ انسان ان سے لرزاں و ترساں رہتا ہے

میں نے ان سلطانوں کو دیکھا، پڑھا اور ان کو داد تحسین سے نوازا

ان کی شان میں قصیدے لکھے اور انھیں آسمانِ شہرت پر بٹھا دیا

میں شاعر اسماعیل کہ مفلس و بے نوا ہوں، پھر ایک دن میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ

اے خدا! یہ بڑے لوگ جن کا میں نے ذکر کیا ہے، وہ کہاں ہیں؟ مجھ کو ان سے ملوا دے

تاکہ میں انھیں بالکل ان کے قریب جا کے دیکھوں، ان سے باتیں کروں، اُن کی آواز سُنوں، ان کے کارنامے اپنی آنکھوں سے دیکھوں

مجھے کچھ پتا نہیں کہ میری دعا کو کب شرفِ قبولیت حاصل ہوا، میری دُعا قبول ہوئی

اور میں نے اندازہ لگایا کہ جب میں یہ اِلتجا دعا مانگ رہا تھا تو اس وقت بابِ اجابت وا تھا۔

میری دعا، میری زندگی کی بہترین دُعا کہ اس کے بعد اس سے اعلیٰ و ارفع دعا کا میں تصور بھی نہ کر سکوں گا

میری دُعا قبول ہوئی، میں ایرانیوں کے آتش کدے میں ان کی عظمتِ رفتہ پر نوحہ کناں تھا کہ میرا مطلوب میرا مقصود وہاں بھیج دیا گیا۔ میں پیاسا تھا لیکن قادرِ مطلق نے کنوئیں کو میرے پاس بھیج دیا

آتش کدے میں سردار کے آدمیوں نے مجھے بتایا کہ دیکھو! وہ بڑا انسان باہر موجود ہے

وہ فی الحال سلطان نہیں ہے لیکن اس میں جو سلطانی خواص اور خصوصیات موجود ہیں

رُعب اور دبدبہ ایسا کہ بہادروں کی نظریں اس کے سامنے نہیں اُٹھتیں بلکہ اس کے قدموں میں سجدہ ریز ہو جاتی ہیں

وہ فاتح ہے قبیلوں، گروہوں اور بستیوں کا فاتح۔ وہ بھی اپنے اسلاف کی طرح محنت سے اُدھر کے خزانے اِدھر لے آتا ہے

یہ بھی برقِ خاطف کی طرح انسانوں پر گرتا ہے اور انھیں جلا کے خاک کر دیتا ہے

اس کو انسانی جانوں پر اتنا اختیار حاصل ہوتا ہے کہ جسے چاہے مار دے، جس کو چاہے معاف کر دے

اس میں سلطانوں کی ساری خصوصیات موجود ہیں۔ میں نے اسے دیکھا اور گرویدہ ہو گیا

میں اس کا قصیدہ کیوں نہ لکھوں کہ میرے عہد کا ایک عظیم انسان ہے

لوگو! آؤ اس کو دیکھو، اس کے کارنامے غور سے سنو اور اس کو داد دو

مبارک ہے وہ ماں، جس نے اتنا عظیم القدر بیٹا پیدا کیا

مبارک ہے وہ شہر، قریہ، گاؤں یا ملک جس کی خاک سے یہ عظمت پیدا ہوئی

مبارک ہیں وہ لمحے جن کے ساتھ یہ بہترین خوبیوں والی مٹی گزری

مبارک ہیں وہ لوگ جو اس کے آگے پیچھے جہاں شاہوں اور فنکاروں کی طرح رقصاں رہتے ہیں

مبارک لوگ ہیں وہ جو اس کے احکامات سنتے ہیں اور ان کی تعمیل کرتے ہیں

مبارک ہوں میں کہ یہ ذات میری مطلوب و مقصود ٹھہری، میں نے اسے قریب سے دیکھا

اتنے زیادہ قریب سے کہ میں نے اس کی سانسوں کی گرمی اپنے چہرے پر محسوس کی ہے

اے شاعر اسماعیل! اب تو خدا سے یہ دعا کر وہ اسے نظر بد سے محفوظ رکھے اور یہ کہ

باب اجابت وا ہو اور میری دعا دوگنا اس میں داخل ہو جائے۔"

شاعر کا قصیدہ ختم ہوا اور ماحول پر سناٹا طاری ہو گیا۔

دونوں نائب اپنے سردار کو شک کی نظروں سے دیکھ رہے تھے، آشوری کو یقین ہو چکا تھا کہ شاعر نے میدان جیت لیا۔

سردار نے شاعر سے پوچھا: "تو مسیحی ہے؟"

شاعر اسماعیل نے جواب دیا: "ہاں میں مسیحی ہوں اور اپنی مسیحیت پر مجھے فخر ہے۔"

سردار نے پوچھا: "تیرا مذہب سچ کو اچھا کہتا ہے یا برا؟"

شاعر نے جواب دیا: "روئے زمین پر کوئی ایسا مذہب بھی ہے جو سچ کو برا اور جھوٹ کو اچھا کہتا ہو؟"

سردار نے کہا: "اور تیرے دین کی اساس عدم تشدد پر ہے یا تشدد پر؟"

شاعر نے جواب دیا: "ہمارے خداوند مسیح نے ہمیشہ عدم تشدد کی تلقین اور تشدد کی مذمت کی ہے۔"

سردار نے وضاحت کی: "پھر تو کیسا بدبخت اور روسیاہ مسیحی ہے کہ جھوٹ بھی دھڑلے سے بولتا ہے اور تشدد کی تعریفیں بھی کرتا ہے۔"

شاعر کھسیانا نظر آرہا تھا: "وہ کس طرح؟"

سردار نے جواب دیا: "تو نے خون خرابے، جنگ و جدل، سلطان اور مزن کی تعریفیں کیں ان کی مدح سرائی میں پوری دماغی اور ذہنی قوت صرف کر دی۔ کیا مسیحیت میں ایسا ہے؟ کیا تو نے یہ جو کچھ کہا از روئے دین مسیح درست ہے اور تیرا عقیدہ اور تیرا دین تجھ کو اس کی اجازت دیتا ہے؟"

شاعر لاجواب ہو چکا تھا اس کے چہرے پر پسینے کی نمی آگئی تھی۔

سردار نے مزید کہا: "تو نے بادشاہوں، فاتحوں اور ڈاکوؤں کی جھوٹی تعریفیں کیں، تو نے میری بھی جھوٹی تعریفیں کیں، تو نے یہ جھوٹ بھی بولا کہ جب تو نے میرے جیسے انسان سے ملنے کی دعا مانگی تھی تو تیرے لیے باب اجابت وا ہو گیا تھا۔ تجھ کو اس کا ادراک اور شعور کیونکر ہوا؟ کیا تجھ پر القا ہوتا ہے یا الہام ہوتا ہے؟"

شاعر دم بخود اور خاموش تھا۔ آشوری اندر سے لرز رہا تھا۔ دونوں نائب شاعر کی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔

سردار نے کہا: "تو نے بدترین جرم یہ کیا کہ میری جھوٹی تعریفیں کر کے مجھ کو گمراہ کرنے کی کوشش کی، اور اب تو مجھ سے انعام و اکرام کی توقع کر رہا ہو گا۔"

شاعر نے عاجزی سے سر جھکا دیا: "سردار! مجھے معاف فرما دیں میں انعام و اکرام کا امیدوار نہیں ہوں۔"

سردار نے کہا: "اس سے کیا ہوتا ہے؟ تو مجھ سے انعام یا کچھ اور حاصل کرنے کا مستحق کس طرح ٹھہرتا ہے؟ کسی طرح بھی نہیں، جبکہ میں اس کا حقدار ہوں کہ تجھ سے کچھ حاصل کروں۔ میرا پیشہ ہی یہ ہے کہ میں جس پر ہاتھ ڈالوں اس سے کچھ حاصل کروں۔ میں نے تجھ پر اور تیرے ساتھی پر ہاتھ ڈالا۔ تیرے ساتھی سے مجھے کچھ مل گیا مگر تجھ سے کچھ بھی نہیں ملا۔ اور یہ میری روایت اور میرے پیشے کے اصولوں کے خلاف ہے کہ میں اپنے شکار کو یوں ہی چھوڑ دوں۔ میں تیرے ساتھ، تیری جان کے ساتھ جو انصاف کر سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں تجھ کو ہلاک نہ کروں اور تجھے یہاں سے زندگی کے ساتھ رخصت کر دوں لیکن میں اپنا حق کسی حال میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

ماحول پر سناٹا طاری تھا کہ دیکھیے کیا ہوتا ہے

کچھ دیر بعد سردار نے اپنا فیصلہ سنا دیا: "میں اس سے اپنے حق کے طور پر زیادہ سے زیادہ جو شے حاصل کر سکتا ہوں وہ اس کے کپڑے ہیں اس کا لباس۔ اور اس کے جھوٹ اس کے جرم کی جو زیادہ سے زیادہ سزا دے سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس کا لباس چھین کے برہنہ انسانی آبادی میں دھکیل دوں۔ یہی میرا انصاف ہے اور یہی میرا فیصلہ ہے۔"

شاعر پر کپکپی طاری ہو گئی: "سردار! یہ ظلم نہ کریں۔"

سردار مشتعل ہو گیا: "تو نے مجھے ظالم کہا۔ میں ظالم ہوں، افسوس کہ حتمی فیصلہ ہو چکا دوسری کوئی سزا نہیں دے سکتا۔"

اس کے بعد اپنے نائب یحییٰ کو حکم دیا: "فیصلے پر عمل درآمد کرانا تیرا کام ہے۔"

آشوری اپنے ساتھی کی بے عزتی نہیں دیکھ سکتا تھا اس نے منہ پھیر لیا۔

یحییٰ نائب شاعر اسماعیل کے کپڑے اتارنے لگا۔ شاعر نے مزاحمت کی۔ یحییٰ نے اپنی مدد کے لیے دو آدمی اور بلا لیے۔ شاعر اسماعیل چیخنے چلانے لگا۔

سردار اٹھ کر چلا گیا اور جاتے جاتے حکم دے گیا کہ اسے غار

کے باہر پھینک دیا جائے۔

آشوری نے نفرت سے شاعر کی سفارش کی: "اس پر اتنا ظلم تو نہ کریں۔"

یحییٰ نے اسے تنبیہ کی: "ایسی زبان نہ استعمال کر کہ تیرے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جائے۔"

شاعر اسماعیل اپنے ساتھی کو آوازیں دے رہا تھا: "میرے دوست! میرے ساتھی! میری مدد کر۔"

آشوری بھی وہاں سے ہٹ گیا۔

وہ اپنی کوٹھری میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ چھوٹی سی کوٹھری میں ٹہلنا محال تھا لیکن وہ پھر بھی ٹہلتا رہا۔

کچھ دیر بعد یحییٰ نائب اس کے پاس آیا اور کہنے لگا: "آج تو نے غلط زبان استعمال کی تھی اگر سردار نے تیری بات سن لی ہوتی تو شاعر جیسا تیرا بھی حشر ہوتا۔"

آشوری نے پوچھا: "وہ کہاں ہے؟ کیا اُسے غار کے باہر پھنکوا دیا؟"

یحییٰ نائب نے جواب دیا: "ہاں! وہ باہر پھینک دیا جائے گا۔"

آشوری نے کہا: "سردار! کیا آپ میرا ایک کام کر دیں گے؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "میں کام تو تیرا کر سکتا ہوں مگر وہ کام اس شاعر سے متعلق نہیں ہونا چاہیے۔"

آشوری نے کہا: "افسوس کہ میں انسان ہوں اور اپنے ساتھی کے حشر پر میرا دل رو رہا ہے۔"

یحییٰ خاموش ہو گیا۔ وہ پھر کچھ سوچ رہا تھا۔

آشوری نے کہا: "آپ کسی بھی طرح اُسے کپڑے بھجوا دیں۔ وہ لباس کے بغیر کس طرح کہیں جائے گا؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "سردار کی اس سزا کے خلاف تو میں بھی تھا لیکن سردار کا حکم موت کی طرح ہوتا ہے اس سے انحراف یا ٹال مٹول ناممکن ہے۔"

آشوری نے غلاطہ کے راہب کا سفارشی خط بھی یحییٰ کو دیا۔ "اس کے لباس کے ساتھ یہ خط بھی شاعر کو دے دیا جائے۔"

یحییٰ نے یہ خط حیرت سے دیکھا پھر پوچھا: "یہ تجھ کو کہاں سے ملا؟"

آشوری نے جواب دیا: "بستی کے کاتب سے۔"

یحییٰ دم بخود آشوری کو دیکھتا رہ گیا: "اس نے تجھ کو خط کس طرح دے دیا؟"

آشوری نے جواب دیا: "یہ اپنے اپنے اخلاق اور تعلق کی بات ہے۔"

یحییٰ نے خط تو لے لیا مگر ساتھ ہی تنبیہ کیا: "ہنرمند جوان! چند لمحوں ہی میں تو نے اپنا اتنا اثر قائم کر لیا کہ کاتب نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر یہ خط تیرے حوالے کر دیا۔"

آشوری نے کہا: "سردار! کہیں دیر نہ ہو جائے آپ یہ خط اس کو پہنچا دیں اس خط سے اسے کام مل جائے گا۔"

یحییٰ چلا گیا اور ایسا غائب ہو گیا کہ سارا دن غائب رہا اس کا کوئی پتا نہ تھا۔

☼

سردار نے آشوری کے بنائے ہوئے کنگھے دیکھے بڑے بڑے پھولوں اور صلیبوں کی شکلوں کے۔ سردار اس سے خوش تھا اس نے کہا "ہمارے ساتھ وہی لوگ چل سکتے ہیں جو کارآمد ہوں کام کے ہوں۔ صرف باتیں بنانے والے میرے لیے بے کار ہیں۔ فضول ہیں۔"

آشوری خاموش رہا۔ سردار کے ساتھ اس کا دوسرا نائب شعیب بھی تھا۔ وہ سردار کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔

سردار نے اپنے نائب سے کہا: "تو تو جانتا ہی ہے کہ ہم سب عنقریب ایک طویل، خطرناک اور شاندار مہم پر روانہ ہو جائیں گے۔ واپسی میں میرے ساتھ کافی سامان اور مال و زر ہو گا۔ اب میں اپنے اس کاروبار کے ساتھ ایک نیا کاروبار بھی شروع کرنا چاہتا ہوں۔ اس کاروبار میں یہ ہنرمند میرے بہت زیادہ کام آسکتا ہے۔"

آشوری بدستور خاموش تھا۔

سردار کو غصہ آ گیا: "کیا تو گونگا ہے، بولتا کیوں نہیں؟"

آشوری نے عرض کیا: "سردار! میں جانتا ہوں کہ میں آپ کی مرضی کے خلاف ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکال سکتا۔"

سردار نے کہا: "بات خاموشی کی ہو رہی ہے اور تو میری مرضی اور میری رائے کی کر رہا ہے۔"

آشوری نے کہا: "یہاں یا تو میں آپ کی ہاں میں ہاں ملاؤں یا پھر خاموش رہوں۔"

سردار نے کہا: "ایک سوچے اور حکم دے، دوسرے سنیں اور اس کی تعمیل کریں۔ اسی طرح دنیا کا کام اچھی طرح خوش اسلوبی سے چل سکتا ہے۔ نہ کہ سبھی سوچیں اور اس پر عمل کریں۔ اس طرح تو دنیا برباد ہو جائے گی۔ افراتفری عام ہو جائے گی۔"

آشوری نے پھر کوئی جواب نہیں دیا۔ سردار نے اسے بتایا۔ "مسلمانوں سے جنگ کرنے جو بھی یہاں آئے ہیں میں انہیں گرفتار کر کے دنیا بھر کی غلاموں کی منڈی میں بیچ دینا چاہتا ہوں اس طرح میں کافی دولت کما سکوں گا۔"

شعیب نائب نے سردار کو یاد دلایا: "یہ ہنرمند جوان عیسائی ہے یہ ہماری اس خبر سے خوش نہیں ہوگا۔"

سردار نے واضح کیا: "یہ میرا علاقہ ہے یہاں میری حکومت ہے یہاں میرا حکم چلتا ہے یہاں مذہب کی بات نہیں ہوگی۔"

آشوری کو سردار کی تمام خیالی پر ہنسی بھی آ رہی تھی۔ وہ لاکھ بے نام عیسائیوں پر اسی طرح حملہ آور ہوتا کہ وہ شکست اٹھا کر بردہ فروشی کے لیے قیدی بن جائیں بڑی مضحکہ خیز بات تھی۔

سردار نے اسے حکم دیا: "ہمیں زیادہ سے زیادہ کھشتے درکار ہوں گے، وہ زیادہ بڑے اور زیادہ وزنی نہ ہوں لیکن ان کی تعداد زیادہ ہونی چاہیے۔"

آشوری نے عرض کیا: "مجھے اپنا گھر یاد آ رہا ہے، میں بہت زیادہ محنت بھی نہیں کر سکتا۔"

سردار نے جواب دیا: "تجھ کو کافی معاوضہ دیے جائیں گے اور بعد میں تو اپنے گھر بھی جا سکے گا۔"

شعیب نے کہا: "سردار نے تجھ کو جو مقام دیا ہے وہ یہاں کسی کو بھی نہیں دیا۔ تو اس کی قدر کر۔"

آشوری نے ان دونوں کو سرسری نظروں سے دیکھ کر سر جھکا لیا۔

سردار نے اپنے نائب سے کہا: "یہ جوان مجھ کو گہرا اور گھنا معلوم ہوتا ہے، گھنا اور گہرا۔ معلوم نہیں کیا سوچ رہا ہے۔"

آشوری نے جواب دیا: "میں یہ سوچ رہا ہوں کہ خدا نے سردار کو کتنی زیادہ عقل دی ہے کل کی نصف اور نصف میں ایک کو دنیا۔"

سردار ایک دم مشتعل ہو گیا: "ایسی باتیں مت کر، کہیں تو بھی اپنے ساتھی شاعر کے انجام کو پہنچ جائے۔"

شعیب نے سردار کو سمجھایا: "سردار! یہ ہمارے ماحول کا عادی نہیں ہے۔ بستے بستے رہتے رہتے اور سیکھتے سیکھتے سب کچھ سیکھ جائے گا۔ فی الحال زیادہ سرزنش درست نہیں۔"

سردار نے کہا: "ہاں اس کو سمجھا دے کہ مجھ کو اور میرے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس کو غلاموں میں کھڑا کر کے فروخت کر دوں۔"

سردار بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ نائب شعیب شاید سردار کے ایما پر آشوری کے پاس کھڑا رہا۔

آشوری سردار کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

شعیب نے کہا: "اب ادھر کیا دیکھتا ہے؟ ادھر میری طرف دیکھ۔"

آشوری اس سے مخاطب ہو گیا: "میں ہنرمند ہوں، کام جانتا ہوں جہاں بھی جاؤں گا اپنے ہنر اور کام سے دوسروں کے دلوں میں جگہ بنا لوں گا۔ سردار کا رویہ مناسب نہیں ہے۔"

شعیب نائب نے اس کو سمجھایا: "تو ہنرمند ہونے کے ساتھ ساتھ بے وقوف بھی ہے۔ سردار اپنی بات اور اپنے کسی بھی معاملے میں مداخلت برداشت نہیں کرتا۔ ابھی تو سردار سے واقف نہیں ہے۔ سردار خفا ہو کر کچھ بھی کر سکتا ہے۔ وہ تجھ کو غلام کی طرح بیچ بھی سکتا ہے اور اگر چاہے تو تیرے ہاتھ پاؤں توڑ کے ہمیشہ کے لیے معذور کر دے پھر تو زندگی بھر بھیک ہی مانگتا رہے گا۔"

آشوری ڈر گیا۔ روہانسا ہو گیا: "تم ہی بتاؤ پھر میں کیا کروں؟"

شعیب نے جواب دیا: "سردار کے احکام کی تعمیل، اور ایک خاص بات اور ذہن نشین رکھ۔"

آشوری اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ بھولپن اور معصومیت سے۔ خوف اور دہشت بھری معصومیت سے۔

شعیب نے کہا: "تو یہاں کی بستی میں رہتا ہے، سردار کو یہ بات بھی پسند نہیں کہ تو ان سے یا ان میں کسی سے بھی غیر ضروری تعلقات بڑھائے۔"

آشوری نے جواب دیا: "میں اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔ مجھ کو تنہائی اور خاموشی پسند ہے۔"

شعیب اس طرح مسکرایا جیسے وہ آشوری کی کسی بات پر بھی یقین نہیں کر رہا: "تو نے یہاں کے کاتب سے تعلقات استوار کیے اور میرے ساتھی یحییٰ کو بہت زیادہ اپنا گرویدہ کر لیا۔ یہ باتیں کسی عزلت نشین اور کم گو کے بس کی نہیں۔"

آشوری حیران تھا کہ یہ ساری باتیں شعیب کو کس طرح معلوم ہوئیں، جبکہ شعیب یہاں موجود بھی نہ تھا۔ اس نے سوچا کیا بستی میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو ایک دوسرے کی مخبری کرتے ہیں۔ یہ بدترین غلامی کی شاندار علامت تھی۔

شعیب نے اسے سمجھانے کی کوشش کی: "تو یہاں سے نکل نہیں سکتا۔ ہاں سردار کو راضی اور خوش رکھ کے تو بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔"

وہ سمجھا کے چلا گیا۔ وہ اپنی کوٹھڑی میں واپس گیا تو اسے یہ جگہ کاٹنے لگی۔ پہلے یہاں دو آدمی رہتے تھے آشوری اور شاعر اسماعیل۔ اب آشوری تنہا رہ گیا تھا۔

سہ پہر کو مشرق سے آندھی نمودار ہوئی۔ آسمان کا رنگ سرخ ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا گویا آسمان سے خون برسنے والا ہے۔ تند و تیز ہواؤں نے پتھروں کو ہلا کے رکھ دیا۔ اونچے اونچے درخت زمیں بوس ہو گئے۔ چھوٹے بڑے پتھر بلندی سے نشیب کی طرف لڑھک رہے تھے اور ان کی رگڑ اور ٹکر سے یوں محسوس ہوتا تھا گویا زمین کے اندر عفریتوں کی جنگ برپا ہے۔

بستی کے لوگ باہر نکل آئے اور اذانیں دینا شروع کر دیں۔ اذان دینے والوں نے خود کو چٹانوں کے سہارے ستونوں کی طرح روک رکھا تھا۔ دونوں ہاتھ کانوں پر تھے اور کھلتے بند ہونے والے منہ سے اللہ کی بڑائی اور عظمت کی گواہی دی جا رہی تھی اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔

جو لوگ اذان نہیں دے رہے تھے توبہ استغفار میں مشغول

تھے۔ وہ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہ رہے تھے۔
وہ جلے سرخ آندھی پر برملا تبصرے کر رہے تھے اس معیبت نے ان کے دلوں سے سردار کی دہشت اور رعب زائل کر دیا تھا۔ اس وقت وہ جس قسم کی باتیں کر رہے تھے اس سے ان کی بے خوفی عیاں تھی۔

ایک نے اس آندھی کو اللہ کا قہر قرار دیا، وہ قہر جو سردار اور اس کے ساتھیوں پر آسمان سے نازل ہو رہا تھا۔

دونوں فرار ہونے والے بھی زخمی حالت میں آسمان کی طرف منہ اٹھائے سردار اور اس کے ساتھیوں کو کوس رہے تھے۔

کسی نے اپنے ساتھیوں کو یہ مشورہ بھی دیا کہ اس ہنگامی حالت سے فائدہ اٹھایا جائے اور یہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش کی جائے۔ یہاں جو کچھ اور جس شکل میں بھی ہو رہا تھا اس کے پیچھے یہی ایک جذبہ، یہی ایک احساس اور یہی یقین کار فرما تھا کہ اس سرخ آندھی نے سردار اور اس کے ساتھیوں کے اثرات اور اختیارات کو زائل، معدوم کر دیا ہے۔

اسی عالم میں معلوم نہیں کدھر سے یحییٰ نمودار ہوا اور آشوری کو دونوں ہاتھوں سے دھکیلتا ہوا اس کی کوٹھری میں لے گیا۔ اس نے آشوری کو بتایا کہ عنقریب ایک دوسری آندھی آنے والی ہے اور اس آندھی سے وہ بھی نہیں بچ سکیں گے جو سرخ آندھی سے بچ گئے ہیں۔

آشوری نے پوچھا "یہ دوسری آندھی ... کدھر سے آ... رہی ہے؟"

یحییٰ نے جواب دیا "سردار اور شعیب اپنی بستی میں اس آزادی اور بے باکی کو برداشت نہیں کر سکتے جو سرخ آندھی کی وجہ سے رونما ہوئی ہے۔"

آشوری کو بڑی حیرت ہوئی، پوچھا "کیا سردار اس آسمانی معیبت سے ذرا بھی خوفزدہ نہیں؟"

یحییٰ نے جواب دیا "نہیں جارہا ہوں تو باہر نہیں نکلے گا۔ سردار موت سے نہیں ڈرتا۔ آندھی کیا چیز ہے۔"

یحییٰ چلا گیا اور کچھ دیر بعد آشوری نے اپنی کوٹھری سے جھانک کر باہر دیکھا، وہاں سردار کے آدمی بستی والوں کو مار مار کے گھروں کو واپس بھیج رہے تھے یہاں تک کہ موذنوں کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔ سردار چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اگر اللہ نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ سرخ آندھی سے اس سرزمین کو برباد کر دیا جائے تو تمہاری اذانیں اللہ کے اس فیصلے کو بدل نہیں سکتیں۔ جو ہونا ہے وہ تو ہو کر رہے گا۔

تھوڑی دیر بعد سب کی بہادری اور بے باکی غائب ہو چکی تھی ہر طرف انسان ناپید ہو گئے تھے۔

سردار کے آدمی چیخ چیخ کے بستی والوں کو بتا رہے تھے کہ مسلمانوں نے جو گناہ کیے ہیں اللہ نے ان کے عذاب میں عیسائیوں کا عظیم الشان لشکر بھیج دیا ہے، یہ سرخ آندھی بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

تھوڑی دیر بعد سرخ آندھی کا زور ٹوٹ گیا۔ سردار بھی اپنے ساتھیوں سمیت کہیں غائب ہو گیا۔ اب وہاں ہر طرف سکون اور سناٹا تھا۔

آشوری کو حیرت تھی کہ سردار نے نقصان وقتی اور ہنگامی سرکشوں کا معائنہ کیوں نہیں کیا؟ ان سے جواب طلب کیوں نہیں کیا؟

وہ رات بھی کچھ زیادہ تاریک تھی۔ ہر طرف سکوت اور تاریکی کا پہرا تھا۔ آشوری کو اپنی کوٹھری میں وحشت ہو رہی تھی۔ وہ یحییٰ سے یہ جاننا چاہتا تھا کہ شاعر اسماعیل کہاں اور کس حال میں ہے اس سناٹے اور تنہائی میں سلطان الپ ارسلان، خواجہ حسن، شہزادی اور ہندی نژاد لڑکی بھی یاد آئی۔ پھر اسے یوں لگا جیسے ہندی نژاد لڑکی نے سبھی کو تصور کی نظروں سے اوجھل کر دیا اور خود اپنی شوخی و شرارت اور شباب و رعنائی کے ساتھ اس کے وجود پر طاری ہو گئی۔

کوٹھری میں چھوٹا سا چراغ جل رہا تھا۔ اس کی نظریں چراغ کے اوپر تھیں۔ پھر وہ اپنے آپ سے اور ہندی نژاد لڑکی سے باتیں کرنے لگا۔

کسی نے دروازے پر دستک دے کر اس کو بدمزہ کر دیا۔

دروازہ کھلا تو یحییٰ ایک جھپاکے سے اندر داخل ہو گیا۔
پوچھا "کیا ہو رہا ہے؟"

آشوری اسے اچانک اپنے سامنے دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ جواب دیا "میں تو آپ کا انتظار کر رہا تھا۔"

یحییٰ نے کہا "میں نے تیری خاطر بڑے خطرات مول لیے اب میں سوچتا ہوں کہ مجھ میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی تھی۔"

آشوری نے پوچھا "میرے ساتھی شاعر کا کیا ہوا؟ وہ کہاں اور کس حال میں ہے؟"

یحییٰ نے جواب دیا "میں نے اپنی جان پر کھیل کر اس کو باس بھیجا اور تیرا سفارشی خط بھی۔ ایک راہبر بھی ساتھ کیا ہے جو اسے جسر منبج (منبج کے پل) تک پہنچا دے گا۔"

آشوری نے پوچھا "جسر منبج؟ یہ کون سی جگہ ہے؟"

یحییٰ نے جواب دیا "یہ ایک پل ہے۔ اس سے گزر کر انسان منبج پہنچ سکتا ہے۔"

آشوری کو اطمینان نہیں تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس سرداری نظام کا کوئی شخص اتنی ہمدردی اور جرأت بھی دکھا سکتا ہے۔

یحییٰ نے بتایا "یہ بھی وقت اور اتفاق کی بات ہے کہ سردار اپنے گروہ کے ساتھ عیسائیوں کی طرف جا رہا ہے سو وہ کسی اسلامی

زوج کو اپنی خدمات بھی پیش کر سکتا ہے یا پھر وہ اپنے طور پر ہی عیسائیوں پر چھاپے مارتا رہے گا اس طرح وہ یہاں سے کافی دنوں تک معدود اور غیر حاضر رہے گا۔"

آشوری نے پژمردہ لہجے میں کہا۔ "اس سے مجھے کیا فائدہ؟"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "میں نے اپنے ساتھی شعیب سے تیرا ذکر کیا تھا۔ اسے بھی تیری باتیں عجیب لگیں اور تو حیرت کرے گا کہ میں نے تیرے ساتھی والا کام اسی کی مدد سے انجام دیا ہے۔"

آشوری نے اسی اداس لہجے میں کہا۔ "خیر یہ کام تو ہو گیا، شاعر اسماعیل منبج پہنچ جائے گا لیکن اس سے مجھے کیا فائدہ پہنچے گا؟"

یحییٰ نے کہا۔ "حیرت ہے یہ تو کس قسم کی باتیں کر رہا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا۔ "میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ یہاں یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کا حاصل کیا ہے؟"

یحییٰ نے کہا۔ "دنیا کا ہر کام یہ سوچ کر کرنا کہ اس کا حاصل کیا ہے، کیا فضول سی بات نہیں ہے؟"

آشوری نے کہا۔ "میں آپ سے ہر کام کی بات نہیں کرتا، لیکن بڑے بڑے کاموں کے پیچھے یہ سوال ضرور ہونا چاہیے کہ ان کا حاصل کیا ہوگا؟"

یحییٰ نے اسے بتایا۔ "ہمارا سردار جو کچھ کر رہا ہے اس کے پیچھے مال و زر جمع کرنے کا جذبہ ہے۔ وہ بہت سے خانہ بدوش چھاپہ ماروں کی طرح قزاقی سے حکمران بننے کا خواہش مند ہے۔ حکمران بننا ہمارے سردار کی سب سے بڑی بلکہ آخری خواہش ہے۔ اور ہم چونکہ اپنے سردار کے نائب ہیں اس لیے اس کے بعد اس کی جگہ حاصل کرنا ہماری سب سے بڑی اور آخری خواہش ہے۔"

آشوری خاموش ہو گیا۔ چراغ کی روشنی میں دونوں کے چہرے آسیب سے لگ رہے تھے۔

یحییٰ نے پوچھا۔ "تو چپ کیوں ہو گیا۔ بولتا کیوں نہیں؟"

آشوری نے جواب دیا۔ "میں بول کے کروں گا کیا۔ مجھے اپنا کام کرنا چاہیے بس یہی میری کوشش اور میری خواہش ہے۔"

یحییٰ کو پہلی بار یہ شخص نیم پاگل سا محسوس ہوا۔

دوسرے دن اول پہر یحییٰ آشوری کو ایک پہاڑی پر لے گیا یہاں سے انہیں نیچے میدانی منظر صاف نظر آتا تھا۔ اس نے پرجوش اور پرمسرت لہجے میں کہا۔ "سردار اپنے گروہ کے ساتھ منبج جا رہا ہے، وہاں عیسائیوں سے اس کا معرکہ ہوگا۔ سردار ان سے چھاپہ مار جنگ لڑے گا اور ان سے ان کا مال چھین لے گا۔"

آشوری نے آگے پیچھے جاتے ہوئے گھڑ سواروں کو دیکھا، جو قافلہ اور قبیلہ بہ قبیلہ دور سے چھوٹے چھوٹے نظر آ رہے تھے۔

یحییٰ نے اپنے گروہ پر ایک نظر ڈالی اور فخریہ کہا۔ "اب یہ لوگ

علاقہ میرا ہے صرف میرا۔ اب یہاں میرا حکم چلے گا۔"

آشوری نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور یحییٰ کا ساتھ چھوڑ کے ایک طرف چل دیا۔

یحییٰ نے اسے آواز دی۔ "ہنر مند جوان کہاں؟"

آشوری نے جواب دیا۔ "اب میں اپنا کام شروع کروں گا، باتیں بہت ہو چکیں۔"

یحییٰ تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے پاس پہنچا اور کہا۔ "تو اپنا کام کسی اور کے حوالے کر دے۔ اپنا نائب چن لے، وہ کرتا رہے گا کام، تیرے حصے کا کام تیری نگرانی میں۔"

آشوری نے جواب دیا۔ "کیا میں اور کیا میرا نائب۔ میں زیادہ سے زیادہ مصروف رہنا چاہتا ہوں۔"

یحییٰ نے پھر وہی بات محسوس کی کہ یہ کچھ پاگل نہیں ہے؟

آشوری اپنا کام کرتا رہا، بجھے بجھے دل سے کسی مزدور کی طرح۔ سردار بہت سے قیدیوں کو لے گیا تھا ان کو قابو میں رکھنے کے لیے چھوٹے بڑے، ہلکے بھاری کنڈوں کی ضرورت تھی۔ گول پہیوں کی طرح اور جن میں چھوٹا سا نوکی کا نشان شامل کر دیا ہو۔ صلیب کی طرح لکڑی کے کنڈے انہیں قیدیوں کی گردن اور پاؤں میں ڈال کر قیدی بنایا جاتا تھا۔

بستی کے لوگ آشوری کے گرویدہ تھے۔ وہ سب اس کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہ تبدیلیاں یحییٰ بھی دیکھ رہا تھا۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ بستی والے اب زیادہ لگن اور جذبے سے کام کر رہے تھے۔ آشوری کا ایک اشارہ یا معمولی سی ہدایت یا سرزنش ان کے لیے کافی تھی۔

وہ یحییٰ کی پرواہ کیے بغیر بستی والوں میں گھل مل گیا۔ اور یحییٰ کا محور قرار پایا۔ وہ ان سے بڑی باتیں کرتا، ان کے حوصلے بڑھاتا اور جینے کا ولولہ دیتا۔

یحییٰ یہ سب دیکھ رہا تھا اور انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ اسے آشوری برا لگنے لگا تھا۔ وہ آشوری سے باتیں کرنا چاہتا تھا اور اس کو منع کرنا چاہتا تھا کہ وہ یہ سب نہ کرے۔

کٹے ہوئے تنوں اور شاخوں پر کام چل رہے تھے۔ انہیں حسب منشا ٹکڑوں میں تبدیل کیا جا رہا تھا۔ بہت سے آدمی رندہ چلا کے ٹکڑوں کو ہموار کرنے میں مشغول تھے۔ کچھ ان میں بڑے بڑے سوراخ کر رہے تھے۔ بعض چھوٹے چھوٹے حسب منشا ٹکڑوں کو جوڑ کر پہیے بنا رہے تھے۔ اور یہ سارے کام آشوری کی نگرانی میں ہو رہے تھے۔

یحییٰ آشوری کی بے نیازی اور بے غرضی سے ڈر رہا تھا۔ اسے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں تھی۔ سردار کو واپسی پر اپنا کام بھی دکھانا تھا۔ آشوری اگر کسی وجہ سے یہ کام نہ کر سکا تو اس سے یہ کام نہ لیا جا سکا

تو وہ سردار کو اس کا کیا جواب دے گا۔ بس یہی سوچ اور یہی احساس اسے روکے ہوئے تھا۔

لیکن جب جذبۂ حسد اپنے عروج کو پہنچ گیا تو یحییٰ نے آشوری کو منع کیا: "ہنرمند جوان! میں کچھ عرصے سے یہ دیکھ رہا ہوں کہ تو یہاں کے اصول اور قواعد و ضوابط توڑ رہا ہے۔"

آشوری نے جواب دیا: "سردار! آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے اس لیے میں آپ کی باتوں کا برا نہیں مانوں گا۔ مجھے آپ بتائیے کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

یحییٰ نے کہا: "میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ تو یہاں کے اصولوں کی پابندی نہیں کر رہا۔"

آشوری نے جواب دیا: "میں نہیں جانتا کہ یہاں کے کیا اصول ہیں لیکن میں فطرت اور قدرت کے اصولوں پر پوری طرح کاربند ہوں۔"

یحییٰ نے کہا: "یہاں کے اصول یہ ہیں کہ لوگوں سے کام کی حد تک واسطہ رکھو۔ اس کے بعد غیر متعلق ہو جاؤ۔ آپس میں غیر ضروری باتیں مت کرو۔ جب باتیں کرو تو خیال رکھو کہ کسی کو بغاوت یا سرکشی کی تعلیم تو نہیں دی جا رہی۔ تو عقلمند ہے تو انھیں یہ باور کرا سکتا ہے کہ ان کے ساتھ یہ جو کچھ پیش آ رہا ہے یہ ان کی تقدیر ان کا مقدر ہے۔ اس لیے اللہ کے صابر اور شاکر بندے کی طرح اس پر قائم رہیں۔"

آشوری نے جواب دیا: "سردار! میرا جو کام ہے وہ میں پوری طرح توجہ اور جاں فشانی سے انجام دیتا رہوں گا۔ اس کے علاوہ آپ جو چاہتے ہیں تو یہ کام میں نہیں کر سکوں گا۔"

یحییٰ نے پوچھا: "کیوں؟ کیوں نہیں کرے گا یہ کام؟"

آشوری نے جواب دیا: "یہ کام میں خلوص اور جذبے سے نہیں کر سکوں گا کیونکہ یہ جھوٹ اور سراسر غلط ہے اور دھوکا دینے کے مترادف ہے۔"

یحییٰ نے کہا: "تو میری بات نہیں مانے گا۔ حالانکہ میں نے تیرا ساتھ دیا ہے اور تجھ سے امتیازی اور اعزازی سلوک کر رہا ہوں۔"

آشوری نے پوچھا: "آپ مجھ سے یہ کیوں چاہتے ہیں؟ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "میں بستی والوں کی کارکردگی میں اضافہ چاہتا ہوں۔ ان میں جوش، جذبہ، لگن دیکھنا چاہتا ہوں۔"

آشوری نے جواب دیا: "تب پھر آپ فکر نہ کریں۔ اس کا بھی طریقہ ہے میرے پاس۔"

یحییٰ نے کہا: "میں یہاں کا نظم و نسق اپنے طور پر چلانا چاہتا ہوں اہل صلیب کے احکامات اور فیصلوں پر نہیں۔"

آشوری نے یحییٰ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ یحییٰ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ دونوں میں معاہدہ ہو گیا کہ یحییٰ آشوری کا خیال رکھے گا اس کی چھوٹی چھوٹی خواہشوں کا احترام اور پاس کرے گا اور آشوری اس کے لیے وہ سب کرے گا جس سے بستی والوں میں یحییٰ کا مرتبہ اور مقام بلند ہو جائے۔ اور وہ یحییٰ کے بے دام کے غلام ہو جائیں۔

آشوری نے یحییٰ کو یہ مشورہ بھی دیا کہ وہ خود سردار بننے کی فکر کرے اور لوٹ مار سے جو دولت جمع ہوتی ہے اس سے کام لے اس سے آدمیوں کی وفاداریاں خرید کر آگے بڑھے۔

●

آشوری نے یحییٰ کی مدد سے شاعر اسماعیل کو ایک خط لکھا۔ یہ خط منبج کے مرکزی کلیسا کے پتے پر بھیجا گیا تھا اور اسے یحییٰ کا ایک انتہائی معتمد لے کر گیا تھا۔ یحییٰ کا معتمد عیسائی پیشہ تھا، عقلمند ہوشیار اور بہادر لڑاکا تھا۔ آشوری نے یحییٰ اور قدیر کو بیک وقت یہ یقین دلایا تھا کہ وہ انھیں سردار کے مقابلے میں زیادہ بلند مقام دلا دے گا۔

آشوری نے شاعر کو لکھا تھا۔

"کلیسا کے پادری کو اعتماد میں لے کر وہاں پہنچو جہاں ہم دونوں کو پہنچنا تھا۔ وہیں وہ معلومات درکار ہے جو ہمیں آگے چل کے عزت و مقام بخشے گی۔ میں ابھی نہیں آؤں گا لیکن جب بھی آؤں گا، اس خوشخبری کے ساتھ کہ میں نے محنت سے اپنی عقل اور ذہانت سے کام لے کر وہ کام کر دکھایا ہے جو دنیا کے فلسفی اور مدبر انجام دیا کرتے ہیں۔ یہاں کا سردار یحییٰ میرا قدردان ہے اور میں اس کے احسان اور قدردانی کا جو صلہ اسے دوں گا اسے وہ ہمیشہ یاد رکھے گا۔

مسیحی افواج سے جو کچھ حاصل کرو اسے فوری روانہ کرو۔ وہ کس طرح؟ شاید یہ تمھیں نہ سوچنا پڑے۔ جن کو یہ چیزیں درکار ہیں وہ اپنے آدمی تمھارے پاس روانہ کر دے گا۔

مجھے چندی نژاد لڑکی یاد آ رہی ہے اور میں یہ جو کچھ کر رہا ہوں اسی کے حصول کی خاطر کر رہا ہوں۔ خداوند یسوع مسیح سے تو بھی دعا کر کہ وہ ہمیں کامیاب کریں۔"

یحییٰ نے اس کا خط چوری سے پڑھ لیا تھا۔ اس نے آشوری سے خط کے بارے میں چند سوالات بھی کیے جن کے معقول جوابات مل گئے۔

مثلاً یحییٰ نے پوچھا: "شاعر کس قسم کی معلومات حاصل کرے گا؟"

آشوری نے جواب دیا: "دراصل ہم دونوں قیصر کے دربار میں پہنچنا چاہتے ہیں۔ وہاں کس طرح پہنچیں، یہ معلوم کرنا ہے۔"

یحییٰ متذبذب تھا شاید اس جواب پر پوری طرح یقین نہیں

اس نے دوسرا سوال کیا: "تو وہ کون سا کارنامہ انجام دینا چاہتا ہے جو فیلسوف اور مدبر انجام دیا کرتے ہیں؟"

آشوری ہنسنے لگا: "میں آپ کو سرداری دلانا چاہتا ہوں۔ جب آپ بڑے بن جائیں گے تو ہم بھی بڑے بن جائیں گے اور ہم دونوں اپنے مستقبل کی طرف سے بے فکر ہو جائیں گے۔"

اس کا یہ جواب بھی یحییٰ کی سمجھ میں نہ آیا۔

یحییٰ نے تیسرا سوال کیا: "مسیحی افواج سے کیا حاصل ہو گا اور خوری کیا بھیجا جائے گا۔ اسے کس کے ذریعے بھیجا جائے گا اور وہ کون لوگ ہیں جو شاعر کے اس پاس کچھ لے جانے کے لیے موجود ہیں؟"

آشوری نے جواب دیا: "شاعر کو اپنی کمائی سے جو کچھ ملے گا وہ اسے خوری روانہ کر دے گا کیونکہ خوری میں بردہ فروشوں کا ملک التجار رہتا ہے۔ اس کے پاس ہندی نژاد ایک خوبصورت کنیز ہے مجھے وہ بہت اچھی لگتی ہے اور اسے میں اپنے لیے خریدنا چاہتا ہوں۔ شاعر اس سلسلے میں جو رقم خوری کے تاجر کو بھیجنا چاہے گا۔ اس کے نمائندے منبج ہی میں وصول کر لیں گے۔"

یحییٰ نے پوچھا: "وہ ہندی نژاد لڑکی جس کا تم نے اپنے خط میں ذکر کیا، کیا بہت خوبصورت ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بہت حسین ہے لیکن وہ مجھے بہت اچھی لگتی ہے میں یہی کہہ سکتا ہوں۔"

یحییٰ نے پوچھا: "یہ کیسا سوداگر ہے جو تیرے لیے مدتوں روکے رہے گا؟"

آشوری نے جواب دیا: "ہاں! وہ میری خاطر صرف میری خاطر رکا رہے گا وہ میری بڑی عزت کرتا ہے۔"

یحییٰ نے کہا: "تب تو تو بڑا خوش قسمت ہے کہ لوگ تیری اتنی عزت کرتے ہیں۔"

آشوری نے جواب دیا: "صرف اس لیے کہ میں ایک بے غرض انسان ہوں اور دوسروں کی عزت کرتا ہوں۔"

یحییٰ کو ہندی نژاد دوشیزہ کا ذکر اچھا لگا تھا۔ پوچھا: "کیا وہ ہندی نژاد لڑکی بہت حسین ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "میں آپ کے سوال کا جواب پہلے ہی دے چکا ہوں اور مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔"

یحییٰ کی روح کو اس لڑکی کے ذکر سے لذت حاصل ہو رہی تھی۔ پوچھا: "اس کا رنگ کیسا ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "وہ سرخ و سفید نہیں ہے۔ اس کا رنگ سانولا ہے جس کے بارے میں ہندوستانی کہتے ہیں کہ ہر رنگ کچا سانولا رنگ پکا۔"

یحییٰ نے پوچھا: "وہ عقلاً اور ذہناً کیسی ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "وہ بہت ذہین اور مزاج شناس ہے۔"

یحییٰ کے سوالات ختم ہی نہیں ہو رہے تھے: "اس کی آواز کیسی ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "اس کی آواز میں ترنم ہے۔ جب وہ بولتی ہے تو ایسا لگتا ہے گویا بلبل نغمہ خواں ہے۔ اس کی دلنشین آواز دل ہی میں نہیں ذہن میں اتر جاتی ہے۔ گوش اور جان دیر تک اس کی حلاوت سے لطف اندوز ہوتے رہتے ہیں۔"

یحییٰ کا برا حال تھا: "اس کی آنکھیں؟ وہ کیسی ہیں؟"

آشوری نے جواب دیا: "خوابیدہ خوابیدہ سی حسن و شباب کے نشے سے سرشار۔ جو دیکھے بن پیے بہک جائے، وجد میں آ جائیں دیکھنے والوں کو مست و بے خود بنا دیں۔"

یحییٰ مست و بے خود ہو چکا تھا: "اور اس کے بال؟"

آشوری نے جواب دیا: "راتوں کی طرح سیاہ، کالی گھٹاؤں کی طرح نرم اور گھنیرے۔ دیکھو تو یہی تمنا کرو کہ ان میں روپوش ہو جاؤ۔ ان میں اپنا چہرہ چھپا کر غم دنیا سے نجات حاصل کر لو۔"

یحییٰ کا کام تمام ہو چکا تھا: "اور اس کا شباب؟"

آشوری نے جواب دیا: "اس کی میں کیا تعریف کروں۔ وہ دیکھنے کی چیز ہے۔ ایسا شباب کہ اس پر صد سلطنت نثار کر دیا جائے۔ دنیا کے سامنے آ جائے تو رقابتیں عام ہو جائیں۔ دوستیاں ختم ہو جائیں۔ سب کو فراموش کر دیا جائے۔ اس کے حصول کی خاطر ہر شے قربان کر دی جائے۔ اسے دیکھو تو بہک جاؤ۔ اپنے آپ میں نہ رہو جسے مل جائے اس کے لیے وجہ سکون اور قرار جاں، جس کو نہ ملے اس کے لیے فتنہ سامان اور وجہ حزن تمکین و ہوش۔"

یحییٰ کا حال برا ہو گیا۔ پوچھا: "کیا ایسی دوسری لڑکی بھی کہیں مل سکتی ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "ویسی تو نہیں، اس سے بہتر مل سکتی ہے کیونکہ اللہ کی صنعت اس پر ختم نہیں ہو گئی۔"

یحییٰ نے سرد آہ بھری: "ہمارا سردار بالکل جانور ہے۔ وہ عورت کے وجود کو اپنے اس پاس نہیں برداشت کر سکتا۔"

آشوری نے پوچھا: "وہ کیوں؟ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

یحییٰ اپنے خیالوں میں کھویا ہوا تھا: "ہو گی اس کی کوئی خاص وجہ، ضرور ہو گی کوئی خاص وجہ۔"

آشوری نے ذرا سی چوٹ لگائی: "ویسے اس بستی میں کسی عورت کا نہ ہونا ایسا ہے جیسے کھانا بے نمک ہو۔ پورے ماحول میں ملاحت نام کو نہیں۔"

یحییٰ نے کہا: "میرا دل گواہ ہے میں اس ضرورت کو محسوس

کرتا ہوں مگر...."

آشوری نے کہا: "آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ یہاں وہ کیا تدبیر کی جائے کہ بستی کا ہر آدمی مستعد اور چاق و چوبند ہو جائے؟"

یحییٰ نے اداس اور سوگوار چہرہ اوپر اُٹھایا: "ہاں، میں نے پوچھا تو تھا۔"

آشوری نے جواب دیا: "اس کی بہترین ترکیب یہی ہے کہ یہاں ایک عورت لا کے رکھی جائے، ایک عورت آباد کر دی جائے۔"

یحییٰ نے حیرت سے پوچھا: "ایک عورت کیوں؟ کئی عورتیں کیوں نہیں۔ ہر مرد کے لیے ایک ایک عورت کیوں نہیں؟"

آشوری نے جواب دیا: "ہر مرد کے لیے ایک ایک عورت کا مطلب یہ ہوگا کہ انہیں سب کچھ مل گیا۔ پھر وہ اور کاہل اور کام چور ہو جائیں گے۔ کام نہ کرنے کے بہانے تلاش کریں گے۔ مکار اور ریاکار ہو جائیں گے۔ بیمار پڑنے لگیں گے اور ان سے اولاد کا سلسلہ چل نکلے گا جو اس کارآمد اور پُرسکون ماحول کو بالکل برباد کر کے رکھ دے گا۔ یہ بستی بھی بازار بن جائے گی۔ یہاں کا ہر آدمی آپ سے زیادہ اپنے بیوی بچوں کا وفادار اور جاں نثار ہو جائے گا۔"

یحییٰ نے کہا: "خوب! تو نے تو سماں باندھ دیا۔"

آشوری نے جواب دیا: "ہاں، میں اس ماحول اور معاشرے کو مسابقت کی صورت دینا چاہتا ہوں۔"

یحییٰ نے پوچھا: "مسابقت کی صورت؟ کیا مطلب؟"

آشوری نے جواب دیا: "مطلب یہ کہ آپ دس آدمیوں کو قطار میں برابر کھڑا کر دیں اور ان سے کہیں کہ یہاں سے چار فرسخ دور پہاڑی کے دامن میں، جہاں شہتوت کے درخت لگے ہیں، ان کے جھنڈ میں بچوں بیچ خزانہ گڑا ہے۔ تم سب دوڑ کے وہاں پہنچو اور خزانہ نکال لو، جو کامیاب ہوگا خزانہ اس کا ہوگا۔ سردار! یہی ہے مسابقت کا ماحول۔ اسے کہتے ہیں مسابقت کا معاشرہ۔"

یحییٰ کی سمجھ میں پھر بھی بات نہ آئی۔ پوچھا: "اس کا ایک عورت سے کیا تعلق ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "وہ ایک عورت اسی خزانے کی طرح ہوگی۔ اس عورت کو یہاں لا کے چھوڑ دیں پھر دیکھیں اس ماحول میں کیسی گہما گہمی پیدا ہوتی ہے۔ ہر شخص، ہر آدمی مصروف ہو جائے گا۔ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرے گا۔"

یحییٰ سوچنے لگا، کچھ سوچتا رہا، معلوم نہیں کیا کچھ۔ پھر تھکے تھکے لہجے میں بولا: "سردار! یہاں کسی عورت کا وجود برداشت نہیں کر سکتا۔ میں سردار کو کیا جواب دوں گا؟"

آشوری نے جواب دیا: "سردار! آپ کس سردار کی بات کر رہے ہیں۔ وہ سردار جو درندہ ہے سفاک ہے، بالکل جانور، اس کی سرداری کے دن پورے ہو گئے۔ اب آپ اپنی سرداری کی باتیں کریں۔ اس کا دَور ختم ہوا، آپ کی سرداری شروع ہونے والی ہے۔"

یحییٰ سردار سے خوفزدہ تھا: "ایسا ناممکن ہے، سردار پھر سردار ہے۔"

آشوری نے حوصلہ بڑھایا: "آپ ہمت نہ ہاریں، آپ اس ماحول میں ایک عورت ضرور لائیں اور پھر تماشا دیکھیں۔"

یحییٰ خاموشی سے اُٹھ کر چلا گیا، کوئی جواب نہیں دیا۔

آشوری بستی کے ہر فرد سے ملتا اور باتیں کرتا، مختلف موضوعات پر۔

لوگ اسے اپنے دُکھ درد میں شامل کرنے لگے تھے۔ بستی والے آشوری کو اپنا ہمدرد سمجھنے لگے تھے۔ وہ اس سے مشورہ بھی کرتے تھے۔

قراف نے کہا: "میں نے چار سال پہلے اپنے بیوی بچوں کو چھوڑا تھا۔ وہ مجھے بہت زیادہ یاد آتے ہیں۔ میں ان سے دوبارہ کب ملوں گا؟"

زنگ ساز نے اپنا ذکر چھیڑ دیا: "ان لوگوں نے مجھے حلب سے اٹھوایا تھا۔ میری شادی کو صرف چھ ماہ ہوئے تھے۔ تین سال گزر گئے، وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔"

کاتب ذرا عمر رسیدہ تھا یہی کوئی پچاس کا۔ اس نے کہا: "انطاکیہ کا امیر میر احسن تھا، میں اس کے پاس کام کر رہا تھا، اس نے وعدہ کیا تھا کہ سلجوقی سلطان الپ ارسلان سے مجھے ملوا دے گا۔ وہاں اس کا وزیر خواجہ بزرگ انطاکیہ کے امیر کا دوست ہے۔"

آشوری سب کو ایک ہی مشورہ دے رہا تھا: "یحییٰ کو سردار کہو اور اسی کی وفاداری کا دم بھرو، کام آسان ہو جائے گا۔"

ابھی ہنگاموں میں یحییٰ کو خبر ملی کہ سردار لوٹ مار میں زخمی ہو گیا ہے اور کہیں زیرِ علاج ہے۔

اسی دوران شاعر اسماعیل کا جواب بھی آ گیا۔ قدیر جواب لے کر واپس آ چکا تھا۔ شاعر نے جواب میں لکھا تھا۔

"پادری سے مل چکا ہوں، اس نے تیرے بارے میں پوچھا تو میں نے جواب دیا کہ میرا دوست ہی آنے ہی والا ہے۔ پادری نے وعدہ کیا ہے کہ وہ دو چار دن میں مجھے کام دلوا دے گا۔ تیرے آنے تک میں بہت سا کام کر چکا ہوں گا۔ تو وہاں سے نکلنے کی کوشش کر۔ میں تیرا اور یحییٰ کا ہمیشہ احسان مند اور شکرگزار رہوں گا۔ وہ سردار نے تو مجھے بالکل برہنہ کر دیا تھا۔ میری تن پوشی ہمیشہ تم دونوں کی احسان مند رہے گی۔

یہاں پہنچ میں بستی جا کر ہر طرف ڈیرا ڈالے ہوئے
ہیں۔ ان میں کئی ملکوں اور کئی فرقوں کے لوگ ہیں۔
اجڈ، جذباتی، حریص اور تماش بین لوگ۔ کسی طرح
بھی یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ مذہبی جنگ لڑنے آئے
ہیں۔ ان کے سردار نادان ہیں ان کا تیمر غرور اور لیاقت
کے نشے میں چور۔ تو جلدی کرنے کی کوشش کر۔

میرے پاس کچھ لوگ آئے تھے۔ میں نے انہیں سب کچھ صاف صاف بتا دیا ہے۔ وہ مجھ سے تیرے ٹھکانے کا محل وقوع معلوم کر رہے تھے اس علاقے کے بارے میں بڑی شکایات ہیں میں نے انہیں سرسری طور پر جو کچھ بتایا وہ ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ حلب کی حکومت ختم ہو گئی ہے۔ ابھی قیصر نے بذریعہ فوج ختم کر دیا اس لیے آشوری تیری ناکامی تیری مدد ممکن ہے لیکن یہ ساری شکایات سلطان کو روانہ کر دی گئی ہیں۔ زمانہ امن میں اس علاقے کو ڈاکوؤں اور لٹیروں سے پاک کر دیا جائے گا۔

تو وہاں کیا کر رہا ہے؟ وہاں پر کس طرح قابو پائے گا۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں رہا۔

خط اچانک ختم ہو چکا تھا۔ معلوم نہیں کیوں۔ یحییٰ کا معتمد خاص قدر اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس نے یہ خط یحییٰ کو دکھائے بغیر بلاواسطہ آشوری کو دے دیا تھا اور یحییٰ یہ نہیں سوچ سکا تھا کہ قدیر خط کا مطلب بھی ہو سکتا ہے۔

✿

یحییٰ کو جیسے ہی یہ خبر ملی کہ سردار زخمی ہے اور کہیں روپوش اپنا علاج کرا رہا ہے اس کا حوصلہ دو چند ہو گیا۔ وہ خود کو واقعی سردار محسوس کرنے لگا۔ وہ بستی میں جدھر بھی گیا، ہر کسی نے اس کو سردار کہہ کر ہی مخاطب کیا۔ بستی کا ہر فرد اس سے اس طرح پیش آ رہا تھا گویا وہ سردار یحییٰ کا وفادار اور جاں نثار ہے۔

آشوری اپنے کام میں کھویا ہوا تھا۔ اچانک یحییٰ نے اس کے کام میں مداخلت کی: "میں چند جوان! میں کچھ دنوں سے یہ محسوس کر رہا ہوں کہ یہاں کا سردار واقعی میں ہوں۔"

آشوری نے جواب دیا: "آپ یہ صرف محسوس ہی نہیں یقین بھی کریں۔ آپ اپنے سردار سے زیادہ شاندار سردار ہیں۔"

یحییٰ نے کہا: "یہاں مال و زر کے ذخائر ہیں۔ برسوں کا لوٹا ہوا مال ہے جس پر بلا شرکت غیرے قابض ہوں۔ اب میں سردار کو اس سے بے دخل کر دینا چاہتا ہوں۔"

آشوری اپنے دل میں بے حد خوش تھا کہ آخر کار وہ ان میں پھوٹ ڈالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

یحییٰ اس سے پوچھ رہا تھا: "ایک بات تو بتا سردار کی واپسی پر اس کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟"

آشوری نے جواب دیا: "مقابلہ آپ نہیں، بستی کے یہ لوگ کریں گے۔ یہ بزدل، مصلحت نا اندیش اور اپنے اپنے حال پر صابر اور قانع لوگ!"

یحییٰ نے فکر مندانہ انداز میں سوچتے ہوئے کہا: "یہ لوگ! یہ لوگ سردار کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ میں دوسرے آدمیوں کا بندوبست کروں گا۔"

اس وقت چند مخبروں نے یحییٰ کو بتایا کہ بردہ فروشوں کا ایک قافلہ دمشق جا رہا ہے اور وہ کسی وقت بھی ہمارے ان غاروں کے سامنے سے گزرے گا۔

یہ مخبری کرنے والے اس علاقے کے چرواہے تھے جو دن بھر مویشی چراتے تھے اور اپنے گرد و پیش کی خبریں ان ڈاکوؤں کو پہنچا دیتے تھے۔ ان چرواہوں کا دوسرے چرواہوں سے واسطہ تھا اور یہ کام بڑے منظم طریقے سے باضابطہ انجام پاتا تھا۔

یحییٰ کے پاس بستی کے علاوہ جو آدمی تھے وہ غاروں کی حفاظت پر مامور تھے اور وہ یحییٰ سے زیادہ سردار کے وفادار تھے۔ یحییٰ کا کام بیرونی دنیا سے متعلق نہیں تھا وہ غاروں کی اندرونی محدود تھا۔ اس کو لوٹ مار کا زیادہ تجربہ نہیں تھا۔ لیکن ڈاکوؤں جیسی سفاکی اور سخت کوشی اس میں تھی۔

وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ غار سے نکلا اور ایک پہاڑی کے پیچھے گھات لگا کے بیٹھ گیا۔ قافلے کا راستہ پہاڑی کے برابر سے گزرتا تھا۔

یحییٰ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "مجھے قافلے کے مال و زر سے کوئی واسطہ نہیں، میں چند لڑکیاں چاہتا ہوں۔"

ساتھی حیران تھے: "لڑکیاں؟ کس کے لیے؟" سردار تو اس جنس سے بیزار تھا۔

قافلے سے پہلے گھڑ سواروں کا ایک دستہ نظر آیا۔ یہ آس پاس کا جائزہ لے رہا تھا۔

چرواہے اپنے مویشیوں کے ساتھ پہاڑی کے پیچھے یحییٰ کے پاس پہنچ گئے اور یحییٰ کو بتایا کہ یہ بڑی خطرناک مہم ہے۔

یحییٰ نے پوچھا: "وہ کس طرح؟"

ایک چرواہے نے کہا: "بردہ فروشوں کے ساتھ ان کا جنگجو دستہ بھی ہے۔ لڑکیوں اور عورتوں کو سخت حفاظت میں دمشق لے جایا جا رہا ہے۔"

یحییٰ کے پاس کل دس آدمی تھے اور چرواہوں کی اطلاع کے

بموجب بردہ فروشوں کے دستے میں پچاس جنگجو تھے۔

ایک چرواہے نے پوچھا: "یحییٰ نائب! آپکے دس آدمی پچاس سے کیسے لڑیں گے؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "ایک تدبیر ہے میرے ذہن میں۔ اگر اس پر ہوشیاری سے عمل ہوا تو اپنے دس آدمی پچاس کو بے وقوف بنا دیں گے۔"

چرواہے نے کہا: "تدبیر؟ کون سی تدبیر؟"

یحییٰ نے پوچھا: "تیرے ریوڑ میں کل کتنے مویشی ہیں؟"

چرواہے نے جواب دیا: "تقریباً ہزار۔ بکریاں، بھیڑیں اور گائیں۔"

یحییٰ نے کہا: "تو انھیں بردہ فروشوں میں ہنکا دے۔ اس طرح کہ انھیں ان کے ہنکائے جانے کا علم نہ ہو۔"

چرواہے نے پوچھا: "اس کا فائدہ؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "پورا قافلہ افراتفری کا شکار ہو جائے گا۔ ان کا دستہ مویشیوں میں اُلجھ جائے گا اور ہم اپنا کام کر جائیں گے۔"

چرواہے کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی: "اور اس سلسلے میں میرے مویشی جو مارے جائیں گے؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "اس نقصان کو میں پورا کر دوں گا۔"

چرواہے تیار ہو گئے۔ ہزار مویشیوں پر چار چرواہے تعینات تھے۔ مویشیوں کو پہاڑی کے پیچھے چھپا دیا گیا۔ ایک چرواہا سامنے کی چٹان پر بیٹھ گیا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "وہ جیسے ہی قریب آئیں تم نے میں آئینے کا رخ سورج کی طرف کر دوں گا۔ بس اس اشارے کے ساتھ ہی تم سب مویشیوں کو قافلے کی طرف ہانک دینا۔"

یحییٰ نے کہا: "اور یہ کام اتنے زور و شور سے انجام دیا جائے کہ مویشیوں کی بھاگ دوڑ سے گرد و غبار کا طوفان اُٹھ کھڑا ہو۔ ہم اس افراتفری اور گرد و غبار کے طوفان میں اپنا کام بآسانی کر گزریں گے۔"

بردہ فروشوں کا پچاس نفری دستہ آہستہ آہستہ محوِ سفر تھا۔ وہ آس پاس کا جائزہ لیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

اُنھوں نے چرواہوں کو دیکھا جو اپنے مویشی ہنکا کر پہاڑی کے پیچھے لے جا رہے تھے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ چرواہے اپنے مویشی ان کے خوف سے بھگائے لیے جا رہے ہیں۔

بردہ فروش اونٹوں پر کسے ہوئے کجاووں میں حسین و جمیل لڑکیوں اور عورتوں کو چھپائے آبگینوں کی طرح ان کی حفاظت کرتے ہوئے محوِ سفر تھے۔

اچانک پہاڑی چٹان سے بجلی سی چمکی اور چٹان کے پیچھے سے ہزار مویشی دوڑتے بھاگتے قافلے کے سامنے آ گئے۔ جنگجو نوجوانوں کا دستہ بدحواس ہو کر ان کی طرف بڑھا۔ ان کی سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔

مویشیوں کے پیچھے چرواہے نمودار ہوئے۔ وہ چیخ چیخ کر مدد مانگ رہے تھے۔ اُنھوں نے پچاس نفری دستے سے مدد کی درخواست کی: "خدا کے لیے ہمارے مویشیوں کو روکو، یہ بھاگ جائیں گے۔"

سواروں نے مویشیوں کا پیچھا کیا۔ گرد و غبار نے انھیں نظروں سے محو کر دیا۔ یحییٰ نے اس سے فائدہ اٹھایا اور ایک کجاوہ بردار اونٹ لے کر ایک غار میں روپوش ہو گیا۔

اس منصوبے پر نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے عمل درآمد ہو گیا تھا۔

چرواہے اپنے مویشیوں کو قابو میں کرتے رہے اور قافلے کے جوان ان کی مدد کرتے رہے۔ گرد و غبار چھٹا، مطلع صاف ہوا تو بردہ فروشوں نے اپنے اونٹوں کی گنتی کی۔ ان میں ایک اونٹ کم تھا۔ وہ بار بار اونٹوں کو گنتے رہے لیکن ہر بار ایک اونٹ کم نکلا۔ پورے قافلے میں تہلکہ مچ گیا۔ انھوں نے وہیں اپنے خیمے نصب کر دیے اور اونٹ کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھیل گئے۔

یحییٰ نے دونوں لڑکیوں کو کجاوے سے اُتار کر آگے روانہ کر دیا اور اونٹ کو غار سے باہر کر دیا۔ قافلے والوں نے خالی اونٹ دیکھ کر شور مچا دیا۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکے تھے کہ خالی اونٹ کدھر سے آیا۔

دونوں کنیزیں یحییٰ کے غار میں پہنچا دی گئیں۔ یہ دونوں نہ صرف حسین بلکہ بہت شائستہ، بہت بذلہ سنج اور رقاصہ بھی تھیں۔ ان کی آوازیں شیریں اور پُرسوز تھیں۔

ان دونوں کو یحییٰ نے اپنے گھر میں پہنچا دیا۔ یحییٰ کے ساتھی پریشان تھے کہ وہ سردار کو کیا جواب دیں گے، کیونکہ سردار تو کسی حال میں بھی عورتوں کے وجود کو نہیں برداشت کر سکتا۔

یحییٰ نے آشوری کو دونوں لڑکیوں کے سامنے لے جا کے کھڑا کر دیا: "میں نے دو لڑکیاں حاصل کر لی ہیں۔ اب بتا ان سے کس طرح کام لینا ہے؟"

دونوں لڑکیاں اس سنسان اور غیر آباد غاروں میں خوفزدہ اور پریشان تھیں۔ وہ رو رہی تھیں۔

یحییٰ نے انھیں تسلی دی: "تم رو کیوں رہی ہو؟ ہم بُرے لوگ نہیں ہیں۔"

آشوری نے بھی انھیں سمجھایا: "تم دونوں پریشان نہ ہو۔ تمھارے ساتھ زیادتی نہیں ہو گی۔"

ایک لڑکی نے پوچھا: "مگر تم لوگ ہو کون اور ہمیں یہاں کیوں لائے ہو؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "ہم ڈاکو ہیں لیکن ہم رحم دل ڈاکو ہیں۔"

کہ تم دونوں کے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی۔"

ایک لڑکی نے پوچھا: "تم خود یہ کہتے ہو کہ تم ڈاکو ہو اور پھر یہ یقین دلاتے ہو کہ ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کرو گے کیا یہ متضاد باتیں نہیں ہیں؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "ہم متضاد باتیں نہیں کر رہے۔"

آشوری نے دونوں کے نام دریافت کیے: "تم دونوں کے نام کیا ہیں؟"

ایک جو بات کر رہی تھی زیادہ حوصلہ مند تھی اس نے جواب دیا: "میرا نام تہمینہ ہے اور اس کا نام روشنک۔"

یحییٰ نے دونوں سے کہا: "اب تم دونوں آرام کرو۔ بقیہ باتیں بعد میں ہوں گی۔"

یحییٰ آشوری کے ساتھ لکڑیوں کے ذخیرے کے پاس چلا گیا۔ یہاں بستی کے لوگ اپنے کام میں مشغول تھے۔

ابھی ان دونوں لڑکیوں کی خبر مشہور نہیں ہوئی تھی۔ وہ دونوں درخت کے ایک تنے پر بیٹھ گئے۔ یحییٰ نے پوچھا: "اب ہم کیا کریں گے؟"

آشوری نے پوچھا: "میں نے تو ایک لڑکی کا مشورہ دیا تھا، آپ دو لے آئے۔"

یحییٰ نے جواب دیا: "کجاوے میں دو تھیں آمنے سامنے بیٹھی ہوئی ایک ہی اونٹ پر۔ میں دونوں کو لے آیا۔"

آشوری نے کہا: "بستی والوں کو اناج یا اور جو کچھ دیا جا رہا ہے وہ سب ان دونوں کی تحویل میں دے دیا جائے۔ ان دونوں کو مدد کو سامان کے ساتھ دو خدمت گار دے دیے جائیں۔ اس کے بعد بستی والوں سے کہہ دیا جائے کہ آئندہ ان کو جو کچھ درکار ہو ان دونوں سے مانگا جائے اور ساتھ ہی انھیں ڈرا بھی دیا جائے کہ یہاں ہر شخص کو اپنی حد میں رہنا ہوگا۔"

یحییٰ نے اپنے آدمیوں کی شکایت کی: "وہ سردار کے وفادار ہیں مجھ سے ڈرتے ہیں۔ وہ کبھی نہ کبھی سردار کو بھی خبردار کر سکتے ہیں۔"

آشوری نے مشورہ دیا: "آپ اپنے ان آدمیوں کو بھی خوش رکھنے کی کوشش کریں۔ ان کی وفاداریاں خریدیں اور جب سردار سے تصادم ہو تو اس کو راہ سے ہٹا کر خود سردار بن جائیں۔"

یحییٰ کے لیے یہ خطرناک اور جان جوکھوں کا کام تھا۔

یحییٰ کا ساتھی قدیر مسکراتا ہوا آیا اور یحییٰ سے پوچھا: "یہاں دو لڑکیاں کہاں سے آ گئیں؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "یہ انسانوں کی بستی ہے اور عورتیں بھی انسان ہی ہوتی ہیں۔"

قدیر نے کہا: "وہ انسان تو ہوتی ہیں لیکن سردار انھیں پسند نہیں کرتا۔"

یحییٰ نے اسے بھی تنے پر اپنے پاس بٹھا لیا اور سمجھانے لگا۔

"سردار کو کیا پسند ہے اور کیا ناپسند، ہم یہ کہاں تک دیکھیں گے۔"

آشوری نے بھی قدیر کو سمجھایا: "تو اپنے اس سردار کو بھلا دے اور یحییٰ کو اپنا سردار مان لے۔"

قدیر کے لیے یہ بات عجیب نہیں تھی لیکن سردار کا رعب اور دبدبہ وہاں ہر دل پر طاری تھا۔ جواب دیا: "جب تک سردار ہم میں موجود ہے ہم ایسا سوچ بھی نہیں سکتے۔"

ایک آدمی ان کے پاس بھاگا بھاگا آیا اور یحییٰ کو خبردار کیا: "آپ کے گھر کے سامنے لوگ جمع ہو گئے ہیں اور آپس میں ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔"

آشوری اور یحییٰ نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور مسکرانے لگے۔

قدیر نے آہستہ سے کہا: "اب تو ایسا ہی ہوگا۔"

یحییٰ، آشوری اور قدیر دوسروں کی نظروں سے بچتے ہوئے وہاں پہنچے جہاں دونوں لڑکیاں رکھی گئی تھیں۔ انھوں نے دیوار کی آڑ سے مکان کے سامنے جمع ہونے والوں کو دیکھا۔

وہاں لوگ گانے گا رہے تھے اور ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔ یہ یحییٰ کے وہ ساتھی تھے جو غاروں میں مال و زر کی نگرانی پر تعینات تھے اور یحییٰ کے مددگار تھے۔

یحییٰ اچانک ان کے سامنے پہنچ گیا۔ وہ خاموش ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

یحییٰ نے انھیں روکنا چاہا: "ٹھہرو! یہاں یہ کیا ہو رہا ہے؟"

ایک نے کھسیانے لہجے میں جواب دیا: "غاروں کے باہر قافلے والے ابھی تک دونوں لڑکیوں کو تلاش کر رہے ہیں۔"

دوسرے نے جواب دیا: "ہم یہی اطلاع دینے آئے تھے۔"

یحییٰ نے جواب دیا: "اب یہاں دو لڑکیاں رہتی ہیں۔ میں اپنی جگہ بدل رہا ہوں۔ تم لوگ یہاں نہیں آؤ گے۔"

وہ چپ چاپ وہاں سے چلے گئے۔

یحییٰ نے قدیر سے کہا: "تم ان لوگوں میں جاؤ اور انھیں سمجھاؤ کہ وہ آئندہ ایسی حرکتیں نہ کریں۔"

قدیر چلا گیا تو یحییٰ نے آشوری سے پوچھا: "یہ محافظ اور پھر کیا لوگ اپنی اپنی جگہ چھوڑ کے یہاں جمع ہونے لگیں گے تو مال و زر کی حفاظت کون کرے گا؟"

آشوری نے جواب دیا: "ان لڑکیوں کو بستی کے کسی مکان میں پہنچا دیں۔ بستی والے انھیں وہاں نہیں آنے دیں گے۔"

یحییٰ نے کہا: "اب میں تجھ پر بھی ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں۔"

آشوری اُس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

یحییٰ نے کہا: "تو نے ایک لڑکی کا ذکر کیا تھا۔ میں دو لڑکیاں لے کر آیا ہوں۔ ان میں سے ایک تیرے پاس رہے گی اور دوسری بستی کے کسی مکان میں، تیری مرضی اور مشورے سے۔"

یحییٰ نے اپنے لیے روشنک کو پسند کر لیا تھا۔ اُسے اپنے گھر میں رکھ لیا اور تہمینہ کو آشوری کے حوالے کر دیا۔ بستی میں ایک ایسا مکان جو پچاس سالہ کاتب کے پڑوس میں تھا اور خاصا بڑا تھا، دو کمروں پر مشتمل۔ اس میں دو ایسی کوٹھڑیاں تھیں جن میں کسی بھی چیز کا ذخیرہ کیا جا سکتا تھا۔ تہمینہ کو اس مکان میں چھوڑ دیا گیا اور اس کو ہدایت کی گئی کہ یہاں کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔ کاتب اور صراف کو اس کی نگرانی اور چوکیداری پر لگا دیا گیا۔

بستی میں ایک ہلچل سی مچ گئی۔ جو لوگ ایک دوسرے سے بے نیاز اور لاتعلق بجھے بجھے مُردوں کی طرح رہ رہے تھے اچانک چاق و چوبند ہو گئے تھے۔ مستعد اور چوکس۔ ان میں آپس کے تعلقات بھی اچھے ہو گئے تھے۔ ان سب کی نظریں اس ایک مکان پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ انھوں نے اپنے دوسرے راستے ترک کر دیے تھے اور اب ہر کوئی اس ایک مکان کے سامنے سے گزرنے لگا تھا۔

یحییٰ نے بستی والوں میں اعلان کرا دیا کہ ان کے کھانے اور ضروریات کا سامان تہمینہ کے گھر سے ملے گا اور اس کا ایک وقت مقرر ہو گا، شام کو کام کے بعد۔ لوگوں کی کارکردگی دیکھی جائے گی جو اچھا کام کرے گا اسے تہمینہ کے گھر کا محافظ اور تہمینہ کا معاون و مددگار بنا دیا جائے گا۔

اس اعلان نے بستی والوں کے جوش و خروش میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔ وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگے۔

یحییٰ اور آشوری تہمینہ کے پاس گئے۔ تہمینہ نے ان دونوں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور ہنستے ہوئے پوچھا "میں سمجھتی ہوں اس پوری بستی اور پورے علاقے میں ہم دونوں کے سوا کوئی لڑکی یا عورت نہیں۔ کیا یہ درست ہے؟"

تہمینہ مسکرا رہی تھی اور اس کے چہرے پر پریشانی یا خوف نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی تھی۔

آشوری نے جواب دیا: "بی بی! بات یہ ہے کہ ہمارا سردار" اس نے یحییٰ کی طرف اشارہ کیا: "اس سردار سے بھی بڑا ہے اور اس کو عورت یا لڑکی سے نفرت ہے۔"

تہمینہ نے پوچھا: "آپ کا وہ بڑا سردار کہاں ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "وہ یہاں سے دور گیا ہوا ہے۔"

تہمینہ نے پوچھا: "جب وہ آ جائے گا تو میرا کیا ہو گا؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "یہ سوچنا ہمارا کام ہے تیرا نہیں۔ ہم تو تجھ سے یہ جاننے آئے ہیں کہ تو کیا کیا جانتی ہے؟"

تہمینہ نے کہا: "تم لوگوں نے جو کچھ کیا ہے اچھا نہیں کیا۔ میں تو یہ جانتی ہوں کہ ہم دمشق میں جس کے پاس جا رہے تھے وہ ایک بااثر اور طاقتور عباسی امیر ہے۔ وہ تم لوگوں کو معاف نہیں کرے گا۔"

یحییٰ ہنسنے لگا: "اس بے کار اور فضول واہمے کو اپنے دل سے نکال دے کیونکہ یہاں تک کسی اور کی رسائی ممکن نہیں۔ یہ میلوں میں پھیلا ہوا سلسلہ ہم نے ہر لحاظ میں سمجھا اور تلاش کیا ہے۔ وہ امیر اگر یہاں تک آ بھی گیا تو ہم اور آگے چلے جائیں گے۔ اس کے علاوہ ان پُرخطر غاروں میں ہر کوئی داخل بھی نہیں ہو سکتا۔"

تہمینہ نے پوچھا: "تم لوگ ہم دونوں کو یہاں کیوں لائے ہو؟"

یحییٰ نے آشوری کی طرف اشارہ کیا: "یہ ایک بے مثال ہنرمند ہے۔ اللہ نے اسی قدر عقل بھی دی ہے۔ یہ تجھ کو یہ بتائے گا کہ تجھ کو ہم کیوں لائے ہیں؟"

تہمینہ نے آشوری کی طرف دیکھا۔ اس بے مثال ہنرمند اور غیر معمولی عقلمند کو پہلی بار غور سے دیکھا۔ پوچھا۔ "کیا تو مسیحی ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "ہاں، میں مسیحی ہوں۔ مگر کیوں؟ تو نے یہ سوال مجھ سے کیوں کیا؟"

تہمینہ نے حقارت سے کہا: "عورتوں اور لڑکیوں کے حقیقی قدردان مسلمان ہوتے ہیں۔ تم مسیحی عورتوں کو معصیت کی طرف لے جانے والے مجھ سے کیا کام لو گے؟"

آشوری نے جواب دیا: "میں مسیحی ہونے کے باوجود یہ جانتا ہوں کہ عورت ایک طاقت کا نام ہے اور یہ وہ کام کر سکتی ہے جو مرد نہیں کر سکتے۔"

تہمینہ نے حیرت سے آشوری کو دیکھا: "یہ تو کہہ رہا ہے ایک مسیحی۔ پتا نہیں کیا کہہ رہا ہے!"

آشوری نے یحییٰ سے کہا: "میرا خیال ہے کہ بس اس وقت اتنا ہی کافی ہے۔ باقی باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔"

تہمینہ نے پوچھا: "ہم اس جہنم میں کب تک رہیں گے؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "لڑکی، یہ جہنم نہیں ہے جیسا تو کہہ رہی ہے۔ ہم تجھ کو جنت کے آرام و سکون سے رکھیں گے۔"

تہمینہ نے کہا: "میں رقاصہ ہوں، مغنیہ بھی ہوں اور مجھے علم مجلسی بھی دیا گیا ہے لیکن یہاں یہ چیزیں بیکار ہیں۔"

یحییٰ نے پوچھا: "یہاں تجھ کو جو کچھ درکار ہو گا تم مجھے بتانا

کریں گے۔"

تہمینہ نے کہا: "میں اکیلی کب تک اور کس طرح رہوں گی۔ کم از کم دو چار عورتیں تو یہاں پر رہنا چاہئیں۔ اس کے علاوہ چند سازندے، تاکہ میں اپنا ریاض جاری رکھ سکوں۔"

یحییٰ نے آشوری کی طرف دیکھا۔ آشوری نے جواب دیا۔ "تو اس کی فکر نہ کر۔ تیری ہر خواہش پوری کر دی جائے گی بشرطیکہ تو ہم سے تعاون کرے اور جو ہم چاہتے ہیں وہ..."

تہمینہ نے اس کی بات کاٹ دی: "میں تو آپ کے قبضے میں ہوں۔ آپ جو چاہیں گے مجھ سے کرا لیں گے۔"

ابھی باتوں کے دوران کسی نے دروازے پر دستک دی۔ آشوری نے جا کے دروازہ کھولا۔ باہر کاتب کھڑا تھا۔

آشوری نے پوچھا: "کیا بات ہے؟"

کاتب کی نظریں ادھ کھلے دروازے میں سے گزر کر اندر کا جائزہ لے رہی تھیں: "کیا تو مجھے اندر نہیں بلائے گا؟"

آشوری نے پوچھا: "کام کیا ہے؟"

کاتب نے جواب دیا: "اب میں دروازے پر کیا بتاؤں کہ کیا کام ہے اور میں یہاں کیوں آیا ہوں۔"

یحییٰ نے دور سے پوچھا: "کون ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "کاتب ہے۔ کوئی بات کرنا چاہتا ہے!"

یحییٰ نے کہا: "اسے اندر میرے پاس لے آ!"

کاتب کا چہرہ خوشی سے تمتمانے لگا۔ آشوری سے کہا۔ "یہ ہوئی نا بات، وہ جانتا ہے کہ میں کتنے کام کا ہوں!"

آشوری کاتب کو اپنے ساتھ یحییٰ کے پاس لے گیا۔

کاتب نے تہمینہ کو غور سے دیکھا اور یہ بھول گیا کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے؟

یحییٰ نے کہا: "بڑے میاں! کام کی بات کرو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

کاتب کو یحییٰ کا طرزِ تخاطب بہت برا لگا۔ اس نے کہا۔ "محترم سردار! میں تو یہاں اس لیے آیا تھا کہ میں آپ کو یہ صاف صاف بتا دوں کہ بستی میں نقضِ امن کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے۔"

یحییٰ نے پوچھا: "وہ کیوں؟"

کاتب نے جواب دیا: "فرصت کے اوقات میں لوگ یہاں اس مکان کے سامنے جمع ہونے لگے ہیں..."

یحییٰ نے پوچھا: "پھر؟"

کاتب نے کہا: "آپ نے اس لڑکی کو میرے پڑوس میں رکھا ہے اس سے پہلے اس کی ذمے داری میرے سر آن پڑی۔ میں اس کی حفاظت کرتا ہوں اور کسی کی مجال نہیں جو ادھر اس مکان یا اس لڑکی کی طرف بری نظر اٹھائے۔"

یحییٰ نے کہا: "بڑے میاں! تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں آج ہی سے دو آدمی بٹھا دوں گا۔ وہ دونوں اس کی حفاظت کریں گے۔"

کاتب نے کہا: "محترم سردار! آپ زیادہ عقلمند ہیں لیکن تجربہ میرے پاس زیادہ ہے۔ آپ یہاں کسی جوان کو پہرے داری پر نہ بٹھائیں۔ اس کام کے لیے میں کافی ہوں۔ آپ مجھ پر بھروسا کریں۔"

یحییٰ نے کہا: "آپ عمر رسیدہ آدمی ہیں۔ آپ اس کی حفاظت نہیں کر سکیں گے۔"

کاتب نے سامنے اکڑ کے کھڑے ہو کر سینہ پھلایا: "آپ بار بار میری عمر اور میرے بڑھاپے کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ میں جانتا ہوں کہ..."

آشوری نے پوچھا: "آپ کو جو کچھ کہنا ہے کہیے اور باہر جائیے؟"

کاتب نے آشوری کو گھورا: "صاحبزادے! یہاں کے سردار تم نہیں، یہ شخص ہے۔" اس نے یحییٰ کی طرف اشارہ کیا: "میں سردار سے بات کرنے آیا ہوں۔"

یحییٰ نے کہا: "یہ ہنرمند جوان میرا ساتھی اور مشیر بھی ہے۔ اس کا خیال بھی درست ہے کہ جوانوں کا کام تو کس طرح انجام دے گا۔ جوان تو لڑنا مرنا بھی جانتے ہیں۔"

کاتب نے اکڑ کے جواب دیا: "سردار! میں کسی کو بتاتا نہیں ہوں۔ میں نے بھی سپہ گری سیکھی ہے۔ میں تنہا دس پانچ کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔" وہ کن انکھیوں سے تہمینہ کو دیکھ رہا تھا: "میری عمر اتنی زیادہ نہیں ہے۔ یہاں کی قید اور مصائب نے مجھے وقت سے بہت پہلے اس حال کو پہنچا دیا ہے۔"

آشوری نے کہا: "بات پھر وہی جوانی اور بہادری کی ہے۔ تم اس کی حفاظت نہیں کر سکو گے!"

کاتب نے جواب دیا: "تم اس لڑکی سے پوچھو میں نے اس کی کتنی حفاظت کی ہے۔ اس کی حفاظت صرف میں کر سکتا ہوں۔ جوان میرا کیا مقابلہ کریں گے۔"

یحییٰ نے پوچھا: "تجھ کو مجھ سے یہی بات کرنا تھی یا کوئی اور بات بھی؟"

کاتب نے جواب دیا: "یہی بات اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ آپ اس پر غور تو کریں۔"

یحییٰ نے تحکمانہ لہجے میں کہا: "اب تو جا سکتا ہے۔"

کاتب نے سہم کر درخواست کی: "میں جا رہا ہوں لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر غور ضرور کیجیے گا۔"

یحییٰ نے کہا: "یہاں میری حکومت ہے۔ یہاں کا سردار میں

ہوں۔ وہ کون ہے جو میری مرضی کے بغیر یہاں آئے گا اور اس لڑکی کو ستائے گا۔"

کاتب نے جاتے جاتے کہا۔ "میں نے تو اس لیے اس خطرناک کام کی ذمے داری قبول کرنے کا ذکر کیا تھا کہ آپ کے بقول میں بوڑھا بھی ہوں اور لڑکی کا پڑوسی بھی۔ میں اس کو اپنی بیٹی سمجھتا ہوں اور بیٹی کی حفاظت اس کے باپ سے بہتر کون کرے گا۔"

یحیٰی نے آشوری سے کہا۔ "اس کو باہر نکال کے دروازہ بند کر دے۔"

آشوری نے کاتب کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور اس طرح وہ اس کو دروازے تک لے گیا۔ کاتب نے باہر نکلنے سے پہلے ایک بار پھر تہمینہ کی طرف دیکھا اور آشوری سے کہا۔ "تو ہی سردار کو سمجھا کہ اس کام کے لیے مجھ سے بہتر کوئی نہیں ملے گا۔"

آشوری نے اس کو باہر نکال کے دروازہ بند کر دیا۔

یحیٰی نے آشوری سے پوچھا۔ "کاتب باہر جاتے جاتے کیا کہہ رہا تھا؟"

آشوری نے جواب دیا۔ "یہ کہ تہمینہ کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے اس سے اچھا اور مناسب آدمی نہیں ملے گا۔"

تہمینہ نے دونوں کو بتایا کہ اس شخص نے مجھے بہت ستایا ہے۔ یہ بار بار میرے پاس آتا رہا اور اپنی خدمات مجھے پیش کرتا رہا۔

یحیٰی نے تہمینہ کو سمجھایا۔ "تو آئندہ کسی کو بلاوجہ اپنے پاس نہیں آنے دے گی۔ لیکن وہ لوگ جو تیرے پاس اپنے کسی کام سے آئیں گے انھیں روکے گی نہیں۔ تجھ کو چند بوڑھے دے دیے جائیں گے، وہ تیری مدد کریں گے، بس۔ اور اب تو مجھے یہ بتا کہ تجھ کو اپنے لیے کیا درکار ہے؟"

تہمینہ نے درخواست کی۔ "سردار! آپ مانیں یا نہ مانیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں تنہائی سے مر جاؤں گی اس لیے روشنک کو آپ میرے پاس بھیج دیں۔ دو تین عمر رسیدہ عورتیں اور فراہم کر دیں۔ میں اور روشنک رقص اور غنا سے غیر معمولی دلچسپی رکھتی ہیں۔ اس لیے چند آلاتِ موسیقی بھی فراہم کر دیے جائیں۔ بربط، چنگ، مزمار (بانسری) اور دف۔ فی الحال یہ کافی ہیں۔"

یحیٰی نے اسے یقین دلایا۔ "روشنک کے ساتھ تیری ہر مطلوبہ شے فراہم کر دی جائے گی۔"

آشوری نے اسے ہدایت کی۔ "اور تو بھی بطورِ خاص یہ خیال رکھے گی کہ بستی والوں کو بہت زیادہ قریب نہ آنے دے اس طرح کہ انھیں اس کا احساس بھی نہ ہو کہ ہم ایسا چاہتے ہیں۔"

تہمینہ نے یحیٰی سے پوچھا۔ "سردار کیا ایسا ممکن ہے کہ انسان دنیا میں گر جائے اور اپنے لباس کو تر ہونے سے بچالے؟"

یحیٰی نے جواب دیا۔ "میں نہیں جانتا کہ ایسا ممکن ہے یا نہیں لیکن تو ناممکن کام ضرور کرے گی۔"

پھر یحیٰی اور آشوری نے تہمینہ سے ایک گیت کی فرمائش کی، وہ گیت جو ہندوستانی بڑے شاہ بہ شوق جب سے شائع کرتے ہیں اور بطورِ خاص چڑھا ہے موسمِ برسات میں الاپتے ہیں۔ تہمینہ نے دونوں کو بتایا۔ "میں شاعرہ بھی ہوں اور اس کے بول بھی میرے ہیں۔"

یحیٰی نے کہا۔ "خوب! اب تو زیادہ مزہ آئے گا؟"

تہمینہ نے ایک ایسا گیت شروع کیا جس میں ایک مفارقت زدہ لڑکی موسمِ برسات سے شکایت کر رہی ہے کہ جب تجھ کو معلوم تھا کہ میں اپنے محبوب سے دور تنہا ہوں۔

پھر تو یہاں کیا لینے آئی۔ جا دفع ہو جا۔ کیا تجھ کو اتنی سی بات بھی معلوم نہیں کہ میرے محبوب کو پردیس پسند آ گیا۔

میرے محبوب! اپنے وطن میں کیا نہیں ہے۔ صنوبر تیرے لیے چھتری بنا ہوا ہے۔ اس کی چھاؤں تیرے حسین جسم کی حفاظت کرے گی۔

دھوپ سے دھوپ کی حدت اور شدت ہے۔

کیا تو اپنے زیتون کو بھی بھول گیا۔ وہ زیتون جو الذیت عماد البیت (زیتون گھروں کا ستون) ہے۔

علم طب کی کتابیں پڑھتے وقت عموماً یوں محسوس ہوتا ہے کہ کتابوں میں جن امراض کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب ہمیں لاحق ہو چکے ہیں اور علم نفسیات کی کتابیں پڑھتے وقت یوں لگتا ہے جیسے قریبی تمام رشتہ داروں کے سلسلے میں مصنف کا ہمارے دست شکار ہیں۔ طب اور نفسیات میں یہی بنیادی فرق ہے۔

❖

حماقت کی ہر وہ بات جسے عقلمندی سے پیش کیا جائے اور عقلمندی کی ہر وہ بات جسے حماقت آمیز انداز سے پیش کیا جائے لطیفہ کہلاتی ہے۔

❖

میں ایک لوفر سے واقف ہوں جسے پورٹریٹ بنانے کی ملازمت حاصل تھی۔ آج کل وہ جیل میں ہے۔ اس نے وہاں بجائے گھر کے کئی پورٹریٹ اتار دیے تھے۔

❖

ماہر نفسیات وہ شخص ہے جو تمہارے مسئلے پر پریشان ہونے کے بجائے فیس طلب کرتا ہے اور اپنے بل کے مسئلے میں پریشان کرنا شروع کر دیتا ہے۔

وہ زیتون جس کی ہر شے ہمارے کام آتی ہے۔ اس کی ہر چیز نفع بخش ہے۔

اس کا پھل غربا کھاتے ہیں، اس کا تیل گھروں کو روشن رکھتا ہے اور کھانوں کو لذت بخشتا ہے۔

اس کے تیل کا خضاب جوڑوں کے درد کے لیے مرہم ثابت ہوتا ہے۔

اور اس کا یہی تیل بادشاہوں کے مسح میں کام آتا ہے

اس کا گودا جانور کھاتے ہیں، گٹھلیاں جلائی جاتی ہیں۔

کہتے ہیں درختوں کی ایک مجلس میں متفقہ طور سے زیتون کو درختوں کا بادشاہ قرار دیا گیا۔

میرے محبوب! تو آ۔ تو کیوں چلا گیا جہاں زیتون کے درخت نہیں ہوتے۔

جہاں شاہ بلوط، سرو، دیودار اور انجیر بھی نہیں ہوتے۔

آ جلدی آ، کہ یہ سب تیرے لیے میری طرح اپنی آغوش وا کیے ہوئے ہیں۔

موسم برشگال کی گھنگھور اور سرور آمیز ہوائیں تیری منتظر ہیں میری طرح۔

اس کی آواز باہر بھی سنی جا سکتی تھی۔ آواز کا زیر و بم اور اس کی شیرینی دلوں میں طوفان اٹھا رہی تھی۔

باہر لوگوں کے اس پاس لوگ جمع ہو گئے۔ اُن کی بستی میں برسوں بعد بہار آئی تھی اور وہ اس بہاؤ سے خود کو روک نہیں سکتے تھے۔

آشوری نے دریچے کی ایک درز سے جھانک کر دیکھا تو مست و سرشار، منظوم ترنم سے بھرے ہوئے بستی کے لوگ سردار کے رعب اور دبدبے سے بے نیاز جمع تھے۔ آشوری کو خوشی ہو رہی تھی کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ یہ لوگ کسی بھی وقت مرتد ہو سکتے ہیں۔ یحییٰ اپنے سردار سے جا کہے گا کہ بستی کے لوگ بہکے ہیں۔

یحییٰ نے آشوری کو دریچے سے جھانکتے دیکھا تو خود بھی جھانکنے لگا اور آشوری سے پوچھا: "یہ سب کیا کر رہے ہیں؟"

آشوری نے جواب دیا: "یہ بھی وہی کر رہے ہیں جو ہم دونوں کر رہے ہیں۔"

یحییٰ کو دوشیزہ یاد آ رہی تھی۔ اس نے آشوری سے کہا: "میں نے تیری تجویز پر عمل کیا اور اس کے اثرات بھی دیکھ رہا ہوں۔ اب اس سے کام لینا تیرا کام ہے۔"

یحییٰ باہر نکلا تو ہجوم منتشر ہونے لگا۔ یحییٰ نے تعجب کا اظہار کیا: "تم لوگ یہاں کیا کر رہے تھے؟"

یہاں یحییٰ کا کاتب پیش پیش تھا۔ اس نے سب کی طرف سے جواب دیا: "آواز کی کشش ہم سب کو یہاں کھینچ لائی تھی۔ ہمارے کان آواز کے سحر میں مبتلا تھے اور ہمارے جسم اس کی لہر کو پورے وجود میں محسوس کر رہے تھے اسی طرح جس طرح آپ دونوں اندر لطف اندوز ہو رہے تھے۔"

یحییٰ نے غصے میں کہا: "بڈھے تو میرے ہاتھ سے مارا جانے لگا ہے۔"

کاتب نے جواب دیا: "محترم سردار! آپ مجھے جان سے مار دیں لیکن بڈھا نہ کہیں، میں بوڑھا نہیں ہوں۔"

یحییٰ کوئی اور بات کیے بغیر چلا گیا اور اس کے جاتے ہی آشوری باہر نکلا اور کاتب کو ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔ پوچھا: "سردار یحییٰ سے تیری کیا بات ہو رہی تھی؟"

کاتب آشوری کا احسان مند ہو گیا کیونکہ وہ کاتب کا ہاتھ پکڑ کے تہمینہ کے سامنے لے گیا تھا۔ اس نے جواب دیا: "یحییٰ سردار کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مجھے بار بار بوڑھا کہیں۔ وہ سردار ہیں مگر جھوٹ بولتے ہیں۔"

آشوری نے کہا: "میں سردار کو منع کر دوں گا کہ وہ تجھ کو بوڑھا نہ کہیں کیونکہ تو واقعی بوڑھا نہیں ہے۔"

کاتب خوش ہو گیا: "اللہ آپ کو خوش رکھے آپ کتنے اچھے انسان ہیں۔"

آشوری نے اسے خوشخبری سنائی: "تو فکر نہ کر تہمینہ کے سلسلے میں تو جو کچھ چاہتا ہے میں تیری خواہش پوری کر دوں گا۔"

کاتب نے آشوری کی پیشانی چوم لی: "تو نصرانی ہے مگر مسلمانوں سے بہتر ہے۔"

آشوری نے تہمینہ سے کہا: "لڑکی! یہ کاتب تیرا ہمدرد ہے اور آج سے یہ تیرا محافظ اور مددگار مقرر کر دیا گیا۔ میں سردار سے بھی بات کر لوں گا۔"

کاتب اور بشاش ہو گیا: "اب میں سردار یحییٰ پر ثابت کر سکوں گا کہ میں بوڑھا نہیں ہوں۔"

آشوری نے تہمینہ کو سمجھایا: "میں جا رہا ہوں۔ ہماری عدم موجودگی میں یہ کاتب ہی ہمارا مقرر کردہ نمائندہ رہے گا۔"

تہمینہ مسکرا رہی تھی: "آخر کار یہ نوجوان جو بوڑھا نہیں ہے کامیاب ہو گیا۔"

آشوری باہر نکلا اور اپنے گھر جانے لگا تو راستے میں اسے بستی کا جو بھی فرد ملا اس نے زیادہ احترام اور ادب سے سلام کیا۔ سب آشوری کی خوشنودی حاصل کر کے تہمینہ تک پہنچنا چاہتے تھے۔

✽

یحییٰ کو اپنے سردار کی طرف سے اندیشہ تھا اس لیے بھی فکر پریشان کر رہی تھی کہ سردار کسی وقت بھی آ کر اس تبدیلی کو ختم کر دے گا اور وہ اپنی مستقل سرداری کے خوش آئند خواب

سلطانِ ہند محمد تغلق شاہ نے ایک مرتبہ دہلی کے صاحبِ کرامات بزرگ حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغؒ کے لیے سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا بھیجا کہ اگر کھائیں گے تو پوچھوں گا کہ آپ نے سونے چاندی کے برتنوں میں کھا کر اولیاء اور صوفیاء کے مسلک کے خلاف کام کیوں کیا؟ اگر کھانے سے انکار کر دیں گے تو بادشاہ کی توہین پر بازپرس کروں گا۔ حضرت چراغ دہلویؒ نے ایک برتن سے تھوڑی سی یخنی ہتھیلی پر نکالی اور اسے چاٹ لیا۔ بدخواہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔



دیکھ رہا تھا۔ اب وہ اس پہاڑی علاقے کو اپنی عمل داری سمجھ رہا تھا۔ وہ اشوری کو بہت غنیمت سمجھ رہا تھا اور اس کے اعتماد اور دوستی کو کسی قیمت پر بھی کھو دینے پر آمادہ نہیں تھا۔

روشنک بھی اس کی زندگی میں اس طرح داخل ہوئی تھی کہ وہ اس کی خاطر سردار سے نبرد آزما ہونے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سردار سے مقابلہ کرنے کے لیے اس میں شجاعت اور استقلال جیسی کئی خوبیاں ہیں۔ ان کے بغیر وہ سردار سے نہیں جیت سکتا تھا۔ وہ بستی والوں کو بھی اپنے اعتماد میں لے کر ان کے ہاتھوں میں بھی سردار سے مقابلہ کرنے کے لیے اسلحہ تھمادینا چاہتا تھا۔ وہ لوگ جو خزانے کی حفاظت پر مامور تھے، یحیٰی ان کو بھی اپنے اعتماد میں لینا چاہتا تھا۔ وہ اس دولت اور لوٹے ہوئے مال کو یہاں سے نکال لے جانا چاہتا تھا۔ اور باہر نکل کے کسی دربار سرکار سے وابستہ ہو کر امیرانہ ٹھاٹ باٹ سے زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن تھا جب وہ سردار سے نجات حاصل کر لیتا۔ سردار کی موجودگی میں ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ اشوری نے بھی یحیٰی کو یہی مشورہ دیا کہ پہلے سردار سے نجات حاصل کرو اس کے بعد وہ کرو جو تیرے دل میں ہے۔

سردار زخمی ہو کر کہاں روپوش ہو گیا تھا کسی کو پتا نہیں تھا۔

یحیٰی نے اپنے معتبر ترین افراد کو غاروں کے ان دہانوں پر متعین کر دیا جہاں سے سردار اور اس کے ساتھی داخل ہو سکتے تھے۔ اس نے اپنے ان آدمیوں کو یہ حکم دیا کہ سردار اور اس کے ساتھی جیسے ہی اندر داخل ہوں انھیں قتل کر دیا جائے۔ یہ ایک ایسا منصوبہ تھا جس پر عمل کرانا سردار کے وفادار آدمیوں کے لیے انتہائی دشوار تھا۔

یحیٰی نے اس مقصد کے لیے اپنے ساتھیوں کو یکجا کیا اور انھیں رہزنی اور ڈاکا زنی کے نقصانات بتائے۔ اس نے انھیں یہ بتایا کہ یہی کام جو تمھیں مرغوب ہے دوسرے انداز میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت تم چور، ڈاکو، قزاق اور رہزن کہلاتے ہو۔ حکومت اور شہری تمھارے دشمن اور تمھاری تاک میں ہیں۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ تم اپنے اس پیشے سے باز آ جاؤ اور یہ کام چھوڑ دو تو تم جواب میں یہ کہو گے کہ پھر ہم کیا کریں۔ ہمیں تجربہ تو اسی کام کا ہے۔ تو سنو، میرے پاس تمھارے اس پیشے کا متبادل موجود ہے۔ تم یہی سب کچھ جائز طریقے سے بھی کر سکتے ہو۔ جو کام تم کر رہے ہو یہی کام بادشاہ، سلطان اور طالع آزما خانہ بدوش سردار کر رہے ہیں۔ وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں اور ان کی قتل و غارت گری اور لوٹ مار کو برا نہیں سمجھا جاتا۔ وہ بادشاہ، سلطان، فاتح، سردار اور سپہ سالار کہلاتے ہیں۔ ان کے ماتحت سپاہی افواج اور عساکر کہلاتے ہیں۔ ان کی ماحول، معاشرے اور آبادیوں میں عزت ہوتی ہے۔ ان کا لوٹ کا مال جائز اور غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہی عزت میں حاصل کروں اور تم سب حاصل کرو، شادیاں کرو، کنیزیں خریدو اور مونچھوں پر ہاتھ پھیرو اور سینہ تان کے بازاروں سے گزرو۔ بس تم کو ان غاروں سے باہر لے جانا چاہتا ہوں۔ میں خود کسی بادشاہ یا سلطان کا قرب حاصل کروں گا اور تمھیں بھی وہاں مرتبہ یا انعام دلاؤں گا۔ پھر ہم سب شہروں، قصبوں اور ملکوں پر حملہ آور ہوا کریں گے اور اپنی جنگجوئی، بہادری کے صلے میں مال و زر اور نادر قیمتی اشیاء حاصل کیا کریں گے۔ پھر ہم میں کوئی امیر، وزیر، بادشاہ اور سلطان بن جائے گا اور کوئی فاتح اور سالارِ عساکر۔"

اس محفل میں اشوری بھی تھا۔ اس نے جادو کو سر چڑھ کے بولتے دیکھا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

یحیٰی کے ساتھیوں کو بھی بس سردار کا خوف تھا۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ یحیٰی سردار کو کیا جواب دے گا۔ وہ سردار سے کس طرح نمٹے گا؟

سب سے پہلے قدیر نے پوچھا: "آپ نے جو کہا وہ بہت خوب ہے لیکن یہ سب اسی وقت ممکن ہو گا جب ہم سردار سے نجات حاصل کر لیں گے اور یہ کام نہ صرف دشوار بلکہ ناممکن ہے۔"

یحیٰی نے جواب دیا: "اس کی منصوبہ بندی میں کروں گا، تم لوگ کرو گے۔"

ان میں سردار کے وفادار بھی تھے۔ ایک نے دبے لفظوں میں کہا: "ہم سب سردار سے اچھی طرح واقف ہیں۔ کیا یہ خطرناک بات نہیں ہے؟"

یحیٰی نے جواب دیا: "معاشرے میں عزت و وقار حاصل کرنے کے لیے ہمیں یہ سب کرنا پڑے گا۔"

ساتھیوں نے یک آواز کہا: "اگر ہم معاشرے میں عزت و مقام حاصل کر سکتے ہیں تو ضرور حاصل کریں گے۔"

یحییٰ نے انھیں حکم دیا "اس وقت میں تمہارا سردار ہوں۔ باری باری آؤ اور میرے ہاتھ پر بیعت کرو، وفاداری اور عہد کی بیعت۔"

ساتھیوں نے یحییٰ کے سیدھے ہاتھ پر اپنا سیدھا ہاتھ رکھ دیا اور اس سے وفادار رہنے کا عہد کیا۔ قدیر ان میں سب سے زیادہ سرگرم اور پرجوش تھا، وہ پیش پیش تھا۔

یحییٰ نے اُن کو یہ کہہ کر منتشر کر دیا کہ جاؤ اور میرے دوسرے احکامات کے منتظر رہو۔

قدیر نے سب کے چلے جانے کے بعد یحییٰ سے اپنے بارے میں کہا "سردار! میرا شمار ان تمام لوگوں میں نہیں ہو گا میں آپ کا اس شرط پر ساتھ دوں گا کہ آپ معاشرے میں جو مقام بھی حاصل کریں گے، میں آپ کا نائب رہوں گا۔"

یحییٰ نے وعدہ کیا "مجھے منظور ہے۔"

قدیر نے پرجوش انداز میں یحییٰ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "پھر تو میں آپ کے لیے اپنی جان بھی دے دوں گا آپ بے فکر ہو جائیں۔"

یحییٰ نے بھی اس کا ہاتھ جوش اور جذبے سے دبایا "تو میرا نائب ہے اور ہر جگہ میرا نائب ہی رہے گا۔"

آشوری نے یحییٰ کو مبارک باد دی کہ آخر کار اس نے اپنے لیے جس راہ کا انتخاب کیا ہے وہی عزت و افتخار کی راہ ہے۔

یحییٰ نے کہا "مجھ کو تیرا تعاون بھی درکار ہے، ہر قسم کا تعاون، مشوروں کا تعاون، ہنرمندی کا تعاون۔"

آشوری نے وعدہ کیا "میں آپ کا ہر حال میں ساتھ دوں گا۔"

ادھر سے فارغ ہو کر یحییٰ روشنک کے پاس گیا۔ روشنک اداس اور افسردہ اپنے ماضی، حال اور مستقبل پر آنسو بہا رہی تھی۔ وہ شاعرہ بھی تھی اور مغنیہ بھی۔ یحییٰ ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ روشنک کے چہرے پر کرب اور مایوسی کے آثار تھے۔ وہ گا رہی تھی اور رو رہی تھی۔

"بلخ، جو میرا وطن ہے اس نے مجھے کچھ نہیں دیا۔

عسرت اور مفلسی، بھوک اور ناآسودگی نے مجھے نیلام کر دیا۔

میرے باپ نے مجھے بیچ دیا، معمولی، حقیر سی اجرت اور معاوضے پر۔

میرا مالک ابو عیسیٰ، میری صورت اور عقل و ذہانت کا قائل ہو گیا۔

اس نے مجھے اچھے اچھے کھانے کھلائے، اچھے کپڑے دیے، اور مجھے ہنرمندوں کے حوالے کر دیا۔

لائق استادوں نے علم سکھایا اور ماہر رقاص نے رقص سکھایا۔

اور ایک بے مثل موسیقی نے گانے کی تعلیم دی۔ ایک شائستگی کا استاد علم مجلس کا استاد تھا۔

پھر میں اس لائق نہیں رہی کہ دمشق اور بغداد کے امرا مجھے اپنے محل میں دیکھیں اور مجھ سے جی بہلائیں۔

لیکن اے زمانہ، اے بے مہر زمانے! یہ تو نے کیا کیا، یہ تو نے کیا کیا؟

میرے آشیانے کے پاس ہی صیاد نے دام لگا رکھا تھا،

صیاد، جو زمانہ بھی کہلاتا ہے۔

صیاد، جو میری قسمت ہے۔ صیاد جو میرا بخت روسیاہ ہے، اور صیاد جو وقت بھی کہلاتا ہے۔

اس نے اڑنے سے پہلے ہی مجھے گرفتار کرا دیا، اسیر کرا دیا۔

اسیر بھی کس کا؟ ڈاکوؤں کا، وحشیوں اور سفاکوں کا، واہ ری میری قسمت!

اب میں ہوں، وحشی لوگ ہیں، میرے چاروں طرف غار ہیں۔

اندھیرے میری قسمت کی طرح تیرہ و تار۔

یہاں دن میں بھی راتوں کی سیاہی راج کرتی ہے۔ یہاں میں ہوں، میرا مقدر ہے اور اندھیرے ہیں۔

دمشق اور بغداد کے امیرو! تم کہاں ہو؟ آؤ اور مجھے ان اندھیروں سے نکال کر اپنے شبستانوں میں لے جاؤ۔

اے سلطان عادل، اور اے سلطان عالم الپ ارسلان! تو یہ کیوں نہیں دیکھتا کہ

کمزوروں پر کیسا ظلم ہو رہا ہے۔ تیری حکومت میں یہ ڈاکوؤں کی حکومت کیسی؟

تو عیسائیوں سے جنگ کر، کافروں سے جہاد کر، تو ہم مظلوموں کو اندھیری غاروں سے نکال۔"

اس کی پرسوز آواز میں ایک کراہ تھی۔ یحییٰ کو اپنے پیشے سے اور زیادہ نفرت ہو گئی۔

وہ اچانک روشنک کے سامنے گیا اور مؤدبانہ کھڑا ہو گیا۔

"مت گھبرا، مت پریشان ہو۔ میں تجھ کو وہیں لے جاؤں گا جو کسی امیر کا شبستان کہلائے۔"

روشنک کے دونوں رخسار آنسوؤں سے تر ہو رہے تھے۔

یحییٰ روشنک کے اشک آلود رخسار دیکھ کر تڑپ گیا۔ وہ روشنک کو خوش و خرم دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ حسرتیں جن کا روشنک نے اپنی پُرسوز آواز میں ذکر کیا تھا، یحییٰ کے دل و دماغ پر ضربیں لگا رہی تھیں۔ اسے اپنے ڈاکو ہونے پر ملامت ہو رہی تھی۔ کیونکہ روشنک جس کی تمنا کر رہی تھی یحییٰ کا شمار ان میں نہیں ہوتا تھا۔ روشنک اپنی موجودہ حیثیت سے ناخوش اور آزردہ تھی۔

یحییٰ خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گیا اور اپنے آنے والے خطرناک دنوں پر غور کرنے لگا۔

روشنک نے اس پر کوئی توجہ دیے بغیر باہر کا رُخ کیا۔ پہلے تو یحییٰ اس کے باہر جانے کے ارادے کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا لیکن جب وہ بالکل باہر نکل گئی تو یحییٰ اس کے پیچھے دوڑا۔ "کہاں کہاں، لڑکی یہ کہاں جا رہی ہے تو؟"

روشنک کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھتی رہی۔



یحییٰ نے روشنک کو شانے سے پکڑ لیا۔ "لڑکی! یہ تو کیا کر رہی ہے۔ یہ بھیڑیوں کی بستی ہے۔ یہاں کے مرد تیری درگت بنا دیں گے۔"

روشنک نے کئی جھٹکے دیے اور خود کو چھڑانے کی کوشش کی پھر وہ زمین پر لیٹ گئی۔

باہر قدیر اور دوسرے کئی مرد موجود تھے۔ قدیر نے آگے بڑھ کر یحییٰ کی مدد کی اور روشنک کو زمین سے اٹھانے میں مدد دی۔

دوسرے کئی مرد ہنس رہے تھے اور پوچھ رہے تھے۔ "سردار! ہماری مدد درکار ہو تو ہم حاضر ہیں۔"

یحییٰ نے روشنک کو اپنی طرف جھٹکے سے کھینچا اور قدیر سے تقریباً چھین کر اسے اندر لے گیا۔ قدیر ان دونوں کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہو گیا اور یحییٰ سے پوچھا۔ "بات کیا ہے؟ یہ اس کو ہو کیا گیا ہے جو یوں بھاگ رہی تھی؟"

یحییٰ نے روشنک کو قالین پر گرا دیا اور قدیر کو باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ "یہ تو اندر کس کی اجازت سے آیا ہے؟"

قدیر اندر جہاں تک آیا تھا وہیں کھڑا رہا۔ طنزاً پوچھا۔ "سردار! آپ مجھ سے کچھ کہہ رہے ہیں؟"

یحییٰ سخت مشتعل تھا۔ "ہاں، میں تجھی سے کہہ رہا ہوں کہ تو یہاں سے فوراً نکل جا۔"

قدیر نے باہر جاتے ہوئے کہا۔ "سردار! ویسے میں جا تو رہا ہوں لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ آپ زیادتی کر رہے ہیں۔"

یحییٰ نے آگے بڑھ کر قدیر کو دھکا دیا اور جب وہ باہر نکل گیا تو دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

قدیر کے ساتھیوں نے اسے دھکے سے باہر نکلتے دیکھا تو زور زور سے ہنسنے لگے۔

ایک طرف سے آواز آئی۔ "عورت کا وجود ہی ایسا ہے کہ جہاں ہو گی وہاں ہنگامہ ضرور ہو گا۔"

کسی دوسرے نے کہا۔ "اب یہاں کا سکون ختم ہو جائے گا۔"

قدیر کو اپنی بے عزتی کا احساس تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "یحییٰ سردار کو آخر ہو کیا گیا ہے؟ ابھی تو یہ پورا سردار بھی نہیں بنا اور ایک معمولی سی لڑکی کی خاطر ہمیں دھکے دے کر باہر نکال رہا ہے۔ اس طرح کیسے نبھے گی؟"

ایک نے اپنی رائے دی۔ "لوٹ کے مال میں سبھی کا حصہ ہوتا ہے۔"

قدیر نے تائید کی۔ "روشنک۔ اس پر ہم سب متفق رہیں گے۔"

اندر یحییٰ روشنک کو ڈانٹ رہا تھا۔ "اس وقت تو بھیڑیوں میں رہ رہی ہے۔ یہ بات میں بار بار کس طرح بتاؤں؟"

روشنک اپنی زندگی سے بیزار تھی۔ "تم سب بھیڑیے ہو۔ مجھے چیر پھاڑ ڈالو۔ میں تنہائی سے اکتا گئی ہوں۔"

یحییٰ نے دلاسا دیا۔ "ایک ذرا صبر سے کام لے۔ میں تجھ کو ہمیشہ یہاں نہیں رکھوں گا۔"

روشنک نے کہا۔ "پھر تم مجھے تہمینہ کے پاس کیوں نہیں بھیج دیتے؟"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "ایک مجبوری ہے۔ تو یہاں کے حالات اور ماحول سے واقف نہیں ہے۔"

روشنک نے کہا۔ "میں واقف ہونا بھی نہیں چاہتی۔ تم مجھے تہمینہ کے پاس پہنچا دو یا ہلاک کر دو۔"

یحییٰ سوچ رہا تھا کہ اس نے آشوری جوان کا مشورہ قبول کر کے کیسی مصیبت مول لے لی ہے۔ روشنک کو جواب دیا۔ "تو دو دن صبر کر، پھر وہی ہو گا جو تو چاہے گی۔"

روشنک نے وعدہ لیا۔ "دو دن، صرف دو دن، اس کے بعد میں کوئی عذر نہیں سنوں گی۔"

یحییٰ نے روشنک کو اندر چھوڑا اور باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ اس نے باہر ایک سیاہ چبوترے پر قدیر اور دوسروں کو باتیں کرتے دیکھا۔ وہ آپس میں بحث و مباحثہ کر رہے تھے۔

یحییٰ کو شبہ گزرا کہ اس کے جاتے ہی یہ لوگ روشنک کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔ اس نے قدیر کو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور پوچھا۔ "اس وقت اس ماحول میں، میں کون ہوں، کیا ہوں؟"

قدیر نے جواب دیا۔ "آپ یحییٰ ہیں اور ہمارے سردار ہیں۔"

یحییٰ نے کہا۔ "یہ جو تو کہہ رہا ہے اس کا میری عدم موجودگی میں بھی خیال رکھے گا۔ اندر روشنک ہے اور وہ میری آبرو ہے۔"

قدیر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے یحییٰ کے بند دروازے کی طرف دیکھا، پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

یحییٰ نے کہا۔ "قدیر! کیا بات ہے؟ تو نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟"

قدیر نے جواب دیا۔ "یحییٰ سردار! جب تک ہمارا اصل سردار موجود ہے، آپ کی حیثیت نائب سردار کی ہے۔ رہ گئی یہ لڑکی روشنک، تو وہ ہے کیا؟ ایک کنیز جو لوٹ مار سے حاصل کی گئی ہے۔ ہم اس کا احترام کیوں کریں؟"

یحییٰ نے کہا۔ "وہ میری پسند ہے۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ رہ گیا سردار کا معاملہ تو یہ مسئلہ بھی اس کے آتے ہی طے پا جائے گا۔"

قدیر نے جواب دیا۔ "آپ جہاں جانا چاہتے ہیں جائیں۔"

یحییٰ نے اپنی بات پر زور دیا: "روشنک کی حفاظت کرنا۔ وہ میری ہی نہیں تیری بلکہ تم سب کی آبرو ہے۔"

یحییٰ یہ کہہ کر چلا گیا۔ قدیر کو ہنسی آ گئی۔ اس نے آہستہ سے کہا: "روشنک کسی کی بھی آبرو نہیں۔ وہ لوٹ کا مال ہے اور اس مال پر ہم سب کا حق ہے۔"

یحییٰ کے جاتے ہی چبوترہ ویران ہو گیا۔ ہر کوئی اُٹھ کر قدیر کے آس پاس کھڑا ہو گیا اور پوچھا: "یحییٰ سردار کیا کہہ رہا تھا؟"

قدیر نے ساری بات بتا دی اور سبھی قہقہہ مار کے ہنس دیے: "واللہ! اس عزت آبرو کا کوئی جواب نہیں!"

قدیر نے کہا: "میں نے یحییٰ سردار سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ جب تک سردار موجود اور زندہ ہے یحییٰ کی حیثیت نائب کی ہے اور یہ کہ روشنک لوٹ کا مال ہے اس پر سب کا حق ہے۔"

ایک نے قدیر کی پُشت تھپتھپائی اور کہا: "واللہ تُو نے تو یحییٰ سردار کو مُنہ توڑ جواب دیا ہے۔ دندان شکن۔ اللہ تیری عمر میں برکت دے۔"

ایک دراز ریش والا یک چشم کہنے لگا: "روشنک پر ہم سب کا حق ہے۔ یحییٰ سردار کو ہمارا یہ حق تسلیم کرنا ہوگا۔"

قدیر نے اشارے سے انھیں صبر کی تلقین کی اور کہا: "تحمّل سے کام لو، ذرا صبر کرو۔ پھر وہی ہوگا جو تم سب چاہو گے۔"

یک چشم دراز ریش نے پوچھا: "یہ روشنک ہمیں مل سکتی ہے؟"

قدیر نے جواب دیا: "ضرور مل سکتی ہے، بس ذرا صبر و تحمّل سے کام لو، پھر جو چاہو گے وہی ہوگا۔"

وہ سب روشنک کے در پر بیٹھ کر گیت گانے لگے۔ کسی شاعر کا عشقیہ کلام۔ ان کی آوازیں اندر روشنک کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد اندر سے تھپتھپانے کی آواز سنائی دی۔ روشنک ان سے کہہ رہی تھی: "دروازہ باہر سے بند ہے اسے کھول دو۔"

ان سب نے قدیر کی طرف دیکھا اور پوچھا: "کیا دروازہ کھول دیا جائے؟"

قدیر نے کسی قدر تامّل سے جواب دیا: "ہاں کھول دیا جائے۔ اس میں تامّل اور مضائقہ کیسا؟"

انھوں نے دروازہ کھول دیا۔ زنجیر کے جھٹکے سے کھل کر لٹک جانے کی آواز دوسروں کے ساتھ ساتھ روشنک نے بھی سُنی۔

وہ دروازہ کھول کر باہر آ گئی لیکن قدیر نے باہر آنے سے روک دیا اور کہا: "روشنک! تو اندر ہی رہ۔ تیرا باہر آنا کسی طرح بھی مناسب نہیں۔"

روشنک نے جواب دیا: "تب پھر تم لوگ اندر آ جاؤ، میں تنہائی سے تنگ آ چکی ہوں۔"

قدیر نے کسی قدر تامّل سے اس کی بات مان لی اور کہا: "میں اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ اندر آؤں گا، بقیہ باہر پہرا دیں گے اور جیسے ہی یحییٰ سردار کہیں دکھائی دے گا، باہر والے ہمیں خبردار کر دیں گے۔"

قدیر نے دراز ریش یک چشم کے علاوہ ایک بد شکل رہزن کو اپنے ساتھ لیا اور اندر جاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا: "تم فکر نہ کرنا، ہم تینوں کے بعد تم لوگ اندر جاؤ گے۔ بس تم سب یحییٰ پر نظر رکھنا۔"

روشنک ان کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔ ان تینوں کا چند قدم بڑھ کے استقبال کیا۔

قدیر اور اس کے دونوں ساتھی روشنک کو قریب سے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ قدیر نے باری باری سرگوشی میں انھیں سمجھایا: "زیادہ بے قراری مت دکھانا، اس وقت تم دونوں تارِ جہنم کے پاس بیٹھے ہو۔"

دراز ریش یک چشم نے قدیر سے اتفاق نہیں کیا: "تارِ جہنم کیوں، یہ تو مجھے نسیم سحر لگ رہی ہے۔"

روشنک نے تینوں کو تسلی دی: "واللہ تم نے تو مجھے باغ باغ کر دیا۔ میں تم سب کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں لیکن تمھارا سردار یحییٰ مجھے سات پردوں میں چھپا کے رکھنا چاہتا ہے۔"

یادداشت بخیر

- حافظہ بہتر بنانے کا سب سے اچھا اصول یہ ہے کہ لوگوں کو قرض دے دیجیے۔
- مجھے وہ چہرے بھی یاد رہتے ہیں، جنھیں میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوتا۔
- مجھے یقین ہے کہ میں آپ سے پہلے بھی مل چکا ہوں، مجھے آپ کا نام تو یاد نہیں ہے مگر آپ کا لباس یاد ہے۔
- مجھے یہ تو یاد ہے کہ وہ ان لڑکیوں میں سے ایک ہے، جن سے میں نے محبت کی مگر مجھے یہ یاد نہیں کہ وہ کون سی والی ہے۔
- میری بیوی کا حافظہ بڑا خراب ہے۔ وہ کبھی کچھ نہیں بھولتی۔

کراچی سے امتیاز احمد بلوچ کی مدارات

قدیر نے جواب دیا۔ "حالانکہ ایسا ممکن ہی نہیں۔"

دراز ریش یک چشم نے اپنی رائے دی۔ "ہم قزاق ہیں، رہزن ہیں۔ ہماری اس دُنیا میں بھی کچھ اصول کچھ قاعدے ہیں۔ لوٹ کا مال ہم میں تقسیم ہوتا ہے اور سردار سمیت کسی کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمارے اس حق کو ختم کردے اور یہاں کے مروجہ قواعد اور اصول کی خلاف ورزی کرے۔"

روشنک انھیں دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ "افسوس کہ میں یہاں تمھاری مہمان ہوں تمھاری تواضع بھی نہیں کرسکتی۔"

قدیر نے جواب دیا۔ "روشنک! سنتا ہوں تو خوش آواز، خوش گو ہے۔ ہم تیری آواز کے سحر میں کھو جانا چاہتے ہیں۔"

روشنک نے شریر لہجے میں پوچھا۔ "اور اس حال میں اگر یہیں سردار آجائے تو؟"

قدیر نے جواب دیا۔ "ہم اس سے نہیں ڈرتے اور ابھی کچھ دیر پہلے اس پر یہ واضح کردیا ہے کہ لوٹ کے مال پر اتنا ہی ہمارا بھی حق ہے جتنا یہیں سردار کا۔"

روشنک نے کہا۔ "اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔ بیٹھو اور باتیں کرو، میں تنہائی سے بیزار اور پریشان ہوں۔"

تینوں روشنک کے سامنے بیٹھ گئے۔ وہ تینوں ہی اسے للچائی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

روشنک نے پوچھا۔ "باہر جو لوگ موجود ہیں کیا وہ یہاں اندر نہیں آئیں گے؟"

دراز ریش یک چشم نے چیں بہ جبیں ہو کر پوچھا۔ "ان کا یہاں کیا کام؟ وہ یہاں کیوں آئیں گے؟"

روشنک نے جواب دیا۔ "تم سب کے بقول میں لوٹ کا مال ہوں اور تم سب قزاق ہو۔"

قدیر نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ "تم دونوں باہر جاؤ اور اپنے ساتھیوں کو سمجھاؤ کہ وہ یہیں پر نظر رکھیں اور اس کو اندر نہ آنے دیں۔"

دونوں باہر چلے گئے، وہاں واقعی ہلچل مچی ہوئی تھی اور سبھی روشنک کے پاس پہنچنے کے لیے بے قرار تھے۔

قدیر نے موقع پاتے ہی روشنک کو سمجھایا۔ "دیکھو روشنک یہ درست ہے کہ تو لوٹ کا مال ہے اور لوٹ کا مال ہم سب کا ہوتا ہے لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ تیرا شمار لوٹ کے مال میں نہیں کیا جاسکتا۔ تجھ کو ہم سب آپس میں کس طرح تقسیم کریں گے؟"

روشنک قدیر کی باتیں بہت غور سے سن رہی تھی۔ جواب دیا۔ "میں خود بھی بہت پریشان ہوں کہ تم لوگ مجھ کو کس طرح آپس میں تقسیم کرو گے؟"

قدیر نے کہا۔ "میرے پاس اس کا حل موجود ہے۔ تو اگر راضی ہو تو میں تجھ کو یہاں سے نکال لے چلوں۔ میں شریفانہ زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ میں تجھ کو حلب لے جاؤں گا اور وہاں عزت کی زندگی گزاروں گا۔"

روشنک نے جواب دیا۔ "میرے لیے اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی کہ میں تیرے ساتھ عزت کی زندگی گزاروں۔"

قدیر کو یہ یقین نہیں تھا کہ روشنک اس کی بات اتنی آسانی سے مان لے گی، اس نے کہا۔ "تب پھر یہ طے پاگیا کہ تو حلب میں میرے ساتھ عزت سے رہے گی۔"

روشنک نے خوشی کا اظہار کیا۔ "ہاں یہ بات طے پاگئی اب میں تجھ کو یہاں سے نکال لے جانے کا منصوبہ بناؤں گی تو بالکل فکر نہ کر۔"

باہر دراز ریش یک چشم اپنے ساتھیوں کو سمجھا رہا تھا۔ "جلدی نہ کرو، تم سب کو باری باری روشنک کے پاس لے جایا جائے گا۔ وہ خود بھی تم لوگوں سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔"

ایک تند و تیز قزاق نے کہا۔ "او بھائی یک چشم! اندر جا کے دیکھ، وہاں قدیر کیا کر رہا ہے۔"

دراز ریش یک چشم نے جواب دیا۔ "میں اندر واپس جا رہا ہوں اور قدیر کو تم سب کے پاس بھیجتا ہوں۔ میرا خیال ہے وہ کچھ زیادہ لائق اعتبار نہیں۔ اس سے نمٹ لو، پھر تم سب کا راستہ صاف ہو جائے گا۔"

ہجوم نے کہا۔ "یہ کون سی مشکل بات ہے؟"

دراز ریش کا ساتھی اندر گیا اور قدیر کو جلدی جلدی بتایا۔ "قدیر! باہر مت جانا، وہاں تمھارے لیے خطرات ہیں!"

دراز ریش یک چشم بھی تیزی سے اندر گیا اور قدیر کو بتایا۔ "میں نے انھیں ہر طرح سے سمجھایا کہ باری باری سب روشنک کے پاس جائیں گے مگر وہ نہیں مان رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہی بات قدیر اپنی زبان سے کہہ دے تو ہم سب یقین کرلیں گے لیکن کسی اور کی یہ بات ہم نہیں مانیں گے۔"

قدیر دوسرے راستے سے باہر نکل گیا۔ ہجوم اس کو باہر نکلتے نہیں دیکھ سکا۔

دراز ریش یک چشم نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "تو یہاں کیا کر رہا ہے؟ باہر جا اور وہاں جو کچھ نظر آئے ہمیں اس سے خبردار کر۔"

روشنک نے دراز ریش ادھورے آدمی سے پوچھا۔ "آخر بات کیا ہے؟ باہر کیا ہو رہا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "باہر کچھ نہیں ہو رہا۔ ایک ہجوم احمق ہے جو تیرے حوالے سے حسین اور رنگین خواب دیکھ رہا ہے۔"

روشنک نے سہم کر پوچھا: "وہ لوگ اندر تو نہیں گھس آئیں گے؟"

درازریش نے اکڑ کر جواب دیا: "جب تک میں یہاں موجود ہوں، ہجوم کا ایک شخص بھی اندر آنے کا خیال تک اپنے دل میں نہیں لا سکتا۔"

روشنک نے مشورہ دیا: "میرا خیال ہے ان سب کو اندر آنے دیا جائے۔ وہ میرا کیا کر لیں گے۔ بس ذرا بھڑاس نکال لیں گے اپنی بوالہوسی کی۔"

درازریش یک چشم گرم ہو گیا: "روشنک، ابھی تو ان سے واقف نہیں ہے۔ وہ سب قزاق ہیں اور تجھ کو لوٹ کا مال سمجھ کے ہر قزاق تجھ سے اپنا حق وصول کرے گا اور جب آخر میں میں تجھ سے ملوں گا تو تیرے پاس میرے لیے کچھ بھی نہیں ہو گا۔"

روشنک سراپا سوال بن گئی: "آخر تو اور کیا کرانا چاہتا ہے؟"

اس نے جواب دیا: "یہ کہ اس وقت تو بھیڑیوں میں پھنس گئی ہے اور خیریت اسی میں ہے کہ تو یہاں سے میرے ساتھ نکل چل۔ میں تجھ کو انطاکیہ لے جاؤں گا اور وہاں تیرے ساتھ عزت و آبرو کی زندگی گزاروں گا۔"

روشنک نے منہ لٹکا کے جواب دیا: "چاہتی تو میں بھی یہی ہوں لیکن یحییٰ سردار اور قدیر ایسا نہیں ہونے دیں گے۔"

یک چشم درازریش نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بس تو میرے ساتھ چلنے کی ہامی بھر لے، یحییٰ اور قدیر سے نجات دلانا میرا کام ہے۔"

روشنک نے جواب دیا: "میں نے ہامی بھر لی۔ اب تو اپنا کام کر۔"

باہر قزاقوں کا ہجوم اندر گھسنے کے لیے بے چین تھا۔ اس نے باہر نکل کے ہجوم کو سمجھایا: "روشنک کہتی ہے کہ میری محفل میں آنا ہے تو بن سنور کے ستھرے لباس میں آؤ، اور سب ایک ساتھ آؤ، وہ آج رات تم سب کا انتظار کرے گی۔"

ایک قزاق نے پوچھا: "کیا یحییٰ سردار ہمیں گھسنے دے گا؟"

درازریش نے جواب دیا: "روشنک کی طرف سے اجازت ہے۔ یحییٰ سردار کو تم راضی کر دو۔"

ہجوم بننے سنورنے اور لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔ درازریش قزاق نے کہا: "روشنک! میں یہاں کے راستوں سے خوب واقف ہوں۔ چند ساعتوں میں تجھ کو ایک ایسی جگہ پہنچا دوں گا کہ یحییٰ اور قدیر تیرا نقش پا بھی نہ پا سکیں گے۔"

روشنک نے کہا: "مجھ کو ڈر لگتا ہے۔ وہ تیرے ساتھ مجھے بھی مار دیں گے!"

اس نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرا: "یہ ناممکن ہے۔ اس سے پہلے میں اُن دونوں کو مار دوں گا۔"

روشنک نے اپنی مجبوری ظاہر کی: "میں ان دونوں کے جیتے جی یہاں سے نہیں نکلوں گی۔ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں۔"

درازریش یک چشم کو غصہ آ گیا: "تو تو بڑی ڈرپوک، بزدل نکلی۔ خیر کوئی بات نہیں۔ اگر تیری یہی شرط ہے تو میں یہ شرط پوری کر دوں گا۔"

وہ چلا گیا اور روشنک اپنی لگائی ہوئی آگ کا تماشا دیکھنے کے لیے تیار ہو گئی۔ اس نے اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ دوسرا دروازہ، جدھر سے قدیر گیا تھا، وہ زیادہ مضبوط نہیں تھا۔ اسے بھی بند کر لیا لیکن ادھر سے وہی آ سکتا تھا جو ادھر سے جاتا۔ کیونکہ ادھر پہاڑی چٹانیں دیوار بن کر حائل ہو گئی تھیں اور مکان کے پہلے دروازے والے حصے کو بالکل جدا کر دیتی تھیں۔

کافی دیر بعد کسی نے پہلے دروازے پر دستک دی، اندر سے روشنک نے پوچھا: "کون؟"

باہر سے جواب ملا: "میں، یحییٰ سردار ہوں، دروازہ کھول۔"

روشنک نے دروازہ کھول دیا۔ یحییٰ سردار آشوری اور کئی دوسرے ہنرمندوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا اور روشنک کو حکم دیا: "چل میرے ساتھ، تہمینہ کے پاس!"

روشنک نے جواب دیا: "لیکن اس وقت تو خود آپ کی زندگی خطرے میں ہے۔"

یحییٰ سردار نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا: "کیا تو نے میری بات نہیں سنی؟ میں یہاں کا سردار ہوں۔ میری جان خطرے میں نہیں ہے۔"

روشنک نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تو یحییٰ سردار کی گرفت اور زیادہ مضبوط ہو گئی۔

روشنک نے اسے سرگوشی میں بتا دیا: "قدیر اور آپ کا درازریش یک چشم ساتھی آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔"

یحییٰ نے کہا: "میں جانتا ہوں لیکن میں نے کہہ جو دیا کہ میں یہاں کا سردار بھی ہوں۔"

آشوری جوان نے یہاں پہلی بار زبان کھولی: "تو یحییٰ سردار کی بات سمجھ کیوں نہیں رہی۔ تو یہاں سے جلد از جلد نکل چل۔"

روشنک یحییٰ کے ساتھ نکل کھڑی ہوئی۔ آشوری جوان اور دوسرے ہنرمند دونوں کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

یحییٰ سردار اپنے ساتھی قزاقوں کی نظروں سے بچتا بچاتا ہنرمندوں اور مزدوروں کی بستی میں چلا گیا اور روشنک کو تہمینہ کے پاس پہنچا دیا۔

یحییٰ نے کہا: "میں نے تیری خواہش پوری کر دی۔ اب تو یہاں رہ۔ میں اپنے ساتھیوں سے نمٹتا ہوں۔"

روشنک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ تہمینہ پریشان ہو گئی۔ پوچھا: "کیا بات ہے، تو رو کیوں رہی ہے؟"

روشنک نے یحییٰ سردار کی طرف اشارہ کیا۔ "ان کی جان خطرے میں ہے۔ ان کے دو غدار ساتھی قدیر اور دراز ریش یک چشم ان کو قتل کر دینا چاہتے ہیں۔"

یحییٰ سردار ہنسنے لگا۔ "وہ دونوں مجھے نہیں مار سکتے کیونکہ میں ان کا سردار ہوں۔"

آشوری جوان نے بھی روشنک کو دلاسا دیا۔ "تو مت گھبرا۔ ہم عنقریب یہاں سے نکل چلیں گے۔"

روشنک اپنی سازش کا کوئی انجام دیکھے بغیر تہمینہ کے پاس پہنچ چکی تھی۔ قدیر اور دراز ریش یک چشم غائب تھے لیکن روشنک کو یہ یقین تھا کہ دونوں یحییٰ سردار کے خلاف کوئی نہ کوئی ہنگامہ ضرور کریں گے۔ وہ اس ہنگامے کا انتظار کر رہی تھی۔

یحییٰ سردار اور آشوری جوان وہاں سے چلے گئے اور کچھ دیر بعد جب واپس آئے تو روشنک سے پوچھا: "ہاں تو تو اس وقت قدیر اور دراز ریش یک چشم کے بارے میں کیا بتا رہی تھی؟"

روشنک یحییٰ کے اطمینان اور سکون سے پریشان تھی۔ اس نے ذرا تامل سے بتایا: "قدیر اور یک چشم اپنے طور پر مجھ سے پیمان وفا باندھ رہے تھے۔"

یحییٰ نے پوچھا: "اچھا پھر؟"

روشنک نے کہا: "قدیر نے مجھ سے کہا کہ تو میرے ساتھ حلب چل۔ میں وہاں باعزت زندگی گزاروں گا۔"

یحییٰ نے پوچھا: "اور تو نے اس سے کیا کہا؟"

روشنک نے کسی قدر گھبرائے لہجے میں کہا: "میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں یحییٰ سردار کی امانت ہوں، تو مجھ سے اس قسم کی باتیں نہ کر۔"

یحییٰ مسکرا رہا تھا۔ پوچھا: "اور اس دراز ریش یک آنکھ والے نے کیا کہا؟"

روشنک کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ یحییٰ کے اطمینان اور مسکراہٹ سے خوفزدہ تھی۔

یحییٰ نے پھر وہی سوال کیا: "تو نے بتایا نہیں کہ اس یک آنکھ والے بدمعاش نے تجھ سے کیا کہا؟"

روشنک نے جواب دیا: "وہ مجھے لے کر لے جانے کی ترکیب دے رہا تھا لیکن میں نے اس سے بھی یہی بات کہی کہ میں تیرے یحییٰ سردار کی امانت ہوں، تو مجھ سے اس قسم کی باتیں مت کر۔"

یحییٰ سردار نے روشنک کا شکریہ ادا کیا۔ "میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے قدیر اور ایک آنکھ والے قزاق پر مجھ کو ترجیح دی۔"

روشنک اس کی باتوں میں طنز محسوس کر رہی تھی۔

یحییٰ سردار ڈینگیں مارنے لگا: "لڑکی! میں یہاں کا سردار ہوں اور یہاں کے لوگ میرے تابع فرمان ہیں۔ مجھ سے دو مردوں نے کیا کہا اور تو نے انھیں کیا جواب دیا، یہ چھپنے والی باتیں نہیں ہیں۔"

روشنک نے خوف سے پوچھا: "تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟"

یحییٰ سردار نے جواب دیا: "پتا نہیں تو سچی ہے یا جھوٹی، لیکن تجھ کو ہر حال میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ میں یہاں کا سردار ہوں۔"

یحییٰ سردار چلا گیا اور تہمینہ نے روشنک کو سمجھایا: "یہ قزاق ہیں، بہت ہی چالاک لوگ۔ ہم انھیں آسانی سے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔"

روشنک نے جواب دیا: "یہ قزاق ہوں یا بادشاہ، ہیں تو آدمی۔ میں عورت ہوں اور میں انھیں بے وقوف بنا سکتی ہوں۔"

تہمینہ ہنسنے لگی: "وہ دونوں مرد جن کا تو نے ذکر کیا، ہو سکتا ہے انھوں نے یحییٰ سردار سے کہا ہو، وہ باتیں کی ہوں۔"

روشنک پھر سہم گئی۔ "ہو سکتا ہے لیکن ان کی باتوں سے ایسا نہیں لگ رہا تھا۔"

تہمینہ نے اسے سمجھایا: "ہم دونوں جس مصیبت میں مبتلا اور گرفتار ہیں اس سے چھٹکارا پانا آسان نہیں ہے۔ یہاں صرف آشوری جوان سب سے مختلف اور سچا معلوم ہوتا ہے، باقی سب شاطر اور عیار ہیں۔"

روشنک نے تہمینہ سے پوری طرح اتفاق نہیں کیا: "شاطروں اور عیاروں کو سچائی اور دیانت داری سے شکست نہیں دی جا سکتی۔ ان کے لیے ہمیں بھی کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔"

اچانک باہر سے لوگوں کی زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ دو عورتوں کا وجود ہنر مندوں کی پوری بستی کو اپنی طرف متوجہ کر چکا تھا۔

آشوری جوان کا شاعر اسماعیل سے بس اس حد تک رابطہ قائم تھا کہ یحییٰ سردار دونوں کے درمیان واسطہ بنا ہوا تھا، وہ یہ سوچ سوچ کر ہول رہا تھا کہ اگر کسی طرح یا کسی وجہ سے یحییٰ سردار سے وہ محروم ہو گیا تو اس کا حشر کیا ہوگا؟ سلطان الپ ارسلان اس کے بارے میں کیا سوچ رہا ہوگا اور عیسائیوں کا متحدہ محاذ قسطنطنیہ کے قیصر کے ساتھ منبج میں کیا کر رہا ہے؟ وہ اس معاملے میں صرف اتنا جان سکتا تھا کہ شاعر اسماعیل نے

قیصر تک رسائی حاصل کر لی ہے اور پورے منبج اور اس کے نواح میں ہر طرف مسیحی ہی مسیحی ہیں۔ مسلمانوں نے ان کے خوف سے سارا علاقہ خالی کر دیا ہے۔

شاعر اسماعیل نے آشوری جوان کو یہ بھی لکھ دیا تھا کہ اب وہ مسلمانوں یا الپ ارسلان کے لیے عیسائیوں کے خلاف کوئی کام نہیں کرے گا اور آشوری جوان کو یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ بھی یہی کرے اور سلطان اور مسلمانوں کا خیال دل سے نکال دے۔

آشوری تذبذب میں مبتلا ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا، کیا مجھے شاعر اسماعیل کا ہم خیال ہو جانا چاہیے۔ کیا سلطان الپ ارسلان بزنطینی دو لاکھ سپاہیوں کا اپنی پندرہ بیس ہزار سپاہ سے مقابلہ کر سکے گا۔ شاید نہیں۔ کیا ایشیائے کوچک اور اس سے ملحق اسلامی دُنیا کو قیصر کے حق میں مسیحیوں کے لیے اپنے علاقوں سے دستبردار ہو جانا پڑے گا؟

یحییٰ آشوری کی اس خط و کتابت پر نظر میں رکھتا تھا۔ ابتدا میں تو وہ یہ سمجھتا رہا کہ شاعر اسماعیل اور آشوری جوان معاشی چکر میں مبتلا ہیں لیکن جب اس نے ان خطوں میں سلطان الپ ارسلان، اسلام اور قسطنطنیہ کے قیصر اور عیسائیوں کا ذکر پڑھا تو اس میں تجسس بیدار ہو گیا اور یہ احساس پیدا ہوا کہ دونوں اس دَور کے اہم انسان ہیں۔

آشوری بھی کوئی بے وقوف انسان نہیں تھا۔ وہ یحییٰ کے سوالات کے جواب دینے کے لیے پہلے سے تیار تھا۔

چنانچہ یحییٰ نے آشوری سے پوچھا۔ "تو سچ سچ بتا کہ تو کون ہے اور سلطان الپ ارسلان سے تیرا کیا تعلق ہے؟"

آشوری نے جواب دیا۔ "میں مسیحی ہوں لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کے لیے کام کر رہا ہوں۔ میں شاعر اسماعیل کی مدد سے قیصرِ قسطنطنیہ اور عیسائیوں کو کسی بھی طرح یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ وہ سلطان الپ ارسلان اور مسلمانوں سے جنگ نہ کریں۔ اسی میں ہم سب کا فائدہ ہے۔ عیسائی اور مسلمان امن سے رہ کر ایک دوسرے کو بہت زیادہ فائدے پہنچا سکتے ہیں اور عالمِ انسانیت کا اسی میں فائدہ ہے۔"

یحییٰ نے حیرت سے پوچھا۔ "حالانکہ تو عیسائی ہے اور یہ جانتا ہے کہ قیصر اپنی دو لاکھ افواج سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہا ہے اور شاید تجھ کو یہ یقین بھی ہے کہ مسیحی کامیاب ہوں گے اور مسلمان ناکام؟"

آشوری نے جواب دیا۔ "ایک میں ہی نہیں، مسلمان بھی یہی کہہ رہے ہوں گے۔"

یحییٰ نے کہا۔ "تو صرف اپنی بات کر۔ مسلمانوں کی بات مسلمان کریں گے۔ ایسی کر دوں گا اور میں قیصر کی فتح پر یقین نہیں رکھتا۔"

آشوری کو اس پر بڑی حیرت ہوئی۔ "وہ کیوں؟"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "اس لیے کہ جنگیں جذبوں اور تجربوں سے جیتی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کو اس کا تجربہ بھی ہے اور جذبہ بھی رکھتے ہیں لیکن قیصر اور مسیحی دُنیا میں نہ تو کوئی جاندار جذبہ ہے اور نہ شاندار تجربہ۔ پھر وہ یہ جنگ کس طرح جیت لیں گے؟"

آشوری یحییٰ کے طرزِ استدلال اور یقین پر حیران ہوا۔ جواب دیا۔ "بہرحال میرا جو کام ہے میں کرنا چاہتا ہوں۔"

یحییٰ نے متامل لہجے میں کہا۔ "اگر میں پہلے سے یہ سب جان لیتا تو شاعر اسماعیل کے ساتھ تجھ کو بھی یہاں سے نکال دیتا لیکن اب یہ ممکن نہیں رہا۔"

آشوری کو ڈر پیدا ہوا کہ کہیں یحییٰ اسے نقصان تو نہیں پہنچائے گا!

اس کی فکر اور تشویش کا اندازہ اس کے چہرے سے لگا کر یحییٰ نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ "اب میں اُلجھ گیا ہوں۔ میں یہاں سے نکلنا چاہتا ہوں۔ میرے ساتھی عیار اور مکار ہیں۔ میں ان پر زیادہ بھروسا نہیں کر سکتا۔ باہر کی دُنیا میں میرا کوئی خیر خواہ اور ہمدرد نہیں۔ اس لیے وہاں میں تجھ سے کام لوں گا۔ تو سلطان کے پاس مجھے لے جائے گا۔ میں اس کی فوج میں شامل ہو کر جہاد میں حصہ لوں گا اور اس طرح دُنیا اور آخرت میں محترم ہو جاؤں گا۔"

آشوری نے اسے یقین دلایا۔ "میں آپ کے لیے جو کچھ کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔"

یحییٰ نے اپنے اندیشے ظاہر کیے۔ "سردار زخمی ہے اور کہیں اپنے علاج معالجے میں مشغول ہے۔ میرا ساتھی اور سردار کا نائب شعیب اس کے ساتھ ہے۔ یہ دونوں کسی بھی دن یہاں آ سکتے ہیں۔ سردار کے لوٹے ہوئے مال و دولت کی حفاظت میں کر رہا ہوں۔ میں نے سردار کی اس چھوٹی سی حکومت کا نظم و نسق بھی سنبھال رکھا ہے۔ میں اس کے آدمیوں اور ہنرمندوں سے بھی کام لے رہا ہوں۔ یہ سب اس وقت تک میرے وفادار رہیں گے جب تک سردار ہم میں واپس نہیں آ جاتا۔ اس کے بعد یہ سب ناقابلِ اعتبار ہو جائیں گے۔"

آشوری نے پوچھا۔ "اس طرح یحییٰ سردار آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

اس نے جواب دیا۔ "صرف یہ کہ اب میں یہاں سے بہرحال نکلنا چاہتا ہوں اور اس میں تیری مدد بہت ضروری ہے۔"

آشوری نے اسے یقین دلایا۔ "میں آپ کی مدد ضرور کروں گا لیکن پہلے آپ یہاں سے نکلیں تو سہی۔"

یحییٰ سردار واقعی بہت زیادہ فکرمند ہو چکا تھا: "دونوں لڑکیوں نے اور زیادہ پریشان کر دیا ہے مجھے۔ میں انھیں بھی یہاں سے نکال لے جانا چاہتا ہوں۔"

آشوری نے کہا: "آپ کو جو کچھ بھی کرنا ہے جلد از جلد کریں۔ سردار واپس آ گیا تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔"

دونوں باتیں کرتے ہوئے ہنرمندوں میں چلے گئے۔ وہ اپنے اپنے کام میں بڑی تن دہی دکھا رہے تھے۔ ان دونوں نے ان میں ایک ایسے شخص کو بھی دیکھا جس کو یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔ یہ قزاق تھا اور اس کو اس بستی اور ہنرمندوں میں آنے کی اجازت نہیں تھی۔

اس قزاق نے دونوں کو آتے دیکھا تو منہ چھپانے لگا۔ پہلے وہ ہنرمندوں سے باتیں کر رہا تھا۔

یحییٰ نے اسے گدی سے پکڑ لیا اور پوچھا: "تو یہاں کیا کر رہا ہے؟"

قزاق نے خوشامد شروع کر دی: "میں انھیں کام کرتا دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا تھا۔"

یحییٰ نے محسوس کیا کہ اپنے اپنے کاموں میں مشغول کئی جوان اس قزاق میں دلچسپی لے رہے تھے۔

یحییٰ کو یہ بھی حیرت تھی کہ یہ قزاق اس بستی میں آیا کس طرح؟ کیونکہ انھیں اس طرف آنے کی نہ تو اجازت تھی اور نہ ادھر آنے کا کوئی راستہ کھلا تھا۔

یحییٰ نے گدی تو چھوڑ دی مگر گریبان سے پکڑ کر اٹھا لیا اور پوچھا: "میں پوچھتا ہوں تو یہاں تک آیا کس طرح؟"

قزاق نے جواب دیا: "یحییٰ سردار! آپ مجھ سے یہ نہ پوچھیں کہ میں یہاں کس طرح آیا، بلکہ صرف یہ پوچھتے رہیں کہ میں یہاں کیوں آیا؟ آپ مجھ سے بار بار یہی سوال کریں۔"

آشوری کو قزاق کے جواب پر ہنسی آ گئی: "آدمی دلچسپ مزے دار باتیں کرتا ہے۔"

یحییٰ صرف مسکرا کر رہ گیا: "میں تجھ سے بار بار ایک ہی سوال کیوں کروں؟"

قزاق نے جواب دیا: "اس لیے کہ میں نے آپ کو ابھی یہ نہیں بتایا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔"

یحییٰ نے کہا: "تو نے بتا تو دیا کہ تو یہاں ہنرمندوں کو کام کرتے دیکھ کر لطف اندوز ہونے آیا ہے۔"

قزاق نے ہنس کر درخواست کی: "پہلے آپ میرا گریبان تو چھوڑیں۔ پھر میں آپ کو جواب دوں گا۔"

یحییٰ قزاق کو کام کرنے والوں سے اتنی دور لے گیا کہ وہ ان کی باتیں نہ سن سکیں۔ پھر قزاق سے پوچھا: "ہاں تو اب بتا کہ تو یہاں کیوں آیا تھا؟"

قزاق نے جواب دیا: "سچ سچ بتا دوں؟"

یحییٰ نے کہا: "میں سچ سننا چاہتا ہوں صرف سچ۔ سچ کے سوا کچھ بھی نہیں۔"

قزاق نے کہا: "آپ میرے سچ سے ناراض یا پریشان تو نہیں ہوں گے؟"

یحییٰ نے سختی سے تنبیہ کی: "میں اپنے ہر سوال کا سچ جواب چاہوں گا۔"

قزاق نے جواب دیا: "میں نے جب سے یہ سنا ہے کہ آپ یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں اور اپنے ساتھ ہمیں بھی نکال لے جانا چاہتے ہیں، میں باہر کی دنیا کے مطابق بننا چاہتا ہوں۔"

یحییٰ نے اپنے ذہن پر زور دیا: "میں تیرا مطلب نہیں سمجھا؟"

قزاق نے جواب دیا: "شریفانہ زندگی بسر کرنے کے لیے کوئی ہنر جاننا ضروری ہے اور میں ان ہنرمندوں سے کوئی ہنر سیکھنا چاہتا ہوں۔"

آشوری نے درمیان میں دخل دیا: "اگر تو شریف آدمی بننے کے لیے کوئی ہنر سیکھنا چاہتا ہے تو میں تجھ کو کئی ہنر سکھا سکتا ہوں۔"

یحییٰ نے بھی قزاق کے جذبے کی قدر کی اور کہا: "جب تو یہاں سے ہمارے ساتھ نکلے گا تو ہم یہ ذمے داری بھی قبول کریں گے۔"

قزاق نے درخواست کی: "پھر جب تک ہم یہاں ہیں، ہمیں ہنرمندوں سے کچھ سیکھ لینے دیں۔"

ہنرمند انھیں بڑی تشویش سے دیکھ رہے تھے۔ یحییٰ بھی اس تشویش کو محسوس کر چکا تھا۔

آشوری نے کہا: "اگر سارے قزاق اس طرح سوچنے لگیں تو؟"

یحییٰ قزاق کو اپنے ساتھ ایک خالی کوٹھری میں لے گیا۔ یہاں اور کوئی نہیں تھا۔ قزاق سے کہا: "اب تو اپنے ساتھیوں میں واپس نہیں جائے گا، یہیں رہ۔ میں تجھ کو ہنر سیکھنے پر لگا دوں گا۔"

قزاق نے درخواست کی: "آپ مجھ کو اپنے ساتھیوں میں واپس جانے دیں۔"

یحییٰ نے اسے قید کر دیا اور جواب دیا: "دو چار دن یہاں قید رہ۔ اس دوران میں یہ معلوم کر لوں گا کہ تو یہاں کیوں آیا تھا۔"

آشوری نے واپس آتے ہوئے حیرت سے پوچھا: "یہ قزاق سچ نہیں بول رہا تھا؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "آشوری جوان! اگر ہم میں سے نہیں ہے

اس سے تو تمہیں نہیں سمجھ سکے گا۔ یہ قزاق بڑا عیار اور مکار انسان ہے۔"

آشوری نے افسوس کیا: "میرا خیال ہے یہ شخص بے قصور ہے، آپ اس پر ناحق شبہ کر رہے ہیں۔"

یحییٰ نے جواب دیا: "وہ مکار ہے، جھوٹ بولتا ہے اور ہمیں دھوکا دے رہا ہے۔"

آشوری کو اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ یحییٰ، آشوری کو ان ہنرمندوں کے پاس لے گیا جن سے قزاق باتیں کر رہا تھا اور آشوری سے کہا: "ہم جب تک یہاں ہیں ہمیں ہر مصیبت کا مقابلہ کرنا ہوگا، بستی کی مصیبتوں اور الجھنوں کا۔ میں ہنرمندوں سے بات کرتا ہوں، آپ یہ باتیں خود سنیں گے اور پھر آپ کو بھی یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم کن لوگوں میں رہ رہے ہیں۔"

یحییٰ نے دو مشکوک ہنرمندوں کو وہاں سے الگ لے جا کر ایک پتھر پر بٹھا دیا اور ان سے پوچھا: "مجھے سچ سچ بتاؤ کہ وہ قزاق تم سے کیا بات کر رہا تھا؟"

دونوں ہنرمند ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔

یحییٰ نے دونوں کو جھنجھوڑ ڈالا: "ایک دوسرے کی شکل مت دیکھو۔ میں جو پوچھ رہا ہوں اس کا جواب دو۔"

ایک نے جواب دیا: "مگر اس نے کیا بتایا؟ آپ نے یہ سوال اس سے بھی کیا؟"

یحییٰ نے کہا: "میں نے یہ سوال اس سے بھی کیا۔ اس نے جو کچھ بتایا اس پر میں حیران ہوں۔ مجھے تم لوگوں سے ایسی امید نہ تھی۔"

دوسرے نے اپنے ساتھی سے کہا: "میں نے تو پہلے ہی یہ کہا تھا کہ اس کی باتوں میں مت آنا۔"

آشوری کی حیرت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

یحییٰ نے دونوں سے کہا: "تم دونوں سب کچھ صاف صاف بتا دو۔ میں نے قزاق کو قید کر دیا ہے۔ شاید تم دونوں بھی اس کے ساتھ ہی قید کر لیے جاؤ۔"

آشوری کی نظریں اچانک بستی کے کام کرنے والوں پر پڑ گئیں۔ انہوں نے کام چھوڑ دیا تھا اور سب ایک جگہ جمع ہو کر آپس میں صلاح مشورے کر رہے تھے اور وہ بار بار یحییٰ اور اپنے دونوں ساتھیوں کو دیکھ رہے تھے۔ آشوری نے یحییٰ سے کہا: "ذرا ادھر تو آئیے، میری ایک بات تو سنیں۔"

یحییٰ نے دونوں کو دو دو ہاتھ رسید کر دیے اور آشوری کو جواب دیا: "پہلے میں ان دونوں سے نمٹ لوں، اس کے بعد تم سے بات کروں گا۔"

آشوری نے کہا: "آپ جلدی نہ کریں، ہنرمندوں کی طرف دیکھیے، ان کے تیور کچھ اور کہہ رہے ہیں۔"

یحییٰ نے اس طرف دیکھا تو اس کے ہاتھ رک گئے۔ بستی کے لوگ ہجوم کی شکل میں یحییٰ کی طرف چلے آ رہے تھے۔

یحییٰ نے دونوں کو چھوڑ دیا اور بڑھتے ہوئے ہجوم سے پوچھا: "کیا بات ہے؟ تم سب نے اپنے کام کیوں چھوڑ دیے؟"

بستی کا طاقت ور مزدور جو درختوں کے تنے اور شاخیں ادھر ادھر پہنچایا کرتا تھا، آگے بڑھا اور یحییٰ سے کہا: "یحییٰ سردار! تو نے بہت ظلم کر لیے، اب یہ سلسلہ بند ہونا چاہیے۔ ہمارے دونوں آدمیوں کو چھوڑ دے۔"

یحییٰ کا غصہ بڑھ گیا، پوچھا: "اگر میں ان دونوں کو نہ چھوڑوں تو؟"

مزدور نے جواب دیا: "دونوں کو چھوڑ دیں، اسی میں بہتری ہے۔"

یحییٰ نے کہا: "میں یہاں کا سردار ہوں اور تجھ کو تیری اس سرکشی کی میں سزا دے سکتا ہوں۔"

مزدور نے جواب دیا: "یحییٰ سردار! تم نہیں جانتے کہ یہاں کا اصل سردار آنے ہی والا ہے۔ اب ہم اور یہاں کے قزاق تیری سرداری کو نہیں مانتے۔"

یحییٰ کو خوف کا جھٹکا سا تو لگا مگر اس نے اسے ظاہر نہیں ہونے دیا: "جب تک سردار نہیں آتا، میں ہی سردار ہوں اور سردار کے آنے سے پہلے پہلے میں تجھے جہنم واصل کر سکتا ہوں۔"

کئی دوسرے مزدور بھی آگے بڑھے: "لوٹ کے مال پر سب کا حق ہوتا ہے یحییٰ سردار! تم نے اپنے قزاق ساتھیوں کا حق مارا ہے اور وہ سب بھی بغاوت کر چکے ہیں۔ وہ ہمارا تعاون چاہتے ہیں اور ان کا قزاق ساتھی ہم سے یہی طے کرنے آیا تھا۔"

آشوری نے یحییٰ کو آہستہ سے سمجھایا: "یحییٰ سردار! آپ نرمی اور سمجھداری سے کام لیں، سختی نہ کریں۔"

یحییٰ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی، اس نے دونوں کو چھوڑ دیا اور ہجوم سے کہا: "میں تو تم سب کو سردار کے آنے سے پہلے ہی یہاں سے نکال دینا چاہتا تھا لیکن اگر تم نے اپنا معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اور اسے چالاک اور ناقابل اعتبار قزاقوں کی مدد سے حل کرنا چاہتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

بستی والوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ ایک بڑھئی نے بسولے کو اٹھاتے ہوئے کہا: "یحییٰ سردار پر یقین کرو اور سردار کے آنے سے پہلے پہلے باعزت طریقے سے یہاں سے نکل چلو۔ قزاقوں پر مت بھروسا کرو، وہ دھوکے باز ہوتے ہیں۔"

طاقت ور مزدور نے بڑھئی کی مخالفت کی: "وہ قزاق ہیں تو یحییٰ بھی ان کا سردار ہے۔ ہم اس پر کیوں بھروسا کریں؟"

بڑھئی کے حامیوں نے مزدوروں سے اختلاف کیا اور یحییٰ سردار کی حمایت میں اس کے پاس جا کھڑے ہوئے اور سلسلہ

رفع دفع کرا دیا۔
یحییٰ سردار نے انہیں حکم دیا: "آج کام نہیں ہوگا۔ اپنے ٹھکانوں پر واپس جاؤ اور کل تک یہ فیصلہ کرو کہ تم میرے ساتھ یہاں سے نکلنا پسند کرو گے یا عیار اور مکار قزاقوں کے نئے سردار کا انتظار کرو گے۔"
یحییٰ سردار نے آشوری جوان سے کہا: "آ، میرے ساتھ چل اور ان بدبختوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے۔"
تنومند مزدور نے چلا کر یحییٰ سردار کو خبردار کیا: "سردار! تمہارے ساتھی قد آور اور دراز ریش یک چشم کے بارے میں پوچھ رہے ہیں، یہ دونوں کہاں ہیں، زندہ بھی ہیں یا قتل کر دیے گئے۔"
یحییٰ نے آشوری سے کہا: "آج اس کی کسی بھی بات کا جواب نہیں دینا ہے۔ کل اس کے مزاج بھی پوچھ لوں گا۔"
وہ آشوری کو بستی کے باہر ایک چھوٹے سے غار میں لے گیا: "دیکھو، اگر میں کسی وقت کسی وجہ سے تجھ سے نہ ملوں تو تُو خاموشی سے یہاں چلا آئے گا۔ ہم یہاں سے باہر نکل جائیں گے۔ اور اس غار سے نکلنے کا راستہ صرف میں جانتا ہوں۔"
آشوری نے پوچھا: "کیا اس غار کے بارے میں کوئی اور کچھ نہیں جانتا؟"
یحییٰ نے جواب دیا: "یہ میری دریافت ہے صرف میری۔"
آشوری اور یحییٰ کچھ دیر اس غار کے سامنے رہے۔ آشوری اس جگہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرتا رہا۔
جب یہ دونوں اپنے اس گھر کے سامنے پہنچے جہاں تہمینہ اور روشنک رہ رہی تھیں تو آشوری نے اس گھر میں معمول سے زیادہ چہل پہل محسوس کی۔ اندر سے مردوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ اس نے یحییٰ کو اشارے سے منع کیا کہ اندر نہ جائے اور پہلے اندر کی باتیں سننے کی کوشش کرے۔
دونوں پتھر کی دیوار سے کان لگا کر کھڑے ہو گئے۔ اس کی درازوں سے دوسری طرف کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔
تنومند مزدور کی آواز بالکل صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ تہمینہ یا روشنک سے کہہ رہا تھا: "دیکھ، یہ یحییٰ سردار کی تو دھمکی دے نہیں، اس کے ساتھیوں نے تو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ لوٹ کے مال میں ان سب کا حق ہے۔"
اس آواز کے بعد بوڑھے کاتب کی آواز سنائی دی: "تو یہاں سے نکل، یحییٰ سردار اگر آ گیا تو تیری شامت آ جائے گی۔"
مزدور زور زور سے ہنسنے لگا: "میں تیرے یحییٰ سردار سے اب نہیں ڈرتا۔ اب اسے سردار مانتا بھی کون ہے؟"
بوڑھے کاتب نے جواب دیا: "اسے ہم سب اپنا سردار مانتے ہیں، ایک تیرے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے؟"
مزدور نے شاید بوڑھے کاتب کو حکم دیا: "اچھا، میں پھر آؤں گا اور پہلے تیرے اس یحییٰ سردار کا حساب کتاب برابر کر دوں، اس کے بعد تیری مزاج پرسی کروں گا۔"
آشوری اور یحییٰ وہاں سے ہٹ کر ایک پتھر کے پیچھے چھپ گئے، تنومند مزدور وہاں سے جا رہا تھا۔ وہ گھر سے نکلا تو ان دونوں نے اسے آڑ سے دیکھا۔ اس تنومند مزدور کے ساتھ اس کے دو ساتھی بھی تھے۔ وہ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔
تنومند مزدور نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "تم دیکھنا، میں یحییٰ سردار کی کیا درگت بناتا ہوں۔"
ایک مزدور نے اس سے درخواست کی: "استاد! ان دونوں میں سے ایک پر تو میرا حق بھی ہونا چاہیے۔"
تنومند مزدور نے جواب دیا: "پہلے اس نام نہاد سردار یحییٰ کا کام تمام ہونا چاہیے۔ اس کے بعد حصے بخرے ہوں گے۔"
وہ تینوں دور ہوتے چلے گئے اور اسی نسبت سے ان کی آوازیں بھی دور ہوتی چلی گئیں۔
ان کے چلے جانے کے بعد یحییٰ بہت فکرمند ہو گیا۔ نہ صرف اس کی سرداری بلکہ اس کی جان بھی خطرے میں پڑ چکی تھی۔ آشوری بھی فکرمند ہو چکا تھا۔ اس نے یحییٰ سردار کو مشورہ دیا کہ آپ دونوں لڑکیوں کو لے کر جلد از جلد یہاں سے نکل چلیں۔
یحییٰ نے آہستہ سے جواب دیا: "پہلے میں اس شریر مزدور سے نمٹوں گا، اس کے بعد یہاں سے نکل بھاگنے کا کوئی منصوبہ بناؤں گا۔"
اب اندر بوڑھا کاتب شاید تہمینہ سے باتیں کر رہا تھا۔ یحییٰ نے آشوری کو کاندھے سے پکڑ کے روک دیا تھا: "ذرا رک جا اور اس بوڑھے کی باتیں بھی سن لے۔"
آشوری جہاں تھا وہیں رک گیا۔
بوڑھا کاتب تہمینہ کو سمجھا رہا تھا: "تو نے اس موٹے مزدور خبیث کی باتیں سن لیں؟"
تہمینہ نے جواب دیا: "ہاں سن لیں اور ایک اس کی ہی کیا، کئی کی باتیں سن چکی ہوں اور ہر روز سنتی ہی رہتی ہوں۔"
بوڑھے کاتب نے کہا: "اور تو پھر بھی میرے بارے میں نہیں سوچتی؟"
اس بار روشنک کی آواز سنائی دی: "بڑے میاں، آپ کے بارے میں کیا سوچا جائے، آپ تو قبر میں پاؤں لٹکائے ہوئے ہیں۔"
کاتب ایک دم مشتعل ہو گیا: "تو مجھے بوڑھا کہہ رہی ہے

حالانکہ میں بوڑھا نہیں ہوں۔ تلوار کا زخم اتنی اذیت نہیں دے گا جتنا یہ لفظ بوڑھا مجھے دکھ دے رہا ہے۔"

تہمینہ نے کہا۔ "آپ نے دونوں کے سامنے مجھے اپنی بیٹی کہا تھا اور اب آپ مجھ سے عشقیہ باتیں کر رہے ہیں۔"

بوڑھا کاتب ہنسنے لگا۔ "دیکھو، وہ سب مذاق تھا، ایک قسم کا دکھاوا تھا۔ اس وقت ان درندوں سے میں ہی تمہیں بچا سکتا ہوں۔ تم یہاں بھرے، میں ان سب کا مقابلہ کر لوں گا۔"

روشنک نے اس کا مذاق اڑایا۔ "وہ صحت مند تو انا شیطان جو یحییٰ سردار کو مار دینا چاہتا ہے تو اس کا کس طرح مقابلہ کرے گا؟"

بوڑھا کاتب ہنسنے لگا۔ "اس کا مقابلہ کرنا بہت آسان ہے۔ پہلے میں اس شیطان سے دوستی کر لوں گا اور اس کے اشتعال کو اور زیادہ ہوا دوں گا اور پھر جب وہ یحییٰ سردار کو اپنی راہ سے ہٹا دے گا تو یہاں اندھیرے میں دھوکے سے میں اس کو قتل کر دوں گا۔ بس اللہ اللہ خیر صلا۔"

تہمینہ نے ازراہ مذاق دریافت کیا۔ "اور پھر اپنی اس بیٹی تہمینہ کو تم یہاں سے کس طرح نکالو گے اور کہاں لے جاؤ گے؟"

کاتب کو غصہ آ گیا۔ "تو میرا مذاق اڑا رہی ہے اور میرا دل دکھا رہی ہے۔ تو میری بیٹی نہیں ہے۔"

یحییٰ سردار نے آشوری سے سرگوشی میں کہا۔ "بس بہت ہو گیا، اب ہم اندر چلیں گے۔"

اس کے بعد دونوں اچانک گھر میں داخل ہو گئے۔ بوڑھا کاتب انہیں دیکھ کر سٹپٹا گیا اور تہمینہ اور روشنک سے کہنے لگا۔ "میں جو کہتا تھا کہ دونوں بس آنے ہی والے ہیں، سو آ گئے، میرا اندازہ بھی کیا اندازہ ہے۔"

آشوری نے کہا۔ "کہاں چل دیے بڑے میاں! کچھ دیر تو ٹھہریں، اتنی بھی کیا جلدی؟"

کاتب نے آشوری کو رحم طلب نظروں سے دیکھا۔ "تنومند جوان! میرا مذاق نہ اڑاؤ۔ تلوار کے زخم سے زیادہ اذیت دہ یہ لفظ بوڑھا ہے میرے لیے۔"

یحییٰ نے اسے حکم دیا۔ "بوڑھے! تو ابھی نہیں جائے گا۔"

بوڑھا کاتب سناٹے میں آ گیا۔ "میں رکوں یہاں؟ مگر اب میرا یہاں کیا کام۔ آپ دونوں سے پہلے میں ان دونوں کی چوکیداری کرتا رہا۔ اب میری یہاں کیا ضرورت!"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "لیکن میں جو کہتا ہوں کہ ابھی رک جا تو یہاں سے کہیں نہیں جائے گا۔"

روشنک نے شرمیلے لہجے میں بوڑھے کاتب کو سمجھایا۔ "بڑے میاں! مان بھی جائیں۔"

کاتب نے برا سا منہ بنایا۔ "اب میری یہاں ضرورت تو نہیں لیکن آپ کا حکم سر آنکھوں پر، رک جاتا ہوں۔"

آشوری نے جو کچھ سنا تھا اس سے بہت زیادہ پریشان تھا۔ اس کو یحییٰ کے ساتھ اپنی زندگی بھی خطرے میں نظر آ رہی تھی۔ وہ یحییٰ کو یہی سمجھانا چاہتا تھا کہ پہلے سرکش تنومند مزدور کا انتظام کر، اس کے بعد کوئی اور کام کر لیکن یحییٰ کا تیز اور شاطر دماغ وہ سب سوچ چکا تھا اور فیصلے کر چکا تھا جو ان حالات میں اس کو کرنے تھے۔

یحییٰ نے آشوری سے کہا۔ "تو اس مزدور کو یہاں بلا لا اور اس سے کہہ کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

آشوری نے پوچھا۔ "کیا وہ میرے بلانے سے آ جائے گا؟"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "نہیں آئے گا تو نہ آئے۔ تیرا کام بلانا ہے سو کر۔"

آشوری نے یحییٰ میں چڑچڑاپن محسوس کیا۔ وہ غصے میں تھا۔ وہ جانے لگا تو یحییٰ کچھ دور اس کے ساتھ ساتھ گیا اور اس کو سمجھانے لگا۔ "اس سے کہنا، یہاں اکیلا آئے، اپنے ساتھ کسی کو نہ لائے۔"

آشوری نے کہا۔ "اگر وہ اکیلا نہ آئے۔ تو؟"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "اگر وہ نہ مانے اور اپنے ساتھ کسی کو لانا ہی چاہے تو کوئی مضائقہ نہیں، وہ جسے بھی ساتھ لانا چاہے لے آئے۔"

آشوری چلا گیا تو یحییٰ نے بڑے میاں کاتب کو علیحدہ لے جا کر پوچھا۔ "میں آپ کو بڑے میاں ازراہ مذاق کہتا ہوں ورنہ مجھے اندازہ ہے کہ آپ کی عمر تیس، بتیس سال سے زیادہ نہیں۔"

بڑے میاں کا چلوؤں خون بڑھ گیا۔ "آپ یہی بات دونوں لڑکیوں کے سامنے بھی کہہ دیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔"

یحییٰ نے یقین دلایا۔ "میں دونوں کے سامنے بھی یہ بات کہہ دوں گا۔ آپ یہاں دونوں کی پہرے داری کرتے ہیں۔ آپ کے تجربات اور علم کے پیش نظر میں یہاں سے نکل کر تہمینہ کو آپ کے حوالے کر سکتا ہوں۔ کیوں، کیا خیال ہے آپ کا؟"

بڑے میاں کا حال ہی کچھ اور ہو گیا۔ "اگر ایسا ہو جائے تو میں زندگی بھر آپ کا احسان مند رہوں گا۔"

یحییٰ نے اپنی تشویش کا ذکر کیا۔ "لیکن وہ تنومند سرکش مزدور شاید ایسا نہ ہونے دے؟"

بڑے میاں نے کہا۔ "وہ ایسا کیوں نہیں ہونے دے گا۔ آپ سردار ہیں۔ یہاں ہر شخص پر آپ کا حکم چلے گا۔"

یحییٰ نے کہا۔ "تب پھر اپنے غیر معمولی معتبر نوجوان! گھر کے باہر کھڑا ہو جا اور جیسے ہی وہ سرکش مزدور آتا دکھائی دے، مجھے اس کی خبر کر دے۔"

یحییٰ نے بڑے میاں کو باہر کھڑا کر دیا اور خود اندر تہمینہ اور روشنگ کے پاس چلا گیا۔

دونوں یحییٰ کے تیور سے ڈر رہی تھیں! انھیں آثار اچھے نہیں نظر آرہے تھے۔

روشنگ نے یحییٰ کی کبیدہ خاطری کو خوش گواری میں بدلنے کی کوشش کی: "میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے تہمینہ کے پاس پہنچا دیا۔"

یحییٰ نے کہا: "اور مجھے افسوس ہے کہ میں نے تم دونوں کو یہاں رکھ کر اپنوں میں انتشار اور افتراق پھیلا دیا۔"

تہمینہ نے کہا: "یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے ہمارا کیا تعلق۔ ہم نے تو ان سے وہ سب نہیں کہا جو وہ کر رہے ہیں۔"

یحییٰ نے جواب دیا: "میں تم دونوں سے بات کروں گا لیکن ابھی نہیں۔ میں پہلے ان سے نمٹ لوں جو میری جان کے درپے ہو رہے ہیں۔"

روشنگ نے اپنی مجبوری کا ذکر کیا: "یہاں کا ہر شخص تو ہم پر عاشق ہو رہا ہے، ہم انھیں کس طرح منع کریں کہ وہ ہم پر عاشق نہ ہوں۔"

تہمینہ نے کہا: "بوڑھے کاتب ہی کو دیکھ لیں، کبھی وہ ہمارا محافظ بن جاتا ہے اور کبھی عاشق۔ کبھی باپ بھی بن جاتا ہے۔"

بوڑھا کاتب بھاگا بھاگا آیا اور یحییٰ کو اطلاع دی: "وہ جوان، ہنر مند جوان آ رہے ہیں۔ وہ اکیلا ہے، مزدور اس کے ساتھ نہیں ہے۔"

یحییٰ فوراً باہر نکل گیا اور کاتب کو اندر ٹھہرے رہنے کا حکم دیا۔

یحییٰ نے دور تک دیکھا۔ آشوری جوان تنہا آ رہا تھا۔ یحییٰ آگے بڑھ گیا اور پوچھا: "وہ مزدور کہاں ہے جس کو ہم نے بلایا تھا؟"

آشوری نے جواب دیا: "وہ ذرا دیر بعد آئے گا، لیکن جناب اس کے تیور درست نہیں ہیں۔"

یحییٰ نے کہا: "تو اس کے تیور کی فکر نہ کر، ہم دوسری قسم کے انسان ہیں۔"

آشوری نے کہا: "اور شاید وہ تنہا نہیں آئے گا، اپنے ساتھ آٹھ دس مزدور بھی لائے گا۔"

یحییٰ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا: "اس کی تو تُو فکر ہی نہ کر۔ میں ان کا سردار ہوں۔"

آشوری اس خطرناک کھیل سے بہت زیادہ خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔

یحییٰ نے کہا: "دیکھ آشوری جوان! جس طرح یہاں کے لوگ میرے یا کسی اور کے وفادار نہیں ہیں اسی طرح میں بھی ان کا وفادار نہیں۔"

آشوری اس کا مطلب ہی نہیں سمجھ رہا تھا: "یعنی آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "دیکھ اس وقت میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور اس قلیل وقت میں میں جو قدم اٹھانے والا ہوں اگر تو تفصیل سن لے تو میں جانتا ہوں کہ تو اس سے اتفاق نہیں کرے گا، لیکن میں مجبور ہوں۔"

آشوری خاموشی سے سب کچھ سنتا رہا۔ اب وہ یہ بھی نہیں پوچھنا چاہتا تھا کہ آخر وہ کیا کرنے والا ہے۔

یحییٰ نے آشوری سے کہا: "جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں آ جائے تو اس سے کہہ دینا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو باہر ہی کھڑا کر دے۔ تو مند سرکش مزدور مجھ سے تنہا ملے گا۔"

آشوری نے کہا: "شاید وہ میری یہ بات نہ مانے؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "نہ مانے تو انھیں بھی اندر بھیج دینا۔"

آشوری ان کا راستہ روکنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

یحییٰ نے اندر جا کے روشنگ اور تہمینہ کو حکم دیا: "بس گانے کے لیے تیار ہو جاؤ تم دونوں، آج یہاں جشنِ طرب برپا ہو گا۔"

روشنگ اور تہمینہ بھی حیران اور پریشان تھیں کہ یحییٰ سردار کو آج یہ ہو کیا گیا ہے!

انھیں بربط، نامیسار اور دف مل چکے تھے۔ دونوں نے ان آلاتِ موسیقی کے ساتھ یحییٰ کے سامنے بیٹھنا چاہا تو یحییٰ نے نفی میں سر ہلا کر کہا: "نہیں اس طرح نہیں۔ آج تم دونوں لباس بھی ایسے پہنو کہ مزدور سازش اور سرکشی بھول جائے۔"

دونوں لباس تبدیل کرنے اندر کوٹھری میں چلی گئیں اور جب واپس آئیں تو قیامت بن چکی تھیں۔ ان کا لباس ان کے نشیب و فراز کو زیادہ جاذبِ نظر بنا چکا تھا اور وہ لوگ جو اس کے طلبگار ہوں ان کے لیے فتنۂ سامان ہو چکی تھیں۔ یحییٰ خود بھی ان کے سحر میں مبتلا ہو چکا تھا۔ دونوں کے پورے جسم کا نظارہ سے جائزہ لینے کے بعد وہ بے اختیار بول اٹھا: "مزدور کی سرکشی تو گئی۔ وہ تو گیا۔ تم دونوں اسے ایک ہی نظر میں ہلاک کر دو گی۔"

تہمینہ نے پوچھا: "ہمیں اور کچھ بھی کرنا ہے یا پھر یہ بننا سنورنا ہی کافی ہے؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "تم دلوں نغمہ بھی چھیڑو گی اور رقص بھی پیش کرو گی۔"

روشنگ نے حیرت سے پوچھا: "اس مہمل سرکش

مزدور کے لیے؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "ہاں اُس احمق اور جذباتی مزدور کے لیے"

تہمینہ نے پوچھا: "کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ سردار ہو کر اسے یہ عزت کیوں دینا چاہتے ہیں؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "صرف اس لیے کہ وہ احمق اپنی جسمانی طاقت ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے اور سرداری کا دعوے دار ہے اس لیے میں اس کو یہ عزت ضرور دوں گا۔"

دونوں یحییٰ سردار کے تیور سے اندازہ لگا چکی تھیں کہ وہ اس وقت یحییٰ سردار کے علاوہ بھی کچھ ہے۔

بوڑھا کاتب بھاگتا ہوا اندر آیا اور یحییٰ کو خبردار کیا: "سردار! آپ کا ساتھی آشوری جوان تنہا آ رہا ہے۔"

یحییٰ کھڑا ہو گیا، بے چینی اور مضطربانہ سوال کیا: "آشوری تنہا آ رہا ہے!"

بوڑھے کاتب نے دونوں تیاریوں کو دیکھا تو سب کچھ بھول گیا: "واللہ نظر نہ لگ جائے کہیں۔"

یحییٰ باہر نکل گیا اور آگے بڑھ کر آشوری سے پوچھا: "وہ سرکش مزدور کہاں ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "اس نے کہا ہے تم چلو میں آ رہا ہوں۔"

یحییٰ نے کہا: "اس کا اس وقت آنا بہت ضروری ہے۔ اسے ہر حال میں یہاں لانا ہو گا۔"

آشوری نے جواب دیا: "یحییٰ سردار! وہ مزدور آئے گا اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ اپنے ساتھ آٹھ دس مزدور ساتھی بھی لائے گا۔"

یحییٰ نے کہا: "ٹھیک ہے وہ آٹھ دس نہیں پوری بستی کو اپنے ساتھ لے آئے لیکن اس کا یہاں آنا بے حد ضروری ہے۔"

آشوری ڈرا ہوا تھا: "وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مسلح آئے گا۔"

یحییٰ نے پھر وہی بات دہرائی: "وہ مسلح آئے لیکن آئے ضرور۔ اگر وہ نہیں آئے گا تو تجھے دوبارہ جا کر لانا پڑے گا۔"

آشوری نے جواب دیا: "وہ آئے گا اور ضرور آئے گا۔"

یحییٰ سردار نے دیوار کے آگے ایک درخت کی طرف اشارہ کیا جو آشوری کے پیچھے سر اٹھائے پانچ سو سال سے کھڑا تھا۔ "تو یہاں اس درخت کے نیچے اس کی جڑ میں بیٹھ جا اور اس سرکش کا انتظار کرتا رہ، جب وہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ آئے تو اس سے کہہ دینا کہ اپنے ساتھیوں کو اس درخت کے نیچے روک دے اور میرے پاس تنہا آئے۔"

آشوری کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس طرح یحییٰ کیا چاہتا ہے؟

یحییٰ واپس چلا گیا۔ بوڑھا کاتب تہمینہ اور روشنک کے سامنے بیٹھا دال بہار رہا تھا۔

یحییٰ نے خلافِ معمول ہنستے ہوئے بوڑھے کاتب سے کہا: "آج میں نے خوب سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ ان لڑکیوں کے سلسلے میں اپنے ساتھیوں کی شکایات کسی حد تک دور کر دی جائیں۔"

یہ مکان جس میں دونوں لڑکیاں رہتی تھیں کئی حصوں پر مشتمل تھا۔ اس کا عقبی حصہ بھی دو کمروں پر مشتمل تھا اور یہ دونوں کمرے کم ہی کھلتے تھے۔

بوڑھے کاتب نے پوچھا: "آپ ہماری شکایات کس طرح دور کریں گے؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "میں تم سب کا سردار ہوں اور ایک اچھے سردار کا یہ فرض ہے کہ وہ آپس میں مساوات قائم رکھے۔"

بوڑھے کاتب کے دل میں خواہشیں بیدار ہو گئیں: "اللہ آپ کو طویل عمر دے۔ مساوات واقعی بہت ضروری چیز ہے۔"

یحییٰ نے کہا: "اب میں رقص و سرود کی محفل گرم کروں گا اور اس محفل میں بستی کے خاص خاص لوگ آئیں گے۔ ان تمام لوگوں میں صحت مند و توانا مزدور بھی شامل ہے۔"

بوڑھے کاتب کو اپنا خیال آیا کہ کہیں اس محفلِ خاص سے اس کو نکال دیا جائے اس لیے ڈرتے ڈرتے پوچھا: "ان خاص لوگوں میں مجھے بھی شامل کیا جائے گا یا نہیں؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "ان میں تو بھی شامل ہے تو ہرگز مایوس نہ ہو۔"

کسی نے عقبی در پر دستک دی۔ یحییٰ اٹھ کر چلا گیا اور وہاں سے کچھ دیر بعد آیا۔ دونوں حصوں کا درمیانی حدِ فاصل دروازہ کسی قدر کھلا ہوا تھا اور بوڑھے کاتب نے پندرہ سولہ آدمیوں کو اندر جاتے دیکھا۔ ان کو خالی کمروں میں ٹھہرا دیا گیا اور واپس آ کے بڑے میاں کو سمجھایا: "بستی کے یہ لوگ بھی رقص و سرود سے لطف اندوز ہوں گے۔"

مکان کے برآمدے میں قالین بچھا دیے گئے اور تہمینہ اور روشنک کو حکم دیا گیا کہ رقص و سرود کے لیے تیار ہو جاؤ۔

آشوری گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا اور یحییٰ کو بتایا: "تنومند مزدور اپنے چھ حامیوں کے ساتھ آ گیا ہے اور وہ بضد ہے کہ وہ سب کے ساتھ یہاں آئے گا۔ میں اس کو دیوار کے نیچے روک آیا ہوں۔"

یحییٰ آشوری کے ساتھ تنومند مزدور کے پاس چل دیا اور آشوری کو سمجھایا: "تو اس کے چھ حامیوں سے باتیں کرے گا اور

میں اس سرکش مزدور کو سمجھاؤں گا۔"

یحییٰ کو اس پر حیرت تھی کہ مزدوروں کو تلواریں کہاں سے مل گئیں جبکہ پوری بستی میں ہتھیار کسی کے پاس بھی نہیں تھے اور نہ ہی وہ ہتھیار رکھ سکتے تھے۔

تنومند مزدور نے یحییٰ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کے استقبال کو کھڑا بھی نہیں ہوا، رعونت سے بیٹھا رہا۔ اس نے یحییٰ سردار کو سرسری نظر سے دیکھا اور کہا: "میں وہاں تنہا نہیں جاؤں گا۔"

یحییٰ نے نہایت بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا: "میں بھی کب چاہتا ہوں کہ تو وہاں تنہا جائے لیکن پہلے میری بات تو سن لے۔"

سرکش تنومند مزدور نے کہا: "مجھے تامل کیوں، یہ سب میرے ساتھ چلیں گے۔"

یحییٰ نے کہا: "پہلے میری بات تو سن لے اس کے بعد جو سمجھ میں آئے کرنا۔"

مزدور نے ایک طرف سرکتے ہوئے کہا: "پھر یہاں میرے پاس ہی بیٹھ کر باتیں کر۔"

یحییٰ نے وہاں بیٹھنے سے انکار کر دیا: "نہیں میں یہاں نہیں بیٹھ سکتا۔ تو ذرا سی دیر کے لیے ادھر میرے پاس آ جا۔"

سرکش مزدور طوعاً و کرہاً اٹھ کر یحییٰ کے پاس چلا گیا اور پوچھا "مجھ سے کیا بات کرنا ہے؟"

یحییٰ نے اس کے بائیں شانے پر ہاتھ رکھ دیا: "میں کئی ماہ سے تیری دلیری اور جرأت پر غور کر رہا ہوں۔ سردار سے میں نے تیری سفارش بھی کی تھی۔ میں تجھ کو اپنے گروہ میں لینا چاہتا ہوں۔ ہمیں تیرے جیسے جیالوں کی تلاش رہتی ہے۔ ہمارے سردار کا پیغام آ گیا کہ تجھ کو ناکوں میں شامل کر لیا جائے۔ تجھ کو خوشخبری ہو کہ آج اس خوشی میں رقص و سرود کی محفل کا انعقاد عمل میں لایا جا رہا ہے تو اس محفل کا خاص مہمان ہو گا۔ اب اس میں تیرے معمولی مزدوروں کو لے جانا بہت معیوب لگتا ہے۔ تیری عزت کم ہو جائے گی۔ رقص و سرود کی لذت... اس لیے تھوڑی دیر انھیں یہیں رہنے دے۔"

سرکش مزدور نے کہا: "یہ میرے بھائی میرے ساتھی ہیں۔"

یحییٰ نے جواب دیا: "درست، لیکن اب تو خاص آدمی کہلائے گا اس لیے اس محفل میں عام آدمی نہیں جائیں گے۔"

سرکش مزدور کچھ دیر سوچتا اور غور کرتا رہا۔ اس کے بعد اپنے آدمیوں میں گیا اور کہا: "بھائیو! میں کچھ دیر بعد تمہیں بھی بلوا لوں گا۔ وہاں رقص و سرود کی خاص محفل جمی ہوئی ہے۔ کچھ دیر بعد تم بھی لطف اندوز ہو سکو گے۔"

ساتھی مزدوروں کے منتظر بن گئے۔ پھر کچھ سوچ کر وہ اپنے ساتھیوں کو سرگوشی میں سمجھانے لگا: "میں تمہیں خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ تم میرے کسی پیغام یا چیخ کا انتظار کرنا۔ اگر بلاوے کا پیغام آئے تو تم پیغام لانے والے کے ساتھ چلے آنا اور اگر خدانخواستہ میری چیخ سنائی دے تو تم اپنی تلواریں نیام سے باہر کر لینا اور دوڑ کے میرے پاس پہنچ جانا۔"

اس کے ساتھی جہاں بیٹھے تھے، بیٹھے رہ گئے۔ سرکش مزدور نے تلوار بے نیام کر لی اور یحییٰ کے قدم سے قدم ملا کے چلنے لگا۔ راستے میں اس نے پوچھا: "یحییٰ سردار! آپ کو میری تلوار پر تو کوئی اعتراض نہیں۔ اگر ہو تو بتا دیں۔"

یحییٰ نے جواب دیا: "مجھ کو تیری کسی چیز پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔ تو تلوار اپنے ساتھ لے جانے پر خوش ہے تو ساتھ لے چل۔"

یحییٰ اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا اور اس سرکش کا روشنک سے تعارف کرایا: "ہنرمند! دیکھو یہ ہمارا انتہائی مخلص اور بہادر کارکن ہے۔ آج سردار کی طرف سے ہمیں یہ پیغام ملا ہے کہ اس کو بھی اپنی جماعت میں شامل کر لیا جائے چنانچہ اب یہ ہمارا بہادر ساتھی ہے۔"

تنومند سرکش مزدور گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے دو خوبصورت نوجوان لڑکیاں نیم عریاں باریک ریشمی لباس پہنے ہوئے بیٹھی تھیں۔

سرکش مزدور نے تلوار اپنے پہلو میں رکھ لی۔

روشنک نے بڑی لجاجت سے یحییٰ اور سرکش مزدور کے چہرے پر جھک کر پوچھا: "آپ کیا سننا پسند کریں گے؟"

سرکش مزدور کہیں اور تھا۔ زندگی میں اتنی عزت اور پذیرائی پہلے کبھی نہیں ملی تھی۔ اس نے بھی سراپا کیف و انبساط میں جواب دیا: "کچھ بھی، جو آپ سنانا چاہے، سنا دے۔"

تہمینہ نے تلوار پر قبضہ کر لیا: "یہ محفل طرب ہے یا کوئی میدان جنگ؟ یہاں تلوار کا کیا کام؟"

اس نے تلوار سونے سے بند کوٹھری میں پھینک دی۔

سرکش مزدور اس کو منع بھی نہیں کر سکا کہ وہ یہ کیا کر رہی ہے۔

یحییٰ نے آسودگی سے سکون کی سانس لی۔

بوڑھا کاتب مزدور کی قسمت پر رشک کر رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا: "اے کاش میں بھی جوان ہوتا اور ان کو اپنی طاقت سے مرعوب کر سکتا۔"

یحییٰ نے روشنک اور تہمینہ سے کہا: "اس غریب کو خوش کر دو اس لیے کہ زندگی میں پہلی بار اس نے یہ مقام حاصل کیا ہے۔"

دونوں لڑکیوں کے جسموں پر برائے نام لباس تھا، باریک ریشمی

تانوں پر تیار کیا ہوا۔ مزدور دونوں کے نیم عریاں جسم کی جھلک ہی پر قربان ہوا جا رہا تھا۔

تہمینہ نے رقص شروع کیا اور روشنک نے گانے کا آغاز کیا۔

"دُنیا کسی کی بھی نہیں، نہ میری نہ تیری۔
یہ طاقت کی ہے۔ طاقت، عقل کی ہو یا جسم کی۔
طاقت طاقت ہے۔ دُنیا کے مظاہر پر نظر ڈالو۔
دولت، حکومت، عقل و دانش، علم، تدبر، ہتھیار، ہنر اور فن۔
یہ طاقت کے مختلف نام ہیں۔ حسن بھی ایک طاقت ہے، جس سے
ایک کمزور صنفِ نازک طاقتور مردوں کو مغلوب کر لیتی ہے۔
وہ لوگ، جو معمولی کام کرتے ہیں، بدقسمت ہوتے ہیں۔
وہ جو عمارتیں بناتے ہیں راج مزدور، معمار اور کاریگر۔
وہ جو مکان اور محل تعمیر کراتے ہیں۔ بادشاہ، وزیر اور امیر۔
دونوں برابر تو نہیں ہو سکتے۔ معمار محل کھڑا کر کے محل کے باہر کھڑا رہ جاتا ہے۔
اور محل تعمیر کرانے والا محل کے اندر مقیم ہو جاتا ہے۔ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔
جنگیں لڑنے اور جیتنے والے بادشاہ اور فاتح اور
جنگوں میں سر دھڑ کی بازی لگا دینے والے سپاہی۔
یہ دونوں ایک تو نہیں ہو سکتے۔ دونوں مساوی تو نہیں ہو سکتے
فاتح کو ملک ملتا ہے۔ شہر ملتے ہیں، حور و قصور ملتے ہیں، خزانے ملتے ہیں۔
سپاہی کو زخم ملتے ہیں۔ انعام و اکرام کے نام پر زکوٰۃ کی طرح مال ملتا ہے۔
اور کبھی کسی کو موت ملتی ہے۔ آخرت ملتی ہے۔ دونوں برابر تو نہیں ہو سکتے۔
اے وہ انسان جو اپنے مال اور قسمت پر قانع ہے۔
اپنے خول سے باہر نکل۔ ہمت اور حوصلے کو کام میں لا۔
چھوٹے چھوٹے پرندوں کا شکار مت کر، شیر دل پیدا کر۔
دُنیا اُنھی کی ہے جو اس سے کچھ مانگتے نہیں چھین لیتے ہیں۔
طاقتور کلائیوں کو مروڑ دے اور ان سے تلوار چھین لے۔
جن سروں پر تاج ہے، آگے بڑھ اور اتار کر اپنے سر پر رکھ لے۔
زکوٰۃ قبول نہ کر، بلکہ دوسروں کو دے۔
رحم اور ہمدردی کی امید پر زندہ رہنا چھوڑ دے اور خود راحم بن جا۔
عاشقوں کی طرح اپنے محبوب سے عشق و محبت کی بھیک مت مانگ۔
کچھ ایسا کر کہ محبوبائیں تیری ایک نظرِ کرم کی طلب گار نظر آئیں۔
یاد رکھ انجام سب کا ایک ہے پھر حسرتیں لے کر مر جانے کا فائدہ۔
زندہ رہ مَردوں کی طرح، اور پھر جب موت تیرے سامنے کھڑی ہو تو۔
لاتعداد حسرتیں تجھ پر نوحہ نہ کر رہی ہوں۔ آسودہ اور خوش خوش موت کو گلے لگا لے۔
ناکام اور کامران برابر نہیں ہو سکتے۔ راحم اور مرحوم مساوی نہیں ہو سکتے۔"

تہمینہ کے رقص نے روشنک کی آواز اور کلام کے مفہوم کو چار چاند لگا دیے تھے۔ سرکش مزدور خود کو روشنک کا مخاطب سمجھ رہا تھا۔ اس نے فاتحانہ شان سے ماحول پر نظر ڈالی اور روشنک کو داد دی۔

"اللہ تیرے حسن اور آواز کو ترقی دے۔ واللہ جی خوش کر دیا۔"

بوڑھا کاتب خود پر نفرین کر رہا تھا کہ اس نے جوانی یوں ہی ضائع کر دی۔

آشوری سوچ رہا تھا کہ اسے یہاں سے نکل کر کچھ بن جانا چاہیے ورنہ عمرِ رفتگاں اس کا نوحہ کرے گی۔

یحییٰ خوش تھا کہ اس نے یہ بازی بھی جیت لی تھی۔ اس نے مزدور سے پوچھا: "کچھ مزہ آیا؟"

مزدور نے تلوار والی کوٹھری پر نظر ڈالی: "بہت زیادہ مزہ آ گیا۔"

یحییٰ نے کہا: "اب تو بھی ہمارے گروہ میں داخل ہو جائے گا اور یہ تمام تجھ کو اپنی طاقت کی وجہ سے حاصل ہو گا۔"

سرکش مزدور نے تہمینہ سے کہا: "میری تلوار کہاں ہے؟ وہ تو دے۔"

یحییٰ نے کہا: "تلوار بھی مل جائے گی، پہلے میرے ساتھ آ۔ گروہ میں شامل ہونے کی رسم تو ادا ہو جائے۔"

سرکش مزدور نے پوچھا: "یہ رسم کہاں ادا ہو گی؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "یہیں اسی مکان کے دوسرے حصے میں۔ اور رسم کی ادائیگی کے بعد ایک بار پھر یعنی دوبارہ محفلِ طرب گرم ہو گی۔"

یحییٰ کھڑا ہوا تو اس کے ساتھ سرکش مزدور بھی کھڑا ہو گیا۔

یحییٰ نے آشوری سے کہا: "تو بھی ہمارے ساتھ رہ۔ اور تو بھی دیکھ کر ہم اپنے گروہ میں بہادروں کو کس طرح داخل کرتے ہیں۔"

چلتے چلتے یحییٰ نے بوڑھے کاتب سے کہا۔ "اور بڑے میاں! آپ بھی آجائیں۔"

بوڑھے کاتب نے منہ بنایا۔ "پھر وہی بڑے میاں۔"

یہ لوگ مکان کے دوسرے حصے میں چلے گئے۔ وہاں بھی برآمدے میں قالین بچھا ہوا تھا اور اس پر چھوٹے بڑے پندرہ سولہ گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔

یحییٰ نے صدر نشینی خود اختیار کی اور سرکش مزدور کو اپنے سامنے بٹھایا۔ آشوری سے کہا۔ "تو ادھر میری داہنی طرف بیٹھ جا۔"

بوڑھا کاتب کھڑا رہ گیا۔ یحییٰ نے اس سے کہا۔ "میں نہیں جانتا کہ اس محفل میں آپ کے لیے کون سی جگہ مناسب ہے۔ جو آپ کی جگہ ہو وہاں بیٹھ جائیں۔"

بڑے میاں نے ہمت سے کام لیا اور یحییٰ کے بائیں طرف بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں کاتب ہوں، ہمیشہ اپنے آقاؤں کے قریب رہتا ہوں۔"

سرکش مزدور کی پشت تہمینہ اور روشنک والے حصے کی طرف تھی۔ اور یحییٰ، آشوری اور کاتب کا منہ اس طرف تھا۔ ان تینوں نے دیکھا کہ روشنک نے دروازے کو بند کر دیا اور مزدور کا اپنے ساتھیوں سے رابطہ ختم ہو گیا۔

یحییٰ نے سرکش مزدور سے پوچھا۔ "تیرا نام کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "خداد۔ یعنی حیرت ہے کہ آپ کو ابھی تک میرا نام بھی نہیں معلوم!"

یحییٰ نے کہا۔ "میں عام آدمیوں کو شکلوں سے جانتا ہوں، ناموں سے نہیں۔"

خداد نے پرجوش لہجے میں کہا۔ "لیکن میں عام آدمی نہیں ہوں۔"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "تو پہلے بھی عام آدمی تھا اور اب بھی عام آدمی ہے اور اس وقت تک عام آدمی رہے گا جب تک تو باضابطہ ہمارے گروہ میں شامل نہیں ہو جاتا۔"

خداد کو کچھ شبہ سا ہوا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھ کر اپنے پیچھے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ "میری تلوار کہاں ہے؟"

یحییٰ نے پوچھا۔ "کون سی تیری تلوار؟ وہ تیری تلوار نہیں تھی۔"

خداد نے جواب دیا۔ "اسے میں اپنے ساتھ لایا تھا۔"

یحییٰ نے کہا۔ "اس بستی میں تو کسی کے پاس بھی تلوار نہیں۔ پھر تیرے اور تیرے ساتھیوں کے پاس تلواریں کہاں سے آگئیں؟"

خداد نے پوچھا۔ "آپ کے گروہ میں شامل ہونے کی رسم کب ادا ہوگی؟"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "ہاں تو لوٹ کے مال میں تیرا بھی حصہ ہوا کرے گا۔"

خداد نے کہا۔ "بیشک، میں بھی سب کے ساتھ برابر کا حصے دار ہو جاؤں گا۔"

یحییٰ نے پوچھا۔ "اس کے بعد تو سرداری کی امید کرے گا؟"

خداد نے کہا۔ "یہ آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں؟"

یحییٰ کا غصہ ظاہر ہوتا جا رہا تھا۔ "یہ تو مزدوروں کا سردار کس طرح بن گیا؟"

خداد نے جواب دیا۔ "میں مزدوروں میں سب سے زیادہ طاقتور ہوں۔ انھوں نے اپنی مرضی سے مجھے اپنا سردار بنا لیا۔"

یحییٰ کی آواز اونچی ہوتی جا رہی تھی۔ "تجھ میں اتنی ہمت کہاں سے آگئی کہ تو ہماری برابری کرنے لگا۔"

خداد نے پوچھا۔ "آپ مجھ کو یہاں کیوں لائے ہیں؟"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "تیری سرکشی کی سزا دینے کے لیے، تیری حماقتوں پر مقدمہ چلانے کے لیے۔"

خداد کھڑا ہو گیا۔ "مجھ سے دھوکا کیا گیا، مجھے فریب دیا گیا؟"

یحییٰ بھی کھڑا ہو گیا اور اس نے تالی بجائی۔ دونوں کمروں سے پندرہ بیس رہزن باہر آگئے اور خداد کو گھیر لیا۔

اب خداد سمجھ چکا تھا کہ اس کے ساتھ کس قسم کا کھیل کھیلا گیا ہے۔ اس نے بے بسی سے کہا۔ "مجھ کو دھوکا دیا گیا ہے۔"

یحییٰ نے آگے بڑھ کے خداد کے گال پر طمانچہ رسید کر دیا اور جواب دیا۔ "دھوکا میں نے نہیں، خود تو نے اپنے آپ کو دیا ہے۔"

خداد نے یحییٰ پر جوابی حملہ کرنا چاہا مگر اس سے پہلے ایک رہزن نے خداد کے پہلو میں خنجر اتار دیا۔

خداد نے چیخ ماری۔ "دھوکا۔ مجھ سے دھوکا کیا گیا۔"

دوسرے رہزن نے دوسرے پہلو میں خنجر اتار دیا! دونوں طرف سے خون کے فوارے جاری ہو گئے۔

یحییٰ نے کہا۔ "بہت چیخ۔ اب تیری آواز تیرے مزدور ساتھیوں تک نہیں پہنچے گی۔"

آشوری نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور بوڑھے کاتب نے منہ پھیر لیا۔

خداد دروازے کی طرف بھاگا مگر کسی رہزن نے پاؤں پھنسا کے گرا دیا اور خنجروں سے پورے جسم کو گود ڈالا۔ اس پر کئی رہزن حملہ آور تھے۔

خداد چیخ رہا تھا۔ "ظالم یحییٰ! یہ کیا کیا تو نے۔ اپنے آدمیوں کو روک۔ اب میں یوں بھی مر جاؤں گا۔"

یحییٰ آشوری کی غیر حالت پر مسکرانے لگا اور اس کا منہ اپنے سامنے کر لیا۔ "آشوری جوان! میں یہ نہ کرتا تو کیا کرتا، میں مجبور

تھا، میں مجبور کر دیا گیا تھا۔"

آشوری نے کہا "میں یہ کریہہ منظر نہیں دیکھ سکتا۔"

یحییٰ نے کہا "تجھ سے کون کہتا ہے کہ تو یہ منظر دیکھ، اپنی آنکھیں بند رکھ۔"

جلاد چیخ رہا تھا اور رحم کی درخواست کر رہا تھا۔

یحییٰ نے حکم دیا "اس کا سر کاٹ کے اس کے ساتھیوں کے سامنے ڈال دو اور ان سے کہہ دو کہ یہ ہے تمہارا سردار۔ ہم سرکشی کی یہی سزا دیتے ہیں۔"

کچھ دیر بعد جلاد کا سر اس کے جسم سے الگ کر دیا گیا۔

یحییٰ نے دروازے پر دستک دی۔ دوسری طرف سے روشنک نے دروازہ کھول دیا۔ دونوں جلاد کی چیخ پکار سن چکی تھیں اور بے حد سہمی ہوئی تھیں۔ روشنک نے پوچھا "وہ کہاں ہے؟"

یحییٰ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سر بریدہ لاش کے سامنے سے ہٹ جائیں۔

روشنک نے دور سے دیکھا ایک ایسی لاش اس کے سامنے پڑی تھی جس کے کاندھے پر سر نہیں تھا۔

روشنک کی چیخ نکل گئی، تہمینہ بھی یہ منظر نہیں دیکھ سکی۔

یحییٰ نے جلاد کا سر ایک بڑے رومال میں باندھ لیا اور آشوری اور اپنے آٹھ دس ساتھیوں سے کہا "تم سب میرے ساتھ آؤ۔"

یحییٰ ان سب کو مزدوروں کے پاس دیوار کے نیچے لے گیا اور کہا "تم سب کو تمہارے سردار نے بلایا ہے۔"

رومال میں بندھا سر خون ٹپکا رہا تھا۔ ایک مزدور کی اس پر نظر پڑ گئی اور پوچھا "یحییٰ سردار! اس رومال میں کیا ہے؟"

یحییٰ نے جواب دیا "تمہارے سردار کا سر۔" اس کے بعد رومال کھول کے سر مزدوروں کی طرف اچھال دیا گیا۔ "اس کو اپنے گھر کے طاق پر احترام سے رکھ دو اور دیوار پر لکھ دو کہ مزدوروں کو دن میں خواب نہیں دیکھنا چاہئیں۔"

مزدوروں کی تھر تھری چھوٹ گئی۔ یحییٰ نے سختی سے حکم دیا "اپنی تلواریں ہمارے حوالے کر دو۔"

پھر ایسا لگا جیسے تلواریں پھینکنے کا مقابلہ ہو رہا ہے۔

یحییٰ نے تلواریں اپنے قبضے میں کیں اور کہا "تم ہمارے وفادار رہو اور اپنی حد سے آگے بڑھنے کی کبھی کوشش نہ کرنا۔"

یحییٰ انہیں جلاد کے بے سر کے لاشے پر لے گیا اور کہا "یہ ظالم تھا، ایسا ظالم جو خود پر ظلم کر گیا۔"

بڑے میاں سہمے سہمے وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ یحییٰ نے ان کو روک لیا اور پوچھا "آپ کہاں چلے؟"

بڑے میاں نے جواب دیا "میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اب میں آرام کروں گا۔"

یحییٰ نے درشت لہجے میں پوچھا "تو اپنی مرضی سے نہیں جا سکتا اور اگر جائے گا تو جلاد کی طرح عبرت کا نمونہ بن جائے گا۔"

بڑے میاں سہم کر کونے میں سکڑے ہوئے۔

یحییٰ نے آشوری سے کہا "تو موسیقی ہے تو یہ سب برداشت نہیں کر سکے گا اس لیے تو کہیں چلا جا اور آرام کرے۔"

مزدوروں کو نہتا کر کے ان کے گھروں میں بھیج دیا گیا اور بڑے میاں کو حکم دیا گیا "تو ان دونوں کے پاس ٹھہر اور یہاں اس وقت تک رہ جب تک کہ میں کوئی دوسرا حکم نہ دوں۔"

رہزنوں کو حکم دیا گیا "تم بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس جاؤ اور میرے دوسرے حکم کا انتظار کرو۔"

وہ خود آشوری کو اپنے ساتھ لے کر چلا گیا۔ آشوری نے آج جو کچھ دیکھا تھا اس سے قزاقوں کے مزاج اور طبیعت کی عدم اعتمادی بالکل واضح ہو گئی تھی۔ یحییٰ جو ان میں زیادہ معقول اور سمجھدار نظر آتا تھا وہ بھی بلا کا ناقابل اعتبار نکلا۔ اس نے سوچا یہ شخص کسی بھی وقت مجھ کو بھی ٹھکانے لگا سکتا ہے۔

◆

اب بڑے میاں تہمینہ اور روشنک سے قریب ہوتے ہوئے بھی ذرا محتاط ہو گئے تھے۔ دونوں لڑکیاں بھی اپنے ماحول سے خوفزدہ تھیں۔

روشنک نے بوڑھے کاتب سے پوچھا "اب شاید ہم لوگ یہاں سے نکل چلیں۔ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں گے اور وہاں میں آپ کے ساتھ رہوں گی۔"

بوڑھے کاتب نے روشنک کو حیرت سے دیکھا "کیا تو یہ چاہتی ہے کہ میں بھی قتل کر دیا جاؤں؟"

روشنک نے کہا "یہاں ہماری باتیں تیسرا کوئی بھی تو نہیں سن رہا۔"

بوڑھے کاتب نے جواب دیا "دیواریں تو سن رہی ہیں، ہوا سن رہی ہے، پُرسکوت ماحول تو سن رہا ہے۔ میں ان میں سے کسی پر بھی بھروسا نہیں کر سکتا۔"

باہر چند نوجوانوں نے عشقیہ گانے شروع کر دیے۔ یہ اتنی زور سے گا رہے تھے کہ ان کی آواز اور ان کا ایک ایک لفظ اندر پہنچ رہا تھا۔

بوڑھا کاتب غصے میں باہر گیا اور ان سے پوچھا "نوجوانو! کیا تم مزید زندگی نہیں چاہتے؟"

نوجوان گاتے گاتے رک گئے۔ ایک نے حیرت سے

کہا: "واللہ کمال کر دیا۔ میں نے تو یہ سنا تھا کہ بوڑھے جنت میں نہیں جائیں گے پھر یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟"

دوسرے نوجوان نے جواب دیا: "یہ آج ہی تو جنت میں داخل ہوا ہے۔ تین چار دن جنت میں رہ گیا تو خود بخود جوان ہو جائے گا۔"

بوڑھے کاتب کو غصہ آ گیا۔ اس نے تینوں نوجوانوں کی پٹائی کر دی۔ "واللہ میں دین سے کتنا ہی دور سہی لیکن میں یہ مذاق اور یہ اہانت نہیں برداشت کر سکتا۔ یہ مذاق، اہانت ہی نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی بدترین گستاخی ہے۔"

نوجوانوں نے بڑے میاں کو بے بس کر دیا لیکن اسی وقت یحییٰ آ گیا اور اس نے تینوں نوجوانوں کو گرفتار کر لیا۔ انھیں بھی قیدی رہزنوں کے پاس پہنچا دیا گیا۔

آشوری کو اس بات پر حیرت تھی کہ پندرہ بیس قزاق اس کے جاں نثار بنے ہوئے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا اور خود سے سوال کر رہا تھا کہ آخر ایسا کیوں ہے؟

یحییٰ نے بوڑھے کاتب سے پوچھا: "ان نوجوانوں سے تیرا جھگڑا کیوں ہوا؟"

بڑے میاں نے جواب دیا: "انھوں نے ایک حدیث کی بے حرمتی کی تھی۔ میری دینی حمیت اسے نہیں برداشت کر سکی۔"

یحییٰ نے تفصیل سنی تو بہت خوش ہوا اور بوڑھے کاتب کی بڑی تعریف کی۔

قزاقوں والے حصے میں بڑی گڑبڑ تھی۔ وہ قد پرا اور یک چشم دراز ریش کے لیے پریشان ہو رہے تھے اور اب ان کا ایک وہ ساتھی بھی غائب ہو چکا تھا جو قزاقوں کے لیے بستی والوں کو ہمنوا بنانے گیا تھا۔ وہ یحییٰ سردار سے ان تینوں کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ ان کے پندرہ بیس ساتھی یحییٰ کے جاں نثار بن گئے تھے۔ ان سب نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے پایا کہ یحییٰ کو کسی طرح قابو میں لا کر مار دیا جائے۔ وہ یحییٰ کے وعدے اور سبز باغ پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ یحییٰ کو جلد از جلد یہ پیغام بھیجا جائے کہ سردار آ رہا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ ان کی اس تدبیر سے یحییٰ کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔

یحییٰ نے ہنرمندوں کی بستی میں داخلے کے راستے بند کر دیے تھے۔

آشوری جوان یحییٰ کے ساتھ ساتھ چل پھر رہا تھا۔ یحییٰ اس کو ایک لمحے کے لیے بھی الگ کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس بات کا اندازہ خود آشوری نے بھی لگا لیا تھا۔ اب یحییٰ کی توجہ دونوں لڑکیوں کی طرف سے بھی ہٹ گئی تھی۔ اس پُراسرار، چالاک، عیار، مکار اور ناقابلِ اعتبار قزاق کے بارے میں آشوری نے جو کچھ بھی سوچا تھا وہ غلط اور غیر متوقع تھا۔ اس نے سوچا کہ اب یہاں سے فرار ہونا ہی بہتر ہے۔ یحییٰ یہاں سے فرار ہو یا نہ ہو۔ آشوری نے یہ بھی سوچا کہ یہ قزاق کسی ناخوشگوار بات پر اسے قتل بھی کر سکتے ہیں۔

یحییٰ نے آشوری کو فکرمند جو دیکھا تو پوچھا: "تو اداس کیوں ہے؟"

آشوری نے چھپانے کی کوشش کی مگر نہیں چھپا سکا۔ جواب دیا: "میں مسیحی ہوں اور خونریزی دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتا ہوں۔"

یحییٰ نے معذرت کی: "افسوس کہ میں نے اس سرکش مزدور کے ساتھ جو کچھ کیا بدرجۂ مجبوری کیا۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو میری سرداری خطرے میں پڑ جاتی۔"

آشوری جوان نے سکوت اختیار کیا اور یحییٰ نے بھی زیادہ بات کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

یحییٰ نے اپنی تیاریاں مکمل کر لیں۔ وہ اپنے ساتھ صرف ان لوگوں کو لے جانا چاہتا تھا جو اس کے لیے کارآمد اور مددگار ہوں۔ مزدور قسم کے لوگ جو بات بات پر برابری کے دعوے دار نہ ہوں۔

روشنک اور تہمینہ کو وہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا اور اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتا تھا۔ بوڑھے کاتب پر اسے رحم آتا تھا اور اس کو وہ اپنے لیے خطرناک بھی نہیں سمجھتا تھا اس لیے اس کو بھی ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ وہ آشوری کو ہر حال میں اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ وہ آشوری کو اپنا وسیلہ بنانا چاہتا تھا۔

روشنک کو قد پرا اور دراز ریش یک چشم کا بھی کئی بار خیال آیا۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ ان دونوں کا حشر کیا ہوا؟

پوری بستی میں ایک پُراسرار خاموشی طاری تھی اور اتنی پُراسرار خاموشی میں یحییٰ کی خاموشی خطرناک تھی۔ یحییٰ کے حامی قزاق بھی خاموشی سے جو کام انجام دے رہے تھے اس کا بھی کسی کو کوئی علم نہیں تھا۔ چند کو ان سرحدوں پر بٹھا دیا گیا تھا جو عام قزاقوں اور بستی والوں کے درمیان حائل تھیں۔ انھیں ہدایت کر دی گئی تھی کہ وہ اگر کوئی غیر معمولی بات محسوس کریں تو یحییٰ کو اس سے خبردار کر دیں۔

قزاقوں میں ہلچل برپا تھی کہ یحییٰ نے ان سے ملنا جلنا ہی بند کر دیا تھا اور انھیں کچھ پتا نہ تھا کہ یحییٰ کیا کر رہا ہے۔

یحییٰ کے ایک پہرے دار نے یحییٰ کو خبر دی کہ دوسری طرف سے پتھریلی دیوار کو توڑ گرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کیونکہ کدالوں کی پتھروں سے ٹکرانے کی آواز صاف سنی جا رہی ہے پھر یہ خبر بھی دی گئی کہ ٹوٹی دیوار میں ایک سوراخ ہو چکا ہے اور

کھڑکی سے جھانک کر دوسری طرف دیکھا جا سکتا ہے۔

اور پھر یہ اطلاع دی گئی کہ دوسری طرف کے قزاق اپنے سردار یحیٰی سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کے پاس زخمی سردار کا کوئی خاص پیغام آیا ہے۔

یحیٰی نے کسی خبر، کسی اطلاع یا پیغام کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ جس خاص اور اہم کام میں مشغول تھا اسے انجام دیتا رہا۔

دوسری طرف سے دباؤ بڑھتا رہا اور یحیٰی کے چوکیدار کو یہ دھمکی دی گئی کہ وہ دوسرے قزاقوں کو یحیٰی کی طرف آنے دے ورنہ وہ لوگ پتھریلی دیوار گرا کے آجائیں گے اور پھر کسی کو بھی معاف نہیں کریں گے۔

یحیٰی کو یہ پیغام بھی پہنچا دیا گیا اور پہرے دار قزاق نے اندیشہ ظاہر کیا کہ شاید دو تین دن میں پتھریلی دیوار گرا دی جائے گی۔

یحیٰی نے جواب دیا۔ "وہ جو کر رہے ہیں انھیں کرنے دو، مجھے جو کرنا تھا کر چکا اب فکر کی کوئی بات نہیں۔"

پہرے دار نے پوچھا۔ "میں ان کو جواب کیا دوں؟"

یحیٰی نے جواب دیا۔ "یہ کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں غلط کر رہے ہیں اور سردار کے آنے پر ان سے اس کا حساب لیا جائے گا۔"

اس کے بعد یحیٰی نے آشوری اور بوڑھے کاتب کے ساتھ چند حامی قزاقوں کو لیا اور کسی قید خانے سے قدیر، دراز ریش یک چشم اور مخبر قزاق کو نکال کر اسی جگہ لے گیا جہاں سرکش مزدور علاؤ کو قتل کیا گیا تھا۔

حامی قزاق اسی طرح کمروں میں چھپا دیے گئے۔ قدیر، دراز ریش یک چشم اور مخبر قزاق ریشمی ڈوریوں سے باندھ دیے گئے تھے۔ ان کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور پاؤں کی ڈوریاں اتنی مختصر تھیں کہ ان سے چلا تو جا سکتا تھا مگر بھاگا نہیں جا سکتا تھا۔

اسی حصے میں روشنک اور تہمینہ کو بھی بلایا گیا۔ ریشمی ڈوریوں سے بندھے ہوئے قیدیوں کے پیچھے گاؤ تکیے رکھ دیے گئے اور یحیٰی نے انھیں مسکراتے ہوئے اجازت دی۔ "تم لوگ بے تکلفی سے ٹیک لگا کے بیٹھ جاؤ کیونکہ میں ایک متواضع انسان ہوں اور تواضع میری سرشت میں ہے۔"

قدیر نے دانت پیسے۔ "یحیٰی سردار! میں نے تیرا ہمیشہ ساتھ دیا اور تُو نے اس کا یہ بدلہ دیا۔"

یحیٰی نے روشنک کی طرف دیکھا۔ "روشنک! اس وفادار شخص نے میری عدم موجودگی میں مجھ سے چھپ کر تجھ سے کیا باتیں کی تھیں؟ ذرا بتا نا تو!"

روشنک ایک لفظ بھی نہ ادا کر سکی۔

یحیٰی نے قدیر سے کہا۔ "روشنک تو لڑکی ہے۔ شرم و حیا سے کچھ بتائے گی نہیں تو خود ہی بتا دے کہ تُو نے روشنک سے کیا منصوبہ بنایا تھا؟"

قدیر نے جواب دیا۔ "اس پر اتنا ہی میرا حق ہے جتنا تیرا۔ یہ لوٹ کا مال ہے۔"

یحیٰی نے طنزیہ کہا۔ "اچھا تو جلی ہوئی رسی میں بل بدستور موجود ہیں تو اپنے حق کی بات کر رہا ہے؟"

قدیر نے کہا۔ "میں بندھا ہوا ہوں۔ مجھ کو آزاد کر دے پھر یہ دیکھ لیں گے کہ کون کتنا بہادر ہے۔"

یحیٰی نے کہا۔ "کیا میں شکل و صورت سے بے وقوف نظر آتا ہوں۔ میں تجھ کو آزاد کیوں کر دوں؟"

اس کے بعد یحیٰی دراز ریش یک چشم سے مخاطب ہو گیا۔ "اور تُو نے کیا سوچ کر روشنک کو ورغلایا تھا؟"

یک چشم دراز ریش نے جواب دیا۔ "یحیٰی سردار! میں بھی یہی سمجھتا تھا کہ اس لڑکی پر اتنا ہی میرا بھی حق ہے جتنا آپ کا۔"

یحیٰی نے پوچھا۔ "اور اب تیرا کیا خیال ہے؟"

یک چشم دراز ریش نے جواب دیا۔ "اب میرا یہ خیال ہے کہ سردار اور اس کے ماتحتوں کے حقوق مساوی نہیں ہوتے۔"

اس جواب نے قدیر کو بے چین کر دیا وہ اُچھل پڑا۔ "یہ تُو کیسی بزدلی کی بات کر رہا ہے۔"

دراز ریش یک چشم نے جواب دیا۔ "میں اپنی غلطی کا اقرار کر رہا ہوں۔"

یحیٰی نے مخبر قزاق سے پوچھا۔ "اور تُو کیا کہتا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "میں بے گناہ ہوں۔ مجھے معاف کیا جائے۔"

یحیٰی نے تینوں سے پوچھا۔ "تم تینوں کیا چاہتے ہو یہ بھی بتا دو۔"

قدیر نے کہا۔ "میں نے روشنک سے کیا کہا اور کیا چاہا یہ تو پوچھ لیا، اب روشنک سے بھی پوچھ لو کہ اس نے کیا کہا اور کیا چاہا تھا؟"

دراز ریش یک چشم نے بھی قدیر کی تائید کی۔ "ہاں! اس سے یہ ضرور پوچھا جائے کہ اس نے ہم سے کیا وعدہ کیا تھا؟"

روشنک بہت زیادہ گھبرا گئی۔ "یہ الزام ہے مجھ پر!"

یحیٰی نے جواب دیا۔ "روشنک نے جو کچھ کہا، تم دونوں سے خوفزدہ ہو کر کہا اس لیے یہ قابلِ معافی ہے۔"

اس کے بعد اس نے روشنک اور تہمینہ سے کہا۔ "یہ اس جگہ اور ان کے اعتراف کی پہلی اور آخری بزمِ طرب ہے۔ میں چاہتا

ہوں کہ فی الحال سردار اور زیدوست کا عرق شادیا جائے۔"

تہمینہ نے پوچھا: "کیا رقص و موسیقی سے انھیں بھی۔۔۔"

یحییٰ نے جواب دیا: "ہاں! انھیں بھی لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کیا جائے۔"

اس نے دونوں کو حکم دیا: "نیلم (باریک کپڑے) کا لباس زیب تن کیا جائے اور اس طرح رقص کا مظاہرہ کیا جائے جس طرح مساوی حقوق کے دعوے دار عقلاء کے سامنے کیا گیا تھا۔"

تہمینہ اور روشنک کسی معمول کی طرح لباس تبدیل کرنے چلی گئیں۔

دراز ریش یک چشم نے درخواست کی: "میرے دونوں ہاتھ پشت سے کھول کر آگے باندھ دیے جائیں تو شاید رقص و موسیقی میں مزہ بھی آ جائے۔"

یحییٰ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: "تو ہاتھوں کی رہائی چاہتا ہے، میں تجھ کو قید حیات سے رہا کر دینا چاہتا ہوں۔"

دراز ریش یک چشم کا چہرہ فق ہو گیا: "یحییٰ سردار! میں نے تو اپنی غلطی کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔"

یحییٰ نے جواب دیا: "میری نظر میں تو زیادہ خطرناک ہے، قدیر سے زیادہ خطرناک۔ اس نے اس حال میں بھی سرکشی کی بات کر کے اپنے ظاہر و باطن کے یکساں ہونے کا ثبوت دیا ہے جبکہ تو نے خوشامدانہ باتیں کر کے اپنے اصل احساسات اور جذبات کو چھپا لیا ہے۔ تو نے ہاتھوں کو پیچھے سے کھلوا کے آگے بندھوانے کی درخواست کی تھی، جس کا میں نے یہ مطلب لیا کہ تو ہاتھوں کے کھلتے ہی مزاحمت شروع کر دیتا۔"

قدیر نے خوش ہو کر دراز ریش ساتھی کا مذاق اڑایا: "تو نے یحییٰ سردار کی زیرکی دیکھ لی!"

یک چشم دراز ریش نے جواب دیا: "یہ الزام ہے مجھ پر۔ میں یحییٰ سردار کی سرداری کا دل سے قائل ہوں۔"

بوڑھے کاتب نے آشوری کے کان میں کہا: "میرا خیال ہے ہم دونوں ٹل جائیں یہاں سے۔"

آشوری نے جواب دیا: "نہیں، یہ آداب محفل کے خلاف ہے، یحییٰ سردار اس سے ناراض ہو جائے گا۔"

یحییٰ سردار نے پوچھا: "یہ تم دونوں میں کس قسم کی سرگوشی ہو رہی ہے؟"

بوڑھے کاتب نے جواب دیا: "میں تھک گیا ہوں، آرام کرنا چاہتا ہوں۔"

یحییٰ نے کہا: "تو آرام کر لے، یہیں لیٹ جا۔"

اس کے بعد اس نے آشوری سے کہا: "میں جانتا ہوں کہ تو بہت زیادہ رحم دل ہے، اگر تو چاہتا ہے تو یہاں سے چلا جا۔"

قدیر نے آشوری سے کہا: "میں حیران ہوں کہ تم دونوں میں وہ کیا قدر مشترک ہے جس نے ایک دوسرے کو دوست بنا رکھا ہے۔"

یحییٰ کو غصہ آ گیا: "تو اپنی زبان بند رکھ اور اپنی زبان سے آشوری کا نام مت لے۔"

لیکن قدیر باز نہیں آیا اور آشوری کو مشورہ دیا: "جب تجھ سے کام نکل جائے گا تو تیرے ساتھ بھی ہم سے مختلف سلوک نہیں ہو گا۔"

یحییٰ نے آشوری جوان کو بازو سے پکڑ کے اٹھا لیا: "تو دوسرے حصے میں چلا جا اور وہاں کچھ دیر تو بھی آرام کر لے۔"

آشوری کے ساتھ بوڑھا کاتب بھی کھڑا ہو گیا: "اس جوان کے ساتھ مجھے بھی آرام کرنے کی اجازت مل جائے۔"

یحییٰ نے کہا: "چل تو بھی آرام کر لے۔ حالانکہ تو دوسروں سے زیادہ جوان ہے۔"

بوڑھے کاتب نے جواب دیا: "میں جوان نہیں ہوں، پہلے مجھے غلط فہمی تھی لیکن اب یہ غلط فہمی دور ہو گئی ہے۔"

یحییٰ ہنسنے لگا: "اچھا تو بھی آرام کر لے، شکر ہے کہ تو نے خود کو بوڑھا تسلیم کر لیا۔"

یحییٰ، آشوری اور کاتب کو تہمینہ والے حصے میں لے گیا اور کہا: "فی الحال تم دونوں آرام کرو لیکن جب میں بلواؤں گا تو آ ضرور جانا۔"

آشوری نے کہا: "میں سو جاؤں گا اس لیے حاضری سے استثنا چاہتا ہوں۔"

یحییٰ نے دیکھا، روشنک اور تہمینہ ململ کا باریک لباس زیب تن کر کے نمودار ہو چکی تھیں۔

یحییٰ نے دونوں کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور شریر لہجے میں کہا: "اب وہ دونوں بآسانی مر جائیں گے۔"

تہمینہ نے آہستہ سے ان کی سفارش کی: "یحییٰ سردار! کیا انھیں معاف نہیں کیا جا سکتا؟"

یحییٰ کی تیوریوں پر بل پڑ گئے: "اس طرح سوچنا تیرا کام نہیں ہے۔"

تہمینہ نے سہم کر جواب دیا: "ٹھیک ہے، میں معافی چاہتی ہوں۔"

یحییٰ نے روشنک کی طرف دیکھا جو نظریں چرا رہی تھی۔

یحییٰ نے تہمینہ سے پوچھا: "اب ایک بات تو بھی بتا دے تینوں کی جان بخشی کی سفارش تو نے اپنی طرف سے کی تھی یا روشنک

کی تحریک پر؟"

روشنک نے گھبرا کر جواب دیا: "یہ میری خواہش یا سفارش نہیں ہے۔"

یحییٰ نے دونوں کو تنبیہہ کی: "جن معاملات میں عورتوں کے مشورے اور آراء شامل ہوں وہ کبھی خوش اسلوبی سے انجام نہیں پاتے۔"

یحییٰ ان دونوں کے ساتھ تینوں قیدیوں میں واپس آ گیا اور ان دونوں حصوں کے درمیان جو دروازہ حائل تھا اسے کھلا رہنے دیا۔

حکم کے لباس نے قیدیوں میں ہیجان پیدا کر دیا۔ وہ بے بس ہونے کے باوجود دونوں کے حسن اور جنسی دلکشی میں کھو گئے۔

یحییٰ نے دونوں کو حکم دیا: "یہ برابر کے حقدار لوگ ہیں اس ہم سب مل کے اجتماعی لطف حاصل کریں گے۔ تم دونوں ناچو اور گاؤ۔ چند روزہ زندگی کے بقیہ چند لمحوں کو رنگین اور پر کیف بنا دو۔"

اس بار روشنک نے رقص اور تہمینہ نے گانا شروع کیا۔ تہمینہ کی آواز میں لوچ تھی، سوز تھا، مرکیاں تھیں اور کلام میں زور تھا۔

• انسانوں کو دیکھو، یہ کیسی مخلوق ہے، دنیا بھر کی مخلوق کا امتزاج۔

ان میں شیر کی شجاعت، لومڑی کی چالاکی، شتر کا کینہ، بھیڑیے کی درندگی، گدھے کی حماقت۔

غرضیکہ دنیا بھر میں جو کچھ ہے وہ انسان میں جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ کائنات کی حیرت انگیز تخلیق ہے، اللہ کا شاہکار۔

یہ فیاض ہے سخی ہے، بخیل ہے، خسیس ہے، یہ رحم دل ہے، یہ ظالم ہے۔

واللہ میں سچ بولوں گی، یہ حد درجہ کمینہ اور ذلیل بھی ہے۔

میں نے شیروں کو نہیں دیکھا کہ وہ اپنی فوج تیار کر کے اپنی ہی نسل کو تباہ کر رہے ہوں۔

میں نے ہاتھیوں، بندروں اور دوسرے مویشیوں کو آپس میں برسر پیکار نہیں دیکھا۔

لیکن یہ انسان ہی ہے جو یہ کام کرتا ہے۔ یہ اپنے دشمن کو جو انسان ہوتا ہے

قتل کر دیتا ہے۔ یہ چوریاں کرتا ہے اور چوری پکڑنے والے کو ہلاک کر دیتا ہے۔

یہ ڈاکے ڈالتا ہے قافلے لوٹتا ہے اور بستیوں پر حملہ آور ہو کر لوگوں کو قتل اور ان کے

مال و زر پر قبضہ کر لیتا ہے۔ ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کو

قتل کر دیتا ہے۔

ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ کو مار دیتا ہے۔ دو قومیں آپس میں ٹکراتی ہیں

اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیتی ہیں۔ اجتماعی نسل کشی صرف انسان کرتا ہے۔

رقیب رقیب کو مار دیتا ہے۔ حسین محبوب خود نہیں مارتا، عاشق کو خودکشی پر مجبور کر دیتا ہے۔

اے ابلیس! اگر تو نادم ہوتا تھا کہ آدم کو اس لیے سجدہ نہیں کیا تو جانتا تھا کہ یہ دنیا میں فتنہ و فساد پھیلائے گا۔ تو راندۂ بارگاہِ ایزدی ٹھہرا۔

اور انسان اشرف المخلوقات۔ ایسا کیوں ہوا؟ کہ اور وہ سچ جو دنیا میں۔

خوار ہے، پہلی بار آدم کے سامنے ابلیس کے سچ بولنے پر خوار ہوا تھا۔"

یحییٰ بد دماغ ہو گیا اس نے کہا کہ گانا بند کیا جائے۔

حکم کی تعمیل میں گانا بھی بند ہوا اور رقص بھی۔

یحییٰ نے پوچھا: "یہ بے ہودہ کلام کس کا ہے؟"

تہمینہ نے جواب دیا: "میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتی لیکن شاید نابینا شاعر ابوالعلا معری کا ہے۔"

یحییٰ نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا: "وہی ابوالعلا جو یمن کے قبیلے تنوخ سے تعلق رکھتا تھا اور شام کے قصبے معرۃ النعمان میں پیدا ہوا تھا؟"

تہمینہ نے جواب دیا: "ہاں، شاید وہی!"

یحییٰ نے پوچھا: "تجھ کو یہ شاعر پسند ہے؟"

تہمینہ نے جواب دیا: "ایک مجھ کو کیا، زمانے بھر کے بامذاق اور سمجھدار لوگ اس کو پسند کرتے ہیں۔"

یحییٰ نے کہا: "یہ اپنے کلام سے خاصا گستاخ معلوم ہوتا ہے۔"

تہمینہ نے حوصلے سے کام لیا: "سچ بولنے والے گستاخ ہی کہلاتے ہیں۔"

یحییٰ کو تہمینہ پر حیرت تھی کہ یہ اس کو کیا ہو گیا ہے۔ اس نے پوچھا: "لڑکی! یہ تجھ کو کیا ہو گیا ہے۔ سچ بولنے والے گستاخ کہلاتے ہیں، یہ تو کس طرح ثابت کرے گی؟"

تہمینہ نے جواب دیا: "جب ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے کے سلسلے میں یہ سچ اگلا تھا کہ میں آدم کو اس لیے سجدہ نہیں کروں گا کہ یہ دنیا میں فتنہ و فساد پھیلائے گا۔ عزازیل کو اس کے سچ کی یہ سزا دی گئی کہ وہ قیامت تک کے لیے مردود و ملعون قرار پایا۔ کیا یہ سچ کی سزا نہیں تھی؟ کیا اس سچ کو گستاخی نہیں قرار دیا گیا؟"

یحییٰ کا چہرہ سرخ ہو گیا: "ابلیس کو جو سزا دی گئی تھی وہ اس کے سچ کی نہیں بلکہ اس نے اللہ کے حکم کی تعمیل نہیں کی تھی۔ وہ حکم عدولی کی سزا تھی۔"

تہمینہ نے جواب دیا: "میں ایک کنیز ہوں اور میں نے شعر و شاعری کا علم بھی حاصل کیا ہے۔ میرا ذہن کشادہ ہے اور مجھے عقل و فکر کی باتیں بہت اچھی لگتی ہیں لیکن میں یہ بھی جانتی ہوں کہ جس طرح ابوالعلا معری کو اس کے زمانے نے مسترد کر دیا تھا اسی طرح مجھے بھی ٹھکرا دیا جائے گا۔ اور آپ مجھ کو قتل بھی کر سکتے ہیں۔"

یحییٰ نے اپنے ایک ساتھی سے کہا: "جا بوڑھے کاتب اور آشوری جوان کو بلا کر یہاں لے آ۔ اس کی باتیں ان دونوں کو بہت اچھی لگیں گی۔"

وہ آدمی دونوں کو بلانے چلا گیا۔

یحییٰ نے قیدیوں سے پوچھا: "تم کو تہمینہ کا گانا پسند آیا؟"

قدیر نے جواب دیا: "مجھ کو بہت اچھا لگا حالانکہ ریشم کی ڈوریاں میرے گوشت میں پیوست ہو چکی ہیں۔"

یحییٰ ہنسنے لگا: "تجھ کو تو اس لیے یہ کلام پسند آیا ہو گا کہ اس میں نسل انسان کو ذلیل و خوار کیا گیا ہے اور اس کلام کی رو سے میں ظالم ہوں اور تو مظلوم!"

تہمینہ نے جواب دیا: "یہ بات نہیں ہے۔ اس کلام میں پوری نسل انسان کو برا بھلا کہا گیا ہے۔ ہم سب کو۔ اس میں ہم سب ظالم بھی ہیں اور مظلوم بھی۔"

روشنک ابھی تک خاموش تھی۔ یحییٰ کو اس کی خاموشی گراں گزر رہی تھی۔ اس نے پوچھا: "تو کیوں خاموش ہے؟"

روشنک نے جواب دیا: "جو کچھ یہ کہہ رہی ہے میں اس سے اتفاق کرتی ہوں۔"

یحییٰ نے ہنستے ہوئے کہا: "سبحان اللہ! یک نہ شد دو شد۔"

بوڑھا کاتب بھی آشوری کے ساتھ آ گیا۔ وہ اس بلاوے سے ڈر گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے خلاف کوئی شکایت کی گئی ہے اور یحییٰ اس سے جواب طلب کرنے والا ہو گا۔

آشوری نے سنسان محفل دیکھی تو حیرت ہوئی۔ اس نے سوچا شاید اب ان قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔

یحییٰ نے ان دونوں کو دیکھ کر بے اختیار کہا: "واللہ! تہمینہ نے جو کچھ سنایا وہ سننے کے لائق تھا۔ افسوس کہ تم دونوں نہیں سن سکے۔"

دونوں ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔

یحییٰ نے کہا: "یمن کے قبیلہ تنوخ کا نابینا شاعر ابوالعلا آزاد اور گستاخ شاعر تھا، وہ بزعم خود سچا اور صاف گو شاعر تھا لیکن یہ میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ جھوٹا تھا۔"

تہمینہ نے کہا: "وہ جھوٹا نہیں تھا۔ یہ میں کہہ سکتی ہوں۔ لوگ اس کی سچائی کی وجہ سے اس کی خلاف عقیدہ باتیں بھی برداشت کر لیتے تھے۔"

یحییٰ نے کہا: "میں جو کچھ بھی ہوں اس سے قطع نظر میں شعر اور ان کی اچھی شاعری کو بے حد پسند کرتا ہوں اور میں خود میں اتنی لیاقت اور صلاحیت محسوس کرتا ہوں کہ ابوالعلا کو جھوٹا کہا ہے تو اسے جھوٹا ثابت بھی کر دوں۔"

قیدیوں کو ان باتوں میں اس لیے مزہ آ رہا تھا کہ اس سے ان کی زندگی کو وقفہ اور موقع مل رہا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جیسے ہی یہ باتیں ختم ہوں گی انھیں قتل کر دیا جائے گا۔

تہمینہ نے منہ پھیر لیا وہ یحییٰ کی باتوں سے بیزار نظر آ رہی تھی۔

یحییٰ نے اس کا چہرہ زبردستی اپنے سامنے کر لیا اور کہا: "میں نے تیرا سچ سنا اور برداشت کیا ہے اب تو میرا سچ بھی سن اور برداشت کر۔"

اس کے بعد اس نے آشوری کو بطور خاص مخاطب کیا۔ "یہ ابوالعلا معری جو چیچک کی وجہ سے تین سال کی عمر میں نابینا ہو گیا تھا، پوری زندگی مایوسی اور قنوطیت کا شکار رہا۔ یہی یاسیت اور قنوطیت اس کی شاعری میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کا ذریعۂ آمدنی اس کی خطابت تھی۔ وہ اپنے بارے میں ہمیشہ یہی کہا کرتا تھا کہ میں رہین المحبسین ہوں یعنی دو قید خانوں کا قیدی۔ ایک قید خانہ تو اس کا گھر تھا اور دوسرا قید خانہ اس کی کور چشمی نابینا پن۔"

بوڑھا کاتب ابوالعلا سے واقف تھا لیکن آشوری بس نام کی حد تک ابوالعلا کو جانتا تھا اور یہ شاعر بھی تھا اور نابینا بھی۔

یحییٰ اپنی بات کرتا رہا: "ابوالعلا نے شادی نہیں کی تھی اور اپنی دانست میں وہ شادی کو انسانی غلطی سمجھتا تھا اسی لیے اس نے یہ غلطی نہیں کی۔"

قدیر نے کہا: "وہ عورتوں کی بے وفائی کا شکار رہا ہو گا میری طرح۔ روشنک نے مجھ سے کچھ وعدے کیے اور دیدہ دلیری سے منحرف ہو گئی۔"

یحییٰ نے کہا: "تو اپنی بکواس بند کر۔ پہلے وہ سن جو میں کہہ رہا ہوں۔"

تہمینہ کو یحییٰ پر غصہ آ رہا تھا کیونکہ وہ تہمینہ کے پسندیدہ شاعر کی بے عزتی کر رہا تھا۔

یحییٰ ہر ایک کے احساس اور جذبوں سے بے نیاز اپنی بات

کرتا ہا۔ ابوالعلا یعنی اس پایہ زدہ نابینا شاعر نے اپنی لوحِ مزار کے لیے ایک شعر کہا تھا۔ شاید یہ شعر اُس کی قبر کی لوح پر کندہ بھی ہو:

"یہ غلطی میرے باپ نے کی کہ میں پیدا ہوا۔
لیکن میں نے ایسی غلطی نہیں کی۔"

تہمینہ نے کہا: "یہ شاعر کا اپنا خیال تھا۔ اس پر آپ کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "مجھ کو اس پر کیا اعتراض ہوگا، میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس نابینا اور ناکارہ انسان سے شادی کرنے کے لیے کوئی عورت تیار ہی نہ ہوئی ہوگی۔ اس کی یاسیت بھی میرے اس خیال کی تائید کرتی ہے کہ اس کو زمانے نے ٹھکرا دیا تھا۔ کسی عورت نے بھی اسے اس لائق نہیں سمجھا ہوگا کہ اس سے شادی کرے۔ اس پر شاعر کا یہ کہنا کہ خود اس نے یہ غلطی نہیں کی، جھوٹ ہے، بالکل جھوٹ۔ زندگی بھر سچ بولنے کا دعوے دار اپنے لوحِ مزار کے اپنے ہی شعر سے جھوٹا قرار پا گیا۔"

آشوری نے کہا: "افسوس کہ میں وہ کلام نہیں سن سکا، جو ان حالات میں بھی موضوعِ بحث بن گیا۔" پھر تہمینہ سے پوچھا: "کیا تجھ کو ابوالعلا کا ایسا ہی اور کلام بھی یاد ہے؟"

تہمینہ نے جواب دیا: "کیوں نہیں، لیکن یہ لوگ اسے بھی نہیں برداشت کر سکیں گے۔"

قدیر نے پھر یحییٰ پر طنز کیا: "یہ لوگ سے تیری کیا مراد ہے۔ یحییٰ ایک شخص، ایک انسان کا نام ہے۔ اسے لوگ تو نہیں کہا جا سکتا۔"

یحییٰ نے کہا: "اس وقت میں تیری ہر بات برداشت کر لوں گا، زندگی کی آخری خواہش کی طرح۔"

قدیر نے جواب دیا: "تو کیا برداشت کرے گا، برداشت تو میں کر رہا ہوں۔ ریشم کی ڈوری میرے گوشت میں داخل ہو گئی ہے اور اس سے جگہ جگہ سے خون رسنے لگا ہے لیکن میں یہ سوچ کر اس اذیت کو برداشت کر رہا ہوں کہ یہ دکھ اُس دکھ سے زیادہ نہیں جب میں قتل کر دیا جاؤں گا اور میرے جسم کا سارا خون نچڑ جائے گا، بہہ جائے گا۔"

یحییٰ نے تہمینہ سے کہا: "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ تو آشوری کے ساتھ ہمیں بھی ابوالعلا کا وہ کلام سنا دے جو تو سنانا چاہتی ہے اور تیرے خیال میں اسے ہم سب برداشت بھی کر لیں گے۔"

روشنک رقص کرنے کھڑی ہو گئی۔

یحییٰ نے اسے منع کر دیا: "نہیں، رقص نہیں ہوگا۔ میرے پاس زیادہ وقت بھی نہیں ہے۔"

روشنک بیٹھ گئی اور تہمینہ گانے کے لیے تیار ہو گئی: "میں اب جو کلام سناؤں گی اس کی ذمے داری میں نہیں لوں گی کیونکہ یہ میرا کلام نہیں ہے، تنافیہ شاعر ابوالعلا کا ہے اور یہ کہ میں یہ کلام فرمائش پر سنا رہی ہوں۔"

یحییٰ نے حکم دیا: "سنا سنا۔ میں جو حکم دے رہا ہوں کہ سنا۔"

تہمینہ نے بہترین دُھن اور آواز میں ابوالعلا کا کلام گانا اور سنانا شروع کر دیا۔

"ہم ہنستے ہیں اور ہنسنا صریح سفاہت ہے۔
ہمیں رونا چاہیے اور پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہیے۔
زمانے نے ہمیں شیشہ سمجھ کر ریزہ ریزہ کر ڈالا۔
اب ہم پھر کبھی شیشہ نہ بن سکیں گے۔
عقل کو رہنما بنا، اور عقل جس کی تصدیق کر دے، وہی کر۔
یقین رکھ کہ عقل ہی بہترین مشیر ہے۔
توراۃ میں جو قانون درج ہیں ان میں سے کوئی قبول نہ کر۔
تو صاف گوئی کا خواہاں ہے، وہ تجھے وہاں نہیں ملے گی۔
مسیحی گمراہ ہو چکے ہیں۔ یہودی سرگرداں ہیں۔
مجوسی غلط راستے پر جا رہے ہیں۔
ہم فانی انسان دو گروہوں سے مرکب ہیں۔
ایک وہ جو عقلمند ہیں مگر بے دین۔
اور دوسرے وہ جو دین دار ہیں مگر بے وقوف۔"

یحییٰ نے تہمینہ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا: "اب بس بھی کر، پھر وہی گستاخی اور دل آزاری کی باتیں!"

تہمینہ نے غصے سے اس کا ہاتھ اپنے منہ پر سے ہٹا دیا: "میں نے پہلے ہی جتا دیا تھا کہ یہ ابوالعلا کا کلام ہے، میرا نہیں۔"

آشوری نے بھی ناخوشی کا اظہار کیا: "شاعر نے تو سبھی کو ناراض کر دیا۔"

تہمینہ نے جواب دیا: "سچ اکثریت کو ناراض اور اقلیت کو خوش کرتا ہے۔"

یحییٰ نے اکتائے لہجے میں کہا: "اب مجھے اس دربار سے چلے جانا ہے اس لیے کام اور کام کی بات ہو جانا چاہیے۔"

اس کے بعد اس نے تینوں قیدیوں سے پوچھا: "میں نے تمہارا حق تمہیں دے دیا۔ ان دونوں لڑکیوں کے رقص اور طرب سے ہم بھی یکساں اور برابر لطف اندوز ہوئے، اب تو تمہیں ہم سے یہ شکایت نہیں ہونا چاہیے کہ میں مساوی حصہ نہیں دیتا۔"

قدیر نے جواب دیا: "تجھ کو جو کرنا ہے کر، اس فضول تمہید کی کوئی ضرورت نہیں۔"

دراز ریش یک چشم کو اب بھی یہ امید تھی کہ اسے معاف کر دیا جائے گا۔ اس نے کہا: "مجھ کو آزاد کر دیں، میں زندگی بھر آپ کی تابعداری کروں گا۔"

یحیٰی نے جواب دیا: "جو میرے تابعدار ہیں وہ میرے ساتھ ہیں اور میرے ساتھ ہی باہر جائیں گے تو قدیر کا ساتھی ہے اس کا ساتھ دے، اس کا ساتھ نبھا۔"

دراز ریش یک چشم رونے لگا: "یحیٰی سردار! میں آپ کا ساتھی، آپ کا تابعدار ہوں اس لیے مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔"

یحیٰی نے تالی بجائی، جواب میں اس کے تابعدار ساتھی آدم خور کتوں کی طرح کمروں سے باہر آ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں خنجر تھے۔

یحیٰی نے ان کی طرف اشارہ کیا: "دیکھ، یہ میرے ساتھی میرے تابعدار ہیں، میں انھیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا، ان کے گھر آباد کروں گا، ان کو مال و زر سے مالا مال کر دوں گا، انھیں شہروں میں آباد کروں گا، اپنے ساتھ انھیں امرا اور وزرا کے درباروں میں ملازمتیں دلواؤں گا۔"

آشوری نے روشنک اور تہمینہ کو وہاں سے ہٹا دیا۔ کاتب نے کہا: "میں بھی جانا چاہتا ہوں۔"

یحیٰی نے آشوری سے کہا: "یہاں جو درندگی کا کھیل شروع ہونے والا ہے اسے تو بھی نہیں دیکھ سکے گا اس لیے تو بھی یہاں سے چلا جا۔"

جب یہ لوگ وہاں سے چلے گئے تو یحیٰی نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا: "اپنا کام انجام دو اور اس کا آغاز دراز ریش یک چشم سے کرو کیونکہ یہ جب تک جیے گا بہت شور کرے گا۔"

دراز ریش یک چشم شور مچانے لگا: "مجھ کو معاف کر دے سردار یحیٰی سردار! یہ ظلم نہ کر۔"

لیکن یحیٰی سردار حکم دے چکا تھا۔ اس کے حامیوں نے دراز ریش یک چشم کے پہلو میں خنجر اتار دیا۔ ایک خوفناک چیخ بلند ہوئی پھر دوسرا وار دوسرے پہلو پر ہوا۔ اور پے در پے حملوں نے اسے نڈھال کر کے اوندھے منہ زمین پر گرا دیا۔ وہ تڑپنے سسکنے لگا۔

دوسرا حکم قدیر کے لیے دیا گیا۔ اسی طرح اس پر خنجروں سے حملے کیے گئے اور وہ بھی اوندھے منہ زمین پر گر گیا۔

آخری سزا پانے والا قزاق مخبر تھا۔ اسے بھی ہلاک کر دیا گیا۔

اس کے فوراً بعد وہ چند آدمیوں کے ساتھ روشنک اور تہمینہ کے پاس پہنچا اور کہا: "اب تم یہاں سے چلنے کے لیے تیاری کرلو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

آشوری اور بوڑھا کاتب دونوں ہی تیار تھے۔ وہ یہاں سے نکل بھاگنے کے لیے بے قرار تھے۔

ایک جگہ انھیں بتایا گیا کہ دوسری طرف سے قزاق بھی دیوار توڑ کے اس طرف آنے ہی والے ہیں، اس لیے اب وقت نہیں ہے۔

بستی والوں کو کچھ پتا نہ تھا کہ یحیٰی سردار وہاں سے فرار ہو رہا ہے۔ اس نے آشوری کو جو غار دکھایا تھا وہاں باری باری وہ پہنچ گئے۔ بستی والے یحیٰی سردار کی اس نقل و حرکت کو اس کے روزمرہ معمولات کا حصہ سمجھتے رہے۔ دونوں لڑکیوں کو دوسروں کی نظروں سے بچا کے نہایت احتیاط سے مذکورہ غار میں پہنچا دیا گیا۔

اس غار میں داخل ہوتے ہی اسے دوسروں کے لیے بند کر دیا گیا۔ اس غار کے بارے میں یحیٰی کے سوا دوسرے نہیں جانتے تھے اور چونکہ یہاں دوسرے کئی غار اور تھے اس لیے ان کا پیچھا کرنے والے یہ نہیں سمجھ سکتے تھے کہ یحیٰی سردار اور اس کے ساتھی کس غار سے فرار ہوتے ہیں۔

یہاں اس نے کافی پوٹلیاں اور گٹھڑیاں رکھی دیکھیں۔

آشوری نے یحیٰی سے پوچھا: "ان میں کیا ہے؟"

یحیٰی نے اس کے کان میں کہا: "خزانہ، سونا چاندی ہیرے جواہرات۔ آخر یہاں سے نکل کر گزر بسر کے لیے کچھ تو چاہیے۔"

یہاں اندھیرے کو دور کرنے کے لیے مومی شمعیں جلائی گئیں۔ ان کی روشنی میں یحیٰی سردار نے اپنے ساتھیوں کو آگے جانے کا حکم دیا۔ ان کے سروں پر پوٹلیاں رکھی تھیں۔

روشنک اور تہمینہ کو نیم تاریکی اور غار کے اونچے نیچے راستوں پر سفر کرنا دشوار ہو رہا تھا۔

بوڑھا کاتب بھی لڑکھڑا رہا تھا۔ اس کو بستی چھوڑنے کا دکھ تھا۔ بستی میں کئی آدمیوں سے اس کی بڑی دوستی تھی۔

آشوری یحیٰی کے ظلم و جور سے ناخوش تھا۔ اسے یحیٰی برا لگنے لگا تھا۔ وہ پکا قزاق تھا۔ بے رحم، مکار اور ناقابل اعتبار۔

کئی گھنٹے چلتے رہنے کے بعد یحیٰی ایک کھلی جگہ پر رک گیا۔ انھوں نے یہاں سکون کی سانس لی اور ان سب نے اپنے سر پر کھلا آسمان دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔

قزاقوں نے اپنے سروں سے پوٹلیاں اور گٹھڑیاں اتار کر پتھروں پر رکھ دیں اور جس کو جہاں جگہ ملی وہیں دراز ہو گیا۔

یحیٰی نے آشوری کو ایک طرف لے جا کے اپنے سامنے بٹھا لیا۔ روشنک اور تہمینہ بھی کہیں ایک چٹان کے سائے میں

بیٹھی تھیں، اور آشوری کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ پوٹلیاں اور گٹھریاں بھی یہیں سلیقے سے رکھی تھیں اور یہ جگہ یحیٰی کے ساتھیوں سے الگ تھلگ اور محفوظ تھی۔

یحیٰی کو آشوری کی افسردگی کا احساس تھا۔ اس نے آشوری سے اس افسردگی کی وجہ بھی پوچھی۔

آشوری نے جواب دیا: "یحیٰی سردار! میں جس ماحول اور معاشرے کا انسان ہوں وہاں سچ بھی بولا جاتا ہے۔"

یحیٰی نے حیرت سے کہا: "میں نے یہ کب کہا کہ وہاں جھوٹ بولا جاتا ہے؟"

آشوری نے پوچھا: "کیا آپ نے بستی والوں سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ انھیں بھی اپنے ساتھ لے چلیں گے؟"

یحیٰی نے جواب دیا: "ہاں! میں نے ان سے یہ وعدہ کیا تھا، پھر؟"

آشوری نے کہا: "پھر یہ کہ آپ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔"

یحیٰی نے کہا: "اوّل تو جب میں نے ان سے یہ وعدہ کیا تھا، اس وقت میرے دل میں یہ تھا کہ وعدہ پورا نہیں کرنا، ان کو دلاسا دیا تھا کہ وہ خاموش رہیں، اپنا کام نکل گیا، بات ختم ہوگئی۔"

آشوری نے افسوس کیا: "آپ نے انھیں دھوکا دیا۔ آپ کو ایسا نہیں کرنا تھا۔"

یحیٰی ہنسنے لگا: "آشوری جوان! تو ایک بھولا بھالا انسان ہے، تو اپنے کام سے کام رکھ۔ ان فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کر۔"

آشوری نے جواب دیا: "یحیٰی سردار! آپ چاہیں تو مجھے قتل کردیں مگر میرے دل پر جو بوجھ ہے اسے بات کرکے اُتاروں گا ضرور۔"

یحیٰی نے اجازت دے دی: "تو بات کر۔ میں تجھ کو منع نہیں کروں گا۔"

آشوری نے کہا: "آپ نے اپنے ساتھیوں کو بڑی بے دردی سے قتل کردیا۔ مجھے اُن پر بڑا رحم آیا۔"

یحیٰی نے جواب دیا: "میری یہ باتیں تیری سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ وہ مجھ سے بدظن ہوگئے تھے اور میں انھیں بالکل ناقابلِ اعتبار سمجھنے لگا تھا۔ ایسی صورت میں دوستی یا تعلق برقرار رکھنے کا یہ مطلب ہوتا کہ میں ان میں سے کسی ایک یا کئی کے ہاتھوں مارا جاتا۔ وہ مجھے معاف نہیں کرتے۔ وہی کام میں نے کردیا۔ دوستی میں جب اس حد تک بگاڑ پیدا ہوجائے تو یہ دیکھ کہ دوستی یا تعلق برقرار رکھنے کا کوئی موثر ذریعہ ہے یا نہیں، اگر ہے تو اسے کام میں لاؤ اور اگر نہیں ہے تو دوست کو ہلاک کردو۔ اس میں بیچ کا کوئی راستہ نہیں۔"

آشوری نے کہا: "میں دیکھ رہا ہوں کہ جن لوگوں سے آپ کا کام نکل جاتا ہے آپ اُن کو بھول جاتے ہیں یا نظر انداز کردیتے ہیں۔"

یحیٰی نے جواب دیا: "یہ بالکل ذاتی باتیں ہیں اور میں چاہوں تو ان کے جواب نہ دوں لیکن مجھ کو تجھ سے تعلق برقرار رکھنا ہے اس لیے تیرے سوالوں کے جواب دوں گا، ضرور دوں گا۔"

آشوری اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

یحیٰی نے کہا: "ہر وابستگی محدود ہونا چاہیے۔ میں اپنے پیچھے وابستگان کی فوج نہیں رکھنا چاہتا۔ کام لو اور بھول جاؤ اور اگر بھولو نہیں تو منہ نہ لگاؤ، یہ میری فطرت، میری سوچ اور میرا رویہ ہے۔"

آشوری نے ان قزاقوں کی طرف اشارہ کیا جو یحیٰی کے خدمت گار بنے ہوئے تھے: "یہ کب تک آپ کے ساتھ ہیں؟"

یحیٰی نے جواب دیا: "جب تک ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے کارآمد اور مفید ہیں۔ اس کے بعد الگ ہوجائیں گے۔"

آشوری نے کہا: "ذرا کھل کر بات کریں۔"

یحیٰی نے جواب دیا: "میری طرح میرے ساتھی بھی قزاق ہیں اور ان کا بھی وہی مزاج ہے جو میرا۔"

آشوری نے کہا: "یہ تو میں بھی جانتا ہوں اور اسی لیے یہ پوچھ رہا ہوں کہ آپ لوگ کب تک آپس میں وابستہ اور متعلق رہیں گے؟"

یحیٰی نے جواب دیا: "بھولے بھالے جوان! میں نے انھیں ان کی خدمات کا معقول معاوضہ دیا ہے اور مزید کا وعدہ کیا ہے تب کہیں یہ لوگ میرا کام کر رہے ہیں۔"

خنک ہواؤں نے نشہ طاری کردیا تھا اور دونوں غنودگی محسوس کر رہے تھے۔ یحیٰی نے آشوری کی ڈوبتی بند آنکھوں میں خمار دیکھا تو ہنس دیا: "نیند تو مجھے بھی آرہی ہے۔ کچھ دیر سولیں اس کے بعد بقیہ سفر طے کریں گے۔"

آشوری نے آنکھیں بند کرلیں اور سوگیا۔ کچھ دیر بعد جب بیدار ہوا تو دیکھا یحیٰی وہاں نہیں تھا۔ آشوری اٹھ کر ادھر ادھر یحیٰی کو تلاش کرتا رہا۔

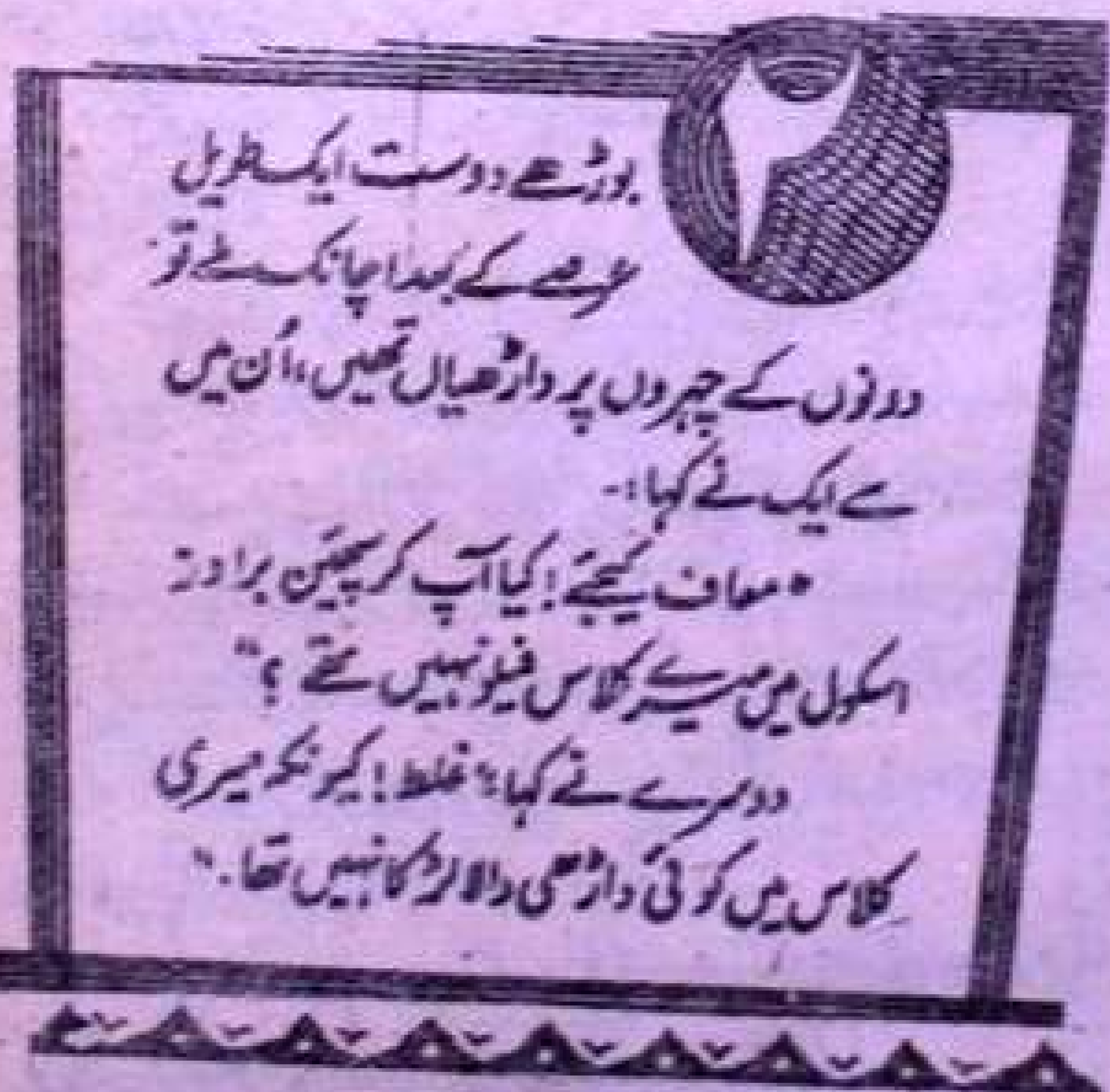
وہ قزاقوں کی طرف بھی گیا۔ وہ لوگ بھی سوئے ہوئے تھے۔

آشوری نے چند قزاقوں کو دور سے آتے ہوئے دیکھا تو گھبرا گیا کہ یہ کون ہیں اور کہاں سے آگئے؟ وہ ان نوواردان کی خبر دینے کے لیے یحیٰی کو تلاش کرنے لگا لیکن یحیٰی کا کہیں پتا نہ تھا۔

اس نے سوچا کہ کہیں خدانخواستہ یحیٰی کو اس کے مکار ساتھیوں نے مال و زر کے لالچ میں ٹھکانے تو نہیں لگا دیا؟

وہ تھینہ اور روشنک کے پاس گیا اور ان سے پوچھا: "یہ

یحیٰی سردار کہاں چلا گیا؟"
روشنک نے جواب دیا۔" کہیں چھپا آرام کر رہا ہوگا۔ وہ بہت چالاک ہے۔"
آشوری نے اپنی تشویش کا ذکر کیا۔" یہ سب بہت چالاک اور عیار ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان میں سے کسی نے یحیٰی سردار کو۔۔۔"
تہمینہ ہنسنے لگی۔" تو اتنے دنوں سے ان کے ساتھ ہے اور پھر بھی انھیں نہیں سمجھ سکا۔"
آشوری نے جواب دیا۔" میں نے ان کو سمجھ لینے کے بعد ہی یہ سوال کیا تھا۔ اپنے اس اندیشے کا ذکر کیا ہے۔"
تہمینہ نے کہا۔" یحیٰی سردار اتنا معمولی اور کم عقل انسان نہیں ہے کہ اس کے ساتھی قزاق اس پر قابو پاسکیں۔"
آشوری نے نوواردوں کا ذکر کیا۔" چند نئے چہرے یہاں آگئے ہیں۔"
تہمینہ کو بھی تشویش ہوگئی۔" اگر یہ بات ہے تو یحیٰی سردار کو تلاش کرو۔"
آنے والوں نے یحیٰی سردار کو پوچھا۔ قزاقوں نے بھی ان نوواردوں کو ہنسی خوشی قبول کر لیا اور ان سے باتیں کرنے لگے۔
کچھ دیر بعد ایک چٹان کے پیچھے سے یحیٰی بھی نمودار ہوا اور ان نوواردوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ ان سے باری باری گلے ملا اور مصافحہ بھی کیا۔" میں یہاں تم لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔"
ان میں سے ایک نے کہا۔" انتظام کر دیا ہے۔"
یحیٰی نے پوچھا۔" کتنوں کا؟ میرے ساتھ کافی سامان ہے۔"
دوسرے نے جواب دیا۔" جب آپ باہر نکلیں گے تو وہاں سبزہ زار پر بیس گدھے چرتے دکھائی دیں گے۔"
یحیٰی بہت خوش ہوا۔" بیس گدھے! ماشاء اللہ" سبحان اللہ۔ اتنے کافی ہیں!"
ایک نے کہا۔" ہم نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اب آپ بھی اپنا وعدہ پورا کر دیں۔"
یحیٰی نے جواب دیا۔" میں آدمی کھرا ہوں اور جس سے جو وعدہ کرتا ہوں پورا کرتا ہوں۔" پھر ذہن پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔ "میرا تم سے کیا طے ہوا تھا؟"
اس نے کہا۔" پندرہ گدھوں کے ہزار دینار۔ ہم بیس گدھے لے آئے ہیں تاکہ آپ کو اپنا سامان لے جانے میں دشواری نہ ہو۔"
یحیٰی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔" اللہ آپ کا بھلا کرے۔ ہزار دینار تو کچھ بھی نہیں۔ تم چار ہو، ڈھائی سو دینار فی کس۔ یہ تو کچھ بھی نہیں اور اسی میں گدھوں کی قیمت بھی شامل ہوگی؟"
چاروں بہت خوش تھے۔" بیشک۔ اس رقم میں گدھوں کی قیمت بھی شامل ہے۔"
یحیٰی نے کہا۔" میں بہت فکرمند تھا کہ اگر تم لوگوں نے گدھوں کا انتظام نہ کیا تو ہم سامان کس طرح لے جائیں گے۔"
ان چاروں میں ایک ایسا بھی تھا جو بہت سنجیدہ تھا اور ذرا سی مسکراہٹ بھی اس کے چہرے پر نہیں تھی۔
یحیٰی نے اس سے پوچھا۔" تو کیا سوچ رہا ہے؟"
اس نے جواب دیا۔" میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ نے یہ جو کچھ بھی کیا ہے خطرناک کام کیا ہے۔ سردار جب بھی آئے گا تو پاگل ہو جائے گا اور پھر دوران تفتیش جب اس کو یہ معلوم ہوگا کہ ہم چاروں نے آپ کے اس کام میں بیس گدھوں سے مدد کی تھی تو وہ ہمارا بھی دشمن ہو جائے گا اور ہمیں بھی اپنے اس کیے کی سزا بھگتنا ہوگی۔"
یحیٰی نے نہایت خوش اخلاقی سے پوچھا۔" اس طرح تو کیا کہنا چاہتا ہے؟"
اس نے جواب دیا۔" یہ کہ اتنے خطرناک کام کا معاوضہ ایک ہزار دینار یہ بہت کم ہے جبکہ گدھوں کی قیمت بھی اس میں شامل ہے۔"
یحیٰی مسکرا رہا تھا۔" پھر بھی۔ جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہو۔"
اس نے جواب دیا۔" یہ مال و زر جو آپ اپنے ساتھ لے





چاہیے ہیں آپ کا نہیں ہے۔ اس میں ہمارا حصّہ بھی ہونا چاہیے۔"

یحییٰ سوچنے لگا۔ "ہاں، یہ بھی درست ہے۔ پھر کیا دیا جائے؟"

اس نے جواب دیا۔ "ہزار دینار کے علاوہ بھی کچھ ملنا چاہیے۔"

یحییٰ زور زور سے ہنسنے لگا۔ "واللہ۔ اگر تو یہ بات نہ بھی کہتا تب بھی میں تم چاروں کو ہزار دینار کے علاوہ بھی بہت کچھ دیتا۔ اب جبکہ تو نے اس کا مطالبہ کر دیا ہے تو تیری ہوشیاری و ذہانت ہم پر آشکار ہو گئی ہے۔ کیا خیال ہے دو ہزار دینار مزید کافی ہوں گے؟"

وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ "ایک ہزار مزید بھی کافی ہوں گے مگر اس میں اگر ایک ہزار کا مزید اضافہ کر دیا جائے تو ہم ہزار ہزار دینار آپس میں تقسیم کر لیں گے۔"

یحییٰ نے معنی خیز انداز میں انھیں گھورا۔ "ہزار ہزار دینار آپس میں بانٹ لو گے تو گدھوں کی قیمت کون ادا کرے گا؟ یہ حساب کس کے سر ہوگا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ گدھے چوری کے ہوں، مفت کے؟"

وہ گھبرا گیا۔ "نہیں نہیں۔ ان گدھوں کی قیمت ادا کی گئی ہے۔ بخدا، واللہ۔ بربّ کعبہ۔"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "بس پھر ٹھیک ہے۔ میں چار ہزار دینار ادا کر دوں گا۔"

وہ تینوں اپنے ساتھی کی باتوں سے بہت خوش ہوئے اور اس کی ذہانت کی تعریف کی۔

یحییٰ نے ان چاروں کو ضیافت دی۔ "میں تم چاروں کا بے حد شکر گزار ہوں۔"

ان کی ایک چٹان پر دعوت کی گئی۔ ان کی خدمت میں چار ہزار دینار کی چار تھیلیاں پیش کی گئیں اور چاروں یحییٰ سے باتیں کرنے لگے۔

یحییٰ کے چھ ساتھی قزاق بھی اسی چٹان پر ضیافت میں شریک کر لیے گئے۔ آشوری سے کہا گیا۔ "تو ہم سے دور رہ، کیونکہ تو ہم میں سے نہیں ہے اور اپنی فضول باتوں سے مزہ کرکرا کر دیتا ہے۔"

آشوری کو یحییٰ کی یہ باتیں بہت بری لگیں اور وہ ان سب سے دور چٹان سے پاؤں لٹکا کے بیٹھ گیا۔

یحییٰ نے ان چاروں سے درخواست کی کہ اس کی عدم موجودگی میں سردار کو اس کے بارے میں کچھ بھی نہ بتایا جائے۔

چاروں نے وعدہ کر لیا۔

یحییٰ نے کہا۔ "میں مخبر کا نام تو نہیں لوں گا لیکن مجھے آج ہی بتایا گیا ہے کہ اپنا زخمی سردار انھی پہاڑیوں میں کہیں روپوش ہے۔"

اس عجیب و غریب اور غیر متوقع انکشاف نے سبھی کو حیران اور پریشان کر دیا۔

چاروں میں سے ایک نے کہا۔ "ہو سکتا ہے مخبر کی یہ اطلاع غلط ہو۔"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "نہیں، یہ خبر غلط نہیں ہو سکتی۔ اس نے آج تک کوئی غلط خبر نہیں دی۔"

اس سے پوچھا گیا۔ "اگر وہ یہیں کہیں ہے تو کیا ہمارا اس سے سامنا بھی ہو سکتا ہے؟"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "ہاں، سامنا بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے اس مخبر کو دوبارہ بھیج دیا ہے، کل تک ٹھیک ٹھاک معلوم ہو جائے گا۔"

ایک نے پوچھا۔ "وہ کہاں ہو سکتا ہے؟"

یحییٰ نے نیچے کھڈ کی طرف دیکھا۔ "مخبر نے اس کھڈ میں شبہ ظاہر کیا تھا۔"

چاروں اس کھڈ کی طرف دیکھنے لگے۔ "کون سا کھڈ؟ کہاں؟"

یحییٰ نے اپنے ساتھی قزاقوں کو آنکھ کے اشارے سے کوئی حکم دیا جس کی تعمیل یوں ہوئی کہ چاروں کو دھکے دے کر کھڈ میں گرا دیا گیا۔ چاروں کی چیخیں ایک ساتھ بلند ہوئیں اور یہ آوازیں دور ہوتے ہوتے گہرے کھڈ میں کہیں گم ہو گئیں۔

یحییٰ نے چاروں تھیلیوں پر قبضہ کیا اور اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "احمقوں نے یہ نہیں سوچا کہ ان دیناروں کے تم لوگ زیادہ مستحق ہو۔ میں اسے تم لوگوں میں تقسیم کر دوں گا۔"

ایک نے پوچھا۔ "مگر کب؟"

یحییٰ نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔ "تم لوگ جب چاہو، مجھے کوئی عذر نہیں۔"

دوسرے قزاق نے کہا۔ "آپ جب چاہیں ہمیں دے دیں ہم مرتے دم تک آپ کے وفادار بلکہ جاں نثار رہیں گے۔"

یحییٰ نے انھیں یقین دلایا۔ "یہ دینار تم لوگوں کے ہیں صرف تم لوگوں کے۔ اس کے علاوہ بھی تمھیں تمھارا حصّہ ملے گا۔ باہر نکلتے ہی تم کو اختیار ہوگا کہ ہمارے ساتھ رہو یا الگ ہو جاؤ۔"

آشوری نے یہ منظر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھا تو خود پر نفرین کرنے لگا۔ اس نے سردار یحییٰ کا احترام کیا تھا اور اسے اپنے ساتھ سلطان اور دوسرے امرا سے ملوانے لیے جا رہا تھا۔ کیا یہ شخص اس لائق ہے کہ اسے کسی دربار سرکار میں پہنچایا جائے؟ شاید نہیں۔

یحییٰ نے اپنے ساتھیوں سے بڑی چکنی چپڑی باتیں کیں اور کہا۔ "میں وفاداروں کا وفادار ہوں۔"

شاید کئی قزاق یحییٰ کے رویوں اور طرزِ عمل سے مطمئن نہیں تھے اور وہ یحییٰ پر اعتبار نہیں کر رہے تھے۔

یحییٰ ان کے چہروں سے ان کی فکر اور شبہات کو پڑھ رہا تھا۔ اس نے انھیں دھمکی دی۔ "میں نے اپنے جاں نثاروں اور

دغابازوں کو کبھی فراموش نہیں کیا اور غداروں اور بزدلوں کو کبھی معاف نہیں کیا۔ جو بھی مجھ کو شک و شبے سے دیکھ رہا ہو وہ مجھ سے جدا ہو جائے، میرا ساتھ چھوڑ دے میں اس کو اس کا حصّہ دے کے رخصت کر دوں گا۔"

سبھی نے یحییٰ سردار پر پورے اعتماد کا اظہار کیا اور معافی چاہی۔ سب نے بالاتفاق کہا۔ "ہم نے آپ سے مرنے جینے کا عہد کیا ہے جسے ہر حال میں نبھائیں گے۔"

یحییٰ نے ان سب کو حکم دیا کہ یہاں سے نکلو اور پہاڑی سلسلوں سے نکل کر عہد کرو، میں وہاں آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاؤں گا پھر تم میں جس کسی کو علیحدگی اختیار کرنا ہو گی وہ مجھے چھوڑ کر چُپ چاپ چلا جائے گا۔ اس طرح آنکھوں کی تھوڑی بہت شرم بھی مانع نہیں آ سکے گی۔"

مسلسل چلتے رہنے کے بعد وہ باہر آ گئے۔ ان کے سامنے ایک ہری بھری چراگاہ تھی۔ اس چراگاہ میں گھوڑے، گدھے اور گائے بیل ہر طرف چرنے میں مشغول تھے۔

دور شمال میں مرغزار کی حد پر بہت سے خیمے نصب نظر آئے، رنگ برنگے چھوٹے بڑے خیمے۔ ان شاطروں نے خیموں کی وضع قطع اور ان کی نصب کے انداز سے یہ جان لیا تھا کہ یہ کسی کارواں کسی قافلے کے خیمے ہیں۔ یحییٰ اپنے بیس گدھوں کی فکر میں تھا جن پر وہ اپنا سامان لاد کر خود بھی سفر کر سکتا تھا۔

وہیں پہاڑی چٹان کے سائے سے دو آدمی نمودار ہوئے۔ اور یحییٰ کے آدمیوں سے یحییٰ کے بارے میں معلوم کرنے لگے۔ "تمہارا سردار کہاں ہے؟"

قزاقوں نے یحییٰ سے ملوا دیا۔ یحییٰ سمجھ گیا کہ یہی دونوں گدھوں کے مالک ہیں اس لیے بڑے اعتماد سے پوچھا۔ "ہمارے بیس گدھے کہاں ہیں؟"

دونوں نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "تمہارے بیس گدھے قافلے والوں کے مویشیوں سے الگ گھاس چر رہے ہیں۔"

یحییٰ نے کہا۔ "انھیں میرے حوالے کرو اور اپنا راستہ ناپو۔"

دونوں نے چاروں کے بارے میں پوچھا۔ "وہ کہاں ہیں؟ ان سے بھی کچھ بات کرنا ہے۔"

یحییٰ نے بے مروتی سے جواب دیا۔ "وہ تو اپنے دوسرے ساتھیوں کے پاس چلے گئے۔ وہ ان گدھوں کی قیمت دے چکے ہیں۔"

دونوں خاموش ہو گئے اور کچھ دیر بعد کہا۔ "وہ قیمت تو ادا کر گئے لیکن ہم ان چاروں کے توسط سے آپ سے ایک درخواست کرنے والے تھے۔"

یحییٰ نے کہا۔ "اب تم دونوں ان کے بغیر بھی بات کر سکتے ہو۔ بولو، کیا بات کرنا ہے؟"

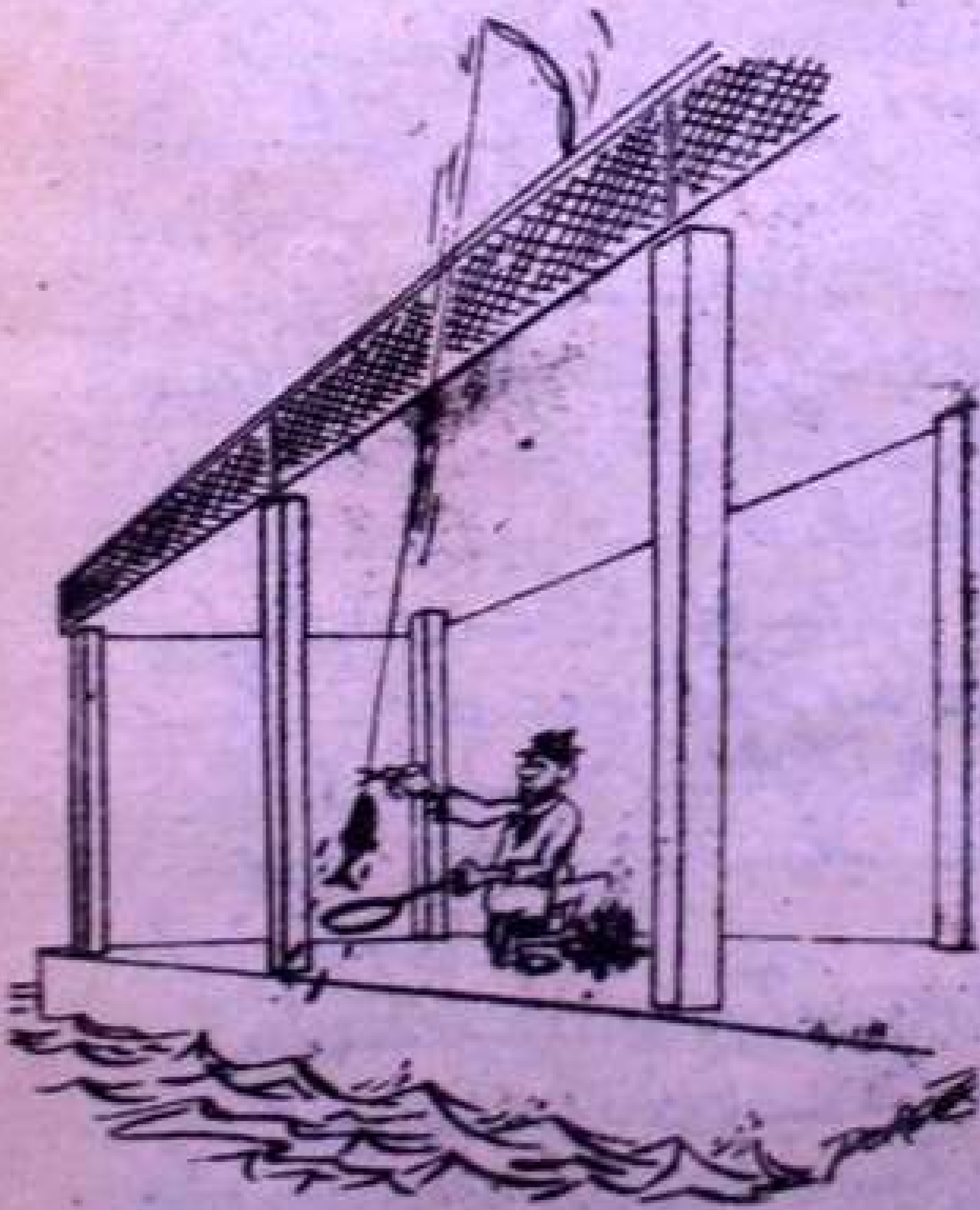
ایک نے کہا۔ "ہم نے آپ لوگوں کے لیے خیموں کا انتظام بھی کیا ہے۔ ہم دونوں ہی قزاق ہیں۔ ہمارا گروہ کسی وجہ سے درہم برہم ہو گیا۔ آپ ہم دونوں کو اپنے گروہ میں داخل کر لیں۔"

یحییٰ نے غصّے سے کہا۔ "تم نے کیا کہا، ذرا دوبارہ تو کہنا؟"

دونوں میں سے ایک نے دوبارہ کہا۔ "ہم دونوں ہی قزاق ہیں اور اپنے گروہ سے بچھڑ گئے ہیں، براہِ کرم ہمیں بھی اپنے گروہ میں شامل فرما لیں۔"

یحییٰ نے سخت لہجے میں اپنے قزاق ہونے سے انکار کر دیا۔ "میں قزاق نہیں ہوں۔ تم دونوں نے میرے بارے میں غلط سُنا ہے۔"

ایک نے بُرا سا منہ بنایا اور کہا۔ "اگر آپ قزاق نہیں ہیں تو ولی یا صوفی بھی نہیں ہیں کہ ان پہاڑوں میں روپوش عبادت میں مشغول رہے ہوں۔"



یحیٰی نے اپنا لہجہ نرم کیا: "میں نہ تو قزاق ہوں اور نہ صوفی۔ میں حلب کے حکمران کا باغی ہوں اور اس کے خوف سے اپنے ساتھیوں سمیت روپوش ہو گیا تھا۔ اب جب میں نے یہ سنا کہ عیسائیوں نے منبج پر قبضہ کر کے حکمران کو وہاں سے بے دخل کر دیا تو میں باہر آ گیا۔"

دونوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور ایک نے یحیٰی سے کہا: "چلیں یہی درست ہے جو آپ کہہ رہے ہیں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اب آپ کہاں جائیں گے اور کیا کریں گے؟"

یحیٰی نے جواب دیا: "اب ہم منبج جائیں گے اور عیسائیوں کے قیصر سے جا ملیں گے۔ ہم جنگجو لوگ اپنے لیے محفوظ دو بازوؤں کی فکر میں رہتے ہیں۔"

دوسرے نے کہا: "چلیے یہی سہی، اپنے ساتھ ہم دونوں کو بھی قیصر کے دربار میں لے چلیں۔ قزاقی نہیں تو سپاہ گری سہی ہمیں تو کام درکار ہے۔"

یحیٰی نے جواب دیا: "ہاں یہ ممکن ہے ایسا ہو سکتا ہے۔ ہمارے ساتھ قیصر کے پاس چلنا، وہاں اگر میرا کام بن گیا تو تم دونوں ہی برسرِ روزگار ہو جاؤ گے۔"

دونوں نے کہا: "اپنے چند آدمی ہمارے ساتھ کر دیں ہم بیسوں گدھے یہاں لے آتے ہیں۔"

جن قزاقوں نے یحیٰی سے اختلاف کیا تھا وہ دونوں کے ساتھ چلنے لگے تو یحیٰی نے انھیں روک دیا: "نہیں، تم نہیں۔"

پھر پانچ دوسرے قزاقوں کو بلا کر دونوں کے ساتھ کر دیا۔ ان پانچوں سے معنی خیز انداز میں آہستہ سے پوچھا: "یہ تو تم نے بھی سن لیا ہو گا کہ ہم کیا ہیں۔ دونوں سے زیادہ باتیں مت کرنا۔"

جب وہ چلے گئے تو یحیٰی انھیں دور تک گدھوں کی طرف چراگاہ میں جاتے دیکھتا رہا اور اس نے یہ بھی دیکھا کہ دونوں اس کے پانچوں آدمیوں سے باتیں کرتے جا رہے ہیں۔

یحیٰی نے آشوری سے پوچھا: "تم کو گھڑ سواری آتی ہے؟"

آشوری نے جواب دیا: "بہت اچھی، کیوں؟"

پھر یحیٰی نے یہی سوال روشنک اور تہمینہ سے کیا۔ "تم دونوں گھڑ سواری کر سکتی ہو؟"

دونوں نے جواب دیا: "نہیں، ہمیں گھڑ سواری نہیں آتی۔"

یحیٰی نے پوچھا: "پھر تم دونوں ہمارے ساتھ کس طرح چلو گی؟ یہاں نہ تو اونٹ ہیں کہ ان پر ہودج یا کجاوے کسے ہوں۔"

دونوں نے جواب دیا: "ہم گدھوں پر سفر کریں گے، آہستہ آہستہ۔ آپ بھی اپنے گدھوں کی رفتار تیز نہیں کریں گے۔"

یحیٰی نے آشوری کو الگ لے جا کے مشورہ کیا: "میں اپنے کسی بھی آدمی پر بھروسا نہیں کر سکتا۔"

آشوری نے پوچھا: "کیا کوئی خاص بات ہو گئی ہے؟"

یحیٰی نے جواب دیا: "خاص بات ہوئی نہیں، ہو سکتی ہے مجھ کو خطرے کی بو محسوس ہو رہی ہے۔"

آشوری نے پوچھا: "کسی وجہ سے یا ایسے ہی؟"

یحیٰی نے جواب دیا: "وجہ کوئی نہیں، بس میری ایک ایسی حس ہے جو مجھے خطرات سے قبل از وقت خبردار کر دیتی ہے۔"

آشوری نے اِدھر اُدھر دیکھا اور جواب دیا: "لیکن مجھ کو تو یہاں ایسی کوئی بات نظر نہیں آ رہی۔"

یحیٰی نے آشوری کو منع کیا: "اِدھر اُدھر مت دیکھو اور جو میں کہوں اس پر توجہ دے۔"

آشوری نے کہا: "ٹھیک ہے آپ کیا کہتے ہیں، کہیں۔"

یحیٰی نے کہا: "تم بوڑھے کاتب کو احتیاط میں لے اور اس سے کہہ کر وہ سفر کے لیے تیار رہے، میں اپنے جن آدمیوں پر سب سے زیادہ بھروسا کرتا ہوں ان کو اپنے ساتھ سامنے کی چراگاہ میں لے جاؤں گا۔"

آشوری پریشان تھا کہ یحیٰی کہنا کیا چاہتا ہے۔ پوچھا: "کیا آپ کھل کر بات نہیں کریں گے؟"

یحیٰی چڑچڑا ہو رہا تھا جھنجھلا کر بولا: "فی الوقت میں زیادہ کہہ سکتا ہوں۔ میں اپنے ساتھیوں کی مدد سے چند گھوڑے لے کر آتا ہوں ہم اپنے ساتھ جو کچھ لے جا سکتے ہیں اچانک لے کر روانہ ہو جائیں گے بقیہ کو ہمیں ان احمقوں میں چھوڑ دیں گے۔ آخر ان کا بھی تو کچھ حق ہے۔"

آشوری نے کہا: "یحیٰی سردار! میں نہیں جانتا کہ آپ ایسا کیوں کریں گے مگر آپ ایک بات میری بھی سن لیں۔"

یحیٰی نے کہا: "میرے پاس تیری بات سننے کا وقت نہیں ہے۔"

آشوری نے سرکشی اختیار کی: "اگر آپ کے پاس میری بات سننے کا وقت نہیں ہے تو ٹھیک ہے آپ جائیں۔ میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گا۔ ہم دونوں کے راستے جدا جدا ہیں۔ آپ اس اختلاف کی بنیاد پر چاہیں تو مجھے قتل کر دیں۔"

یحیٰی نے جواب دیا: "جو کچھ کہنا ہے جلد کہہ دے کیونکہ ہمارے پاس زیادہ باتوں کا وقت نہیں ہے۔"

آشوری نے کہا: "یحیٰی سردار! انسانی معاشرے میں چیزیں ملتی ہیں اور خریدی جاتی ہیں۔ لوٹ مار بھی ہوتی ہے مگر قابلِ اعتبار معاملہ یا سودا وہی ہوتا ہے جس میں خریدنے اور بیچنے والے کی آزادانہ مرضی شامل ہو اور..."

یحیٰی نے جھنجھلا کر بات کاٹ دی: "پھر وہی بکواس۔ جو کہنا

ہے جلدی کہہ دے، میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

آشوری نے کہا: "یہ آپ اپنے ساتھیوں کے خلاف مسلسل کارروائیاں کیوں کر رہے ہیں؟"

یحییٰ نے چراگاہ کے اس پار خیموں کی طرف اشارہ کیا: "اُدھر دیکھو، اُن خیموں کی طرف۔ وہاں خیمے تو ہیں لیکن آدمی ایک بھی نظر نہیں آتا۔ کیا یہ بات حیرت انگیز، چونکا دینے والی نہیں؟"

آشوری نے اس طرف دیکھا تو واقعی وہاں ایک آدمی بھی نہیں نظر آ رہا تھا۔

یحییٰ نے دوسری طرف اشارہ کیا: "اور اُدھر دیکھو۔ اس طرف اپنے آدمیوں کی طرف، وہ گدھوں کی طرف نہیں، خیموں کی طرف جا رہے ہیں۔"

آشوری نے اس طرف دیکھا، یہ بات بھی درست تھی۔

یحییٰ نے کہا: "یہی دو باتیں ہیں جو مجھے چوکنا کر رہی ہیں، اب تو میرا انتظار کر، میں گھوڑے لے کر آتا ہوں۔"

یحییٰ سردار اپنے دو آدمیوں کے ساتھ گھوڑے لینے چلا گیا۔

آشوری نے دوسرے قزاقوں کی طرف دیکھا، وہ باتوں میں مشغول تھے۔

آشوری نے بوڑھے کاتب سے کہا: "تجھ کو ہمارے ساتھ چلنا ہے تو تیار رہ۔"

بوڑھے کاتب نے پوچھا: "کیا تو ان سب سے الگ ہو جائے گا؟"

آشوری نے بھی جھنجھلا کر جواب دیا: "زیادہ باتیں نہ کر۔ بس تیار رہ۔"

اس کے بعد وہ روشنک اور تہمینہ کے پاس گیا: "تم دونوں بھی تیار رہو، ہم یہاں سے اچانک روانہ ہو جائیں گے۔"

روشنک اور تہمینہ تیار ہو کر بیٹھ گئیں لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس طرح آشوری کرنا کیا چاہتا ہے۔

آشوری نے دیکھا، یحییٰ سردار اور اس کے دونوں ساتھی دوڑتے ہوئے قریب ترین گھوڑوں کے پاس گئے۔ تینوں پر سوار ہو گئے اور تین کو اپنے ساتھ لیا اور انھیں دوڑاتے بھگاتے اپنے آدمیوں میں لے آئے۔

آشوری اور بڑے میاں کو حکم دیا: "روشنک اور تہمینہ کے ساتھ گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

یحییٰ اور اس کے دونوں ساتھیوں نے جلدی جلدی پوٹلیاں اور گٹھریاں اپنے گھوڑوں پر لادیں، خالی گھوڑے پر زیادہ گٹھریاں رکھیں اور باندھ دیں تھیں۔

دوسرے قزاق یہ منظر بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ وہ بالکل نہیں سمجھ سکے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟

ایک نے آگے بڑھ کے یحییٰ سے پوچھا: "یحییٰ سردار! یہ گھوڑے، یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "ہم حلب جا رہے ہیں۔ تم اپنے گدھوں پر حلب کی سرائے پہنچو، میں وہیں تم سب کا انتظار کروں گا۔"

معترض قزاق نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی: "اور یہ سامان، اسے بھی اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں؟"

یحییٰ کی نظر اچانک خیموں کی طرف گئی۔ خیموں سے آدمی نمودار ہوئے اور وہ تیز رفتاری سے چراگاہ کے گھوڑوں کی طرف دوڑ رہے تھے۔

یحییٰ نے آشوری سے کہا: "اگر دونوں لڑکیوں کا ساتھ لے چلنا آسان ہو تو ٹھیک ورنہ انھیں بھی یہیں چھوڑ اور ہمارے ساتھ اپنے گھوڑے کو دوڑا۔"

یحییٰ نے مزاحم قزاق کو لات مار کے گرا دیا اور اپنے دونوں ساتھیوں اور سامان سے بار گوتی گھوڑے کے ساتھ حلب جانے والے راستے پر روانہ ہو گیا۔

آشوری اور بوڑھے کاتب نے تہمینہ اور روشنک کو اپنے ساتھ گھوڑوں پر بٹھایا اور یحییٰ سردار کے پیچھے روانہ ہو گئے۔



طویل قطار لگی ہوئی تھی۔ ایک صاحب تشریف لائے اور سب سے آگے کھڑے ہو گئے۔ اُن سے کہا گیا کہ آپ پیچھے تشریف لے جائیں اور اپنی باری پر سامان خریدیں۔

اُن صاحب نے اپنا شناختی کارڈ نکالا اور کہا: "دیکھو، اس پر کیا لکھا ہے۔"

ڈپو کے منیجر نے دیکھا تو لکھا تھا: "حکومت کی خاص خدمات سرانجام دینے کے سلسلے میں ان صاحب کو اس بات کی خصوصی اجازت دی جاتی ہے کہ وہ قطار میں سب سے آگے کھڑے ہوں۔"

منیجر نے احترام سے کہا: "آپ اُس دوسری قطار میں کھڑے ہو جائیے جو اسی قسم کے لوگوں کے لیے ہے۔"

رئیس فروغ

جس طرف کوئی دریچہ نظر آجاتا ہے
اُس طرف ہم کوئی دیوار اٹھا لیتے ہیں

قزاقوں کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ لات کھانے والے نے اپنا سر پیٹ لیا۔ "وہ چلے گئے، وہ اپنے ساتھ ہمارے حصے کا مال و زر بھی لے گئے۔"

دوسرے قزاقوں نے پوچھا "یہ کہاں گئے ہیں؟"

کلہ خوردہ قزاق نے جواب دیا۔ "وہ ہمیں طلب کی سرائے میں بلا گئے ہیں۔ وہ اپنے ساتھ ہمارا حصہ بھی لے گئے۔"

موجود قزاقوں نے پوچھا۔ "لیکن یہ اس طرح بھاگنے کا مقصد؟"

لات کھایا ہوا قزاق پاگل ہو رہا تھا۔ "انھوں نے گدھوں کا بھی انتظار نہیں کیا، اپنے گدھوں کا اور دوسروں کے گھوڑے ہتھیا کر بھاگ گئے۔"

سارے قزاق ایک ہی سوال کر رہے تھے۔ "لیکن کیوں؟ انھوں نے ایسا کیوں کیا؟"

چوٹ کھائے ہوئے قزاق نے پاگلوں کی طرح سوال کرنے والوں کو مارنا شروع کر دیا۔ "میری بات ہی تمھاری سمجھ میں نہیں آتی، میں کہتا ہوں وہ دھوکے باز، خود غرض اور عیار سب دولت لے گیا، ہمارا حصہ بھی لے گیا۔"

چراگاہ میں دوڑنے بھاگنے والوں نے ایک ایک گھوڑے پر قبضہ کیا اور انھیں دوڑاتے ہوئے بقیہ قزاقوں کے پاس آئے، پوچھا۔ "یحییٰ سردار کہاں ہے؟"

قزاقوں نے انھیں غور سے دیکھا تو ان میں چند شناسا شکلیں بھی نظر آئیں۔ وہ اپنے ہی ساتھی تھے۔ زخمی سردار کے گروہ کے لوگ۔

ان آنے والوں نے بقیہ قزاقوں کو گھیرے میں لے لیا۔ "تم نے بتایا نہیں، یحییٰ کہاں چلا گیا؟"

کلہ خوردہ قزاق نے جواب دیا۔ "وہ بھاگ گیا۔ اپنے ساتھ دولت بھی لے گیا۔ سونا، چاندی، ہیرے، جواہرات سب کچھ اپنے ساتھ لے گیا۔"

سوال کرنے والے نے اس کے گال پر طمانچہ رسید کر دیا۔ "او غدار! میں پوچھتا ہوں وہ کہاں بھاگ گیا ہے؟"

یہ لوگ اتنے بدحواس تھے کہ سردار کے نائب شعیب کو بھی نہ پہچانا۔ یہ سوال کرنے والا شعیب تھا، سردار کا دوسرا نائب۔

پھر کئی قزاقوں نے اس کو پہچان لیا۔ لات کھایا ہوا بھی شعیب کو پہچان گیا۔ وہ شعیب کے گلے لگ گیا۔ "شعیب سردار! یحییٰ نے ہمیں دھوکا دیا۔"

شعیب نے اسے اپنے گلے سے دور کر دیا۔ "دھوکا صرف یحییٰ نے نہیں تم سب نے کیا ہے۔"

وہ خوشامد کرنے لگا۔ "شعیب سردار! کچھ تو انصاف کرو، وہ تو ہمارا حصہ بھی لے گیا۔"

شعیب نے جواب دیا۔ "دھوکا تم سب نے کیا ہے۔ تم سب یحییٰ کے مددگار تھے۔ اس وقت تم سب کو سردار کے سامنے پیش ہونا ہے۔"

سارے قزاق سہمے ہوئے تھے اور شعیب کو خوفزدہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

شعیب نے کہا۔ "تم سب آؤ میرے ساتھ۔"

وہ سب آپس میں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ سب سے زیادہ وہ پریشان کلہ خوردہ قزاق تھا۔ اس نے کہا۔ "لیکن ہمیں تو یحییٰ سردار نے کچھ بھی نہیں دیا، ہمیں کیوں پکڑتے ہو، جاؤ یحییٰ سردار کا پیچھا کرو۔"

شعیب نے جواب دیا۔ "اس کا پیچھا تو ہم دنیا کے آخری سرے تک کریں گے۔ فی الحال تو تم سب اس کے معاون و مددگار ہمارے ساتھ چلو۔"

شعیب اور اس کے ساتھیوں نے ان سب کو اپنی حراست میں لے لیا اور سردار کے پاس لے گئے۔

یہ رنگ برنگے خیمے نصف دائرے میں نصب تھے۔ ان میں سردار کا خیمہ درمیان میں تھا اور یہاں تک کسی کا پہنچنا بہت مشکل تھا۔ گروہ کے لوگ کسی قبیلے کے افراد کی طرح سردار کو اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے۔

زیرِ حراست قزاق ایک ایسی مصیبت میں گرفتار ہو چکے تھے جس میں وہ اپنا سب کچھ کھو کر زندگی کو بھی داؤ پر لگا چکے تھے۔ وہ آپس میں افسوس کر رہے تھے۔

"آخر یہ ہمیں شریف بننے کی کیا سوجھی کیا جو یحییٰ سردار کے آلۂ کار بن گئے اور اپنا سب کچھ کھو دیا اور اب جان کے لالے پڑے ہیں۔"

کسی نے کہا۔ "شرافت ہمیں راس نہیں آئی۔ یہی اپنا مقدر تھا۔"

ان کے ساتھی قزاق جو سردار کے ساتھ تھے انھیں حیرت اور افسوس سے دیکھ رہے تھے۔ ایک نے ان سے پوچھا بھی۔ "یہ کیا کیا تم لوگوں نے؟"

جب انھیں سردار کے سامنے پیش کیا گیا تو وہاں ان کے وہ ساتھی پہلے سے موجود تھے جو دو گدھے والوں کے ساتھ چوک میں گدھے لینے آئے تھے۔

سردار قالین پر گاؤ تکیے کے سہارے نیم دراز تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، شاید اس کا بایاں ہاتھ زخمی تھا جو شانے سے لگا ہوا تھا مگر جھول رہا تھا اور اس کی فربہی اور جسامت میں داہنے ہاتھ کی نسبت فرق آ گیا تھا۔

سردار نے انھیں غصے اور حقارت سے دیکھا۔ "تم نے

ایسا کیوں کیا؟“

وہ سب اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔

سردار کے غصے میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ”سنتا ہوں تم سب نے میری جگہ یحییٰ کو اپنا سردار مان لیا تھا!“

ان ہی کا ایک ساتھی وعدہ معاف گواہ بن گیا۔ ”میں سردار کے ہر سوال کا سچ جواب دوں گا بشرطیکہ مجھے معاف کر دیا جائے۔“

سردار نے اسے اپنے قریب بلا لیا۔ ”ہاں تو سچ سچ بتا، اصل معاملہ کیا تھا؟“

اس نے جواب دیا۔ ”اصل خرابی آشوری جوان کی وجہ سے پیدا ہوئی، وہ خود کو مسیحی کہتا تھا مگر میرا خیال ہے کہ وہ یہودی تھا کیونکہ اس کی سازشیں یہودیوں جیسی تھیں۔“

سردار نے پوچھا۔ ”میں نے سنا ہے کہ اس نے یحییٰ کو مشورہ دیا تھا کہ ہمارے درمیان عورتیں ہونا چاہئیں ان سے لوگوں کی کارکردگی پر اچھا اثر پڑے گا۔“

اس نے جواب دیا۔ ”ہاں اس نے یہ مشورہ بھی دیا تھا اور ایک بردہ فروش قافلے کی دو لڑکیوں کو حاصل بھی کر لیا گیا تھا۔“

سردار نے کہا۔ ”یہ یحییٰ کی زیادتی تھی۔ وہ بردہ فروش دمشق کے حاکم کا خاص آدمی تھا اور دمشق کا حاکم جو میرا دوست بھی ہے اپنے ایک عریضے کے ذریعے میرا شاکی ہے وہ مجھ سے دونوں لڑکیوں کی واپسی کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اب وہ دونوں لڑکیاں کہاں اور کس کے پاس ہیں؟“

اس نے جواب دیا۔ ”ان دونوں کو بھی یحییٰ سردار اپنے ساتھ لے گیا۔“

سردار نے پوچھا۔ ”اور وہ آشوری جوان جو تیرے بقول یہودی ہے، وہ کہاں ہوگا؟“

اس نے جواب دیا۔ ”یحییٰ سردار اسے بھی اپنے ساتھ لے گیا۔“

سردار کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ”یحییٰ سردار! وہ تیرا سردار کب سے ہو گیا؟“

اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ ”وہ سردار نہیں تھا لیکن اس نے جبراً خود کو ہم سب سے سردار کہلوایا۔ یہ لفظ ہماری زبانوں پر چڑھ گیا اس لیے غیر ارادی طور پر میری زبان سے یحییٰ سردار نکل گیا۔“

سردار نے کہا۔ ”وہ اکیلا تھا اور تم بہت سارے پھر مجبوری کیسی؟“

اس نے جواب دیا۔ ”گروہ کے بیشتر افراد یحییٰ کو اپنا سردار مان چکے تھے اگر میں ان کی مخالفت کرتا تو وہ مجھے قتل کر دیتے۔“

سردار نے کہا۔ ”وہ تو تیرا اقتدار ہے تو اس سے کب تک بچے گا۔“

وہ رو ہانسا ہو رہا تھا۔ ”سردار! میں وعدہ معاف گواہ بن چکا ہوں اس لیے مجھ کو معافی ملنی ہی چاہیے۔“

سردار نے جواب دیا۔ ”اس سلسلے میں میں نے تجھ سے کوئی وعدہ نہیں کیا اس لیے میں تیری اس حیثیت کو کس طرح تسلیم کر لوں؟“

دوسرے قزاقوں نے مل جل کے رحم کی درخواست کی۔ ”یہ ہم سب کی پہلی غلطی تھی اس لیے معاف کر دیا جائے۔“

سردار نے جواب دیا۔ ”میرا فیصلہ فطری اور حقیقی ہوگا۔ بس یوں سمجھ لو کہ جس طرح اللہ اور اس کی قدرت پہلی غلطی والے کو بھی معاف نہیں کرتی میں کس طرح معاف کر سکتا ہوں۔“

نمائندہ قزاق نے عرض کیا۔ ”آپ کہتے ہیں تو میں آپ کی بات مان لوں گا لیکن اللہ اور اس کی قدرت پہلی غلطی والے کو معاف کر دیتی ہے۔“

سردار نے کہا۔ ”ثابت کرو ورنہ میں تجھ کو سب سے پہلے اور اپنے ہاتھ سے قتل کر دوں گا۔“

اس نے ذہن اور حافظے پر بہت زور دیا مگر ثبوت میں کوئی دلیل نہیں لا سکا۔

سردار نے کہا۔ ”ایک شخص خودکشی کی خاطر ہلاہل زہر کھا

فضول ڈرامہ نگار

شیکسپیئر کو خود اپنے ڈراموں کی قدر و قیمت معلوم نہ تھی۔ ایک دن اپنی ساتھی میریا سے کہنے لگا۔ ”خدا کسی کو یتیم، بھدا، گنجا، مفلس، بے روزگار، ٹھکرایا ہوا، ناکام ایکٹر اور فضول ڈرامہ نگار نہ بنائے۔“ اس نے چند ڈرامے حکمرانِ تھامولی کو بھیجے جس نے انھیں ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ کسی درباری نے بھی انھیں پڑھنے کے لائق نہیں سمجھا۔ اس لیے جب شیکسپیئر مرنے لگا تو اس نے اپنی وصیت میں اپنے لباس اور بستر تک کا تذکرہ کیا لیکن اپنے قلمی شاہکاروں کا کوئی تذکرہ نہ کیا۔

فضل احمد کریم فضلی

جب اُن کو دیکھتا تھا تو ہوتے تھے وہ خفا
اب اور بھی خفا ہیں جو میں دیکھتا نہیں

حیرت ہے کس طرح انھیں معلوم ہو گئی
وہ بات آج تک جسے میں نے کہا نہیں

لیتا ہے اور نزع کے عالم میں اللہ سے خودکشی پر شرمندگی ہوتی ہے اور وہ اللہ سے کہتا ہے کہ یا اللہ یہ میری پہلی غلطی تھی معاف فرما دے تو کیا اللہ اسے معاف کر دے گا؟ ہرگز نہیں۔ اس کو مرنا ہوگا وہ مر جائے گا۔"

سبھی قزاق لاجواب ہو گئے۔

سردار نے پوچھا: "اور ان دونوں لڑکیوں نے جنگل کے ٹکڑے کر دیے ہوں گے؟"

نمائندہ قزاق نے زور و شور سے تائید کی: "بہت زیادہ۔ انہی دونوں نے ہمارے اتحاد اور نظم و نسق کو پارہ پارہ کر دیا۔"

سردار نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا: "افسوس کہ میں نے اپنے گروہ یا بستی میں کسی لڑکی یا عورت کو کبھی بھی نہیں رکنے دیا اور یحییٰ نے میرے آدمیوں کو اسی شر میں جکڑ دیا۔"

سردار نے اپنے نائب شعیب کو اپنے پاس بلایا اور کہا: "جشن کا اہتمام کیا جائے۔"

نائب شعیب نے جواب دیا: "اہتمام ہو چکا ہے بس آپ کی تشریف آوری کا انتظار ہے۔"

سردار نے حکم دیا: "مجھے اور ان سب کو باہر لے چلو۔"

شعیب نے سردار کو سہارا دے کر اٹھایا تو معلوم ہوا کہ اس کی ایک ٹانگ بھی زخمی ہے اور یہ گھوڑے کے گر جانے اور اس کے نیچے ٹانگ کے آجانے سے آیا تھا۔

زیر حراست قزاقوں کو گھیرے میں لے کر باہر چراگاہ کے کنارے لے جایا گیا۔

وہاں ایک قطار میں سردار کے ساتھی قزاق گھوڑوں پر سوار موجود تھے۔

سردار کو ایک اونچی جگہ پر پلنگ رکھ کر بٹھا دیا گیا۔ شاید اسے بخار بھی تھا اور اس کو ہوا سے بچایا جا رہا تھا۔

سردار نے اشارے سے شعیب کو قریب بلا کر حکم دیا: "منصوبے پر ترتیب وار عمل کیا جائے۔"

شعیب نے بلند آواز میں حکم دیا: "مجرموں کو گھوڑوں سے باندھ دیا جائے۔"

سردار کے ساتھیوں نے زیر عتاب قزاقوں کو گھوڑوں کے پچھلے پاؤں سے باندھنا شروع کر دیا۔

جب یہ عمل پورا ہو گیا تو سردار نے چلا کر حکم دیا: "گھوڑوں کو دوڑایا جائے۔"

اس حکم کے ساتھ ہی گھوڑوں نے چراگاہ میں دوڑنا شروع کر دیا۔ گھوڑوں سے بندھے قزاق چیختے چلاتے رہے اور پورا میدان ان کی چیخ پکار سے گونج گیا۔

سردار مسکراتا رہا اور پھر زور زور سے ہنسنے لگا۔

ان کے گھوڑے مسلسل دوڑتے رہے یہاں تک کہ ان کے اعضا ٹوٹ پھوٹ کر منتشر ہوتے گئے۔

کچھ دیر بعد سردار کو جھرجھری سی آئی۔ اس کو سردی لگ رہی تھی۔ اس نے چادر پر چند کمبل ڈلوا دیے اور شعیب سے کہا: "چلو، اپنے قلعہ میں واپس چلیں ... بہت دیر ہو گئی۔"

شعیب نے اپنے سردار کے ایما اور حکم پر خیمے اکھڑوانے شروع کر دیے اور چند گھنٹوں میں میدان ان سے خالی ہو گیا۔

ہلاک شدگان کے اعضاء اور ڈھانچے چراگاہ میں چھوڑ دیے گئے۔ کچھ دیر بعد وہاں چیل، کوے اور گدھ اترنے لگے۔

یحییٰ نے حلب کی سمت بھاگتے بھاگتے اچانک اپنا راستہ بدل دیا اور وہ مغرب کی جانب منبج پہنچنے کی کوشش کرنے لگے۔

اس کے ساتھی قزاقوں نے اس سے پوچھا: "یار ادھر آپ کہاں جا رہے ہیں؟ ادھر تو منبج ہے اور منبج پر مسیحی قابض ہو چکے ہیں۔"

یحییٰ نے جواب دیا: "بے وقوف! ہمارے لیے منبج سے بہتر پناہ گاہ نہیں۔ سردار وہاں نہیں پہنچ سکے گا کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ منبج کے مسیحیوں کے ہاتھوں زخمی ہوا ہے۔"

کئی گھنٹے بعد وہ سب ایک چھوٹے سے شہر میں داخل ہوئے۔ یہ آبادی شہر سے زیادہ قصبہ معلوم ہوتی تھی۔

آشوری بے حال ہو رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ روشنک کو دوسرے گھوڑے پر سفر کرایا جائے جبکہ بوڑھے کاتب کی خواہش تھی کہ اسے تہمینہ سمیت جدا ہو جانے کی اجازت دے دی جائے۔

یحییٰ نے اس بستی کی سرائے میں قیام کیا اور دو کوٹھریاں کرائے پر لے لیں۔

بستی کے اوپر ایک پہاڑی تھی اور پہاڑی پر بنا ہوا قلعہ معلق نظر آ رہا تھا۔ آشوری کو یہ قلعہ بہت اچھا لگا۔ اس نے روشنک کو کوٹھری میں چھوڑا اور یحییٰ سے کہا: "میں اس کو اندر سے دیکھنا چاہتا ہوں، کیا اجازت مل جائے گی؟"

یحییٰ نے جواب دیا: "ہاں، یہ قلعۃ النجم ہے اسے جبر منبج بھی کہتے ہیں۔"

سرائے والوں نے ان کے ساتھ دونوں لڑکیوں کو دیکھا تو ان کے گرد منڈلانے لگے۔

یحییٰ نے اپنے ساتھیوں کو لیا اور سرائے کے دو گدھوں پر اپنا سامان بار کر کے قلعۃ النجم روانہ ہو گیا۔ آشوری نے ان کے ساتھ چلنا چاہا مگر وہ ساتھ لے جانے پر آمادہ نہ ہوا۔

جب وہ چلا گیا تو اس کی عدم موجودگی میں وہاں کے عالم کا

آدمی آیا اور آشوری سے پوچھا۔ حاکم نے پوچھا ہے کہ تجھ کو یہ دونوں لڑکیاں کہاں سے ملیں؟"

آشوری نے جواب دیا۔ "تیرے اس سوال کا صحیح جواب یحییٰ سردار دے گا اور وہ عقرا ابنجم گیا ہوا ہے۔"

حاکم کے آدمی نے حیرت سے کہا۔ "وہ وہاں کیوں گیا ہے؟ وہ تو غیر آباد جگہ ہے۔"

آشوری نے جواب دیا۔ "تیرے اس سوال کا جواب بھی یحییٰ سردار ہی دے گا۔"

حاکم کے نمائندے نے اپنے ذہن پر زور دیا۔ "تیرا یحییٰ سردار کہاں کا سردار ہے؟"

آشوری نے پھر وہی جواب دیا۔ "تیرے اس سوال کا جواب بھی یحییٰ سردار ہی دے سکتا ہے۔"

حاکم کے نمائندے کو غصہ آگیا۔ "تو کون ہے جو اپنے سردار کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں؟"

آشوری نے جواب دیا۔ "میں اس کا ملازم ہوں اور ابھی پندرہ دن سے اس کے ساتھ ہوں۔"

حاکم کے آدمی نے کہا۔ "میں اس کا انتظار کروں گا۔ تیرا سردار یحییٰ وہ ڈاکو معلوم ہوتا ہے جس نے کچھ عرصہ پہلے بردہ فروشوں کی دو لڑکیاں چھین لی تھیں۔ ہمیں بغداد سے حکم آیا ہے کہ اس کو پکڑا جائے اور دونوں لڑکیاں برآمد کی جائیں۔"

آشوری کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور اسے یقین ہوگیا کہ یحییٰ اور ان لڑکیوں کے ساتھ وہ بھی پکڑا جائے گا اور قزاقی کے جرم میں یحییٰ کے ساتھ وہ بھی سزا بھگتے گا۔

حاکم کا آدمی باہر چبوترے پر بیٹھ گیا۔ وہ یحییٰ کا انتظار کر رہا تھا۔

سرائے والے بھی بار بار حاکم کے آدمی سے طرح طرح کے سوال کر رہے تھے۔

جب یحییٰ کے آنے میں دیر ہوئی تو حاکم کے آدمی نے پوچھا۔ "کہیں تیرا سردار حاکم کے بلاوے کی خبر سن کر فرار تو نہیں ہوگیا؟"

آشوری نے جواب دیا۔ "وہ ایک بہادر انسان ہے اس لیے فرار نہیں ہوگا۔"

لیکن دل میں آشوری یہی سوچ رہا تھا کہ شاید یحییٰ معاملے کی نوعیت سے آگاہ ہو کر فرار ہوگیا ہے۔

شام سے ذرا پہلے یحییٰ سردار [illegible] گیا۔ اس کے دونوں آدمی اس کے ساتھ نہیں تھے۔

آشوری نے ان دونوں کے بارے میں پوچھا۔ "وہ کہاں ہیں؟"

ایک محفل میں ایک صاحب نے ایک حسین و جمیل دوشیزہ سے بے تکلف ہوتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ مجھے اپنا ٹیلی فون نمبر دینا پسند کریں گی؟"

لڑکی بولی۔ "وہ آپ کو ڈائریکٹری سے مل جائے گا۔"

"لیکن محترمہ آپ کا نام کیا ہے؟" ان صاحب نے پوچھا۔

"وہ بھی آپ کو ڈائریکٹری سے مل جائے گا۔" لڑکی نے جواب دیا۔

مرسلہ: حسن نقوی کی شوخی

یحییٰ نے جواب دیا۔ "وہ دونوں یہاں کے اس جتھے میں شامل ہو گئے ہیں جو صلیبیوں سے جہاد کرنے بھیج جا رہا ہے۔"

حاکم کا آدمی دونوں کے سامنے کھڑا ہوا اور یحییٰ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ "یہی تیرا یحییٰ سردار ہے؟"

آشوری نے جواب دیا۔ "ہاں یہی تو ہے یحییٰ سردار ہے۔" اور یحییٰ سے کہا۔ "یہ یہاں کے حاکم کا آدمی ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔"

یحییٰ نے اس کو جواب دیا۔ "میں تیرے حاکم سے مل کر آیا ہوں۔ اب تو جا سکتا ہے۔"

حاکم کا آدمی کہنے لگا۔ "سردار! تم میرے ساتھ چلو کیونکہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تم کو اپنے ساتھ لے کر آؤں۔"

لیکن اسی وقت سامنے سے شہر کا حاکم آگیا۔ اس کا آدمی حاکم کو سامنے دیکھ کر کھڑا ہوگیا۔

حاکم گھوڑے پر سوار تھا۔ اس کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ یحییٰ سردار نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور کہا۔ "میں تو خود ہی حاضر ہونے والا تھا۔"

حاکم بہت جلدی میں تھا۔ اس نے پوچھا۔ "دونوں لڑکیاں کہاں ہیں؟"

یحییٰ حاکم کو دونوں لڑکیوں کے پاس لے گیا اور کہا۔ "دونوں حاضر ہیں۔"

حاکم بھی بے چین تھا، کہنے لگا۔ "میرے پاس ان دونوں لڑکیوں کے سلسلے میں بغداد سے سخت حکم آیا ہے۔"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "آپ نے جو کچھ فرمایا وہ درست ہے۔ میں تو ان لڑکیوں کو آپ کے حوالے کرنے آیا تھا۔"

حاکم نے کہا۔ "ان دونوں کے ساتھ تجھ کو بھی بغداد جانا ہوگا۔" پھر اس کی نظر آشوری پر پڑی جو بڑے سکون سے کھڑا تھا۔ پوچھا۔ "یہ دونوں کون ہیں؟ تیرے ساتھی ہیں تو انہیں بھی بغداد لے جا۔"

یحییٰ نے عرض کیا۔ "جب میں خود ہی دونوں لڑکیوں کو آپ کی خدمت میں لایا ہوں تو اب آپ مجھ کو بغداد کیوں بھیجیں گے؟"

حاکم نے جواب دیا۔ "یہ بغداد کا حکم ہے۔ تُو قزاقوں کا سردار ہے وہاں تجھ پر قزاقی کا مقدمہ چلے گا۔"

یحییٰ نے حاکم سے درخواست کی۔ "آپ گھوڑے سے نیچے تو آئیں، آپ میری بات تو سنیں۔"

حاکم گھوڑے سے نیچے آ گیا اور کہا۔ "ہاں بتا کیا کہنا چاہتا ہے تُو؟"

یحییٰ اس کو ایک طرف لے گیا اور سرگوشی میں سمجھانے لگا۔ "میں ان دونوں کو آپ کے پاس بطورِ خاص لایا تھا۔ آپ میری بات غور سے سنیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔"

حاکم نے کہا۔ "میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے، بتا کیا کہنا چاہتا ہے تُو؟"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "یہ درست ہے کہ میں قزاق ہوں، قزاقوں کا سردار ہوں لیکن یہ غلط ہے کہ میں نے ان لڑکیوں کو بردہ فروشوں سے چھینا تھا۔ یہ کام سردار نے کیا تھا، میں نے اس کو ایسا کرنے سے منع بھی کیا تھا لیکن وہ نہیں مانا۔ آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس پیشے ہی کو چھوڑ دیا جائے۔ اور میں نے اپنے فیصلے پر اس طرح عمل کیا کہ دونوں لڑکیوں کو لے کر یہاں آ گیا۔ ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ میں ایک ایسے شریف انسان کی تلاش میں تھا جس کے حوالے دونوں لڑکیاں کر دی جائیں اور وہ انھیں دمشق یا بغداد روانہ کر دے۔ پھر میں نے بہتوں سے آپ کی تعریفیں سنیں۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ آپ نہایت دیانت دار اور شریف حاکم ہیں۔ میں دونوں لڑکیوں کو آپ کی خدمت میں پیش کرنے آیا۔"

حاکم نے کہا۔ "لیکن میں مجبور ہوں میں ان دونوں کو بغداد بھیجنے پر مجبور ہوں۔"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "آپ مجبور نہیں ہیں، آپ لاکھ دیانت دار اور شریف سہی لیکن آپ کو کبھی کبھی وہ کام بھی کرنے چاہئیں جو صرف امرا اور حکام ہی کو زیب دیتے ہیں۔"

حاکم سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔ "یعنی؟ بات ذرا صاف کر۔"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "میں نے قزاقوں میں رہ کر جو گناہ کیے ہیں ان کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ میں دونوں لڑکیوں کو آپ کے حوالے کر کے جہاد میں حصہ لینا چاہتا ہوں۔ میں عیسائیوں سے جہاد کروں گا اور اگر اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا تو سمجھوں گا کہ میرا گناہ قبول ہوا۔"

حاکم نے پوچھا۔ "پھر میں کیا کروں؟ میرا اس سے کیا تعلق؟"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "آپ ان دونوں لڑکیوں کو اپنے پاس رکھیں اور بغداد کو یہ نہ بتائیں کہ میں نے انھیں آپ کے حوالے کر دیا ہے۔ واللہ! دونوں اس لائق ہیں کہ آپ کے حرم کی زینت بنیں۔ آپ ان دونوں سے لطف اندوز ہوں اور جب جی بھر جائے تو انھیں فروخت کر دیں۔"

حاکم نیم دل ہو گیا۔ "اور اگر کسی نے یہ خبر بغداد پہنچا دی تو؟"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "کون پہنچائے گا یہ خبر بغداد۔ آپ اس پر زیادہ نہ سوچیں اور میری اس پیش کش سے فائدہ اٹھائیں۔"

حاکم نے پوچھا۔ "اور تُو جہاد پر کب روانہ ہو گا؟"

یحییٰ نے جواب دیا۔ "قصبے کا وہ جتھا جو جہاد پر جانے کی تیاری کر رہا ہے اس میں، میں بھی شامل ہو جاؤں گا۔"

حاکم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اچھا ٹھیک ہے۔ ان دونوں کو رات میں پہنچا دینا۔ میں اس جہادی جتھے کو روانگی سے قبل پھولوں کے ہار پہناؤں گا۔ اللہ تیری توبہ قبول کرے، ایک ہار تیرے گلے میں بھی ڈالوں گا۔"

حاکم خوش خوش واپس چلا گیا۔ آشوری اور بوڑھے کاتب کو کچھ پتا نہ تھا کہ یحییٰ اور حاکم میں کیا باتیں ہوئیں۔

دونوں کی عدم موجودگی میں یحییٰ نے تہمینہ اور روشنک کو سمجھایا۔ "میں فی الحال تم دونوں کو شہر کے حاکم کے پاس امانتاً چھوڑ دوں گا۔ پھر جیسے ہی رہنے سہنے کا انتظام کر لوں گا، تم دونوں کو واپس لے جاؤں گا۔"

رات کے اندھیرے میں حاکم شہر سرائے میں خود آیا اور دونوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔

دوسرے دن صبح شہر کا جہادی جتھا منبج جانے کے لیے تیار تھا۔ اس میں یحییٰ بھی شامل ہو گیا۔ آشوری اور بوڑھا کاتب دونوں ہی تہمینہ اور روشنک کو اپنے ساتھ نہ دیکھ کر پریشان تھے اور جب انھوں نے یحییٰ کو جہادی جتھے میں کھڑے دیکھا تو اور حیرت ہوئی۔ کچھ دیر بعد حاکم شہر آیا اور ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالنے لگا۔ ایک ہار یحییٰ کے گلے میں بھی ڈال دیا گیا۔

کہانی کے تاریخی پس منظر کے مآخذ

فلسطین و شام	معجم البلدان	تاریخ لبنان	تاریخ شام	سلاجقہ	نظام الملک طوسی
محمد قاسم شیخ	یاقوت حموی	فلپ حتی	فلپ حتی	مولانا مسعود ندوی	مولانا عبدالرزاق کانپوری